وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین فیہ آیات بینات مقام ابراہیم ومن دخلہ کان آمنا

اَلرَّشِید

تو نے بکھرے موتیوں کو آج یکجا کر دیا پس تو یہ ہے بند اک کوزے میں دریا کر دیا

ناز جتنا بھی کریں تجھ پہ وہ کم ہے الرشید تو نے ذروں کو ستاروں سے شناسا کر دیا

تو نے ہر دل میں سجایا نقشہ دار العلوم

ہر نظر میں تو نے اس کا نقش پیدا کر دیا

(شریف شیوہ)

رشیدؒ

خاکِ گنگوہ را نوید ست رشید گنجینۂ خضر را کلید ست رشید

امداد اللّٰہ مہاجر مکی را اللّٰہ اللّٰہ عجب مرید ست رشید

(مولانا گرامیؒ)

سرپرست: حضرت الحاج حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

الرشید

جلد ۱۱ — نومبر ۱۹۸۲ء

شمارہ ۱۰ — محرم ۱۴۰۳ھ

مدیر اعلیٰ: فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر: عبدالرشید ارشد

مقام اشاعت: ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

سالانہ چندہ: ۲۰/- روپے
فی شمارہ: ۲/- روپیہ

پرنٹر: منہاج الدین اصلاحی، شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

خطاط: حزب اللہ خالد

آئینہ مضامین

فاضل حبیب اللہ رشیدی
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

افتتاحیہ

فاضل رشیدی

الرشید کا گیارھواں سال

؎ میری انتہائے نگارش یہی ہے ۔۔۔ تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

▲ بحمد اللہ وبفضلہ "الرشید" اپنے دس سالہ دور سے گذرتے ہوئے گیارھویں سال میں گامزن ہو رہا ہے۔ "الرشید" ملک و ملت کا مجاہد مجلۂ حق، علماء دیوبند کا نقیب، مسلکِ حقہ اہلِ سُنّت والجماعت کا داعی، دینِ اسلام کا مُبلغ، جامعہ رشیدیہ کا ترجمان وفاق المدارس العربیہ کا نمائندہ اور اسلامی نظامِ تعلیمات کا حامی و ساعی ہے۔

▲ "الرشید" اولاً دار العلوم دیوبند سے منصۂ شہود پر آیا تھا۔ اور رشد و ھدایت کا تحریری فریضہ سرانجام دیتا رہا۔ ہمارے اکابر نے جس نام کو اپنایا تھا اسی نام سے جامعہ رشیدیہ نے اپنا جریدہ شروع کیا جو بحمد اللہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا کام کر رہا ہے!
عصرِ حاضر کے فتنوں میں "قلم درکفِ دشمن است" لاہور تو خیر لاہور ہے، پنجاب میں مدعیانِ نبوت کا ذبہ کے ایک مرکزی قصبہ سے متعدد اخبارات و رسائل و جرائد شائع ہوتے ہیں۔ لاہور اور کراچی وغیرہ سے لادین نظریات اور بددین عقائد و فحش لٹریچر کی اشاعت اسقدر زیادہ ہے کہ:

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں ۔۔۔ محوِ حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

اس لئے ضروری ہے کہ جملہ مدارسِ عربیہ خصوصاً فوقانی جامعات و دار العلوم کم از کم ایک ایک ماہنامہ کی اشاعت کا اہتمام ضرور کریں۔ جبکہ ملک میں نئی نبوت، جدید اسلام اور اسلام کی نت نئی تعبیرات پھیلائی جا رہی ہیں۔ ان تمام "قلمکار فتنوں" کے مقابلہ کے لئے ہر ادارہ کو اپنے میزانیہ میں تبلیغِ دین، اشاعتِ اسلام کا حصہ ضرور شامل کرنا چاہیئے۔

▲ متحدہ ہندوستان میں ادارہ کا مرکز رائے پور ضلع جالندھر (پنجاب) تھا۔ جو دار العلوم دیوبند کے نصابِ تعلیمات کے مطابق کام کر رہا تھا جس کے مؤسسِ اوّل حضرت مولانا رشید احمدؒ محدث گنگوہی کے خلیفۂ ارشد حضرت مولانا حافظ الحاج محمد صالح رائپوریؒ تھے۔ بانی مدرسہ رشیدیہ کا ذکرِ صالح "تذکرۃ الرشید" میں موجود ہے۔ اس مرکزی ادارۂ رشیدیہ سے ایسے حضرات و افراد پیدا ہوئے جو اپنی ذات میں خود انجمن تھے خصوصاً حضرت مولانا رشید احمد سنگھؒ بانی جامعہ سلفیہ مدینہ منورہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رئیس الاحرار، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ بانی خیر المدارس، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ (مجلس تحفظ ختمِ نبوت) حضرت مولانا محمد انوریؒ (فیصل آباد)، حضرت مولانا عبد الجبار حصارویؒ (شیخ دار العلوم دیوبند) حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی [illegible]

جناب مولانا معقانی، ہوشیار پوری رحمہم اللہ۔ ؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا ....

▲ تقسیم ملک و ہجرت کے بعد اکابر رائپوری حضرات خصوصاً حضرت مولانا فضل احمدؒ مہتمم اول حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ اور حضرت مولانا الحاج عبد العزیز مدظلہ سرپرست جامعہ کے ایماء و حکم سے راقم آثم ناظم نے اس کی "نشاۃ ثانیہ" جامعہ رشیدیہ کے نام سے کی۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ولا فخر ۔ واما بنعمۃ ربک فحدث۔

▲ ادارہ جامعہ رشیدیہ نے ۱۹۴۸ء سے تعلیم و تربیت کے کام کا آغاز کر دیا تھا... ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں تحفظ ختم نبوت کے جہاد میں جامعہ کا کردار ملک بھر میں منفرد تاریخ کا حامل ہے۔ بقول آغا شورش مرحوم "ختم نبوت کی تحریک میں اگر مورخ جامعہ رشیدیہ کا تذکرہ نہ کرے تو تاریخ تشنہ تکمیل رہے گی"۔ تحریک ختم نبوت میں جامعہ کی تعمیری جائیداد ضبط اساتذہ و طلبہ نے منٹگمری/ساہیوال جیل سے ملتان، میانوالی و کامل پور کی جیلوں کو اپنا مستقر بنایا۔ (دیکھو: منیر انکواری رپورٹ)

ان فی ذالک لعبرۃ لمن کان لہ قلب

○ سخت ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے ارشد محسن کا ذکر رشید نہ کریں۔ برادر محترم مولانا حافظ الحاج عبد الرشید ارشد جالندھری المکتبہ رشیدیہ لاہور نے ادارہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے "الرشید" کا احیاء و اجراء کرایا۔ اگر ارشد محترم ہماری حوصلہ افزائی نہ فرماتے تو ہم شاید اتنی منازل طے نہ کر سکتے۔ حافظ ارشد مکرم نے "بیس بڑے مسلمان" کے بعد الرشید کا خصوصی شمارہ "دارالعلوم دیوبند نمبر" جس محنت و جانفشانی، عرق ریزی اور مسلسل سعی اور پوری جد و جہد سے شائع کرایا وہ آپ ہی کا حصہ ہے:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند، فجزاھم اللہ احسن الجزاء

▲ ادارہ جن مشکلات و موانعات میں کام کر رہا ہے وہ ہمارا علام الغیوب ہی جانتا ہے اور صرف اللہ کے فضل و کرم اور محض اسکی عنایات سے ہم چل رہے ہیں ورنہ ؎ شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا۔

حضرات و احباب کی خدمت میں ادعیہ صالحہ اور تعاون کی درخواست ہے کہ ادارہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے ادارہ کی مطبوعات خصوصاً دارالعلوم دیوبند نمبر، تاریخ دارالعلوم دیوبند نمبر، مدنی و اقبال نمبر اور بیس بڑے مسلمان، کاروان اسلام کی اشاعت میں حصہ لیں۔ انشاء اللہ ہم اپنا علمی و عملی کام ہجانی و قلمی جہاد محراب و منبر سے وا اور درس تک جاری رکھیں گے۔

؎ دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بجاناں، یا جاں ز تن برآید

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ اللھم انصر من نصر الدین واجعلنا منھم واخذل من خذل الدین

باقی ص۔ پر

محمد امین

راشدات　　　　　　　　　　　　　　　　　　ادارہ

سالانہ
مؤتمرِ رشیدیہ

امن وامان کی اہمیت وافادیت ہر دور میں تسلیم کی گئی ہے یہاں تک کہ جابر وظالم بادشاہ ومطلق العنان حکمران بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ملک میں فضا پرسکون ہے اسوقت تک ہماری شہنشاہیت وبادشاہت قائم رہی گی تاریخ شاہد ہے کہ ظلم واستبداد کی چکی میں پسنے والی قوموں نے آخر کار ظلم وستم کے سامنے سینہ سپر ہوکر عفریت قہاریت کا مقابلہ کر کے جبل استبداد کو مسمار کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

دور حاضر میں اخبارات ورسائل کی ورق گردانی سے تلخ حقیقت وتکلیف دہ خبریں جو سامنے آتی ہیں وہ انسانی خون کی ارزانی ہے۔ دنیا میں انسانیت کی قیمت ختم ہوتی جارہی ہے۔ لبنان میں اسرائیلی درندگی جبینِ انسانیت پر بدنما داغ ہے تو افغانستان میں روسی جارحیت ننگِ آدمیت ہے۔ اسرائیل وروس نے بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں جس انداز سے بکھیری ہیں وہ سب پر عیاں ہیں۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یو۔این۔او کی افادیت ختم ہوچکی ہے۔ ایک نظریاتی مملکت میں بدامنی بے اعتمادی قتل وغارت گری کا دور دورہ اس مملکت کی بنیادیں کمزور کرنے کی طرف اولین قدم ہے بلکہ خطرناک ترین صورت ہے خداداد مملکت پاکستان میں اس قسم کی فضا جہاں انسانیت کے نام پر عار ہے وہاں اسلامی قوانین وحدود ذمن میں حیاتِ انسانی پنہاں کا بدترین استہزاء ہے۔ اس صورتحال پر قابو پانے کے لئے اور ملک میں پُرسکون فضا قائم کرنے اور عوام کا اعتماد بحال کرنے کے لئے ہمارے خیال میں اصلاح معاشرہ کی سب سے زیادہ اور وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اور اصلاح معاشرہ کیلئے علوم دینیہ کتاب وسُنت کی تعلیمات کی اشاعت کی　　　پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ ان افراد اور گروہ اور جماعتوں پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے اور بلکہ ان کا مکمل محاسبہ اور سرکوبی کرنی چاہیئے جو عوام میں خوف وہراس، افراتفری، بدامنی، ناچاقی ونااتفاقی کی فضا قائم کرنے میں مصروف ہیں اور ایسی تمام فتنہ انگیز جماعتوں پر مکمل پابندی ہونی چاہیئے تاکہ وہ اپنے غلط وگمراہ کن عقائد ولٹریچر کی ترویج نہ کرسکیں۔ کیونکہ اسلامی آئین کی رُو سے اسلامی مملکت میں ان لوگوں کو جینے کا حق تو ہے مگر اپنے نظریات کی تبلیغ واشاعت کا قطعاً کوئی حق نہیں۔

بفضل ایزدی دارالعلوم جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال اپنے بنیادی اور عظیم مقاصد (نظریہ توحید خالص، پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ، عقیدہ ختم نبوت وحجیت حدیث، استحکام پاکستان بإسلامی نظام تعلیم، اتحاد بین المسلمین واصلاح معاشرہ

تعلیم و تبلیغ و تربیت و تزکیہ اخلاق، ترغیب جہاد، کلمۂ حق ")) کے لئے ایک عرصۂ دراز تقریباً بیاسی برس سے مصروف عمل ہے۔ جامعہ میں جہاں تعلیم و تدریس کے ذریعہ ان مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے میں سعی و کوشش ہو رہی ہے وہاں مختلف اوقات میں عام اجلاس کی صورت میں اشاعت اسلام اور تبلیغ و تعلیم دین کے لئے سعی تمام کا سہرا بھی جامعہ کے سر بندھا ہے۔

حسب روایات سابقہ امسال ۳۱واں تبلیغی، اصلاحی، تعلیمی سالانہ اجلاس مورخہ ۲۳، ۲۴، ۲۵ ستمبر مطابق ۴، ۵، ۶ ذوالحجہ کو منعقد ہوا جس کی ابتداء ۲۳ ستمبر بروز جمعرات بعد از نماز عشاء بصدارت چوہدری محمد نواز صاحب ممبر مجلس شوریٰ پاکستان، حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری ناظم اعلیٰ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان کے ایمان افروز بیان سے ہوئی۔ مولانا موصوف نے فتنہ قادیانیت پر مختصر وقت میں اپنے بلیغانہ اور عام فہم انداز میں بیان فرمایا اور مرزائیت کے خطرناک عزائم کو آشکار فرمایا۔

بعد ازیں حضرت مولانا محمد رفیق صاحب جامی فیصل آباد نے اصلاح معاشرہ کی افادیت کو قوم کے سامنے رکھا۔

حضرت مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب نے اسوۂ رسول و اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مفصل و مدلل بیان فرمایا۔

حضرت مولانا قاری عبدالحی صاحب عابد نے سیرت عائشہ صدیقہؓ کو اپنے مخصوص اور مسحور کن انداز میں بیان فرمایا۔

بعد ازیں صاحب صدر کے صدارتی خطاب کے بعد دعاء پر یہ نشست اول اختتام پذیر ہوئی۔

۲۴ ستمبر بروز جمعہ!

ظلمت شب صبح صادق طلوع ہونے سے چھٹی۔ دنیا پر ضیاپاشی ہونے لگی فضا اذانوں سے گونجنے لگی آج کی صبح بعد از فراغت صلوٰۃ الفجر مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑہ نے مقام امام اعظم ابوحنیفہؒ پر درس قرآن دیتے ہوئے یوم کے اجلاس کا افتتاح کیا۔

پاکستان کی اس معروف دانشگاہ، علمی مرکز کی نشاۃ ثانیہ کے بعد آسمان علم کے درخشندہ ستارے معروف علمی شخصیات اکابر ملت و بزرگان دین اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرزمین جامعہ رشیدیہ کو مشرف کرتے رہے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

نسیم صبح کے خوشگوار جھونکے آج کسی کی آمد کا مژدہ جانفزا سنا رہے تھے۔ درس قرآن کے بعد مسجد سے باہر نکلتے ہی خدام رشیدیہ و کارکنان مدرسہ نے اپنی آنکھوں کو جس بزرگ ہستی کی زیارت سے ٹھنڈا کیا۔ وہ "ملت کی آبرو جن اسلام کی آن" حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی تھے جنہوں نے آج اس خطۂ ارض جامعہ رشیدیہ کو اپنے مبارک قدموں سے نوازا۔ بعد ازیں دوپہر کے قریب بقیۃ السلف قطب دوراں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائپوری مدظلہٗ خلیفہ خاص حضرت رائپوری باوجود ضعف و پیرانہ سالی کی بیماری کے ہم حاضرین کی سرپرستی کے تشریف لائے جبکہ حضرت مولانا عبدالحمید صاحب جہادوریاں پہلے ہی تشریف لا چکے تھے۔ لوگ اذان جمعہ کے بعد مسجد جامعہ رشیدیہ کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے۔

بعد از ادائے صلوٰۃ جمعہ اجلاس منعقد ہوا جس میں ان تینوں بزرگان دین کے علاوہ دیگر بزرگ حضرت شیخ نفیس الحسینی صاحب لاہور، حضرت مولانا ولی محمد صاحب فاضل دار العلوم دیوبند ہڑپہ، حضرت مولانا پیر جی ولی محمد صاحب کمالیہ، ابن امیر شریعت حضرت مولانا ابو معاویہ ابو ذر بخاری، جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب رائپوری اور علماءِ کرام کی ایک بڑی جماعت سے سٹیج پر عجیب منظر اور پُر انوار و برکات، رُوح پرور اور ایمان افروز سماں تھا۔.....

حضرت درخواستی مدظلہ، حضرت رائپوری مدظلہٗ نے اپنے دست مبارک سے فضلاءِ رشیدیہ حفاظ، قراء اور ترجمہ و تفسیر قرآن سے فارغین کی ایک بہت بڑی جماعت کی دستار بندی کرائی اور حضرت درخواستی نے اپنے ملفوظاتِ عالیہ سے قلوب کو منور فرمایا۔

بعد عشاء اجلاس میں

تلاوت : حضرت قاری محمد عبد اللہ صاحب مدرس جامعہ انوریہ ساہیوال

نعت : حافظ محمد شریف منچن آبادی، مرزا غلام نبی جانباز اور سائیں عنایت پسروری

تقاریر : مولانا کرم الٰہی فاروقی صاحب چیچہ وطنی، مولانا قاری محمد حنیف صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان مولانا محمد لقمان صاحب علی پوری اور حضرت مولانا سید عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری۔ دعا و اختتام جلسہ۔

۲۵ر ستمبر بروز ہفتہ :

درس قرآن بعد از فجر درسِ قرآن حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب نعمانی مہتمم مدرسہ عربیہ اسلامیہ بوریوالہ نے اسوۂ خلیل اللہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موضوع پر دیا۔

نشست قبل از دوپہر :

تلاوت : طلباء رشیدیہ نعت : حافظ محمد اکرم اوکاڑہ

تقاریر : مولانا عبد الستار صاحب وہاڑی، مولانا محمد مہر صاحب میاںوالی، مولانا محمد یوسف صاحب رحمانی لودھراں۔

نشست بعد نمازِ ظہر :

تلاوت کے بعد حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب شجاع آبادی نے تقریر فرمائی۔

بعد ازاں مہمان خصوصی جناب ملک محمد جہانگیر صاحب ڈپٹی کمشنر ساہیوال تشریف لائے ان کی صدارت میں قاری عبد الغنی صاحب خطیب جامع مسجد غلہ منڈی نے تلاوت کی اور حافظ محمد شریف نے منظوم پیغام جہاد سنایا اور حضرت مولانا سیف اللہ خالد صاحب خطیب اسلام آباد نے بیان کیا۔ صدر محترم اور میاں نذیر احمد صاحب نے حفاظ و قراء کو انعامات تقسیم فرمائے۔ بعد ازاں جناب ڈپٹی کمشنر صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا اور جامعہ رشیدیہ نمبر ۲ میں لائبریری اور درس گاہوں کا معائنہ فرما کر بڑی خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے دعائیہ کلمات سے نوازا اور کتاب الآراء میں اپنی رائے قلمبند فرمائی۔ جو حسب ذیل ہے :

" آج سالانہ جلسہ تقسیم اسناد کے سلسلہ میں مجھے اس درسگاہ رشیدیہ ساہیوال میں طلب کیا گیا۔ مجھے یہاں آکر جو روحانی اور دلی خوشی ہوئی۔ اس کا ذکر الفاظ کی بندش میں لایا نہیں جا سکتا۔ جو کاوش بچوں کے صحیح مسلمان بننے اور بنانے میں کی جا رہی ہے اس کے لئے میری دعا ہے کہ رب العزت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس کاوش کے نتیجے میں دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائیں آمین ثم آمین۔

ملک جہانگیر خان ڈپٹی کمشنر ساہیوال

صاحب صدر مہمانِ معظم کے بعد مولانا عبید الرحمٰن صاحب ضیاء کمالیہ نے اپنے مخصوص انداز میں سامعین کو محظوظ کیا۔

آخری نشست بعد از نماز عشاء:

صدارت : شیخ محمد صدیق صاحب و شیخ عبد الحفیظ صاحب شیخ اینڈ کمپنی غلہ منڈی ساہیوال

تلاوت : استاذ القراء حضرت مولانا قاری حسن شاہ صاحب لاہور

نظم و نعت : جانباز مرزا ، حافظ محمد شریف منچن آبادی ، صوفی محمد حنیف جالندھری ، حافظ محمد اکرم

تقاریر : مولانا اختر کاشمیری صاحب لاہور　　مولانا زاہد الراشدی صاحب گوجرانوالہ

مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب فاروقی سمندری　　مولانا محمد سلیمان صاحب طارق جہانیاں

مولانا امداد الحسن صاحب نعمانی فیصل آباد　　مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی

دعاءِ خیر و اختتام جلسہ رشیدیہ

بقیہ : اِفتتاحیہ

ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین ٥ فاطر السمٰوٰت والارض انت ولینا فی الدنیا والآخرۃ توفنا مسلما والحقنا بالصالحین۔ رب الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث یا مظہر العجائب بالخیر یا بدیع ٥　　ایں دعا از من و ز جملہ جہاں آمین باد

کیا درود و سلام کا یکجا پڑھنا ضروری ہے؟

از : حضرت علامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کی بڑی فضیلت وبرکت ہے علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس کے فضائل و اثرات کی کوئی حد مقرر نہیں، جتنا اخلاص و محبت زیادہ ہوگا کیفیات بڑھتی جائیں گی اور اجر وثواب بھی اس کے مطابق ہی بڑھتا جائیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی شرط اول ہے اور مومن درود و سلام اور تعظیم واحترام کی راہوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وہ دولت پاتا ہے کہ پھر آپ کی اطاعتِ صادقہ اس کے لئے شریعت نہیں طبیعت بن جاتی ہے۔ پھر درود شریف کے اپنے پیرائے اور اپنے آداب ہیں اور قرآن وحدیث کی روشنی کے بغیر کوئی اس روحانی میدان میں نہیں چل سکتا۔ بدعات کے اندھیرے اس راہ کے کانٹے ہیں ان کی ظاہری رونق درود و سلام کی حقیقی برکت اور باطنی رونق سے محروم کر دیتی ہے۔

ابھی پچھلے دنوں کسی نے بات چلادی کہ نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنا مکروہ ہے۔ بے تکی بات بڑی تیزی سے پھیلتی ہے پھر ایسے ماحول میں جہاں مادیت کے دبیز پردے دینی لطافتوں پر ہر طرف سے ڈھل چکے ہوں، اس قسم کی باتیں جلتی پر تیل کا کام دیتی ہیں۔ علماء سو نے اس مسئلہ کو یہاں تک اٹھایا کہ بڑے بڑے جلسوں میں درود ابراہیمی کے خلاف تقریریں ہونے لگیں اور جہلا کا ایک اچھا خاصا طبقہ اس عقیدے پر کھڑا ہو گیا کہ واقعی نماز کے باہر درود ابراہیمی پڑھنا مکروہ ہے اور یہ بات پہلے سے عام تھی کہ مکروہ کا لفظ جب مطلق ہو تو اس سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے جو حرام کے قریب ہے۔

چند سنجیدہ لوگوں کو بات کی تحقیق کے لئے بھیجا تو ایک ٹیپ ریکارڈ تقریر لائے جس کا حاصل یہ تھا کہ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام دونوں کے پڑھنے کا حکم ہے اور درود ابراہیمی میں صرف درود ہے سلام نہیں درود و سلام میں افتراق کرنا کہ ایک پڑھا جائے اور دوسرا نہ، جائز نہیں دونوں کو بیک وقت پڑھنا چاہیئے چونکہ درود وسلام کی یہ معیت درود ابراہیمی میں نہیں ہے اس لئے اسے نماز کے باہر پڑھنا جائز نہیں۔ مشابہ پیدا کر کے لوگوں کو صحیح بات سے ہٹانا اور فقہ حنفی کی مخالفت کر کے لوگوں سے درود ابراہیمی چھڑانا ایک ایسی شرانگیز حرکت تھی کہ اسے ہر سنجیدہ دینی حلقے میں ناپسند کیا گیا۔ اسے علاماتِ قیامت میں سے سمجھا گیا جب لوگ جاہلوں کو دینی پیشوا بنالیں گے، علماء سو خود تو گمراہ ہوں گے ہی، اوروں کو بھی گمراہی کی دلدل میں لے ڈوبیں گے۔

آیت احزاب میں درود وسلام کیا برابر کے دو حکم ہیں؟

قرآنِ کریم سورۃ الاحزاب میں ارشادِ الٰہی ہے:

ان اللہ وملٰئکتہٗ یصلون علی النبی یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (پ۲۲)

(ترجمہ) بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود بھیجو اور سلام بھیجو سلام کہہ کر (یا تسلیم سے)

یہاں لفظ صلوٰۃ سے درود شریف پڑھنا مراد ہے اس پر سب کا اتفاق ہے لیکن تسلیم سے سلام پڑھنا ہی مراد ہے اس میں کچھ اختلاف ہے کہ یہاں تسلیم انقیاد مراد ہے یا تسلیم تحیہ؟ یہاں دونوں احتمال موجود ہیں دوسرا احتمال ہوتے ہوئے اس سے سلام پڑھنے پر استدلال کرنا ایک راجح معنی تو ہو سکتا ہے لیکن اسے اس معنی میں قطعی الدلالۃ قرار دینا درست نہیں۔ صلوٰۃ کی دلالت درود شریف پر قطعی اور متفق علیہ ہے لیکن تسلیم کی دلالت سلام تحیہ پر احتمالی اور مختلف فیہ ہے سو اس آیت میں درود وسلام دونوں برابر کے حکم میں نہیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام پر سلام پڑھنا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا قرآن وحدیث کے دوسرے دلائل کی روشنی میں بیشک ایک قطعی اور واضح عمل ہے لیکن اس آیت الاحزاب میں سلموا تسلیما کی دلالت سلام پڑھنے پر صریح اور اتفاقی نہیں۔ دوسرا احتمال پیدا ہونے سے پہلے استدلال میں قوت نہیں رہی۔

تسلیم کے دوسرے معنی

تسلیم کے معنی سپرداری کے ہیں اپنے آپ کو کسی فیصلے کے آگے جھکا دینا تسلیم انقیاد ایک عزم طاعت ہے۔ ایمانِ کامل یہ ہے کہ مومن اپنے ہر معاملہ اور اختلاف میں اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے آگے جھکا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ بھی دیں اسے بصدقِ دل قبول کرے اور اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دے۔ تسلیم کا لفظ سپرداری کے ان معنوں میں قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر یوں وارد ہے:

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما (پ۵)

اس آیت کے آخری الفاظ یسلموا تسلیما میں تسلیم انقیاد، کامل سپرداری مراد ہے۔ سلام پڑھنا مراد نہیں۔
یسلموا تسلیما سے ملتے جلتے الفاظ سلموا تسلیما سورۃ احزاب میں ہیں دونوں میں تسلیم کے ساتھ پہلے یا بعد علیٰ کا صلہ موجود نہیں جو عام طور پر سلام تحیہ کے لئے ہم بولتے ہیں جیسے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ السلام علیکم میں بھی علیٰ کا صلہ موجود رہتا ہے قرآن کریم میں سلام علی المرسلین میں پیغمبروں پر سلام علیٰ کے ساتھ آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما من مسلم یسلم علیّ ...
.... الا رد اللہ الیّ روحی فارد علیہ السلام۔ اس میں دو جگہ سلام کا بیان ہے اور دونوں جگہ علیٰ کا لفظ ساتھ ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تسلیم کا لفظ جب سلام تحیہ کے معنی میں ہو تو عام طور پر صلہ علیٰ ساتھ ہوتا ہے اور جب تسلیم انقیاد مراد ہو تو علیٰ ساتھ نہیں ہوتا۔

اس بات کے پیش نظر جب ہم سورۃ احزاب کے اس لفظ پر غور کرتے ہیں اور صلوا علیہ کے ساتھ سلموا تسلیما بغیر علیٰ کے

دیکھتے ہیں تو اگر سلام تحیہ کا انکار نہیں، اور مترجمین نے یہاں اسے ہی مُراد لیا ہے تاہم اس سے اِنکار نہیں ہوسکتا کہ یہاں دوسرے معنیٰ تسلیم انقیاد کے بھی موجود ہیں اس احتمال سے انکار نہیں ہوسکتا۔ اور ایک احتمال کے ہوتے ہوئے اس کی دلالت دوسرے معنیٰ پر قطعی اور واضح نہیں رہتی۔ یہاں تسلیم انقیاد بھی مُراد ہوسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں محدّثِ جلیل حضرت مُلّا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

اما التسلیم المامور به فیحتمل ان یکون بمعنی الانقیاد کما فی قوله تعالیٰ فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً [1]

ترجمہ: اس آیت میں جس سلام کہنے کا حکم ہے اس میں احتمال ہے کہ یہ انقیاد (تابعداری کرنے) کے معنوں میں ہو جیسا کہ اس دوسری آیت میں تسلیم کا یہ معنی مراد ہے " تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تجھے ہر بات میں حکم نہ مان لیں جس میں بھی ان میں اختلاف ہو اور پھر تیرے فیصلے کے بارے میں اپنے دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور سلام کریں انقیاد (تابعداری) کے طور پر (اپنے آپ کو اس حکم کے آگے سپرد کر دیں)

شرح عقائد نسفی کی مشہور شرح نبراس میں ہے:

الثانیة کرهوا افراد الصلوٰة بدون التسلیم لقوله تعالیٰ یا ایها الذین آمنوا صلّوا علیه وسلموا تسلیما.... والتسلیم فی الآیة یحتمل الانقیاد ولو سلم فلا دلالة علی الجمع نحو اقیموا الصلوٰة و آتوا الزکوٰة ۔ وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم احادیث فی تعلیم کیفیة الصلوٰة وهی خالیة عن التسلیم وکفی به حجة علی عدم الکراهة نعم التسلیم فی نفسه عبادة شریفة [2]

ترجمہ: دوسری بات یہ کہ درود بغیر سلام کے مکروہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے درود و سلام دونوں کا حکم دیا ہے..... سلام کا لفظ اس آیت میں انقیاد (تابعداری) کے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے (سو ضروری نہیں کہ اسکا معنی سلام پڑھنا ہی ہو) اور اگر سلام کا معنی مان بھی لیا جائے تو بھی اس میں اس بات کی کہیں دلیل نہیں کہ درود و سلام دونوں اکٹھے پڑھے جائیں۔ جیسے اقیموا الصلوٰة و آتوا الزکوٰة میں نماز اور زکوٰۃ کا ایک وقت میں ادا کیا جانا ضروری نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درود شریف کی کیفیت میں جو احادیث صحیح طریقے سے ثابت ہو چکی ہیں وہ سب سلام کے لفظ سے خالی ہیں اور یہ کافی دلیل ہے کہ درود بغیر سلام کے ہرگز مکروہ نہیں ہاں سلام اپنی جگہ ایک بڑی قرینے کی عبادت ہے۔

رائج معنی سلام پڑھنے کے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ترجمہ قرآن میں اسی کو اختیار کیا ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اس میں دوسرا احتمال بھی ضرور رہتا ہے۔ قاضی بیضاویؒ نے یہ قول بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

وقیل وانقادوا لاوامره [3] ترجمہ: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (سلموا تسلیما کا معنی یہ ہے کہ) اس پیغمبر کے احکام کے تابع ہو جاؤ۔

---

[1] شرح الشفا جلد ... [2] نبراس علی شرح العقائد ص ... [3] تفسیر بیضاوی جلد ۲ ص ۱۵۸ مصری

قرآن کریم نے اس آیتہ احزاب میں جس سیاق سے درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا ہے وہ یہ کہ "اللہ اور اسکے فرشتے اس نبی پر درود پڑھتے ہیں۔ یہاں سلام کا لفظ موجود نہیں اور پھر یہ مضمون وابستہ کیا ہے کہ "اے ایمان والو تم بھی اس نبی پر درود بھیجو اور سلام کہو۔" تمہید مضمون میں یہ نہیں کہا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں صرف درود پڑھنے کا ہلایا ہے۔ اس کے ساتھ یہ حکم زیادہ قرین تمہید ہے کہ اے مسلمانو تم بھی اس برگزیدہ نبی پر درود پڑھو اور اپنے آپ کو اس کے حکم کے آگے بالکل جھکا دو اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دو کوئی قول و عمل نبی کے خلاف سرزد ہونے نہ پائے۔

یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام پیغمبروں پر سلام اُترا ہے "وسلام علی المرسلین" قرآن کریم کی کھلی شہادت ہے "الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ" میں خدا کے تمام برگزیدہ بندوں پر صریح طور پر سلام وارد ہے۔ سلام کی فضیلت اور اس کے عبادت شریعہ ہونے میں کوئی کلام نہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے سلام آپ کی پوری امتیازی شان کے مطابق اترتا ہے اور یہ بات بھی مُسلّم ہے کہ اُمت کا سلام بھی آپ کی خدمت میں پیش ہوتا ہے اور اسکی بڑی فضیلت ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت میں لفظ "سَلِّموا تسلیما" کی دلالت سلام تحیہ کے معنیٰ میں صریح اور قطعی نہیں۔ سیاق مضمون تسلیم انقیاد کی تائید کرتا ہے لیکن مترجمین اس سے سلام تحیۃ مُراد لیتے ہیں اور اس معنیٰ سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ دونوں احتمال اپنی جگہ موجود ہیں۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو صحابہؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کی ہمیں سلام پڑھنا تو معلوم ہے یہ بتلائیے کہ ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صرف درود شریف پڑھنے کا سلسلہ چلا۔ حضورؐ پر سلام بھیجنا صحابہؓ میں پہلے سے قائم تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے پر صحابہؓ نے صرف درود شریف پڑھنا سیکھا سلام وہ پہلے سے پڑھتے چلے آتے تھے۔

درود پڑھنا اور سلام پڑھنا دو مستقل عمل ہیں

درود شریف پڑھنا اور آپؐ پر سلام پڑھنا شریعت میں دو مستقل اور علیحدہ علیحدہ عمل ہیں ایک دوسرے کے تابع نہیں۔ سلام پڑھنا پہلے صحابہ میں جاری تھا درود پڑھنے کا حکم بعد میں آیا۔ اس سے یہ نہ سمجھئے کہ درود ہمیشہ سلام کے بعد ہے گو یہ صحیح ہے کہ ہم نماز میں سلام پہلے اور درود شریف بعد میں پڑھتے ہیں لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ جب ہم حضورؐ کے اسم مبارک کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو صلوٰۃ پہلے آتا ہے اور سلام بعد میں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ سورۂ احزاب کی اس آیتہ میں سلّموا تسلیما سے اگر سلام تحیہ مراد نہیں تو بھی صلوٰۃ پہلے اور سلام بعد میں آئے گا۔

جب یہ ضروری نہیں کہ درود پہلے ہو یا سلام تو معلوم ہوا کہ اسلام میں درود شریف پڑھنا اور حضور پر سلام پڑھنا دو مستقل عمل ہیں کوئی ایک دوسرے کے تابع نہیں دونوں کی جزا بھی علیحدہ ہے۔ اگر یہ دونوں عمل ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہوتے اور ان میں افراد (دونوں کا علیحدہ علیحدہ پڑھنا) ناجائز ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں عملوں کی جزا علیحدہ علیحدہ بیان نہ فرماتے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ دونوں عمل اپنی اپنی جگہ مستقل ہیں۔
اندیشہ تھا کہ کوئی شخص جو بات کی تہ کو نہ پہنچے اس آیت احزاب میں درود و سلام کا حکم ایک جگہ دیکھ کر دونوں کو ایک دوسرے سے لازم کر لے اور افراد کو ناجائز سمجھے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب اور علیم بذات الصدور ہیں۔ انہوں نے اس کے ازالہ کے لئے حضرت جبرئیل کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے آکر دونوں عملوں کی جزا علیحدہ علیحدہ بیان کی۔ یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ یہ دونوں عمل اپنی اپنی جگہ مستقل ہیں اور دونوں کی بڑی فضیلت ہے اور دونوں اپنی اپنی جگہ اجر و ثواب کا باعث ہیں۔

احادیث جن میں دونوں عملوں کی جزا علیحدہ علیحدہ مذکور ہے

عن ابی طلحۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاء ذات یوم والبشری فی وجہہ فقال انہ جاءنی جبرئیل فقال (قال ربک) اما یرضیک یا محمد ان لا یصلی علیک احد من امتک الا صلیت علیہ عشراً ولا یسلم علیک احد الا سلمت علیہ عشرا [1]

ترجمہ: حضرت ابو طلحہؓ سے روایت ہے ایک دن حضورؐ تشریف لائے کہ آپ کے چہرے پر کھلی خوشی دکھائی دے رہی تھی آپ نے فرمایا میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کے رب نے کہا ہے کیا آپ اس سے راضی نہیں کہ آپ کی امت میں سے جب کوئی آپ پر درود پڑھتا ہے تو میں اُس پر دس رحمتیں بھیجتا ہوں اور کوئی آپ پر سلام نہیں بھیجتا مگر یہ کہ میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجتا ہوں۔

مسند دارمی میں حضرت جبرائیلؑ کی بجائے مطلق فرشتے کی آمد مذکور ہے باقی مضمون تقریباً وہی ہے:

ان ملکاً اتانی فقال یا محمد ان ربک یقول لک اما یرضیک ۔۔۔۔۔ عشراً [2]

امام احمد کی روایت میں ہے:

ان جبریل علیہ السلام قال لی الا ابشرک ان اللہ عز وجل یقول لک من صلی علیک صلوٰۃ صلیت علیہ ومن سلم علیک سلمت علیہ [3]

ترجمہ: بیشک جبریل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ کیا میں آپ کو بشارت نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے فرماتا ہے جو آپ پر درود بھیجتا ہے میں اُس پر درود بھیجتا ہوں اور جو آپ پر سلام پڑھتا ہے میں اُس پر سلام بھیجتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں عملوں کی جزا کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا پتہ دیتا ہے کہ دونوں عمل اپنی جگہ مستقل تھے ان کا اکٹھے ادا ہونا ضروری نہیں تھا جو شخص جس پر چاہے عمل کرے اسے اس کی جزا ملے گی۔ اس وقت یہ نہیں سمجھا جاتا تھا کہ درود سلام کے بغیر مکروہ ہے یا سلام درود کے بغیر مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ صحابہؓ کو کسی ایک عمل کی تعلیم دی اور

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ ص ۱۸۹، ۱۹۱ [2] سنن دارمی جلد ۲ ص ۳۱۷ [3] مشکوٰۃ ص ۸۶

اسی کو کافی سمجھا۔ حضرت حسن بن علی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ دعائے قنوت سکھلائی:

اللھم اھدنی فیمن ھدیت و بارك لی فیما اعطیت و تولنی فیمن تولیت وقنی شر ما قضیت فانك تقضی ولا یقضی علیك وانہ لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت وصلی اللہ علی النبی محمدٍ [1]

اس دعا کے آخر میں "صلی اللہ علی النبی محمد" کے الفاظ بدون سلام مذکور ہیں۔ تو اگر درود بغیر سلام کے پڑھنا مکروہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن کو فقط درود کی تلقین کیوں فرماتے۔ سنداً یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ امام نسائی (۳۰۳ھ) نے اس کے مطابق افراد صلوٰۃ پر ہی سنن نسائی کو ختم کیا ہے لکھتے ہیں:

وھو اٰخر کتاب المجتبیٰ من النسائی والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی اٰلہ الطیبین الطاھرین ورضی اللہ عن کل الصحابۃ اجمعین وعن التابعین لھم باحسان الیٰ یوم الدین [2]

علامہ ابن عابدین الشامی نے بھی ایک جگہ شرح منیۃ المصلی کے حوالے سے سنن نسائی کی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ افراد صلوٰۃ جائز ہے اس موضوع پر یہ حدیث بڑی صریح ہے۔

اقول وجزم العلامہ ابن امیر حاج فی شرحہ علی التحریر لعدم صحۃ القول بکراھۃ الافراد واستدل علیہ فی شرحہ المسمیٰ حلیۃ المصلی فی شرح منیۃ المصلی بما فی سنن النسائی بسند صحیح فی حدیث القنوت وصلی اللہ علی النبی ثم قال مع ان فی قولہ تعالیٰ وسلام علی المرسلین، وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، الیٰ غیر ذٰلك اسوۃ حسنۃ ومن رد القول بالکراھۃ العلامہ ملا علی القاری فی شرح الجزریہ فراجعہ [3]

ترجمہ: میں کہتا ہوں اور علامہ ابن امیر الحاج نے تحریر الاصول کی شرح میں اکیلا درود پڑھنے کو مکروہ سمجھنا غلط ٹھہرایا ہے اور اپنی کتاب حلیۃ المصلی میں سنن نسائی کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو قنوت (نازلہ) کی بحث میں سند صحیح سے منقول ہے اس میں صلی اللہ علی النبی کے الفاظ ہیں (ساتھ سلام کا لفظ نہیں) قرآن کریم میں سلام کتنی جگہ اکیلا منقول ہے جیسے وسلام علی المرسلین، سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ ان تمام میں (ہمارے لئے) اسوہ حسنہ موجود ہے اور جن علماء نے اکیلا درود پڑھنے کو مکروہ کہنے کا رد کیا ہے ان میں ملا علی قاری بھی ہیں جنہوں نے شرح جزریہ میں اسے مکروہ کہنے کی سخت تردید کی ہے سو اسے دیکھنا چاہیئے۔

صحابہؓ کا افراد صلوٰۃ پر عمل اور حضورؐ کی بشارت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کریمین کی موجودگی میں درود شریف پڑھ رہے تھے آپ نے اپنے عمل کو جو ترتیب دی اسے آپ کی روایت میں دیکھئے اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اسے منظوری کا پروانہ عطا کیا اور آپکو رب العزت سے اس کی جزا پانے کی بشارت دی۔ آپ (حضرت عبداللہ بن مسعود) فرماتے ہیں:

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صہ ۲۵۲ [2] ایضاً جلد ۲ صہ ۳۳۶ [3] رد المحتار جلد ۱ صہ ۱۲

فلما جلست بدأت بالثناء ثم الصلوٰة علی النبیؐ ثم دعوت لنفسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم سل تعطہ سل تعطہ [1]

ترجمہ: پھر جب میں بیٹھا میں نے ثناء سے ابتداء کی پھر حضورؐ پر درود پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی اسپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ لے تجھے دیا جائیگا مانگ لے تجھے دیا جائیگا۔

اب دیکھئے اسمیں صرف درود شریف پڑھنے کا ذکر ہے اور پھر دعا کا اور اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی بھی صراحت سے مذکور ہے۔

حضرت زید بن خارجہ خزرجیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

صلوا علیّ واجتهدوا فی الدعاء وقولوا اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد [2]

ترجمہ: مجھ پر درود بھیجو اور دعا میں خوب محنت کرو اور کہو اللھم صل علی محمد وعلیٰ آل محمد

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولی الناس بی یوم القیٰمۃ اکثرھم علی صلوٰۃ [3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن وہ شخص میرے زیادہ قریب ہوگا جو مجھ پر درود کثرت سے بھیجتا ہوگا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: ویروی عن بعض اھل العلم قال اذا صلی الرجل علی النبی صلی اللہ وسلم مرۃ فی المجلس اجزاء عنہ ماکان فی ذٰلک المجلس

اس میں تصریح ہے کہ ایک مجلس میں ایک ہی دفعہ درود پڑھنا اسوقت تک کافی ہے جب تک وہ اس مجلس میں رہے۔ اگر سلام بھی لازمی ہوتا تو ایک دفعہ پڑھنا کافی نہ سمجھا جاتا۔

مولانا احمد رضا خاں نے کشف الغمہ عن جمیع الامۃ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قال صلی اللہ علی محمد فقد فتح علی نفسہ سبعین بابا من رحمۃ [4]

اس کا ترجمہ مولانا احمد رضا خان نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کہے صلی اللہ علی محمد اس نے ستر دروازے رحمت کے اپنے لئے کھول لئے"۔
اسمیں صرف صلوٰۃ کا ذکر ہے سلام کا نہیں۔ سوچئے کیا یہ شان اور فضیلت کسی فعل مکروہ پر مرتب ہو سکتی ہے؟ یہ بزرگوں نے کچھ تو سمجھ کر ہی ہوگی!

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی ان احادیث سے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درود پڑھنے کا طریقہ بیان فرمایا استدلال

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص۔ [2] ایضاً جلد ۱ ص۔ [3] رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ ص۸۶۔ [4] فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص۲۵۹

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم احادیث فی تعلیم کیفیۃ الصلوٰۃ وھی خالیۃ عن التسلیم وکفی بہ حجۃ علی عدم الکراھۃ [1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح احادیث سے درود شریف پڑھنے کی کیفیت منقول ہے اور وہ سلام سے خالی ہیں سو یہ کافی دلیل ہے کہ اکیلا درود پڑھنا جائز ہے۔

کیا ان احادیث میں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درود پڑھنے کی کیفیت بیان فرمائی درود ابراہیمی کا ذکر نہیں؟ اور کیا یہ اسی کے بارے میں تصریح نہیں کہ اس طرح بغیر سلام کے درود پڑھنا ہرگز مکروہ نہیں ہے؟

افرادِ سلام پر بشارتِ نبوی

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف درود پڑھنے پر بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائیں اور ان پر قبولیت اور اجر کی بشارتیں دیں اسی طرح آپ نے صرف سلام پڑھنے کی بھی ایسی ہی قبولیت بیان فرمائی اور کبھی درود و سلام کو ایک دوسرے سے لازم و ملزوم قرار نہیں دیا۔ آپ کی نظر میں درود و سلام دو مستقل اور علیحدہ علیحدہ عمل تھے جس پر بھی کوئی عمل کرے گا اپنے اخلاص و محبت کے مطابق اس پر اجر پائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام [2]

ترجمہ: بیشک اللہ کے کچھ فرشتے زمین میں سیاحت میں رہتے ہیں اور مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔

کیا اس میں صرف سلام کا ذکر نہیں؟ کیا افرادِ سلام مکروہ ہے؟ روضہ مبارکہ پر حاضری دیتے ہوئے بعض اوقات کیا صرف سلام نہیں کہتے؟ مولانا احمد رضا خاں نے بھی مجرد سلام عرض کرنے کی تلقین کی ہے:

"مجرد تسلیم بجالاؤ اور عرض کرو السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، السلام علیک یارسول اللہ السلام علیک یاخیر خلق اللہ السلام علیک یاشفیع المذنبین، السلام علیک وعلی آلک واصحابک وامتک اجمعین۔" [3]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے ایک شخص کو چھینک آئی اس نے کہا "الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ" اس پر ابن عمرؓ نے فرمایا میں بھی مانتا ہوں "الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ" یعنی اس کے حقیقت اور صحیح ہونے میں کلام نہیں، حضور نے ہمیں ایسا نہیں فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بتایا کہ چھینک آئے تو ہم کہیں "الحمد للہ علی کل حال" [4] حضرت عبداللہ بن عمرؓ یہ کہنا چاہتے تھے کہ حضور پر سلام بھیجنے سے ہمیں انکار نہیں لیکن سلام کا عمل بھی حضورؐ سے منقول ہونا چاہیئے لہذا آپ پر سلام بھیجے

---

[1] شرح شرح العقائد ص۔۔ [2] سنن نسائی جلد ۱ ص ۱۸۹ [3] فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۴۲ [4] حاشیہ مولوی محمد ص ۱۴۰ مطبع ملتان

کا یہ عمل نہیں ہے۔ اس روایت میں صریح طور پر "افراد سلام" مذکور ہے اور اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس طرح خود بھی اکیلا سلام پڑھا۔

ایک جگہ حکم ہونے سے معیت لازم نہیں آتی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کتنے مقامات پر اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ کو اکٹھا بیان فرمایا ہے اس سے یہ مطلب تو سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں عمل مومن کی زندگی میں جمع ہونے چاہئیں، دونوں حکموں کے درمیان واؤ مطلق جمع کے لئے ہے معیت کے لئے نہیں۔ جمع کرنے سے معیت مراد لے لینا اسی طرح کی ایک نادانی ہے جیسے ایک شخص نے کسی کو پان کھاتے دیکھ کر کہا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ پیتے بھی جاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کلوا واشربوا کا حکم اکٹھے دیا ہے جب کچھ کھاؤ تو اس کے ساتھ اسی وقت کچھ پیتے بھی رہو۔

سورۃ احزاب کی آیت یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما میں تسلیم سے مراد تسلیم تحیہ لے لیا جائے تو بھی ضروری نہیں کہ درود و سلام کو یکجا جمع کیا جائے اور معیت سے پڑھا جائے۔ اگر کسی وقت درود پڑھ لے اور کسی وقت سلام اور کسی وقت دونوں اکٹھے بھی پڑھ لے تو ہر صورت میں حکم آیت پر عمل ہو سکے گا ان میں سے کوئی عمل بھی مکروہ نہ ہوگا۔

امام نوویؒ شافعی المذہب تھے اور شافعیہ اور حنفیہ سے اس مسئلہ میں کچھ اختلاف رہا ہے۔ امام نوویؒ نے افراد کو مکروہ کہا تو محدثین نے ان پر سخت تنقید کی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد علامہ سخاوی لکھتے ہیں:

قال شیخنا وفیه ای قول النووی نظر: نعم یکره ان یفرد الصلوٰة ولا یسلم اصلاً اما لو صلی فی وقت وسلم فی وقت آخر فانه یکون ممتثلاً [1]

پھر لطف یہ کہ امام نوویؒ نے بھی اپنے فتوے سے رجوع کر لیا تھا۔ نبراس میں ہے:

ان الامام المحقق النووی ابطل القول بالکراهیة [2]

ترجمہ: محقق نوویؒ نے اس افراد کو مکروہ قرار دینے کا قول غلط قرار دے دیا تھا۔

سو جن حضرات نے اس مسئلہ میں امام نوویؒ کی تردید کی ہے وہ ان کے قول سابق کی تھی اور حق یہ ہے کہ مسئلہ (صرف درود کے مکروہ ہونے کا فتویٰ) اتنا کمزور تھا کہ خود امام نوویؒ کو بھی اس سے رجوع کرنا پڑا۔

محدث جلیل ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما میں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے معیت کے لئے نہیں۔

الواو تفید الجمع لا المعیة کما علیه الاصولیة فلا دلالة فی الآیة علی کراهیة افراد الصلوٰة عن السلام وعکسه کما ذهب الیه النووی واتباعه من الشافعیة وقد اوضحت ذلک فی رسالة مستقلة [3]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۹۸ مشکوٰۃ لکل مقام مقال (مرقات ۹ ص ۱۱۰۰) [2] نبراس ص ۸ [3] شرح الشفاء جلد ص

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ولا دلالۃ للجمع بینھما علی وجہ المعیۃ واما قول من قال یکرہ ولو خطاء فخطاء[1]

مقدمہ جزریہ ابوالخیر محمد جزری الشافعی کی مشہور کتاب ہے مصنف نے اس کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے" الحمد للہ وصلی علی نبیہ ومصطفاہ" ایک شافعی عالم سے اس طرح درود بغیر سلام کے پڑھنا شافعیہ کے اپنے معروف مسلک کے خلاف تھا سو اس پر شیخ الاسلام ابویحییٰ زکریا انصاری نے لکھا: کان ینبغی لہ ذکر السلام لان افراد الصلوٰۃ عنہ مکروہ وکعکسہ لاقترانھما فی قولہ تعالیٰ صلوا علیہ وسلموا تسلیما[2]

لیکن صحیح یہ ہے کہ محمد جزری باوجود شافعی ہونے کے افراد کے مکروہ ہونے کے قائل نہ تھے انہوں نے مفتاح الحصن میں اسکی تصریح کی تھی۔ اما الجمع بین الصلوٰۃ والسلام فیقال صلی اللہ علیہ وسلم فھو الاولی والافضل والاکمل ولو اقتصر علی احدھما جاز من غیر کراھۃ فقد جری علیہ جماعۃ من السلف۔

ترجمہ: درود اور سلام کو اکٹھا پڑھنا کہ یوں کہا جائے صلی اللہ علیہ وسلم سو یہ بہتر اور افضل ہے اور اکمل ہے اور اگر اکیلا درود پڑھے یا اکیلا سلام پڑھے تو بھی بلا کراہت جائز ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت اس پر متفق ہے۔

اس پر سیدنا ملا علی قاری وعلیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں:

لیس ذالک بمتاکد فانی لا اعلم احداً نص علی ذلک من العلماء ولا من غیرھم[3]

نماز میں درود اور سلام کا علیحدہ علیحدہ حکم

حنفیہ کرام کے ہاں نماز میں تشہد واجب ہے۔ السلام علیک ایتھا النبیؐ اسی میں آجاتا ہے لیکن درود شریف پڑھنا سُنّت ہے واجب نہیں درود و سلام اگر ایک ہی حکم میں ہوتے اور دونوں پر عمل یکساں اور ایک ساتھ ہوتا تو دونوں کا حکم جُدا جُدا نہ ہوتا فقہ حنفی کی مرکزی کتاب ہدایہ میں ہے

ویتشھد وھو واجب عندنا وصلی علی النبی علیہ السلام وھو لیس بفریضۃ عندنا خلافاً للشافعی فیھما لقولہ علیہ السلام اذا قلت ھذا او فعلت فقد تمت صلاتک[4]

ترجمہ: اور تشہد پڑھے اور وہ واجب ہے ہمارے ہاں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور وہ فرض نہیں بخلاف امام شافعیؒ کے حضورؐ نے فرمایا جب تو تم نے التحیات پڑھ لیا تو تمہاری نماز ہو گئی۔

ابتدائی درجے کا طالب علم بھی صرف درود پڑھنے کو مکروہ نہیں کہہ سکتا

برصغیر پاک وہند میں کسی معمولی طالب علم سے بھی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ حضورؐ پر صرف درود پڑھنے کو ناجائز بتلائے اور درودِ ابراہیمی پڑھنے کو مکروہ کہے حنفی مسلک کے طلبہ جو ھدایہ اخیرین اور شرح مأتہ عامل پڑھتے ہیں وہ بھی اس

---

[1] المنح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریہ صہ۱ طبع ۱۳۶۷، [2] ایضاً صہ۱ [3] ایضاً صہ [4] ھدایہ اولین صہ ۹۴

ورطۂ جہالت میں مبتلا نہیں ہوتے کہ پیر ناداں کی طرح ایک وقت میں صرف درود پڑھنے کو ناجائز سمجھنے لگیں۔ شرح مأتہ عامل کے خطبہ میں بھی صرف درود ہے بغیر سلام کے ہے یہاں سلام مذکور نہیں جس نے شرح مأتہ عامل بھی پڑھی ہو وہ یہاں درود شریف کا افراد دیکھ کر کبھی اسے مکروہ کہنے کی جسارت نہ کرے گا اس کا خطبہ یہ ہے:

الحمد للہ علیٰ نعمائہ الشاملۃ و آلائہ الکاملۃ والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء محمد المصطفیٰ وعلیٰ اٰلہ المجتبیٰ۔ اس کے حاشیہ پر جامع الرموز کے حوالے سے یہ تصریح کر دی گئی ہے:

و در ترک سلام کہ اسم تسلیم است اشارت بعدم کراہت آنست۔

ترجمہ: سلام جو تسلیم کا اسم ہے نہ کہنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ صرف درود پڑھنا جس میں سلام نہ ہو مکروہ نہیں ہے۔

ھدایۃ النحو کا پہلا سبق پڑھنے والا طالب علم ھدایۃ النحو کے اس خطبہ سے بے خبر نہ ہوگا۔

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین

اب آپ ہی سوچیں کیا اس پیر ناداں نے ھدایۃ النحو بھی پڑھی ہوگی۔ کاش کہ یہ لوگ جو نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنے کو مکروہ بتلاتے ہیں صرف کی کتاب شافیہ کا پہلا صفحہ پڑھنے کے لائق ہی ہوتے تو کبھی درود پڑھنے کو مکروہ نہ کہتے۔ شافیہ کے خطبہ میں درود شریف بغیر ذکر سلام کے ان لفظوں میں مرقوم ہے: الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ص۲

مختصر المعانی کا طالب علم جب اس کا خطبہ پڑھتا ہے اور درود بغیر سلام کے دیکھتا ہے تو کیا وہ ایک مکروہ عمل کر کے آگے گزر جاتا ہے کچھ تو سوچئے اور اس پیرِ ناداں کی اس گستاخی پر غور کیجئے کس بے دردی سے درود ابراہیمی پڑھنے کو مکروہ بتلاتا ہے بہرحال مختصر المعانی کا خطبہ یہ ہے:

نحمدک یا من شرح صدورنا لتلخیص البیان فی ایضاح المعانی ونور قلوبنا بلوامع التبیان من مطالع المثانی ونصلی علیٰ نبیک محمد المؤید دلائل اعجازہ باسرار البلاغۃ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ المحرزین قصبات السبق فی مضمار الفصاحۃ والبراعۃ وبعد ص۲

معلوم ہوتا ہے پیر ناداں نے مختصر المعانی کبھی دیکھی نہ ہوگی۔

ہم نے ایک ملتزم فکر میں یہ چند حوالے دکھائے تو ایک صاحب ان کے دفاع میں کہنے لگے کہ ہمارے علماء صرف و نحو میں کچھ دلچسپی نہیں رکھتے ہنوز ان میں کمزور ہونے میں ان کی ساری محنت عقائد پر ہوتی ہے تو ہم نے عقائد اہلسنت کی ایک کتاب شرح عقائد نسفی ان کے سامنے رکھدی اور اس کا یہ خطبہ سنایا تو دائیں بائیں جھانکنے لگ گئے:

الحمد للہ المتوحد بجلال ذاتہ وکمال صفاتہ المتقدس فی نعوت الجبروت عن شوائب النقص وسماتہ والصلوٰۃ علیٰ نبینا محمد المؤید بساطع حججہ وواضح بیناتہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ ھداۃ طریق الحق وحماتہ وبعد فان علم الشرائع الاحکام واساس قواعد عقائد الاسلام ھو علم التوحید والصفات ص۵

ترجمہ: اور درود ہو ہمارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو روشن دلائل اور واضح معجزات کے ساتھ تائید یافتہ ہیں اور ان کے آل اور اصحاب پر جو سچائی کی راہ کے راہنما ہیں (معیار حق میں)

کیا یہاں علامہ نسفی صاحب متن اور علامہ تفتازانی الشارح (۷۹۱ھ) دونوں عمل مکروہ کا ارتکاب کر رہے ہیں کہ صلوٰۃ بغیر سلام کے لکھ رہے ہیں۔ کچھ تو سوچئے جہالت بھی عجیب بلا ہے جو درود ابراہیمی پڑھنے کو مکروہ بتلا رہی ہے اور پیر ناداں کے قالب میں سامنے آ رہی ہے۔

جو صاحب اس قول مکروہ کا دفاع کر رہے تھے کہنے لگے کہ عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی کتاب شرح عقائد نسفی تو ہم نے اب تک نہیں سنی۔ ہم نے پوچھا آپ نے عقائد اہل السنۃ کی کونسی کتاب کا نام سنا ہے؟ تو کہنے لگے "ھدایہ شریف" ہم نے کہا وہ تو فقہ کی کتاب ہے عقائد کی نہیں۔ (وہ بیچارے عقائد اور فقہ تک میں فرق نہ جانتے تھے) اس پر ہم نے انہیں ھدایہ شریف کا خطبہ سنایا تو وہ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے۔ بہرحال وہ ھدایہ کا خطبہ یہ ہے اس میں بھی درود بغیر سلام کے مذکور ہے:

الحمد للّٰہ الذی اعلیٰ معالم العلم واعلامہ واظہر شعائر الشرع واحکامہ وبعث رسلاً و انبیاء صلوات اللّٰہ علیہم اجمعین الی سبل الحق ھادین ص۱ مصر

کیا اس میں درود بغیر سلام کے لکھا ہوا نہیں۔ درود ابراہیمی کو مکروہ بتلانے والا اگر صرف و نحو کی کتابوں سے ناواقف تھا عقائد کی درسی کتابیں بھی نہ پڑھی تھیں کہاں سے ہدایہ تک دیکھنی بھی نصیب نہ ہوئی تھی کہ پھر تو اس نے پڑھا ہوتا۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ اس قسم کے جاہلوں کا دینی پیشوا بن جانا قیامت کی نشانی نہیں ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے فتاوٰے کی دوسری جلد اس وقت سامنے رکھی ہے۔ خیال آیا کہ خانصاحب کی رائے بھی اس مسئلہ میں دیکھ لیں۔ معلوم ہوا کہ خانصاحب نے اس مسئلہ میں حنفی مذہب کی مخالفت نہیں کی اور بغیر سلام درود پڑھنے کو بالکل جائز کہا ہے وہ افراد کے مکروہ ہونے کے قائل نہ تھے۔ یہاں جو جہلاء درود ابراہیمی پڑھنے کو مکروہ بتلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی کتابیں بھی پڑھے ہوئے نہیں۔ وہ فتاویٰ رضویہ کو ہی دیکھ لیتے تو اتنی غلط بات نہ کہتے۔ یہ فتویٰ رضویہ ڈیکورٹ روڈ فیصل آباد کا شائع کردہ ہے کتاب ص۱۱ سے سیر بڑھ حلہ خیر نگر کے ایک سوال سے شروع ہوتی ہے سر عنوان یہ درود لکھا ہے:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ [1] اس میں صرف درود ہے سلام اس کے ساتھ نہیں ہے۔

پھر ایک سوال کے جواب کے آخر میں مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

واللّٰہ سبحانہ الموفق والمعین وبہ نستعین فی کل حین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین وعلینا معہم برحمتک یا ارحم الراحمین [2]

---

[1] فتاوٰے رضویہ جلد ۲ ص۱۱
[2] ایضاً ص۱۲۶

ایک جگہ کفر کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اگر چہ کفر تکذیب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ فی بعض ما جاء بہ من عند ربہ جل وعلا کا نام ہے ..... الخ [1]

کیا یہاں مولانا احمد رضا خاں نے صرف درود بغیر سلام کے نہیں لکھا ؟ پھر کیا وجہ کہ ان کے یہ ولایتی پیروان کے اس درود پڑھنے کو مکروہ نہیں کہتے اور درود ابراہیمی کے مکروہ ہونے کا شور سارے ملک میں پھیلا رکھا ہے ۔

پھر مولانا احمد رضا خاں نے رسالہ منیر العین کے خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف درود بھیجا ہے سلام کا وہاں کہیں ذکر نہیں پھر کیوں کسی عالم نے آپ پر مکروہ فعل کے ارتکاب کا فتویٰ نہیں دیا ؟ منیر العین کے خطبہ میں ہے :

ان محمداً عبدہ ورسولہ ، بالھدی ودین الحق ارسلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین [2]

پھر کتاب کے آخر میں ہے : سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ وصحبہ واولیاءہ اجمعین [3]

بتلائیے مولانا احمد رضا خاں کا یہ صرف درود بھیجنا عمل مکروہ تھا یا نہیں ؟ اگر نہیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ یہ پیر ناداں کس ورطۂ جہالت میں مبتلا ہے ۔ پھر اس جلد کے ناشر اصغر علی صاحب نے اس پر جو مقدمہ لکھا ہے اس کا سرعنوان بھی یہ ہے :

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین [4]

ہمیں حیرت ہوئی کہ مولانا احمد رضا خاں کے ان حوالوں کو دیکھ کر بھی بعض بریلویوں نے کہا کہ یہاں بیشک درود بغیر سلام کے ہے اور یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں اکیلا درود پڑھنے کو مکروہ نہ سمجھتے تھے لیکن ان حوالوں میں درود ابراہیمی پڑھنے کا تو کہیں ذکر نہیں وہ پڑھنا ضرور مکروہ ہے ۔ ہمارے پیر صاحب نے بڑے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنا مکروہ ہے اور جو لوگ اس کی (درود ابراہیمی کی) تسبیحات کرتے ہیں وہ اپنے اس فعل سے توبہ کریں ۔ استغفر اللہ العظیم ۔

اس پر ہم نے انہیں فتاویٰ رضویہ سے مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ دکھایا :

"سب درودوں سے افضل درود وہ ہے جو سب اعمال سے افضل عمل یعنی نماز میں مقرر کیا گیا ہے درود شریف راہ چلتے بھی پڑھنے کی اجازت ہے جہاں نجاست پڑی ہو وہاں رک جائے اور بہتر یہ ہے کہ ایک وقت متعین کرکے ایک عدد مقرر کرے کہ اس قدر باوضو دو زانو ادب کیساتھ مدینہ طیبہ کی طرف منہ کرکے روزانہ عرض کیا کرے جس کی مقدار سو بار سے کم نہ ہو" [5]

کیا یہ درود ابراہیمی پڑھنے کی ترغیب نہیں ؟ کیا یہ سب نماز میں پڑھنے کا بیان ہے ؟ کیا راہ چلتے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے ؟ کیا اس میں درود شریف کی تسبیح کی ترغیب نہیں ؟ کیا سو بار پڑھنے کا ذکر نہیں ؟ نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنے کو مکروہ کہنا بہت بڑی حرکت ہے اور بڑا مکروہ فتویٰ ہے جس کے قائل پر سوءِ خاتمہ کا قوی اندیشہ ہے ۔ جس جس نے

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۱۸۱ [2] ایضاً ص ۴۲۵ [3] ایضاً ص ۵۳۰ [4] ایضاً ص ۵ [5] ایضاً ص ۸۴ جلد ۲

بھی یہ ناپاک بات کہی ہے اسے اس سے توبہ کرنی چاہیئے۔

حمداً لك یا عظیم صلی علی نبیك الکریم وآلہ وصحبہ اولی التکریم ومجتھدی دینہ القویم۔ آمین۔

لوگوں نے جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیا ہے علامات قیامت اپنا پرتو ڈال رہی ہے علماء اُٹھتے جارہے ہیں ایک جاہل ایک جلسہ میں بڑے طمطراق سے کہہ رہا تھا کہ درود و سلام ایک جملے میں ادا ہونا ضروری ہیں جس طرح آیت احزاب میں صلوا علیہ وسلموا تسلیماً کا حکم یکجا ہے اسی طرح درود و سلام ایک جملہ میں ادا ہونے چاہئیں اور اس پر تفسیر بیضاوی کا حوالہ دیا سامعین میں سے ایک شخص نے ہمیں یہ بات بتائی اور پوچھا کہ تفسیر بیضاوی میں کیا ایسا ہی لکھا ہے کہ درود وسلام ایک جملے میں ادا کئے جانے چاہئیں ہم نے تفسیر بیضاوی کو کھولا تو اس میں یہ عبارت ملی :

والآیۃ تدل علیٰ وجوب الصلوٰۃ والسلام فی الجملہ [1]

ترجمہ : اور آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ صلوٰۃ وسلام فی الجملہ واجب ہے۔

فی الجملہ سے مُراد درود اور سلام کا مطلقاً واجب ہونا تھا۔ اجمال اور تفصیل کے الفاظ تو آپ نے عام سُنے ہوں گے مختصر بات مجمل ہوتی ہے اور اسے فی الجملہ کہہ کر ذکر کر دیتے ہیں۔ سو مختصر بات یہ کہ درود اور سلام دونوں واجب ہیں لیکن تفصیل اس کی کیا ہے؟ دونوں معاً اکٹھے پڑھے جائیں یا دو علیحدہ علیحدہ موقعوں پر بھی انہیں پڑھا جاسکتا ہے یہاں اس کی تفصیل نہیں دونوں کا پڑھنا فی الجملہ واجب ہے یہی آیت کا اجمال ہے تفصیل دوسرے مراجع سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ سو بیضاوی کی اس عبارت کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ درود اور سلام دونوں اپنی اپنی جگہ واجب ہیں دونوں کا یکجا پڑھنا انہوں نے نہیں لکھا ہے۔ بیضاوی کی اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دونوں ایک جملہ میں ادا ہونے چاہئیں کسی پڑھے لکھے آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ قاضی بیضاویؒ نے خود دونوں حکموں (درود پڑھنے اور سلام بھیجنے) کے لئے دو علیحدہ علیحدہ جملے تحریر کئے ہیں جب خود انہوں نے درود سلام کو ایک جملے میں ادا نہیں کیا تو یہ ان کی مراد کیسے ہوسکتی ہے کہ درود و سلام ایک جملے میں ادا کئے جائیں اگر یہ کہنا ہوتا کہ دونوں ایک فقرے میں ادا ہونے چاہئیں تو عبارت اسطرح ہوتی : والآیۃ تدل علیٰ وجوب الصلوٰت والسلام فی جملۃ واحدۃ۔

افراد جو مکروہ ہے وہ یہ کہ کوئی شخص درود شریف پڑھے اور سلام کبھی بھی نہ پڑھے یا سلام پڑھے اور درود شریف کبھی نہ پڑھے۔ اگر کسی وقت درود شریف پڑھ لیا اور کسی وقت سلام تو بھی آیت احزاب کے حکم پر عمل ہوجاتا ہے اور اس ارشادِ الٰہی کی تعمیل ہوجاتی ہے کہ "اے ایمان والو اس نبی پاک پر درود پڑھو اور سلام بھیجو" دونوں کا یکجا پڑھنا اور معاً بھیجنا ضروری نہیں اور اکٹھے پڑھے جائیں تو بھی حرج نہیں۔ علامہ سخاوی اپنے شیخ سے نقل کرتے ہیں :

یکرہ ان یفرد الصلوٰۃ ولا یسلم اصلاً اما لو صلی فی وقت وسلم فی وقت آخر فانہ یکون ممتثلاً [2]

ترجمہ : مکروہ یہ ہے کہ صرف درود بھیجا جائے سلام بالکل نہ۔ لیکن اگر کسی وقت درود پڑھا اور کسی دوسرے وقت میں سلام تو

[1] تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ طبع مصر ۱۳۰۸ھ [2] حاشیہ صواعق محرقہ لابن حجر مکی

اس سے حکمِ خداوندی پر عمل ہو جائیگا۔

مؤلف کہنا چاہتے ہیں کہ ضروری نہیں صلوٰۃ وسلام ایک وقت میں جمع ہوں مطلق جمع ہونا کافی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے فتاویٰ جلد چہارم کو دیکھئے ایک جگہ نہیں بیسیوں مقامات پر درود بغیر سلام کے مذکور ہے [1] حدائقِ بخشش اُٹھا کر دیکھئے بیسیوں جگہ سلام بغیر درود کے ملے گا [2]۔ اگر افراد مکروہ ہوتا تو کسی جگہ تو احمد رضا خاں کو سمجھ آگئی ہوتی کہ میں کیا کر رہا ہوں، کیا میں اس صدی میں مکروہات کا بادشاہ ہوں [3] اعاذنا اللہ منہ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین صلی اللہ علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہ الطیبین الطاہرین ورضی اللہ عن کل الصحابۃ اجمعین۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی یہ تحریر دفتر "الہلال" میں پہنچ چکی تھی کہ اس کے بعد ایک صاحب جامع مسجد مانچسٹر میں کی گئی ایک تقریر کی ٹیپ لے آئے جس میں اسی مسئلہ پر لب کشائی کی گئی تھی۔ ہم ٹیپ سے اس تقریر کے اصل الفاظ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ تقریر مقرر کو پوری طرح شیشے میں اتار رہی ہے۔ موصوف نے کہا:

والآیۃ تدل علیٰ وجوب الصلوٰۃ والسلام علیہ فی الجملۃ

کہتے ہیں (یعنی قاضی بیضاوی) کہ یہ آیت یہ بتاتی ہے صلوٰۃ وسلام بیک وقت [1] واجب ہیں اور ایک جیسے [2] واجب ہیں اور علیٰ ھذا القیاس .... لیکن کہ صرف اکیلا درود ہو یہ مذہب ضعیف ہے ..... اور آیت کی دلالت جو ہے وہ یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام دونوں ایک جیسے بیک وقت واجب ہیں۔ اب رہ گئی بات یہ کہ جو میں نے کہا تھا کہ نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنا مکروہ ہے اس کا سبب سمجھ لو۔ اس عقیدے کی حمایت میں ۱۹۸۰ء میں شیفیلڈ میں ایک مناظرہ بھی قرار پایا تھا مگر پہلے موضوع پر ہی اتنا وقت شور ڈالنے والوں نے کر دیا کہ دوسرے موضوعات زیر بحث نہ آسکے۔ بہت سے دوستوں نے علامہ صاحب سے گذارش کی کہ اس مسئلہ کو مختصر طور پر تحریر فرمادیں تاکہ وہ بریلوی علماء جو اس طالب علم کی حمایت میں اس دن مناظرے میں آئے ہوئے تھے اپنے اس صدر کا عقیدہ اور علم خود اس کے ٹیپ شدہ الفاظ میں مطالعہ کریں اگر ان میں سے کسی کو خواہش ہو کہ ٹیپ سے خود تقریر سنے تو وہ بھی وقت طے کر کے اس تقریر کو سن سکے گا۔ برطانیہ کے جو بریلوی علماء اس مناظرہ میں اس عقیدے کی حمایت میں سٹیج پر براجمان تھے ان کے اسماء گرامی اشتہار میں دیئے گئے تھے انہیں ہم ہدیۂ قارئین کرتے ہیں:

مولانا حامد علی شاہ، پیر معروف حسین شاہ قادری، پیر عبدالغفار غزنوی، صاحبزادہ مولانا حبیب الرحمٰن قادری، مولانا پیر زاہد حسین شاہ پیر نورانی بابا، مولانا قمر الزمان اعظمی، مولانا قاضی عبدالعزیز چشتی، مولانا ممتاز احمد قادری، مولوی عبدالقادر جیلانی، مولوی عنایت اللہ سانگلوی مفتی گل رحمان قادری، مولوی مشتاق احمد چشتی، مولوی پیرزادہ امداد حسین، مولوی عبدالوہاب اچھروی، مولوی ظفر محمود فراشوی

باقی ص ۱۴۰ پر

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۲۹۳، ۲۴۰، ۴۳۴، ۶۹۸، ۶۲۴، ۱۵۹ [2] حدائق بخشش حصہ دوم ص ۲۸ تا ۳۴ [3] یہ بازاری عبارت کس لفظ کا مفہوم ہے؟

غیرتِ حق کی للکار

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

از: مولانا سمیع اللہ صاحب رشیدی

وہ بھی کیسا جاں نواز وقت رہا ہوگا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم درد بھری دعا کی صدائے بازگشت بنے ہوئے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کفر کی تاریک وادی سے اسلام کے نور کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے مگر خود انہیں بھی اس کی خبر نہ تھی کہ آج دارارقم کی دیواریں ان کے نعرۂ تکبیر کی گونج اٹھنے کے لئے کیسی بیقرار و منتظر ہیں۔ انہیں کیا گمان ہو سکتا تھا کہ پیغمبر اسلام کے خلاف جو تلوار انہوں نے انتہائی خوفناک ارادے سے بے نیام کی ہے وہ خود ان کے اپنے کفر پہ برق بن کر گرنے والی ہے وہ نہ جانتے تھے کہ ان کے صاحبِ ایمان بہنوئی اور بہن کے چہرے جب عمر رضی اللہ عنہ کے وحشیانہ تھپیڑوں سے خون خون ہو جائیں گے تو ان کے اس مقدس خون کے چند چھینٹے ان کے دل کی ایک ایک دھڑکن پر یہ عظیم اعلان ثبت کر دیں گے:

"خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا سے کفر کی جتھہ بندی توڑ دینے کے لئے یہ دعا مانگی تھی کہ اے خدا، قادرِ مطلق! عمر بن ہشام اور عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو ہمیں دیدے۔ خطاب کے بیٹے کی خوش قسمتی کہ یہ دعا کا تیر اُن کے سینہ میں پیوست ہوگیا۔ اور جب وہ دربارِ رسول میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہو عمر کس ارادے سے آئے ہو؟

غلامانہ عجز و انکساری کیساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایمان لانے کے لئے۔ حق کی اس عظیم الشان فتح پر بے اختیار رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے منہ سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر کا یہ نعرۂ فلک شگاف وادی وادی پربت پربت گونجتا لہراتا چلا گیا۔ یہ نعرۂ فتح و کامیابی وہ انقلابی موڑ تھا جہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام کی صفوں میں داخل ہوگئے اس نعرے کو سُن کر شیاطین میں صفِ ماتم بچھ گئی کفر و شرک کے گھروں میں کہرام برپا ہو گیا اور ٹھیک اُسی وقت جبکہ کفر و شرک کی طاقت نے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ اہلِ ایمان کو ان کے گھروں میں بھی خدا کا نام نہ لینے دیں گے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین سو ساٹھ بتوں پر اس طرح ٹھوکر ماری کہ اہلِ ایمان کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہو کر نماز پڑھی۔

ظلم و ستم درندگی و بربریت کے جنگل میں پانچ چھ سال کا طویل عرصہ گذارنے کے بعد جب انہوں نے خدا کی راہ میں

وطن قربان کر کے ہجرت کا قصد کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی اجازت دیدی تو انہوں نے اعلان کیا :

"میں اس کفر و شرک کی دُنیا سے دُور جا رہا ہوں جس کا جی چاہے وہ میرا تعاقب کرے اور میری تلوار کا ذائقہ چکھ لے"۔
لیکن بھر بستی میں سے کوئی مقابلہ پر نہیں آسکا۔ کیسے آسکتا تھا جبکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا تھا کہ اے عمرؓ تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے۔

ہاں تاریخ اس انسان کو کبھی نہیں بھول سکتی جس سے شیطان خوف کھاتا تھا۔ تاریخ جانتی ہے کہ یہ وہ ہستی تھی جس کے سینے میں پیغمبر خدا کی دُعا سے خدا نے ایمان کی جوت جلائی تھی۔ وفات رسولؐ کے جانکاہ اور ہوشربا حادثے پر حضرت عمرؓ کی عجیب حالت تھی زندگی بھر وہ جس انسانِ کامل کو دُنیا جہان کی ہر شے اور خود اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتے تھے اسی محسن کا اس دُنیا سے اُٹھ جانا کتنی بڑی چوٹ تھی۔ عشق رسولؐ سے جو دل بھرپور تھا یکایک چکنا چور ہو گیا اور ہوش و حواس نہ جانے کہاں گم ہو گئے تھے۔

لاکھوں ٹوٹے ہوئے دلوں سسکتے ہوئے سینوں، اشکبار آنکھوں اور لرزتے ہوئے خشک ہونٹوں کے درمیان سے خدا کے رسولؐ اپنے خدا کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ یہ ایک ایسا حادثہ تھا جس کو سہنا تو دُور کی بات اس کو سننے کی تاب بھی حضرت عمر فاروقؓ کھو چکے تھے وہ دیوانوں کی طرح مسجد نبوی میں ادھر اُدھر ٹہل رہے تھے ننگی تلوار کے دستہ پر ہاتھوں کی فولادی گرفت میں تشنج کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اور جذب و جنوں کی یہ للکار ان کے ہونٹوں پر تھی :

"خدا کی قسم! میں اس شخص کا سر قلم کر دوں گا جس نے یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے کوچ کر گئے خدا کی قسم....

توحید و رسالت پر جی جان سے فدا ہونے والا ایک قابلِ رشک بندۂ مومن تھا یہ شخص... یہ کہاں سے چلا تھا اور کہاں جا پہنچا۔ حق سے بے خبری کے دَور میں ایک دن ایسا بھی آیا تھا جب یہی انسان تلوار سونتے ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینے کی قسم کھاتا ہوا نکلا تھا۔ لیکن جوں ہی قرآن کے اُفق سے اُبلتے ہوئے نور کو دیکھ کر اس نے رُوح و دل کی محرابوں پر ایمان و عرفان کا چراغاں کیا بس اسی لمحہ اس نے اپنی اِسلام سے پہلے کی ساری زندگی پر وہی تلوار بے دریغ چلا دی۔

پھر جنگِ بدر کے سبزآزما معاذ پر ان کی تلوار بجلی بن کر چمکی اور ایمان کے مقابلے میں نسل و خون کے تمام رشتوں کو زہرہ گداز للکار سناتی چلی گئی۔ ان کا اپنا ماموں عاص بن ہشام بھی خدا اور رسولؐ کے خلاف ہتھیار اٹھا کر سامنے آیا تو ان کی غیرت حق کی ننگی تلوار کے آگے اپنی جان سلامت نہ لے جا سکا۔ جن ہاتھوں نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہتھیار اٹھائے وہ ہاتھ اس نے قلم کر دیئے اور جس سر نے خدائے ذوالجلال کی عظمت کے آگے جھکنے سے انکار کیا تھا اس کو خاک و خون میں ہمیشہ کے لئے سرنگوں کر دیا۔

پھر غزوۂ اُحد میں یہی تلوار چمکی آہن و فولاد کا جگر چیرتی ہوئی تلوار، باطل کی سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتی ہوئی تلوار...
......لیکن جیسے ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی خبر میدان کارزار میں عمرؓ کو سنائی دی اس کے بازو شل ہو گئے اور

اس کی کوہ افگن ہمت موم کی طرح پگھلنے لگی۔ لیکن یہ سنتے ہی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان زندہ و سلامت ہیں وہ شیر نر کی طرح اٹھے اور غیرت حق کی گرج بن کر باطل کا سینہ دہلا دیا۔

جب پہاڑ کی چوٹی پر زخموں سے چور چور مومن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس چہرے کو خون سے تر انور دیکھ کر تڑپ رہے تھے اور اپنے گھائل ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم دھو رہے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زخمی شیر کی طرح ابو سفیان کے نعرۂ کفر کے خلاف یوں گرج رہے تھے اللہ۔ اللہ سب سے عظیم ہے، اللہ کی بڑائی کی کوئی حد نہیں اور اللہ ہمارا ہے تمہارا نہیں، سن لے او دشمن خدا کہ ہم سب زندہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں، ابو بکرؓ بھی عمرؓ بھی، تاکہ کفر کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں۔

خلافت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی حضرت عمرؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر بے جھجک چلتے گئے انہوں نے جزیرہ عرب کے چٹیل ریگستان میں کھڑے ہو کر باغات اور کھیتوں سے لدی ہوئی سرسبز زمینوں کو للکارا، قیصر و کسریٰ کی طاقت کو خدا کے اقتدار اعلیٰ کا جلال انگیز پیام بھیجا، قیصر کی سطوت و شکوہ کو نعرۂ تکبیر سے پاش پاش کر ڈالا اور فرعون مصر کی سرزمین پر آسمانی قانون کا نفاذ کیا۔

حق کے دفاع میں ایک اٹل چٹان بن جانا اور حق کی پذیرائی میں موم سے زیادہ نرم ہو جانا انہوں نے اپنے آقا سے سیکھا تھا اسوۂ رسولؐ کی ان کو کیسی چاہت تھی اس کا کچھ اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جو مسلم و نسائی میں حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ میں آئی ہوئی ایک دیبا کی حسین قبا زیب تن فرمائی لیکن اس پیکر عبودیت نے اسکو دیر تک پہننا گوارا نہ کیا۔ بہت جلد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتار دیا اور حضرت عمرؓ کو یہ تحفہ بھجوا دیا۔ کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ یہ بیش قیمت تحفہ لئے ہوئے حضرت عمرؓ بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دوڑتے ہوئے آئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز گلوگیر تھی، عرض کیا حضورؐ میں اس چیز کو آخر کیا کروں جس کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے ۔ ۔ ۔ ؟

سنت رسول کے پروانے کو اسوقت قرار آیا جب یہ پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قبا پہننے کے لئے نہیں بھیجی تھی بلکہ مقصد یہ تھا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کو بہترین مصرف میں لایا جائے۔

ٹھیک اسوقت جبکہ فقر و فاقہ کی طویل آزمائش میں پورا اترنے کے بعد اللہ کے بندوں پر دنیا کشادہ ہو رہی تھی سونے چاندی کا ایک سیلاب تھا جو قیصر و کسریٰ کے مفتوح خزانوں سے بہا چلا آ رہا تھا۔ غریب محتاج خوشحال و مالامال ہو رہے تھے ہاں ٹھیک اسی وقت حضرت عمرؓ دولت دنیا سے دامن سمیٹ کر ھو توا قبل ان تموتوا کی زندہ تصویر بنتے جا رہے تھے خدا سے ملاقات کی آرزو میں گم ہو کر انہوں نے خود کو جیتے جی کفن پہنا لیا تھا۔ جنت میں خدائے غفور الرحیم کی میزبانی کے تصور میں غرق وہ تخت خلافت پر بیٹھے ہوئے چھوٹے موٹے کھانے کھاتے تھے اور بھوکوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ایک مزدور کی طرح غلے کی بوریاں ڈھو ڈھو کر بھوکوں کے گھر پہنچاتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔

ایسی ہی ایک رات تھی جب ایک دور افتادہ جھونپڑی میں چولہا ٹھنڈا پاکر وہ بیت المال میں ہانپتے کانپتے آئے تھے اور پھر وہاں سے کھانے کا بھاری سامان اپنی کمر پر لادے ہوئے لرزاں و ترساں اسی دور افتادہ مسکن کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ غلام التجائیں کرتا ہوا پیچھے پیچھے دوڑا کہ آپ تھکان سے چُور ہیں خدارا یہ بوجھ میری کمر پر لاد دیجئے۔ ورنہ ہمارے وجود کا آخر مقصد ہی کیا ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کو یہ کہاں ہوش تھا کہ ان غلاموں کے وجود کا مقصد کیا ہے انہیں تو خود اپنا مقصد حیات تڑپائے ہوئے تھا وہ تو خدا کے بندے تھے اور انہیں اپنی رعایا کے دکھ درد کا پورا احساب خدا کو دینا تھا۔

جب غلام نے بہت اصرار کیا تو ان الفاظ میں انھوں نے دل و جگر کا لہو نچوڑا :

" ہاں کیا اُس دن بھی جب خدا کی عدالت میں میرے لئے پُکار لگ رہی ہوگی تو میرا بوجھ اُٹھا سکے گا۔۔۔؟"

حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ امیر المومنینؓ کی عظیم الشان حیثیت سے حضرت عمرؓ امت اسلامیہ کے سامنے خطبۂ جمعہ پیش فرما رہے تھے اور ٹھیک اسوقت جبکہ وہ اللہ کے بندوں کو آخرت کی گھاٹیاں یاد دلا کر اللہ کے جلال سے لرزا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ یہ اللہ کا بندۂ عاجز پورے بارہ پیوند کا تہہ بند باندھے ہوئے ہے۔۔۔۔

خدا کی قسم۔ یہ لباس گواہی دے رہا ہے کہ عمر بن الخطابؓ سچے دل سے خدا کے خریدار تھے اور خدا کے خریدار کو دولتِ دنیا کے خزانے کبھی نہیں خرید سکتے۔۔۔۔

ہائے یہ اللہ کا بندہ جب خلافت کے خزانوں کی کنجیاں جیب میں ڈالے ہوئے سرکاری اسفار کے مواقع پر بے تکلف درختوں کے سایہ میں اور فرش خاک پر لیٹ جاتا تھا تو دیکھنے والوں کو اس حقیقت کا کیسا کیسا یقین آتا ہوگا کہ مومن کا گھر تو بس خدا کی جنت ہے اس جہانِ فانی میں تو اس کی حیثیت ایک مسافر بلکہ محض ایک راہ گیر کی ہے اور بس۔

کچھ ایسی ہی تھی اس ہستی کی زندگی جسے اس دُنیا میں رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دس خوش نصیبوں کے ساتھ جنت کی خوشخبری سُنائی تھی۔ کہاں ہیں وہ لوگ جن کا ایک ایک سانس دنیا طلبی میں گذر رہا ہے جن کا پورا وجود دنیائے دنی کے قدموں میں پڑا ہے مگر پھر بھی وہ خدائے رحیم و کریم کا وعدۂ رحمت اپنے لئے ہی خاص سمجھتے ہیں خدا کے لئے دوزخ کے خطرے کی آتشیں باڑھ کو چند طفل تسلیوں سے روکنے کی بجائے حضرت عمرؓ کی زندگی میں خدا کے وعدہ جنت کی یقینی راہیں تلاش کریں یہ حق کی پکار ہے یہ ضمیر کا مطالبہ ہے یہی عقل و خرد کا مشورہ ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

نے مثالی نظامِ حکومت تشکیل دیا۔

حق وصداقت کا

ایک ناقابل فراموش واقعہ

وہ آسمانی رنگ کی اونی شال ایک طرف پھینک کر اپنے نرم وگداز بستر سے اٹھا۔ مسہری کے نیچے آبنوسی چوکی پر رکھی ہوئی پاپوش پیروں میں ڈال کر فانوس کی روشنی میں آہستہ آہستہ غالیچے پر چلتا ہوا دریچے کے پاس جا کھڑا ہوا۔ کچھ دیر دریچے پر آویزاں ریشمی پردے کو دیکھتا رہا پھر ایک ہاتھ پشت پر رکھ کر اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی ترشی ہوئی گھنی ڈاڑھی کو کھجاتے ہوئے خواب گاہ میں ٹہلنے لگا۔

اس کے پورے وجود پر گہری متانت چھائی ہوئی تھی۔ فکر وتدبر نے اس کے چہرے اور پیشانی پر مہین مہین لکیریں سی کھینچ دی تھیں جو دور سے جھریاں معلوم ہوتی تھیں۔ ایک قابل غور بات جو اس کے چہرے پر دکھائی دے رہی تھی وہ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں کوندتی ہوئی بے قرار چمک تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ چمک ایسے لوگوں کی آنکھوں میں پیدا ہوتی ہے جو اپنے سینے میں کسی اعلیٰ وارفع نصب العین کی محبت لیکر زندگی بسر کرتے ہیں۔

چہل قدمی کرتے ہوئے اس نے اپنی سلگتی آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھے تو ہتھیلیوں کی تپش سے اس کی دونوں آنکھیں جلنے لگیں۔ اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھائے، غالیچے پر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دریچے کے پاس پہنچا سر کو ایک خفیف جھٹکا دے کر ریشمی پردے کو سرکاتے ہوئے اس نے زیرلب کہا "مجھے مایوس نہیں ہونا چاہیئے آخر دنیا میں ایسے انسان بھی پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے سخت مجبوریوں کے باوجود بڑی پامردی کیساتھ ہر مخالف قوت سے جنگ کی ہے۔ اپنی خواہش کے مطابق تقدیر کو سنوارا ہے۔ روشن مستقبل کو اپنی گرفت میں محفوظ رکھا ہے"

یہ کہکر اس نے باہر جھانکا۔ شبنم سے بوجھل ہوا کے جھونکے اس کے سوچ میں غرق چہرے سے ٹکرائے۔ اسے تھرتھری چھوٹ گئی اور بدن میں خنک موجیں تیر گئیں۔ جلتی ہوئی نیم وا آنکھیں ٹھنڈے جھونکوں سے ایسے کھل گئیں جیسے بادِ نسیم کے ہلکے جھونکوں سے بند کلیاں چٹخ اٹھتی ہیں۔ دماغ میں بل کھاتی ہوئی سوچوں سے جو گھولن ہو رہی تھی شبنمی ہوا کے نازک ریلوں سے اسے قدرے سکون ملا۔ اس نے آرام وراحت محسوس کرتے ہوئے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر رکھ کر باہر دیکھا۔

چاروں طرف چاندنی چھٹکی ہوئی تھی سرکش سے فرش تک نرم اور کومل کرنوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ ماہ کامل چمکتے ستاروں کے

چہرہ مسرت میں پوری تابانی سے جگمگا رہا تھا۔ وہ وفورِ جذبات سے کپکپاتے ہونٹوں پر کھیلتی ہوئی پاکیزہ مسکراہٹ کیساتھ فطرت کا حُسن وجمال دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا، فرشتوں کی شب و روز آمد و رفت سے فلک پر جابجا نورانی سڑکیں بنی ہوئی تھیں، درخشاں ستاروں، تابندہ کہکشاؤں کو دیکھنے کے بعد اس کی نظریں جگمگاتے چاند پر ٹھہر گئیں۔ اسے ایسے لگا جیسے یہ امام ابوحنیفہؒ کا دمکتا ہوا چہرہ ہو۔ چاند کے چاروں طرف ستاروں کو دیکھ کر وہ خود سے بولا: اونہہ! منصور عباسی کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہوتا اور امام ابوحنیفہؒ کے آنے کی خبر سن کر لوگ پروانوں کی طرح گھروں سے دوڑ پڑتے ہیں۔ گلیوں کوچوں محلوں اور چوراہوں پر آدمیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے ہیں۔ اسقدر کشمکش ہوتی ہے کہ لوگوں کو کھڑے ہونے کو جگہ نہیں ملتی۔ اور ہر طرف گرد چھا جاتی ہے۔

وہ انہی تصورات میں گم بستر پر آکر لیٹ گیا بستر پہ لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی بمشکل سے ایک ساعت سویا تھا کہ پو پھٹ گئی۔ وہ انگڑائی لیتے ہوئے اُٹھا اور وضو کے لئے حمام میں چلا گیا۔ نماز پڑھنے کے بعد اُس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کنیز کو آواز دی عاصمہ! وہ ایک ہی آواز پر نیلگوں قالین پر چھوٹے چھوٹے قدموں سے بھاگتی ہوئی آئی۔ اس نے ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے پوچھا "میری خلعت کہاں ہے؟" ابھی لاتی ہوں میرے آقا، وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی اور تیزی کیساتھ پلٹ گئی۔ وہ بیش قیمت پوشاک پہنے ہوئے قدرے غصہ سے بولا۔ کم بختو! کسی دن تمہاری سستی اور غفلت مجھے بھرے دربار میں رسوا کرائے گی۔ روزانہ تم لوگوں کی وجہ سے دیر ہو جاتی ہے۔

کمر میں سبز رنگ کی دیبا کی پیٹی باندھ کر اس نے جلدی سے اس میں تلوار لٹکائی۔ کنیز نے غالیچے پر دوزانوں بیٹھ کر اس کے پیروں میں چمڑے کی پتلی پٹیوں والی پاپوش پہنائی اتنے میں غلام ہاتھوں میں عمامہ لئے آگے بڑھا۔ اس نے جھپٹ کر غلام کے ہاتھوں سے عمامہ لیکر سر پر رکھا دونوں ہاتھوں سے درست کرکے نصف پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ ایک نظر سراپے پر ڈالی۔ اپنا بھرپور جائزہ لینے کے بعد، دسترخوان کی طرف بڑھا اور آستینوں کو اوپر چڑھاتے ہوئے دیکھا۔

ایک طرف بڑی قابوں میں پرندوں کا بھنا گوشت رکھا تھا اور ان سے گرم گرم بھاپ اور سوندھی سوندھی خوشبو نکل رہی تھی۔ دوسری طرف چاندی کی گہری طشتریوں میں خرمے دودھ میں بھیگ رہے ہیں ساتھ نقشین کٹوریوں میں شہد رکھا ہے درمیان میں بلور کی رکابیوں میں پھل رکھا ہے۔ اپنے چچا کو آتے دیکھ کر وہ بھاگ کر ان کے استقبال کے لئے بڑھا۔ السلام علیکم کہہ کر اس نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا، دونوں دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ اس نے بڑی قاب سے بھنے ہوئے گوشت کا ٹکڑا اٹھایا اور اپنے مضبوط دانتوں سے نوچ نوچ کر کھانے لگا۔ قریب ہی آبدار اُجلے کپڑوں میں ملبوس شیشے کے برتن میں آبِ زلال لئے چاق و چوبند کھڑا تھا۔

بھتیجے! تم خلیفہ کے مصاحب ہو اس لئے دریافت کرتا ہوں، یہ جبراً بیعت کا سلسلہ کبھی ختم بھی ہوگا؟ وہ انگلیوں سے گوشت کی بوٹی توڑتے ہوئے بولے۔

عمو! میں خود بہت فکرمند ہوں، لیکن آپ ناامید نہ ہوں ہم پوری شدت سے کوشش کر رہے ہیں۔ اُس نے طشتری کی طرف

ہاتھ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ لقمہ بناتے ہوئے دوبارہ بولا۔ حاجب بن ربیع بن یونس امام ابوحنیفہ سے سخت حسد رکھتا ہے اور خلیفہ بھی انہیں اپنی راہ کا سب سے بڑا کانٹا سمجھتا ہے۔ نوالہ منہ میں ڈال کر وہ خاموش ہو گیا۔ انہوں نے مضطرب نظر ڈالتے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے نوالہ نگل کر آبدار کو پانی کا اشارہ کیا۔ اس نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ اسی لئے آج امام صاحب کو دربار میں بلایا ہے۔

بھتیجے! یہ تو بہت بری خبر سنائی ہے تم نے۔ وہ طشتری میں اپنا لقمہ چھوڑ کر بڑے کرب سے بولے۔

پانی پیتے ہوئے اس نے چچا کی آواز میں خوف کی لرزش محسوس کی، چونک کر دیکھا تو چہرے پر سفیدی پھیلی ہوئی تھی جیسے انہوں نے موت کو سامنے دیکھ لیا ہے۔

گھبرانے کی کوئی بات نہیں عمو! اس نے چچا کی تشویش دور کرنے کے لئے جھوٹ بولا۔ حالانکہ اسی ایک خیال نے اس کی نیند حرام کر رکھی تھی اور کئی روز سے اس کی آنکھوں کے سامنے ننگی تلوار گھوم رہی تھی۔ وہ سر جھکا کر کھانا کھا رہا تھا تاکہ مخفی جذبات چہرے سے عیاں نہ ہوں۔

وہ بڑے اضطراب کے ساتھ بھتیجے کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولے میں اس غرض بیگی کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں یہ بڑا کینہ توز آدمی ہے۔ میرا دل دھڑک رہا ہے کہیں امام صاحب کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔

وہ اپنے اندرونی جذبات کمال ہوشیاری سے چھپاتے ہوئے مصنوعی لہجے میں بولا "عم جان! آپ طمینان رکھیں ہم اس چاپلوس کو ٹھیک کر لیں گے۔"

تمہارے کہنے سے اس کی طرف سے تو مطمئن ہو گیا ہوں لیکن خلیفہ کی جانب سے دھڑکا پھر بھی لگا ہوا ہے۔ اتنا کہہ کر انہوں نے تھوڑا سا شہد کٹوری سے نکال کر دودھ کی طشتری میں ڈالا پھر اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولے، "تمہیں یاد ہوگا مروان الحمار کے عہد میں عباسی خلافت کی تحریک بڑی قوت پکڑ گئی تھی اور ابومسلم خراسانی نے پورے ملک میں سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ مروان نے حکومت کی جڑیں ہلتی دیکھ کر یزید بن عمر بن ہبیرہ کو عراق کا گورنر مقرر کیا یہ بڑا مدبر اور صاحب اثر شخص تھا اس نے آتے ہی اموی حکومت کی ترکیب کو غور سے دیکھا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کل میں اور تو سب کچھ موجود ہے لیکن مذہبی پرزے نہیں ہیں۔ یہ سوچ کر کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے اس نے عراق کے تمام فقہاء کو بلا کر بڑی بڑی ملکی خدمات دیں۔ یزید نے جب امام ابوحنیفہ کو عہدہ قضا پیش کیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ یزید نے قسم کھا کر کہا آپ کو جبراً قبول کرنا ہوگا۔ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ کہیں کہ مسجد کے دروازے گن دو تو یہ بھی مجھ کو گوارا نہیں، نہ یہ کہ آپ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھیں اور میں اس پر مہر کروں۔" وہ ایک سرد آہ بھر کر بولے۔

میرے بھتیجے! جانتے ہو پھر اس حق گوئی کا انجام کیا ہوا۔ انہوں نے پھر ایک طویل آہ بھری۔ ان کی پلکوں کی نوکوں پر آنسو لرز رہے تھے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ روزانہ دس دُرّے لگائے جانے کا حکم ہوا اور اس ظالمانہ حکم کی تعمیل بھی ہوئی۔ ہر روز امام صاحب لہولہان ہوتے جب یزید نے دیکھا کہ وہ اپنی بات پر ڈٹے ہوئے ہیں تو مجبور ہو کر انہیں چھوڑ دیا۔ وہ بڑے غور سے اپنے چچا کی بات سن رہا تھا

بات سنے اس کے چہرے پر دھوپ چھاؤں کی سی کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ کبھی اس کا چہرہ روشن صبح کی مانند دمک اٹھتا تھا اور کبھی کالی رات کی طرح سیاہ پڑجاتا۔ اس نے طشتری سے دودھ میں بھیگا خرمہ نکال کر منہ میں ڈالا۔ ملائم خرمہ منہ میں رکھتے ہی گھل گیا۔ گٹھلی خالی رکابی میں رکھ کر اس نے انگلیوں کو چوسا۔ پھر سلفچی میں ہاتھ دھو کر کھڑا ہو گیا۔ ایک اچٹتی نظر اپنے لباس پر ڈالی اور خدا حافظ کہہ کر چل دیا۔

دربار میں نقرئی کرسی پر بیٹھے ہوئے وہ خود کو خالی خالی سا محسوس کر رہا تھا۔ مسلسل سوچ بچار کی وجہ سے اب اسے نہ کسی خوشی کا احساس تھا نہ کسی غم کا، دماغ پر کامل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بھرے بازار اور اس گہما گہمی میں بیٹھے ہوئے بھی اس کی حالت اس ریت کے تودے کی طرح تھی جو صحرا میں اپنی تنہائی اور گرد و پیش پھیلی ہوئی ویرانیوں سے بے پرواہ اکیلا کھڑا ہو۔ ایکدم اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے سب امراء اور مصاحبین کھڑے ہو گئے۔

خلیفہ نے فخر و غرور سے بھری ہوئی نگاہ دربار پر ڈالی پھر حاجب ربیع بن یونس کی طرف دیکھا۔ ربیع نے فوراً کھڑے ہو کر ایک افسر کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ افسر کے جانے کے بعد وہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ دربار میں حاضر ہوئے انہیں دیکھتے ہی خلیفہ کے ماتھے پر دودھاری تلواریں کھنچ گئیں اور آنکھوں سے غیض و غضب کی چنگاریاں برسنے لگیں۔ انہوں نے غصہ سے اپنے دانتوں کو پیس کر گرجتے ہوئے کہا:

"یہ حکومت جو اللہ نے اس امت میں مجھے عطا کی ہے اس کے متعلق آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ کیا میں اس کا اہل ہوں؟"

خلیفہ نے امام مالکؒ کا جواب سن کر ابن ابی ذئب کو غضب ناک نظروں سے گھورا۔ سنگ مرمر کے ستونوں کے درمیان شاہی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے۔ سر پر ننگی تلواروں کے سائے میں وہ بولے:

"دنیا کی بادشاہی اللہ جس کو چاہتا ہے اسکو عطا کرتا ہے مگر آخرت کی بادشاہی اسی کو دیتا ہے جو اس کا طالب ہو اور جسے اللہ توفیق دے۔ اللہ کی توفیق آپ سے قریب ہوگی۔ اگر آپ اس کی اطاعت کریں، ورنہ اس کی نافرمانی کی صورت میں وہ آپ سے دور رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت متقی لوگوں کے اجتماع سے ہوتی ہے اور جو شخص خود اس پر قبضہ کرلے اس کے لئے کوئی تقویٰ نہیں۔"

سپاہیوں نے خلیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے سونتی ہوئی تلواریں اپنے ہاتھوں میں تول لیں۔ یہ دیکھ کر جلدی سے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے اپنے کپڑوں کو سمیٹ لیا کہ گردن اڑنے کے بعد خون کپڑوں پر پڑے گا۔ انہیں اپنے کپڑے سنبھالتے دیکھ کر ربیع کے لبوں پر بس ہرا تبسم لہرانے لگا۔

ابن ابی ذئبؒ کی آواز دربار میں گونج رہی تھی: "آپ اور آپ کے مددگار توفیق سے خارج اور حق سے منحرف ہیں۔ اب اگر آپ اللہ سے سلامتی مانگیں اور پاکیزہ اعمال سے اس کا تقرب حاصل کریں تو یہ چیز آپ کو نصیب ہوگی ورنہ آپ خود ہی اپنے مطلوب ہیں۔"

منصور نے زخمی سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے تختِ زریں پر پہلو بدلا اور تلملاتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ پر قہر آلود نگاہ ڈالی۔ پورے دربار پر سناٹا چھایا تھا، سب لوگ ساکت و صامت بیٹھے تھے نظریں امام صاحبؒ پر جمی ہوئی تھیں۔ ربیع بن یونس دل میں

پیچ و تاب کھاتے ہوئے پہلو پر پہلو بدل رہا تھا۔ دستوں پر انگلیوں کی جنبش سے صیقل تلواروں کی خیرہ کن چمک امام صاحبؒ کے چہرے پر لرزاں تھی۔ انہوں نے خلیفہ منصور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے کہا :

"اپنے دین کی خاطر راہِ راست تلاش کرنے والا غصے سے دُور رہتا ہے اگر آپ اپنے ضمیر کو ٹٹولیں تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے ہم لوگوں کو اللہ کی خاطر نہیں بلایا ہے بلکہ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ڈر سے آپ کی منشاء کے مطابق بات کہیں اور وہ عوام کے علم میں آجائے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ آپ اسطرح خلیفہ بنے ہیں کہ آپ کی خلافت پر اہلِ فتویٰ لوگوں میں سے دو آدمیوں کا اجتماع بھی نہیں ہوا۔ حالانکہ خلافت مسلمانوں کے اجتماع اور مشورے سے ہوتی ہے۔ دیکھئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ مہینے تک فیصلے کرنے سے رُکے رہے۔ جب تک اہلِ یمن کی بیعت نہ آگئی۔"

وہ اپنی بات اطمینان کیساتھ ختم کر کے بیٹھ گئے سب پر سکتے کا عالم طاری تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دلوں نے دھڑکنا بند کر دیا ہو۔ سانسیں رُک گئیں اور نبضیں ڈوب گئیں البتہ ربیع سخت غصے سے اپنے لبوں کو دانتوں سے چبا رہا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ کا سرتن سے جُدا دیکھنے کی آرزو اس کے دل میں حسرت بن کر رہ گئی تھی۔ جب تینوں اُٹھ کر چلے گئے تو خلیفہ نے ربیع کو اشارے سے بلوایا وہ حسد کے دوزخ میں جلتا ہوا اُٹھا۔ خلیفہ نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا "بیت المال سے تین توڑے درہموں کے لیکر ان کے پاس جاؤ۔ اگر امام مالکؒ لے لیں تو انہی دے دینا لیکن اگر ابن ابی ذئبؒ اور ابوحنیفہؒ قبول کریں تو ان کا سر اُتار لانا"۔

ربیع پہلے امام مالکؒ کے گھر گیا، پھر ابن ابی ذئب کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا "میں اس مال کو خود منصور کے لئے حلال نہیں سمجھتا اپنے لئے کیسے حلال سمجھوں"۔ آخر میں وہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس گیا، وہ بولے "خواہ میری گردن ہی کیوں نہ ماردی جائے میں اس مال کو ہاتھ نہ لگاؤں گا"۔

ربیع ابن یوسف نے واپس آکر ساری رُوداد خلیفہ منصور کو سُنائی۔ خلیفہ نے پوری بات سُن کر کہا "اس بے نیازی نے اُن کا خون بچا لیا"۔

اور میں سوچ رہا ہوں ــــــ جب بھی کوئی سازشوں کے بَل پر برسرِ اقتدار آتا ہے تو ریڈیو یکایک اس کی حمد و ثنا سے گونج اٹھتا ہے پریس چلّا اٹھتا ہے کہ مصلحِ قوم، دانشورانِ ملت، ملک کا نجات دہندہ، قوم کی ٹوٹی کشتی کا کھیون ہار اور مایوسیوں کے سمندر میں اُمید کی آخری کرن قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ خود ساختہ مصلحِ قوم عقلِ کل بن بیٹھتا ہے اپنے آپ کو تمام مشوروں سے بے نیاز قرار دے لیتا ہے۔ اقتدار کا کوڑا ہاتھ میں لیکر تنقید و احتساب کے ایک ایک دروازے کو بند کر دیتا ہے۔ عوام کے بنیادی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے سیاہ قانون بناتا ہے۔ اپنی عیاشیوں کو جاری اور لوگوں کی زبانوں کو بند رکھنے کے لئے گھناؤنے احکام جاری کرتا ہے اور جب ملک و قوم کو اچھی طرح لوٹ کھسوٹ لیتا ہے تو اپنے تحفظ کی مکمل ضمانت حاصل کر کے اقتدار اپنے ہی جیسے کسی دوسرے غاصب کے ہاتھ دیکر گوشۂ عافیت میں جا بیٹھتا ہے ــــــ مگر آہ دانشوروں، صحافیوں، لیڈروں اور عالموں کے اس جمِ غفیر میں ایک ابوحنیفہؒ ایک ابن ابی ذئب نہیں ملتا جو کہ عزیمت کیساتھ جابر اہلِ اقتدار کے خنجر بُرّاں کا مقابلہ کرے اور اسطرح حق گوئی کی اس حیات بخش روایت کو تازہ کرے جو ہمارے اسلاف نے قائم کی تھی۔

(الحسنات)

ہمیں ایک نئے جمہوری و روحانی نظام کی ضرورت ہے

نئی نسل کی از سرِ نو تربیت کی جانی چاہئے

ممتاز مذہبی سکالر ڈاکٹر رشید جالندھری سے بات چیت

ڈاکٹر رشید جالندھری پاکستان کے علمی و دینی حلقوں کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ انہوں نے جامع الازہر اور کیمبرج یونیورسٹی سے اکتسابِ علم کرنے کے علاوہ دنیا کی بعض بڑی اور معروف لائبریریوں کو بھی کھنگالا ہے اسی لئے انکا حلقہ احباب مصر، سعودی عرب، برطانیہ اور امریکہ تک کے دانشور حلقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ڈاکٹر رشید جالندھری نے دینِ اسلام کا مطالعہ کسی مسلک کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک سچے کھلے دل و دماغ کے راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے کیا ہے۔ آج کل آپ بلوچستان یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے چیئرمین ہیں۔

س: ملک میں اجتماعی زندگی کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں آپ ان کوششوں کو کس طرح دیکھتے ہیں اور ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: بھائی! واقعہ یہ ہے کہ اصولی طور پر ایک نئے روحانی نظام کی تلاش وقت کا اہم تقاضا ہے جس کے لئے نہ صرف مسلم مفکر بلکہ بعض مغرب کے ممتاز مفکرین بھی مضطرب ہیں۔ مثلاً آئن سٹائن اور ٹائن بی بھی ایسے روحانی نظام کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ CIVILIZATION ON TRIAL (تہذیب کی آزمائش) ٹائن بی کی مشہور کتاب ہے۔ اس میں اس نے تفصیل سے مشینی آدمی کی محرومیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ حالیہ دور میں پاکستان کی کوئی بھی حکومت مسلمانوں کے موجودہ مسائل کو حل کرنے کے لئے ایسے نظام کی تلاش میں ہے تو یہ امر بذاتِ خود ایک درست اقدام ہے اور مسلمانوں کی تمناؤں کا مظہر ہے۔ پاکستان میں ماضی میں نظامِ مصطفےٰ کے نام سے تحریک چلی اور اس سے پہلے بھی لوگوں نے مظاہرے کئے اور ان مظاہروں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہم موجودہ اجتماعی نظام سے مطمئن نہیں ہیں۔ ہر چند کہ عوام نے اپنی امنگوں کے اظہار کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ پاکستان، ایران اور افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا محرک یہی جذبہ ہے کہ ہمیں ایک ایسے جمہوری و روحانی نظام کی ضرورت ہے جو ہمارے مادی روحانی مسائل کا حل پیش کر سکے۔ چنانچہ ہمیں اپنی روایات کے مطابق اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے اپنا تاریخی کردار ادا کرنا چاہیئے اگر موجودہ حکومت اس مبارک کام میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ ایک تاریخی کارنامہ ہوگا۔

س: ابھی تک نظامِ اسلام کے قیام کے سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی ہے مذہبی اور دوسرے حلقے اس سے مطمئن نہیں ہیں اور ان کا

خیال ہے کہ نفاذ اسلام کی رفتار اطمینان بخش نہیں، آپ یہ فرمائیں اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے کیا کیا جانا چاہیئے اور دشواریاں کیا ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذہب کی تعبیر میں متعدد نقطہ ہائے نظر سے بھی دشواری پیش آ رہی ہے۔ آخر کس تعبیر یا رائے کو آخری رائے مانا جائے؟

ج: یہ صحیح ہے کہ اسلامی نظام کی تعبیر و تشریح میں اختلاف ہے جس کے نتیجہ میں بعض حلقوں کے مطابق فکری انتشار پیدا ہو رہا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض افکار فکری انتشار کا موجب بنتے ہیں لیکن اختلاف رائے اور اختلافِ فکر بشرطیکہ وہ اخلاص سے ہو اور علمی ہو صحت مند روایات کو آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مذہب کے بلند اصول ہوں یا اخلاق کے بلند پایہ افکار یا ادبِ عالیہ کی تخلیق، ان سب میں اختلافِ فکر نے نمایاں رول ادا کیا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ عملی طور پر اسلام کو کس طرح نافذ کیا جائے اور اسکی تشریح میں جو اختلافات سامنے آئے ہیں ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوا جائے اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ جن لوگوں نے گہری سوچ بچار کے بعد مسلم تہذیب و ثقافت اور مغربی اندازِ فکر کی ویرانیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کا خواب دیکھا تھا۔ انہی شخصیات کے افکار کی روشنی میں نئے اجتماعی نظام کی بنیادیں تلاش کی گئیں مثلاً ڈاکٹر اقبال مرحوم جنہوں نے پاکستان کا تخیل دیا ان کا خیال یہ تھا جیسا کہ انہوں نے ۱۹۳۰ء کے الہ آباد کے خطبہ میں واضح کیا تھا کہ وہ ایک ایسی سوسائٹی کی تشکیل چاہتے ہیں جو اسلام کے آفاقی ابدی اور بلند اصولوں پر مبنی ہو اور ان تمام دھبوں کو دھو یا جائے جو عرب ملوکیت نے اسلام کے دامن پر لگائے ہیں۔ اقبال مرحوم کی تحریروں خاص طور پر چھ انگریزی لیکچرز اور دوسری نثر کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس نظریۂ حیات کی نئی شکل کیا ہوگی۔ ان تحریروں کے مطالعہ کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اقبال ایک ایسے جمہوری نظام کے قائل ہیں جس کی بنیادیں اخلاقی قدریں ہیں اور اس میں سرمایہ دارانہ نظام یا خالص مادی نقطۂ نظر کی گنجائش نہیں۔ نیز یہ کہ سیاسی جمہوریت کیساتھ معاشی اور اقتصادی عدل و انصاف کا قیام از بس ضروری ہے۔ یہ نقطۂ نظر ایسا ہے جس سے کسی ممتاز عالم یا مفکر کو اختلاف نہیں۔ غرض میں یہ کہہ رہا تھا اس نظام کو عملی طور پر نافذ کرنے کی ابتداء معاشی انصاف سے ہونی چاہیئے، دوسرے معنوں میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام کا تعلق خالق اور مخلوق دونوں سے ہے۔ عبادت جو بہت ہی اہمیت رکھتی ہے اور انسان کی اخلاقی اصلاح میں زبردست رول ادا کرتی ہے انسان کا رشتہ خدا سے جوڑتی ہے۔ رہا مخلوق کا سوال تو اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے ہے۔ ان معاملات کو با حسن طریق انجام دینے کے لئے قرآن مجید، سُنّتِ رسُولؐ اور خلفائے راشدینؓ کا عمل ہمارے لئے دلیل راہ ہے۔ اقبال نے انہی سرچشموں سے سیراب ہو کر اجتہاد سے کام لیتے ہوئے نئے مسائل کو سلجھایا ہے اس نوع کی ایک تقریر انہوں نے پنجاب کونسل کے ایک اجلاس میں کی اور کہا "میری نظر میں ہندوستان میں اسلام کے مستقبل کا انحصار پنجاب کے کاشتکاروں پر ہے" مطلب یہ تھا کہ ان کسانوں کو صحیح تربیت دی جائے جو نئی سوسائٹی کی تخلیق میں بنیادی کردار ادا کریں گے۔ اقبال نے پنجاب کا نام اس لئے لیا تھا کہ یہاں کسانوں کی اکثریت تھی ظاہر بات ہے کہ مسلم اکثریت کی صحیح تربیت ہو جائے تو پھر ہماری مشکلات کا ازالہ بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اقبال کے ارشادات کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیئے اس سے ہمارے بہت سے اقتصادی اور معاشی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ۱۹۰۶ء میں انہوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں کو اپنی تہذیبی بقا کے لئے

جاپان سے سبق لینا چاہیئے۔ یہ کہتے ہوئے ہمیں خوشی ہوئی ہے کہ جاپان ایشیاء میں ایسا ملک ہے جس نے اپنی بے پناہ محنت سے کام لیکر مغرب کو شکست دی ہے۔ اگر جاپان یہ تاریخی کام کرسکتا ہے تو پاکستان اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ ہم اسلامی اُمّہ کا ایک اہم عنصر ہیں اگر ہم صحیح منصوبہ بندی کریں اور دیانتداری سے کام کو آگے بڑھائیں تو معجزوں کی تخلیق ہوسکتی ہے اور دوسری بڑی بات یہ ہے کہ اس نئی سوسائٹی یا معاشرہ کی تخلیق میں بنیادی کردار نسلِ نَو ادا کرسکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہوگا جب نئی نسل کی از سرِ نو تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جائے یعنی ذہن میں انقلاب برپا کئے بغیر نئی سوسائٹی کی تخلیق اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ متضاد تعبیریں جن کے بارے میں اکثر اظہارِ خیال کیا جاتا ہے کی تفہیم کے لئے ہمیں اقبال کے خیالات کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور اس مطالعہ کے بعد ہمیں ایک فلاحی، روحانی، جمہوری ریاست کی تشکیل میں بڑی مدد ملے گی۔ میں نے پہلے بھی تعلیم و تربیت کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر اقبال بھی نظامِ تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں برپا کرنے کے قائل تھے جہاں تک قانونی تبدیلیوں کا تعلق ہے وہاں میرا ہمیشہ سے خیال رہا ہے کہ اس کورس میں ڈاکٹر صاحب کے چھٹے لیکچر کو شامل کرنا نہایت مفید رہیگا بلکہ میں نے اس سے پہلے اپنے بعض مضامین میں بھی یہ لکھا ہے کہ ان خطبات کا اب عربی ترجمہ ہوچکا ہے اور اس لیکچر کو اگر درسِ نظامی میں شامل کرلیا جائے تو یہ بہت مفید ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے عہد کے معروف علماء سے بھی استفادہ کیا ہے اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اہلِ نظر کو علم ہے اس طریقہ سے اس فکری انتشار سے بچ نکلنے میں ہم کامیاب ہوجائیں گے جس کا اظہار بعض اہل درد کرتے رہتے ہیں۔

مجھے فخر ہے کہ میں مولانا حسین احمد مدنی رح کے درس میں شریک رہا ہوں

س: ڈاکٹر صاحب آپ کے مختلف مکاتیب فکر کی شخصیات سے تعلقات ہیں جن میں کمیونسٹ بھی شامل ہیں جبکہ آپ خود مسلمان ہیں اور دیوبندی ہیں اس کے باوجود بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا تعلق احمدیوں کی لاہوری جماعت سے بھی ہے۔ اس سلسلہ میں آپ وضاحت فرمائیں؟

ج: یہ کہنے کی ضرورت نہیں، میرے اکثر دوست جانتے ہیں کہ میرا تعلق دیوبندی مکتب فکر سے ہے اور تصوف کی طرف میرا دھیان کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس بات سے بہت لوگ واقف ہیں کہ میرے اور میرے خاندان کی عقیدت برصغیر کے معروف روحانی رہنما مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے ہے۔ میرے خلاف جرم کی جب بھی فہرست تیار ہوئی وہ مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا نام ضرور آیا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں حضرت مدنیؒ کے درس میں شریک رہا ہوں اور ان سے علمی و روحانی استفادہ کیا۔ یہ شرف میری زندگی کا اہم کارنامہ ہے۔ کیا کوئی قادیانی مولانا حسین احمد مدنیؒ کا عقیدتمند ہوسکتا ہے؟ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کوئی کہے کہ مرحوم عطاء اللہ شاہ بخاریؒ در پردہ مرزائیوں سے ملے ہوئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا تعلق ہر مکتب فکر سے بلکہ عیسائیوں اور ہندوؤں سے بھی۔ باقی رہا آپ کا سوال کہ بعض لوگ خدشہ ظاہر کرتے ہیں کہ میرا تعلق احمدیہ جماعت کے لاہوری فرقہ سے ہے اس کے بارے میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جن لوگوں نے یہ مکروہ پروپیگنڈہ کیا ہے انہوں نے کسی اخلاقی ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا۔ میرے اکثر مضامین نظریۂ مہدیت اور احمدی جماعت کے بانی کے خیالات کی تردید میں ہیں۔ مثلاً حال ہی میں میں نے اپنی تالیف "قرآن مجید اسلامی

فکر کا بنیادی سرچشمہ" ط۔ ۱۹۸۱ء میں لکھا ہے کہ نبوت کا ظلی یا بروزی تصور قرآنی، اسلامی روایات اور مسلم مفکرین کے اجتماعی فیصلے کے یکسر خلاف ہے اس کا کوئی تصور قرآن یا عرب روایات سے نہیں۔ یہ وقت کی ستم ظریفی ہے کہ مجھ جیسے آدمی کے بارے میں جس نے اس مسئلہ پر تھوڑا بہت لکھا ہے اور جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی دوسرے خود ساختہ نبوت کے ذکر کو بھی رسول اکرمؐ کے خلاف گستاخی تصور کرتا ہے کے بارے میں یہ پروپیگنڈا واقعی گھٹیا سیاست اور اخلاقی پستی کا کرشمہ ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ میں کسی بھی مذہب کے خلاف خواہ وہ کوئی ہو سوقیانہ انداز میں بات کرنا اسلامی تعلیمات کے خلاف سمجھتا ہوں۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ بلوچستان یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں کوئی فاسد عقیدے کا آدمی نہیں جا سکتا۔ بلوچستان کے لوگ پٹھان ہوں یا بلوچ اپنے مذہبی روایات میں دوسرے صوبوں سے زیادہ معروف ہیں۔ یونیورسٹی کی انتظامیہ اور وائس چانسلر انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ میرے تقرر پر انہوں نے پوری انکوائری کرلی تھی۔

س: آپ بلوچستان سے حال ہی میں آئے ہیں اور وہاں آپ یونیورسٹی سے وابستہ ہیں آپ اس خیال سے اتفاق کرینگے کہ بلوچستان میں نئی نسل میں بے چینی بڑھ رہی ہے؟

ج: دیکھئے نہ صرف بلوچستان میں بلکہ پورے پاکستان میں نئی نسل نئے فکر سے سرشار ہو رہی ہے۔ آپ غور و فکر پر پہرے نہیں لگا سکتے جوانی کا یہ فطری تقاضا ہے کہ وہ ایک جذبہ کے ساتھ تلاش حق کے لئے سرگرداں رہے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کراچی لاہور یا اسلام آباد میں بعض لوگ بلوچستان یونیورسٹی کے بارے میں غلط اور بے بنیاد پراپیگنڈہ اور مفروضے قائم کرتے رہتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے اس اہم تاریخی اور سیاسی علاقے میں لوگ اور کسی انداز میں سوچتے ہیں۔ البتہ اتنی بات درست ہے کہ نئی نسل بعض تصورات سے دست بردار ہو رہی ہے پرانے تصورات کی جگہ نئے تصورات سامنے آرہے ہیں۔ سنجیدہ علمی حلقوں کی رائے یہ ہے کہ علمی اور فکری زندگی میں بلوچستان کے لوگ ملک کے دوسرے حصوں سے آگے بڑھ جائیں گے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے پنجاب اور کراچی یونیورسٹی کے برعکس بلوچستان یونیورسٹی سیاست اور نعرہ بازی سے پاک ہے۔ اساتذہ اور طلبہ دونوں ہی اپنے مقاصد میں مصروف رہتے ہیں۔ کوئٹہ کی "بک شاپس" میں انگریزی کتابیں بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں تعلیم کا معیار بہتر ہو رہا ہے۔ میری دانست میں اگر بلوچستان یونیورسٹی خاموشی سے حالیہ رفتار سے کام کرتی رہی تو وہ بہت جلد پاکستان کی دوسری یونیورسٹیوں میں سرفہرست ہوگی اور اس کا معیار تعلیم سب سے بلند ہوگا لیکن یہاں پر اس بات کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ بعض اوقات نئی نسل میں احساس محرومی کے آثار نظر آتے ہیں لیکن یہ احساس محرومی کوئی ایسی چیز نہیں جس کی بنیاد پر بے بنیاد افسانوں کی عمارت کھڑی کر دی جائے۔

معروف مفکر اور تاریخ دان ٹائن سے یہ کہا گیا کہ آج کل تمہاری کتابوں پر برطانیہ میں سخت تنقید ہو رہی ہے۔ تو اس نے کہا تھا کہ دوسری جنگ کے بعد برطانیہ دوسرے درجے کی طاقت بن کر رہ گئی ہے جس کی وجہ سے یہاں کے دانشور مایوس ہو کر میری کتابوں پر تنقید کر رہے ہیں جبکہ اس سے پہلے وہ میرے مداح تھے۔ اس طرح اب میرے خلاف فسٹریشن کا اظہار کر رہے ہیں۔

تذکرۂ اسلاف

نفیس الدین صدیقی
بی ایچ ڈی

حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ

آپ کی علمی اور دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں!

O

حضرت مولانا محمد احمد تھانویؒ ایک بلند پایہ عالم اور بزرگ تھے۔ مجھے شروع ہی سے ان کی شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے ابتدائی تعلیم سے لیکر کراچی یونیورسٹی سے ایم اے تک اور اس کے بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنے تک میری رہنمائی فرمائی اور ظاہری و باطنی تربیت فرمائی جس کی وجہ سے ایک عرصہ سے نائجیریا کی یونیورسٹی میں تدریس کا کام سرانجام دے رہا ہوں۔ آج مولانا کو مرحوم لکھتے ہوئے قلم ساتھ نہیں دے رہا۔ مولانا ہندوستان کے ایک بہت متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور نسبتاً فاروقی تھے ابتدائی تعلیم حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے زیر نگرانی خانقاہ تھانہ بھون سے حاصل کی اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم میں اس زمانہ کے مشہور اساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مولانا عبد الرحمٰن کاملپوریؒ اور مولانا اسعد اللہؒ وغیرہ سے تعلیم حاصل کی اور ایک لائق شاگرد بن کر استاذ حدیث کے درجہ پر فائز ہوئے۔

حفظ قرآن سے لیکر دورۂ حدیث اور تکمیل تک تمام علوم دینیہ میں تفسیر قرآن، حدیث، فقہ، کلام، منطق، فلسفہ اور فن تاریخ سے نہ صرف استفادہ حاصل کیا بلکہ ان پر مکمل عبور حاصل کیا۔ دستار فضیلت اور تکمیل کے بعد کئی سال تک اپنے اساتذہ کرام کے زیر نگرانی مظاہر العلوم سہارنپور میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے حکم سے جامع العلوم کانپور میں استاذ حدیث کی حیثیت سے تشریف لے گئے جہاں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک عرصہ تک صدر مدرس کے فرائض انجام دے چکے تھے۔ مولانا محمد احمد صاحبؒ نے کانپور کی ایک بڑی مسجد میں باقاعدہ درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا جو قیام پاکستان تک جاری رہا۔ کانپور کے اکثر حضرات مولانا کی دینی خدمات سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ تہہ دل سے معترف بھی ہیں۔ جامع العلوم کانپور میں استاذ حدیث کی حیثیت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے روحانی سلسلہ قائم کیا جو کہ حضرت تھانویؒ کی وفات تک جاری رہا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ مولانا محمد احمد تھانویؒ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور متعدد مقامات پر حکیم الامتؒ نے مولانا محمد احمد تھانویؒ کی دینی خدمات کو سراہا اور اپنی خصوصی اور عمومی مجالس میں ان کے تقویٰ و طہارت اور علم کی تعریف کی جس سے حضرت تھانویؒ سے متعلق عام حضرات بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت تھانوی کے خلفاء جن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ حضرت بابا نجم احسن صاحبؒ حضرت ڈاکٹر عبد الحئی صاحب حضرت مولانا ابرار الحق صاحب حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مولانا محمد احمد تھانویؒ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور انہیں انتہائی قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قیام پاکستان کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانویؒ نے مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حکم اور قائد ملت لیاقت علی خان کے مشورہ پر رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کرنے کے لئے ہندوپاک میں دورے کئے۔ جمعیت علماء اسلام کانپور کے صدر رہے اور بڑھ چڑھ کر قیام پاکستان کے بعد سندھ کے مشہور شہر سکھر میں آکر آباد ہو گئے۔ آتے ہی انجمن مہاجرین کے صدر منتخب ہوئے۔ سکھر میں ابتدائی زمانہ کے تمام مہاجرین مولانا محمد احمدؒ کے مرہون منت ہیں۔ جنہوں نے دن رات ایک کر کے مہاجرین کو سکھر میں آباد کیا۔ اس زمانہ کے سرکردہ حضرات جن میں محمد ایوب کھوڑو مرحوم قاضی فضل اللہ مولا بخش سومرو حامد حسن فاروقی مرحوم عبدالستار پیرزادہ سے مولانا تھانویؒ کے ذاتی اور دوستانہ مراسم تھے۔

ابتدائی زمانہ میں انتظامیہ سے ایک قطعہ زمین حاصل کر کے ایک بہترین مسجد تعمیر کرائی جس کا نام مکی مسجد رکھا جو اسوقت ضلع سکھر میں تبلیغ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ آپ شہر کے تمام طبقات میں ہر دل عزیز تھے کہ شہر کی عیدگاہ میں عیدین کی نماز کی امامت آپ فرماتے تھے آپ کے انتقال کے بعد آپ کے جانشین اور فرزند مولانا اسعد تھانوی عیدین کی امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سکھر میں بندر روڈ پر جامع مسجد تعمیر کرائی جو کہ نہ صرف ضلع سکھر بلکہ اندرون سندھ کی سب سے بڑی اور خوبصورت مسجد ہے جس کی تعمیر میں سکھر کے تمام مخیر حضرات نے بھرپور حصہ لیا جو مولانا محمد احمد تھانویؒ سے عقیدت اور محبت رکھتے تھے اس مسجد میں آپ تاعمر بلاکسی معاوضہ کے خطابتِ جمعہ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مولاناؒ کا ایک بہت بڑا کارنامہ اور دین کی جیتی جاگتی خدمت مدرسہ اشرفیہ سکھر کا قیام ہے جو ابتدائی مراحل میں اپنے مکان کے مردانہ حصے میں اور بعد میں بڑے مکان میں شروع کیا گیا اور بالآخر شہر کے وسط میں ایک وسیع زمین خرید کر مولانا تھانویؒ نے ایک پُرکشش عمارت مدرسہ اشرفیہ سکھر کی تعمیر کرائی مدرسہ اشرفیہ سکھر اسوقت سندھ کے بڑے مدرسوں میں سے ایک ہے انتظام اور اہتمام کے لحاظ سے پورے سندھ میں مدرسہ اشرفیہ یکتا حیثیت رکھتا ہے جہاں حفظ قرآن سے لیکر دورہ حدیث تک تمام کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ مولانا محمد احمد تھانویؒ کے دینی فیوض اور برکات سے جو لوگ مستفیض ہوئے اور اس ادارے سے ہزاروں علماء و حفاظ فارغ ہوئے وہ آج ہندوستان، ایران، افغانستان، سعودیہ، ملایا، برما، بنگلہ دیش، نائیجیریا، لندن، آسٹریلیا اور امریکہ میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور علم دینیہ کی اشاعت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں پاکستان میں بھی مولانا کے متوسلین اور معتقدین کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ دینی خدمات کے اندر مولاناؒ کی ایک سب سے بڑی اور ہمیشہ قائم رہنے والی دینی خدمت یہ بھی ہے کہ سکھر میں مقیم پوری "بھیل" قوم نے آپ کی دیرینہ تبلیغی کوششوں کے نتیجہ میں اللہ کے فضل سے مولانا کے ہاتھ پر ہندو مذہب چھوڑ کر اسلام کو قبول کیا جن کے سرکردہ افراد کی تعداد اسوقت تیس ہزار کے قریب تھی۔ مولاناؒ کے ایماء پر اس بستی کا نام "بشیر آباد" تجویز کیا گیا۔ اس کا مختصر واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت مولاناؒ مدرسہ اشرفیہ سکھر کی تعمیر کرا رہے تھے اور بھیل قوم کے افراد وہاں مزدوری اور ٹھیکیداری کی حیثیت سے کام سرانجام دے رہے تھے مولانا کا حسن اخلاق اور کردار اتنا اثر انگیز تھا کہ انہوں نے مولانا تھانویؒ سے اسلام لانے کی خواہش کا

اظہار کیا۔ شہر کے لوگوں کے بے پناہ تعاون کی بدولت پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا۔ اسلام لانے کے بعد ان افراد پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل فرمایا اور کل کے مزدور آج مالدار و عزت مند ہیں۔ آج بشیر آباد سکھر میں اسی نو مسلم بھیل قوم میں نہ صرف حفاظ بلکہ علماء کی ایک تعداد موجود ہے اور میونسپل کارپوریشن میں عہدیدار بھی موجود ہیں۔

اہلِ سکھر کو مولانا تھانویؒ کی بدولت سید سلیمان صاحب ندویؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مولانا مفتی محمد شفیعؒ مولانا خیر محمدؒ مولانا محمد علی جالندھریؒ مولانا محمد عبداللہ درخواستی، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ مولانا غلام اللہ خانؒ مولانا احتشام الحق تھانویؒ مولانا محمد یوسف بنوریؒ جیسے جید علماء اور اکابرین کی تقاریر سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا بلکہ ان علماء کو نزدیک سے دیکھنے اور ان کی دینی خدمات سے فیضیاب ہونے کے مواقع بھی میسر آئے۔ مولانا نے سکھر میں دینی جلسوں کے علاوہ بین الاقوامی محافلِ قرأت کا بھی اہتمام کرایا جس کی بدولت سکھر میں رہنے والے حضرات کو جناب قاری عبدالباسط صاحب جناب محمود خلیل مصری اور دنیائے اسلام کے مختلف قراء حضرات سے نہ صرف قرأت سننے کا شرف حاصل ہوا بلکہ ان سے ملاقاتیں بھی رہیں۔

مولانا محمد احمد تھانویؒ ایک بلند پایہ مقرر خطیب استاذ حدیث مفسر قرآن کریم اور انتہائی با اصول عالم اور دیانتدار مہتمم تھے مولانا کے علم و فضل سے جہاں پاکستان میں ہر جگہ رہنے والے فیضیاب ہوئے وہاں خاص طور پر ضلع سکھر کے علمی اور دینی حلقوں نے بھی استفادہ کیا۔ سرکاری عہدیداران، کالجوں کے پرنسپل ڈاکٹر انجینئر کاروباری حضرات اکثر اوقات مولاناؒ کی خدمت میں حاضری دیکر فیضیاب ہوتے رہتے تھے ضلع سکھر میں مولانا کی وجہ سے دینی فضا قائم ہوئی اور لاکھوں افراد کی اصلاح ظاہری اور باطنی ہوئی۔ مولانا بہت وجیہہ شخصیت کے مالک تھے باوقار منکسر المزاج، فعال اور ایک مستحکم کردار کے مالک تھے۔ اور اپنے پرائے سب مولانا کے علم و فضل کے معترف تھے۔

مولانا محمد احمد تھانویؒ کا ایک کارنامہ اپنی اولاد کی دینی اور دنیاوی تربیت اور تعلیم بھی ہے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے تین اولاد نرینہ عطا فرمائیں سب سے بڑے صاحبزادے مولانا محمد اسعد تھانوی جو کہ ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ معاشیات میں ایم۔ اے اور ایل۔ ایل۔ بی ہیں باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں انتہائی سنجیدہ اور باوقار شخصیت ہیں مدرسہ اشرفیہ سکھر کے مہتمم گلشن عیدگاہ سکھر کے خطیب اور وفاق المدارس پاکستان کے روح رواں ہیں۔ دوسرے صاحبزادے مولانا محمد احمد تھانوی ہیں جو دینی اور دنیاوی دونوں تعلیموں سے مزین ہیں، مشہور مقرر شعلہ بیان خطیب منکسر المزاج با اخلاق اور دینی کاموں میں ہر جگہ آگے نظر آتے ہیں ان کا خود ایک بہت بڑا حلقہ ہے۔ تیسرے صاحبزادے مولانا محمد شاہد تھانوی ہیں جو ایک عرصہ تک مدرسہ اشرفیہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور مدرسہ کے کامیاب ترین ناظم طلباء بھی رہے۔ طلباء کی اکثریت ان کی شیدائی تھی۔

مدرسہ اشرفیہ کے بانی سکھر کی معروف ہستی عالم بے مثال مقرر بے مثال جناب مولانا محمد احمد تھانویؒ ۲۹ر دسمبر ۱۹۷۶ء کو کراچی میں انتقال کر گئے اور کراچی ہی میں پاپوش نگر کے قبرستان میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ اور اسطرح خانوادۂ تھانوی کا یہ روشن چراغ گل ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎ خدا مغفرت کرے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

آہ

شیخ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اُستاذ شعبۂ تجوید و قرأت خیر المدارس ملتان

ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ تجوید و قرأت کے صدر اور جیّد عالمِ دین، صوفی باصفا شیخ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب مورخہ ۲۹ ستمبر شب ساڑھے دس بجے ۶۳ برس کی مسنون عمر میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ ادارہ "الرشید" اور جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے خدام، صاحبزادگان و لواحقین اور تلامذۂ حضرت قاری صاحبؒ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت قاری صاحبؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (ادارہ)

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے نامور فضلاء میں سے تھے۔ آپ ۱۳۴۱ھ کو پانی پت میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم حافظ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی سے حاصل کی۔ فارسی، عربی، صرف و نحو اور قرأت کی تعلیم مولانا قاری فتح محمد صاحب (مقیم حرم شریف ہے) حاصل کی۔ ۱۳۵۸ھ میں آپ نے عالمِ اسلام کی عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا قاری اصغر علی، مولانا مفتی ریاض الدین، مولانا عبدالسمیع، مولانا محمد ادریس اور مولانا محمد ابراہیم سے فقہ، اصولِ فقہ اور حدیث و تفسیر کی تعلیم حاصل کی اور شعبان ۱۳۶۴ھ میں دورۂ حدیث شریف کی سند حاصل کی۔

قیامِ پاکستان سے قبل مجاہدِ ملت حضرۃ مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ کے ایماء پر ملتان تشریف لائے اور مسجد سراجاں ملتان میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان کی نشأۃِ ثانیہ کے بعد آپ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی علمیت اور ہر دلعزیزی کے پیشِ نظر خیر المدارس سے وابستہ ہو گئے۔ آپ تاحیات شعبہ تجوید و قرأت کے سربراہ اور صدر رہے۔

اس دوران آپ نے سینکڑوں قراء اور ہزاروں حفاظِ قرآن پیدا کئے اور یوں قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بنے۔ آپ کے تلامذہ کرام نہ صرف پاکستان میں بلکہ ایران و افغانستان، بنگلہ دیش، ترکی، متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب میں خدمتِ قرآن سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ کی چالیس سالہ تدریسی زندگی حُسنِ تدبر، اخلاص و پاکبازی کا مظہر تھی۔ آپ کے نامور تلامذہ میں ولی کامل

حضرت مولانا خان محمد صاحب کندیاں، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب سابق صدر خیر المدارس و قاسم العلوم ملتان، حضرت قاری محمد عبداللہ صاحب (مدینہ منورہ) حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی جیسے اہلِ علم حضرات شامل ہیں۔

آپ ۱۳۶۴ھ میں شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ سے بیعت فرمائی۔ بعد ازاں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت فرمائی۔

آپ تدریس کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی کتب مفیدہ کے مصنف بھی تھے چنانچہ تجوید و قرأت کے فن پر متعدد کتابیں تصنیف و تالیف فرمائیں اور کئی کتابوں پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے۔ آپ کی تصانیف میں قرأتِ عشرہ پر متعدد رسائل کے علاوہ شرح مقدمہ جزریہ، شرح طیبۃ النشر اور تکمیل الاجر بھی شامل ہیں۔

آپ کی اولاد میں چار صالح صاحبزادے حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب استاذ جامعہ انوریہ جانشین حضرت قاری صاحبؒ دوسرے صاحبزادے قاری عبیداللہ، قاری اہل اللہ صاحبان جامعہ خیر المدارس کے فارغ التحصیل عالم ہیں جبکہ چوتھے اور سب سے چھوٹے صاحبزادے قاری نصراللہ صاحب ابھی خیر المدارس میں زیر تعلیم ہیں۔

حضرت قاری صاحب موصوفؒ نے تحریک ختم نبوت، تحریک نفاذِ اسلام اور تحریک نظامِ مصطفےٰ میں بھرپور حصہ لیا آپ کے بے شمار شاگردان تحاریک میں شہید ہوئے۔ آپ چھ ماہ تک تحریک ختم نبوت میں سنٹرل جیل لاہور میں صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ حضرت قاری صاحب مرحوم فنِ قرأت کے مجدد تھے اور حقیقتاً فانی القرآن تھے اور لاکھوں انسانوں کے دلوں کو منورِ قرآن سے منور کرنے والے تھے اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ امام القراء حضرۃ قاری صاحب مرحوم کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

بقیہ: درود و سلام

مولوی محمد بشیر نقشبندی، مولانا صاحبزادہ ریاض محمود چشتی۔

ان حضرات سے ہماری گذارش ہے کہ وہ باقی اختلافات سے قطع نظر کرتے ہوئے اس مسئلہ کو کہ نماز سے باہر درود ابراہیمی پڑھنا مکروہ ہے اچھی طرح سوچیں اور اگر آپ کے خیال میں یہ مسئلہ صحیح نہیں تو آپ اس باب میں اس طالب علم سے علی الاعلان لاتعلقی کا اظہار کریں تاکہ آپ کے حلقۂ عقیدت میں اس غلط اور گمراہ کن عقیدے کا گزر نہ ہو۔ ان ارید الا الاصلاح فما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

(محمد اقبال)

نتائج امتحانات سالانہ
شعبہ
تجوید و قرأت رشیدیہ

باسمہٖ سبحانہٗ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد

آج مورخہ ۲ رشعبان المعظم ۱۴۰۲ھ بروز بدھ حسب الحکم مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدی مدیر الجامعہ و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال مدرسہ ھٰذا کے شعبۂ تجوید کے سالانہ امتحان کے لئے حاضری کا اتفاق ہوا فارسی کے درجہ سے لیکر درجۂ رابعہ تک پانچ درجات کا امتحان لیا۔

درس نظامی کے ان طلبہ کا قرآن مجید کو صحت و عمدگی کے ساتھ پڑھنا قابلِ رشک ہے۔

اکثر و بیشتر مدارس میں قرآن پاک کی تصحیح کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ لیکن ادارہ جامعہ رشیدیہ کا یہ اہتمام دیکھکر بے حد خوشی و مسرت ہوئی۔ گویا جامعہ رشیدیہ کی یہ ایک خصوصیت ہے۔

مدرسہ جامعہ رشیدیہ میں جہاں اور علوم و فنون کو معیاری طور پر پڑھایا جاتا ہے وہاں قرآن مجید کی تصحیح کی طرف بھی پوری پوری توجہ دی جاتی ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک حمداً کثیراً

اس تمام حسنِ انتظام اور خوبیٔ تعلیم کا سہرا استاذِ متعلقہ برادرم قاری محمود صاحب اور حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی ناظم اعلیٰ اور حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کے سر ہے۔

دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ :

" اللہ تعالیٰ ان حضرات کی مساعی جمیلہ اور اخلاص و للّٰہیت کی برکت سے مدرسہ ھٰذا کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے اور مدرسہ کو ہر قسم کے شر و فتن سے محفوظ رکھے۔ آمین "

احقر :

(قاری) محمد ابراہیم صدر مدرس و ناظم اعلیٰ

مدرسہ اُم اللہ تعلیم القرآن

فیصل آباد

Phone
No. 2356

REGD.
NO. 8054

MONTHLY. AL-RASHID. LAHORE PAKISTAN

ع اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما

دیارِ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حبیب کی بامراد مراجعت

فاضل حبیب اللہ رشیدی مدیر الجامعہ، معہ اہلیہ قریباً پانچ ماہ عمرات وزیارات حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً سے اپنے ساتویں حج مبرور کے ساتھ باکام، جامعہ رشیدیہ حاضر ہو کر ادارہ کی نظامت و خدمت میں مصروف عمل ہو گئے۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَمِنْهُمْ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَّسَعْيًا مَّشْكُوْرًا وَّعَمَلًا مَقْبُوْلًا وَّذَنْبًا مَغْفُوْرًا

فاضل رشیدی محسنین کے لئے دعا گو ہیں اور احباب سے دعا جو اور ادارہ وطلبہ کے لئے تعاون کی درخواست گزار ہیں۔

بحمد اللہ جامعہ کا قافلہ رشیدیہ حسب سابق اپنے جہاد میں مشغول ہے۔

(ادارہ الرشید)

بادارت
فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ جبرڈ، ساہیوال پاکستان

شاعرِ "الرشید" جناب شاکر سیالکوٹی

اَلرَّشِید

ایک آوازۂ ہاتف ہے مُجلّائے رشید
جو سُناتا ہے ہمیں حال میں ماضی کی نوید

اس سے ملتا ہے ہمیں حلم و اخوّت کا سبق
اس سے سیکھا ہے مسلماں نے درسِ توحید

اس میں ہے اُن علمائے پاک نژادوں کا بیان
سرنگوں کر نہ سکی جن کو جفا کی تہدید

اس کی ہر گونج ہے آوازِ صفا کی مانند
اس کی ہر ضرب ہے باطل کے لئے ضربِ شدید

یہ مبلّغ ہے رہِ رُشد و ہدایت کے لئے
جیسے داعی ہے حبیب اللہ کا شاگردِ رشید

[illegible] است
[illegible] تقدیر پدید

سرپرست: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائے پوری بانی جامعہ رشیدیہ

ماہنامہ

الرشید

جلد ۱۱ — دسمبر ۱۹۸۲ء

شمارہ ۲ — صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مدیر اعلیٰ
فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر
عبدالرشید ارشد

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

مقام اشاعت
۳۲ ے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

خطاط
حزب اللہ خالد

پرنٹر
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

آئینہ مضامین

فاضل حبیب اللہ رشیدی
مدیر الترتیب و ناظم تعلیمی
جامعہ رشیدیہ ساہیوال

راشدات

ادارہ

نتیجۂ فکر: فاطمہ ارشد الحسینی

یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

(۱) "الرشید" عشرۂ کاملہ کی منازل طے کرتا ہوا گیارھویں سال کے سفر پر ہے ......

یہ حقیقت مبنی بر صداقت کہ "الرشید" خالص علمی و تعلیمی، اصلاحی جریدہ ہے اور ادارہ جامعہ رشیدیہ کا ترجمان، دارالعلوم دیوبند کا خادم، وفاق المدارس العربیہ کا نمائندہ مجلہ ہے۔ جو اغراض و مقاصد جامعہ رشیدیہ کے ہیں وہی اصول و ضوابط "الرشید" کے ہیں۔

ادارہ فرقہ واریت میں غیر جانبدار اور سیاست سے پاک ہے۔ ملکی سیاسیات کی لائن الگ ہے اور سیاسی دنیا علیحدہ ہوتی ہے۔ ادارہ کا نقطۂ نظر صاف و شفاف ہے۔ بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم:

الیکشن، ممبری، کونسل، صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

باوجود ان یقینی دہانیوں کے یہ بات ہماری سمجھ سے بعید ہے کہ ادارہ کے کارکنان کی زبان بندیاں اور پابندیاں کیوں؟

فاضل خطیب و مدیر جامعہ ھذا عرصہ پانچ چھ ماہ سے قیام حرمین شریفین عمرہ و زیارات حج بیت اللہ سے واپس آیا اور تقریباً آٹھ ماہ سے ناظم جامعہ و مدیرِ "الرشید" کی ڈائری میں کوئی تقریر، بیان ندارد۔ لیکن ستم ظریفی ملاحظہ ہو اور فہرست ضلع ساہیوال کا بھی معائنہ فرمائیے:

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں   تڑپے ہیں مُرغ قبلہ نما آشیانوں میں

(۲) بیگانوں کی شکایت کے بعد اپنی حکایت

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد   وگر دم درکشم ، ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

اپنے اکابر ، رفقاء ، احباءِ جمعیۃ ، عزیزانِ طلبۂ اسلام سے پیشگی معذرت کیساتھ اور جاں بخشی کے بعد ....

گلہ جفائے وفا نما جو حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بُتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہَری ہَری

آہ "دارالعلوم دیوبند" کے حادثۂ مندرجہ کے بعد (بحمد اللہ جو ختم بھی ہوگیا اور علمی قافلہ تعلیمات دارالعلوم اپنی سابقہ روایات کے ساتھ رواں دواں ہے) اپنی پیاری جمعیتوں کے تیا پانچا ہونے کا سانحۂ عظیم اور انتہائی تاسف و تحیّر ہے ۔ جو سمجھتا ہے بکنے کا نہ سمجھانے کا ۔

جہلاء کو شاید سمجھایا جاسکتا ہے لیکن علماء و طلباء کو کون سمجھائے کہ ملّتِ اسلامیہ کا نقصان کتنا ہوا اور ہو رہا ہے ۔ اور آئندہ خطرات و خدشات باقی ہیں ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں   محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

واللہ ، باللہ ، تاللہ العظیم جمعیتوں کی تقسیم سے جماعتِ حقّہ کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اور نوجوانوں میں جو خلفشار و انتشار ہو رہا ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ۔ جس طرح عام علماء کے اختلافات اور رہنماؤں کے نزاعات اور اہلِ مذاہب کی لڑائیوں سے تمام لوگ مذہب سے متنفر ہو رہے ہیں اور لادینیت کا شکار ہو رہے ہیں ۔ اسی طرح اہلِ حق اور مجاہدین کی جماعتوں کے اختلافات بلکہ مخالفتوں سے ہمارے پرانے ساتھی بددلی ، بزدلی کا شکار ہو کر مایوس ہونے لگے ۔ اہلِ بدعت اہلِ سُنّت کا مذاق اڑانے لگے ۔ باطل طبقات حق والوں کو طعنے دیتے ہیں ۔ ابن الوقت اخبارات سرخیاں جما کر ہماری جمعیتوں کے اختلافات اچھالنے لگے جبکہ یہ اخبارات ہماری ایک اور نیک جمعیت کی خبریں چھپاتے تھے اور اب ہمارے اختلافات کی خبریں چھاپنے لگے ہیں ۔ ایسے حالات میں پس چہ باید کرد ؟ اور نوجوان کدھر جائیں ؟

بلاشک ہم چھوٹے ہیں لیکن بات بڑی کہتے ہیں اور سچی لکھتے ہیں ....

کسی دل جلے نے جانے کیوں کہہ دیا تھا ۔ سگ باش مگر برادر خورد مباش ۔

اس نقار خانے میں ہماری آواز کون سُنتا ہے ہم صدا بصحرا ہیں لیکن ؛

؎ کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق — نے ابلہ جمعیۃ ہوں ، نے تہذیب کا فرزند
؎ اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش — میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

راقم آثم ، خادم اور علماءِ دیوبند کے ادنیٰ رضا کار نے جب مدینہ منورہ میں ایسی دلآزار خبریں سنی تو سوائے ادعیہ کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جب بیت اللہ حاضری ہوئی تو اخبارات میں ناقابلِ برداشت احوال و کوائف پڑھے اور احباب سے واقعات سننے کے بعد :

اولاً : ۔ بیت اللہ میں اپنی توبہ و استغفار کے بعد موجودہ مکروہ عملی سیاست سے بھی علیحدگی پسندی ، غیر جانبداری کا عہد کیا ۔

ثانیاً : یہ عہد کیا کہ جامعہ رشیدیہ اور وفاق المدارس العربیہ ، مدارس اسلامیہ کی تعلیمی خدمات سرانجام دوں گا۔

ثالثاً : ۔ تعلیمی سرگرمیوں کے ساتھ ان شاء اللہ تبلیغی جدوجہد نیز تحفظ ختم نبوت میں بھی نصرت کیا کروں گا ۔

رابعاً : اہلِ حق کے طبقات اور مسلکِ حقہ کے حاملین میں اخوۃ ، اتفاق و اتحاد اور مصالحت کی مساعی میں پوری پوری قربانی اور اپنی زندگی ختم کردوں گا ۔

؎ دست از طلب ندارم تا کام من برآید — یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے اختلافات ختم کر کے متحد ہو جائیں اور اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں الگ الگ نہ بنائیں ۔ انتہوا خیراً لکم ۔ اُمید ہے کہ جمعیۃ والے حضرات میری جسارت پر رنجیدہ نہ ہوں گے بلکہ اتحادِ عمل فرمائیں گے اور میری تجاویز پر غور و فکر فرمائیں گے ع روئے سخن کس طرف ہو تو روسیاہ !

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم

قال علیہ السلام ید اللہ علی الجماعۃ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

؎ نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے جمعیتوں والو — تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

---

(۳) الحمد للہ ” دار العلوم دیوبند “ جاری و ساری !

بحمد اللہ ، اپنی محبوب مادرِ علمی اور عالم اسلام کی یونیورسٹی ، بین الاسلامی دار العلوم چار پانچ ماہ کی جبری بندش کے بعد کھل گیا ۔ بفضلہ تعالیٰ دار العلوم میں کوئی اختلاف ندارد ۔ انتظامیہ و شوریٰ کا مسئلہ چلتا ہوگا اور اداروں کی انتظامیہ کے امور و مسائل چلتے رہتے ہیں ۔ اختلافات اتنی بُری بات نہیں جس قدر مخالفت بڑا جرم ہے ۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے لیکر تعلیمی اداروں میں انتظامی اُمور میں الجھاؤ اور تعلیمی مسائل میں اختلاف ہو جاتا ہے ایسے اختلاف کو ہوا دینا کم ظرف

لوگوں کا کام ہے۔

دار العلوم دیوبند کی پوزیشن اور صحیح صورتحال یہ تھی کہ ناگفتہ بہ حالات کی بناء پر حکومت نے دار العلوم کی عمارات پر پہرہ لگا دیا تھا لیکن دار العلوم دیوبند کے تعلیمی جہاد اور تبلیغی سیلاب کو کون روک سکتا ہے۔ دار العلوم کے سامنے طبیہ کالج کی عمارات میں تعلیمی کام ہونے لگا۔ دار العلوم سے باہر میدان میں طلبہ و اساتذہ کے کیمپ لگا دیئے گئے۔ طلباء مختلف مساجد، عمارات اور مقامات میں مقیم و پناہ گزین ہو گئے اور اساتذہ و طلبہ اپنے تعلیمی کام میں منہمک ہو گئے۔

اہالیان شہر دیوبند اور ضلع بھر کے کسانوں نے غلہ کا انتظام کر دیا۔ بہر حال مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جملہ انتظامات مکمل ہو گئے اور قال اللہ قال الرسول کی صدائیں بلند رہیں۔

دار العلوم کے در و دیوار عارضی بند رہے تعلیم و تعلم اور درس و تدریس رمضان شریف میں بھی جاری و ساری رہیں اور اب تو دار العلوم اپنی پوری تاریخی آب و تاب سے تابناک ہے۔ تعلیمات کا سلسلہ شروع اور جملہ دفاتر شعبہ جات کام میں لگے ہوئے ہیں۔ شوریٰ دار العلوم ایک ذمہ دار انتظامیہ جماعت ہے اس لئے اب جملہ حضرات کو دار العلوم کے لئے ادعیہ و اعانت و نصرت کا کام کرنا چاہیئے۔

بعض کم ظرف بھائی اور نادان دوست دار العلوم کے مسئلہ پر اپنی کم ظرفی اور عقل دشمنی کا مظاہرہ کرتے تھے نورانی قاعدہ پڑھنے اور کچی پکی روٹی کھانے والے اسپر بغلیں بجاتے تھے اور خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ چلو چھٹی ہوئی ۔۔۔۔۔

اہل بدعت، اہل ہویٰ اور جملہ باطل فرقوں کو غلط فہمی نہ ہو۔ بحمد للہ ہم اہل حق ہیں اور سید الطائفہ کے قاسمی و رشیدی مجاہدین، محمودی و حسینی رضا کار، امیر شریعت کی فوج، علماء دیوبند کے جانثار، اشرفی و شبیری فدا کار زندہ و جاوید ہیں انشاء اللہ اس ملک میں کوئی نئی نبوت، جدید اسلام، نئی تعبیر شرک و بدعت کو ہرگز نہیں چلنے دیں گے

؎ باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے — آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

ہماری پالیسی یہ ہے کہ ہم کسی کو اولاً چھیڑتے نہیں اور اگر کوئی ظلم و زیادتی کرے تو اسکو چھوڑتے نہیں۔

بقول شورش کاشمیری مرحوم:

؎ گونجے گا چار کھونٹ میں نانوتوی کا نام — بانٹا ہے جس نے بادۂ عرفانِ مصطفےٰ

اور بقول مولانا ظفر علی خاں مرحوم:

؎ گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمد سے آج
جن سے ہے پرچم روایاتِ سلف کا بلند

تبلیغی جماعت

از: قاری زرّین عباسی (مری)

جماعت کا عام مفہوم یہ ہے کہ جماعت ایک خاص تنظیم ہوتی ہے اس میں مخصوص نظریات کے حامل لوگ شامل کئے جاتے ہیں۔ ان کا ایک خاص نظام ہوتا ہے۔ صدر، نائب صدر، سیکرٹری، خزانچی وغیرہ قسم کے مختلف عہدیدار ہوتے ہیں ہر ایک عہدیدار کے فرائض اور اختیارات معین کئے جاتے ہیں مجلس عاملہ اور عام ممبران کی دو الگ الگ فہرستیں ہوتی ہیں ماہوار یا سالانہ چندہ ہوتا ہے۔ ایک خاص مدت کے بعد انتخابات ہوتے ہیں اور اس قسم کے بہت سے ضابطوں کی پابندیاں ہوتی ہیں اس مفہوم کے اعتبار سے تبلیغی جماعت کوئی جماعت نہیں اس کا کوئی صدر یا سیکرٹری نہیں، رکنیت یا ممبرشپ کا کوئی نظام نہیں، کوئی فیس یا چندہ نہیں اور نہ ہی اس جماعت کے کوئی خاص سیاسی نظریات یا فرقہ وارانہ قسم کے عقائد ہیں یہ جماعت نہ تو سیاسی جماعت یا پارٹی ہے نہ مذہبی فرقہ یا گروہ ہے نہ ہی کوئی کاروباری تنظیم اور نہ کسی مخصوص طبقے کے متعلق لوگوں کی یونین ہے۔

مقصد اور طریق کار کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ دُنیا کی سب سے بڑی جماعت ہے اس کی شاخیں ملک کے ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں ہیں۔ اور دنیا کے ہر ملک میں اس کے کارکن رات دن مصروف عمل ہیں۔ ان سطور میں تبلیغی جماعت کے مقصد اور طریق کار کے بارے میں چند بنیادی اور ضروری باتوں کا بیان مقصود ہے۔

مقصد تبلیغی جماعت کا مقصد مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کرنا ہے کہ اس پر خدا اور رسُول نے کچھ فرائض عائد کئے ہیں مسلمان کو ان فرائض کی ادائیگی کے لئے فکرمند رہنا چاہیئے۔ ہر مسلمان اپنے رات دن کے اعمال کا جائزہ لے اور سوچے کہ اُس نے کس حد تک خُدا اور رسول ؐ کی طرف سے عائد کئے گئے فرائض کا احترام کیا ہے مسلمان کو سوچنا چاہیئے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسے کیا کرنا چاہیئے اور وہ کیا کر رہا ہے۔

تبلیغی جماعت کا مقصد غیر مسلموں کو یہ احساس دلانا ہے کہ انسان کی پیدائش بے مقصد نہیں۔ انسان خود بخود اس دنیا میں نہیں آیا بلکہ کوئی ذات ہے جس نے اسے پیدا کیا اور اس کے رزق یعنی ضروریاتِ زندگی کی بہم رسانی کا اہتمام کیا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اس خالق و مالک کو پہچان کر اس کی خوشنودی کے حصول کی کوشش کرے ایسا نہ ہو کہ انسان کی زندگی بے مقصد بن جائے اور پھر اس کا خالق و مالک اسے نیست و نابود کرے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تبلیغی جماعت والوں کے مقصد کے دو رُخ ہیں۔ ایک رُخ مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا

غیر مسلم یعنی عام انسانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے سلسلے میں اس جماعت کا مقصد مسلمانوں کو دین کے تقاضوں کا احساس دلانا ہے اور عام انسانوں کے بارے میں اس جماعت کا مقصد لوگوں کو بامقصد زندگی کی طرف دعوت دینا ہے۔

طریق کار

تبلیغی جماعت کا طریق کار باتوں پر نہیں عمل پر مبنی ہے۔ یہ لوگ دلائل سے قائل کرنے پر کم اور عمل اور اس کے نتائج سے لوگوں کو متاثر کرنے پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ ان کا طریق کار کچھ اس قسم کا ہے کہ پہلے مسلمانوں کو باعمل اور باکردار بناتے ہیں پھر اس نمونے کے مسلمان کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی دعوت کا آغاز مسلمانوں سے کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ پہلے مسلمان کو تلاش کر کے اسے دین کے تقاضوں کا احساس دلاتے ہیں اور جب یہ مسلمان دیندار بن جاتا ہے تو اسے غیر مسلموں کے سامنے ایک مثال اور نمونے کے انسان کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

ان کی دعوت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی بستی میں جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو وہاں کی مسجد میں جمع کر کے دین کے کام کے لئے وقت نکالنے کی دعوت دیتے ہیں جب چند مسلمان دین کے لئے وقت فارغ کرتے ہیں تو انہیں اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے دنیاداری کے ماحول سے کچھ دنوں کے لئے الگ ہو کر صرف اور صرف دین کے لئے کام کریں اس طرح ان میں دین کی ضرورت اور دین کے لئے کام کرنے کا احساس ہونے لگتا ہے کہ افسوس مجھے تو دین کی ابتداء اور ضروری باتوں کا بھی علم اور احساس نہیں۔ کلمہ، نماز، علم، ذکر، مسلمانوں کا احترام اور دین کی طرف دعوت دینے کا فریضہ یہ ایسے بنیادی فرائض ہیں جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا ہے۔ جب دین کے لئے دُنیاوی ماحول سے الگ ہو کر انسان سوچتا ہے تو اسے اپنی کوتاہیوں کا احساس ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ کلمہ دین کا پہلا رکن ہے لیکن یہ اس سے بھی واقف نہیں اگر اس کے ظاہری الفاظ سے واقف ہے تو اس کے مفہوم سے بے خبر ہے اور اگر مفہوم سے بے خبر ہے تو عمل کے باب میں اس کا درجہ اور مقام صفر ہے۔ پھر انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اس کے قریبی رشتہ دار اور دوست واحباب اور دوسرے تعلق دار بے شمار ہیں جو کلمہ اور اس کے مفہوم سے واقف نہیں۔

اس کے بعد نماز کے بارے میں انسان سوچتا ہے تو اسے اپنی خامیوں کا احساس ہونے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ مرض کا علاج مرض کے احساس پر موقوف ہے وہی مریض مرض سے نجات کی کوشش کرتا ہے جسے اپنے مریض ہونے کا احساس ہو۔ جب مسلمان نماز کے بارے میں اپنی کوتاہیوں کا احساس کر لیتا ہے تو پھر اس کی توجہ ان کوتاہیوں کو دُور کرنے اور نماز اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف لگ جاتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی انسان کو دینی علم اور اس کی ضرورت کا احساس دلایا جاتا ہے اور اسے یادِ خدا سے غافل زندگی گزارنے کی خرابیوں اور مضرتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ انسان اپنے گردوپیش پر نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے دل میں دوسرے مسلمان کا کیا مقام ہے۔ یہ احساس مسلمان کو اخوتِ اسلامی کے حلقے میں لے آتا ہے اور یہ مسلمان دوسرے مسلمانوں کی خیر خواہی اور فلاح و بہبود کو اپنی نجات کا ایک ذریعہ خیال کرنے لگتا ہے۔

جب ایک انسان **کلمہ طیبہ** کے مفہوم سے واقف ہو کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی زندگی ایک نمازی کی طرح پاک صاف زندگی بن جاتی ہے جب اسے دین کے تقاضوں کا احساس اور علم ہو جاتا ہے اور رات دن دُنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر بھی خدا کو بھولتا نہیں اور اس کی مرضی سے انحراف نہیں کرتا۔ اس کے دل میں اسلام کی وقعت اور مسلمان کی خیر خواہی گھر کر لیتی ہے تو بے شمار بُرائیاں اور معاشرے کی پیدا کردہ خرابیوں سے یہ شخص اپنا دامن بچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ جھوٹ، رشوت، چوری، غیبت وغیرہ قسم کی بُرائیاں واضح ہو جاتی ہیں اور انسان ان سے دُور رہنے کی کوشش کرتا ہے اسوقت یہ شخص غیر مسلمانوں کے لئے چلتا پھرتا مُبلغ بن جاتا ہے یہ شخص خاموش رہ کر بھی اسلام کی تبلیغ کر رہا ہوتا ہے۔ ایسا شخص کسی ایسے ملک میں جاتا ہے جہاں کے لوگوں کی زبان اور رسم و رواج سے اسے واقفیت نہیں ہوتی لیکن اس کا عمل لوگوں کے سامنے ہوتا ہے اور لوگ اسے دیکھ کر اس کے کاموں کو دیکھ کر اسکی بود و باش کے طریقوں اور اس کی منظم اور باقاعدہ زندگی کو دیکھ کر اسلام کی طرف توجہ دینی شروع کر دیتے ہیں۔

ازالۂ اوہام

ایک شخص تبلیغی جماعت والوں کی دعوت پر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لئے ایک بستی سے دوسری بستی یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتا ہے اس میں بہت سی خامیاں ہوتی ہیں مثلاً نماز کے مسائل و آداب سے واقف نہیں ہوتا۔ اور عام لوگ جب اس کی ان کوتاہیوں کو دیکھتے ہیں تو اعتراض کرتے ہیں کہ یہ شخص کیسا نالائق ہے یہ دوسروں کو کیا تبلیغ کرے گا اور یہ نہیں سوچتے کہ آج پہلی بار اس شخص نے جماعت کیساتھ ایک دن گذارا یا کچھ سفر کیا ہے۔ اگر یہ شخص پہلے سے اصلاح یافتہ ہوتا اس میں خرابیاں اور خامیاں نہ ہوتیں تو جماعت والوں کو اس بات کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی کہ اسے اپنے ساتھ لئے پھرتے بلکہ پھر تو یہ صورت ہوتی کہ جماعت کے لوگ اس کی قیادت میں کام کرتے۔

بعض لوگ جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں میں تبلیغ کرتے ہیں۔ انہیں شاید اس حقیقت کا احساس نہیں کہ مسلمانوں میں بھی تبلیغ کی ضرورت ہے۔ بے شمار مسلمان کلمہ طیبہ کے مفہوم تک سے واقف نہیں، اکثر مسلمان نماز کے پابند نہیں اور اگر نماز پڑھتے ہیں تو اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے اس لئے مسلمانوں میں بھی تبلیغ کی اسی طرح ضرورت ہے جسطرح غیر مسلموں میں اس کی ضرورت ہے۔

علاوہ ازیں تبلیغ پر جانیوالوں کا اصل مقصد اپنی اصلاح ہے نہ کہ دوسروں کی۔ اور آخری بات یہ ہے کہ غیر مسلم باتوں سے نہیں عمل سے متاثر ہوتے ہیں اور ضرورت اس بات کی ہے کہ غیر مسلموں کے ملک میں ایسے مسلمان جائیں جو باتیں کم اور عمل زیادہ کرتے ہوں۔

مولانا محمد حسین ہزاروی

تبلیغی جماعت

کا

طریقِ کار

تبلیغی جماعت کا آغاز حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے انڈیا سے کیا جن کے خلوص و محبت اور محنت و جدوجہد سے لاکھوں مسلمان عالم اسلام کے مُبلّغ بن گئے اور اسلام کے داعی ہو گئے۔ اسی تبلیغی جماعت کا عالمی اجتماع رائیونڈ میں ہر سال ہوتا ہے۔ اس جماعت کا کام غیر سے دل ہٹا کر خدا کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اس جماعت کو ابتداء میں انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر عزم و ہمت اور خلوص و نیت کے سامنے یہ ساری مشکلات دُور ہوتی چلی گئیں۔ یہ تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور صحابہ کرام کے عمل کی تعمیل میں قائم کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے، میں آخری نبی ہوں اور قرآن مجید آخری کتاب ہے اور تم بھی آخری اُمّت ہو۔ اللہ کی کتاب اور میری سُنّت کو پھیلانا تم لوگوں کا کام ہے، میں قرآن و حدیث چھوڑ کر جا رہا ہوں جو سختی کے ساتھ اسکو پکڑے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا اس ارشاد کو سُن کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے گھروں سے نکلے اور اپنے وطن کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی پھیل گئے۔

مولانا محمد الیاس علیہ الرحمۃ کی قائم کردہ یہ تبلیغی جماعت بھی کام کر رہی ہے شہر بہ شہر ملک در ملک پھیل گئے اللہ اور اس کے رسُولؐ کے دین کو پھیلا رہی ہے۔ تبلیغی جماعت کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گروہ بندی فرقہ واریت کی سخت مخالف ہے اسے صرف اپنے کام سے سروکار رہے گا۔ عالمی دین کی اشاعت کے لئے کام کرتی ہے اس لئے عالم اسلام میں غیر معمولی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ امیر اور سرپرست تبلیغی جماعت مبلغین کو یہ سبق دیکر روانہ کرتے ہیں کہ کم از کم دس آدمیوں کی جماعت تبلیغ کے لئے باہر جائے ان دس ہی میں سے امیر منتخب ہوتا ہے۔ روانہ ہونے سے پہلے یہ سب مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں۔ بعد نماز سب مل کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں نصرت و کامیابی اور تائید خداوندی اور توفیق الٰہی کے لئے دعا کرتے ہیں دعا کے بعد سکون و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ حق تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے روانہ ہوتے ہیں۔ فضول باتوں سے احتراز کرتے ہیں۔ جب اس جگہ پہنچتے ہیں جہاں تبلیغ کرنی ہوتی ہے وہاں سب مل کر حق تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں اور محلوں گلیوں میں گشت کر کے لوگوں کو جمع کرتے ہیں انہیں کلمہ طیبہ کو معنی سمیت یاد کراتے ہیں نماز کے لئے مسجد میں لاتے ہیں ان میں سے

ہر ایک کو اپنے ساتھ تبلیغ کے لئے جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔

تبلیغ اسلام کا کام حق تعالیٰ کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نیابت ہے کام جسقدر بڑا ہوتا ہے اسی قدر آداب کا متقاضی ہوتا ہے۔ اس کام کا مقصد دوسروں کی ھدایت نہیں خود اپنی اصلاح اور اپنی عبدیت کا اظہار اور حکم خداوندی کی بجا آوری اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔

تبلیغی جماعت کے ارکان اپنا تمام خرچ کھانے پینے کرایہ وغیرہ کا حتی الوسع خود برداشت کرتے ہیں اور اگر گنجائش ہو تو دوسروں کا خرچ بھی برداشت کرتے ہیں۔ اپنے ساتھیوں اور اس مقدس کام کے کرنیوالوں کی خدمت گذاری اور ہمت افزائی کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ نرم لہجہ اختیار کرتے ہیں کسی مسلمان کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے جائز طریقوں سے حلال روزی حاصل کرنے اور کفایت شعاری کیساتھ اسکو خرچ کرتے ہیں اپنے اہل و عیال اور دیگر اقرباء کے شرعی حقوق کو ادا کرتے ہیں کسی نزاعی مسئلہ اور فروعی بات فرقہ واریت اور سیاست سے دور رہتے ہیں۔ اختلافی بات نہیں چھیڑتے بلکہ صرف توحید کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے چھ اصول

اصل کامیابی اللہ کی رضا ہے

تبلیغ کے لئے نکلتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں میں جو چیز جتنی زیادہ اہم ہے اس میں اسکی حیثیت سے کوشش کرنا۔ اسوقت ہم بدقسمتی سے کلمہ طیبہ تک سے ناآشنا ہو رہے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے اسی کلمہ طیبہ کی تبلیغ ہے جو در اصل خدا کی خدائی کا اقرار نامہ ہے۔ یعنی اللہ کے حکم پر جان دینے کے علاوہ درحقیقت ہمارا کوئی بھی مشغلہ نہیں ہوگا۔

کلمہ طیبہ کی تصحیح کرانیکے بعد نمازکی تصحیح کرانے اور نمازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جیسی نماز بنانیکی کوشش میں لگے رہنا۔

تین وقتوں کو صبح شام اور کچھ حصہ شب کا اپنی حیثیت کے مناسب تحصیل علم و ذکر میں مشغول رہنا۔

ان چیزوں کو پھیلانے کے لئے اصل فریضہ محمدی سمجھ کر تبلیغ کے لئے نکلنا یعنی ملک بہ ملک رواج دینا۔

اس مشقت میں اخلاص درست رکھنے کی نیت کرنا اپنے فرائض کی ادائیگی میں سرگرمی سے کام لینا کیونکہ ہر شخص سے اسی بارے میں سوال ہوگا۔

اپنی نیت کی تصحیح کرنا یعنی ہر عمل کے بارے میں اللہ نے جو وعدے وعید فرمائے ہیں ان کے موافق اس امر کی تعمیل کے ذریعے اللہ کی رضا اور موت کے بعد والی زندگی کی درستی کی کوشش کرنا۔

رائیونڈ میں

تبلیغی جماعت کا عظیم اجتماع

مقبول جہانگیر

دنیا کے پانچ براعظموں سے لاکھوں انسان جوق در جوق کلمۂ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے والہانہ جوش و خروش کے جلو میں ایک معمولی قصبہ رائیونڈ میں جمع ہو رہے ہیں۔ یہ پاکیزہ عظیم اجتماع ہر سال رائیونڈ میں جمع ہوتا ہے۔ امریکہ، یورپ، افریقہ آسٹریلیا اور ایشیاء سے ہر عمر ہر زبان اور ہر صورت و شکل کے مسلمان اس چھوٹے سے قصبے کی طرف یوں کھنچے چلے آتے ہیں جیسے کوئی نادیدہ قوت انہیں یہاں جمع کر رہی ہو۔ یہ لوگ کسی دنیاوی مال و متاع کے لالچ میں نہیں آتے نہ انہیں بلوانے کے لئے دعوت نامے جاری کئے جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے قلبی جذبے اور اللہ کی محبت میں مجبور و سرشار ہوکر ادھر آتا ہے پھر فاصلے سمٹنے لگتے ہیں۔ زمین کی طنابیں کھنچنے لگتی ہیں ہزاروں کا بُعد قرب میں بدل جاتا ہے۔ ہر فرد صرف ایک ہی دُھن میں گرفتار ہوکر ادھر کا رُخ کرتا ہے اور وہ دھن یہ ہے کہ اللہ کی اس وسیع و عریض سرزمین میں اللہ ہی کا پیغام عام کرے کچھ وقت دنیاوی بکھیڑوں سے دُور رہ کر اس پاک حق کی یاد اور اس کی تبلیغ میں گذارے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور سب تعریفیں اسی کے لئے آئی ہیں۔

اب مسلسل تین شب و روز رائیونڈ کی یہ سرزمین درود و سلام کی آوازوں سے گونجے گی۔ علماء کرام اور صوفیائے عظام دلوں میں اتر جانے والی تقریروں سے لاکھوں قلب و جگر گرمائیں گے ہر طرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذکر و فکر کی محفلیں سجیں گی اور اعمال حسنہ کے لئے دعائیں کی جائیں گی اور اپنے گناہوں پر الحاح و زاری سے بارگاہِ قدوس میں معافی کی درخواستیں پیش ہوں گی ان شب و روز میں کوئی لڑائی جھگڑا یہاں نہیں ہوگا کسی ہنگامے کو ہوا نہیں دی جائے گی۔ اختلاف کرنیوالوں پر سب و شتم نہ ہوگا، کوئی چوری چکاری نہ ہوگی، کسی کو کسی سے رنج نہ ہوگا ہر شخص اپنا تزکیۂ نفس کرے گا اور دوسرے کے عیوب و نقائص پر نگاہ نہ ڈالے گا۔ اس کے بعد مبلغین کی جماعتیں لوجہ اللہ تبلیغ دین حق کے لئے کمربستہ ہوکر دنیا کے کونے کونے میں نکل جائیں گی اور یہ سلسلہ ہمیشہ اور ہر سال یونہی جاری و ساری رہے گا۔

خانوادہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

برصغیر پاک و ہند میں جن حضرات کے دم قدم سے اسلام کا نور پھیلا یہ حضرات حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات بابرکات مدرسہ اور خانقاہ کے کمالات کی جامع تھی اور اسطرح وہ اُسوۂ نبوت کے قریب تھے۔ یہی سبب کہ ان حضرات کا فیض دور و نزدیک سب جگہ پھیلتا تھا۔ اس ضمن میں خانوادہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مثال ہی کافی ہے کہ ظاہر و باطن کی دولت سے یہ خانوادہ مالا مال تھا۔ ان حضرات سے ایک عالم کو فیض

پہنچا۔ دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب و نفوس کے تزکیے و تصفیے کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر و باطن کی اس جامعیت کا آئینہ تھا اور یقین ہے کہ آئندہ زمانوں میں بھی سنن الہیہ کے مطابق دین کے مطابق دین کا فیض جن افراد سے پھیلے گا وہ وہی ہوں گے جن کے اندر "مدرسیت" اور "خانقاہیت" کی دو صورتیں ایک چشمہ بن کر ابلیں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک اصلاح و تجدید کا کام قوم و ملک کے مزاج کے مطابق نہ ہوگا اسے کامیابی حاصل نہ ہوگی اور امت محمدیہ کے مزاج کے مطابق یہ ضروری ہے کہ داعی اور دعوت اور طریق دعوت تینوں امور ٹھیک طریق نبوت اور اسوۂ نبوت کے مطابق ہوں۔ داعی اپنے علم و عمل فکر و نظر، طریق دعوت اور ذوق جلال میں انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضرتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص مناسبت صحتِ ایمان اور ظاہری عمل صالح کے ساتھ اس کے باطنی احوال بھی منہاج نبوت پر ہوں۔ محبت الہی خشیت الہی، اخلاق اللہ اور تعلق مع اللہ کی کیفیت ہو۔ اخلاق و عادات و شمائل میں اتباع سنن نبوی کی جھلک ہو۔ حُبّ للہ، بغض للہ رافت و رحمت بالمسلمین اور شفقت علی الخلق اور اس کی دعوت کا محرک ہو اور انبیاء علیہ السلام کے بار بار دہرائے ہوئے اصول کے مطابق سوائے اجر الہی کے کوئی طلب مقصود نہ ہو اور اس کی ایسی دھن ہو کہ جاہ و منصب مال و دولت، عزت و شہرت، نام و نمود اور ذاتی آرام و آسائش کا کوئی خیال اس میں مانع نہ ہو۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا بولنا چالنا غرض زندگی کی ہر جنبش و حرکت اسی ایک سمت میں سمٹ کر رہ جائے۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اسی سلسلہ ولی اللّٰہی کی ایک کڑی ہیں۔ برصغیر میں آلِ تیمور کی غلط سیاست سے دین اسلام کو جو نقصان پہنچا اس کے تدارک اور اصلاح کا فریضہ اسی خانوادۂ ولی اللّٰہی کے کندھوں پر رکھا گیا اور یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے پر نانا حضرت مولانا مظفر حسینؒ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا مظفر حسینؒ کے حقیقی چچا مفتی الہی بخش صاحبؒ شاہ عبدالعزیزؒ کے ممتاز شاگرد اور مرید تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ تھے۔ مفتی الہی بخشؒ اگرچہ سید احمد شہیدؒ سے سن میں ۲۸ برس بڑے تھے تاہم انھوں نے سید احمد شہیدؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ مفتی الہی بخش کاندھلویؒ اپنے عہد کے نامور صاحب تدریس و فتویٰ اور صاحب زہد و تقویٰ تھے۔ مولانا محمد الیاسؒ کے والد اور دو بھائی بھی صاحب زہد و ورع اور صاحب ارشاد تھے مولانا محمد الیاسؒ کے والد بزرگوار مولانا محمد اسمٰعیلؒ وہ پہلے بزرگ تھے جن سے اہل میوات کو خلوص اور محبت پیدا ہوئی پھر مولانا محمد اسمٰعیل کی وفات پر ان کے بڑے بھائی مولانا محمد صاحبؒ فقر و فاقہ اور زہد و توکل کے ساتھ مسند ارشاد پر رونق افروز رہے۔ مولانا محمد الیاس اس سلسلہ کے تیسرے بزرگ تھے جنھوں نے ہندوستان میں تبلیغ دین حق کے لئے باقاعدہ جماعت قائم کی اور زندگی کے آخری سانس تک نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان بنانے میں لگے رہے۔ انکے بعد یہ عظیم الشان فریضہ انکے لائق و سعادتمند فرزند مولانا محمد یوسف کے نفس قدسی کا فیض ہے کہ آج ساری دنیا میں تبلیغ کا کام پھیل چکا ہے اور یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ حج کے بعد مسلمانانِ عالم کا عظیم اجتماع رائے ونڈ میں ہوتا ہے۔

یا اللہ ہم پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما

موجودہ بے راہروی اور معاشرتی افراتفری کے خاتمہ کیلئے اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے

رائیونڈ میں سالانہ تبلیغی اجتماع خصوصی دُعا کے ساتھ ختم ہوگیا

۲۵ لاکھ افراد نے شرکت کی؛ متعدد جماعتوں کی تبلیغی مشن پر روانگی

تبلیغ اسلام کی عالمگیر رضاکار تحریک تبلیغی جماعت کا ۲۷ واں سالانہ سہ روزہ بین الاقوامی اجتماع جو جمعہ کے روز قصبہ رائیونڈ کے باہر ایک کھلے میدان میں شروع ہوا تھا اتوار کے روز مورخہ ، نومبر دوپہر کو خصوصی دُعا کے ساتھ بخیر و خوبی اختتام کو پہنچ گیا۔ اس دفعہ ایک محتاط اندازے کے مطابق تین روز کے دوران مجموعی طور پر ۲۵ لاکھ افراد اجتماع میں شریک ہوئے اسطرح حج کے بعد دُنیا بھر میں مسلمانوں کا یہ دوسرا بڑا مذہبی اجتماع تھا۔ اجتماع میں ملک کے چاروں صوبوں آزاد کشمیر آزاد قبائل اور دنیا بھر کے تمام اسلامی ممالک کے علاوہ غیر اسلامی ممالک سے بھی مسلمان مندوبین شریک ہوئے۔

دُعا سے قبل تبلیغی جماعت کے ممتاز رہنما مولانا محمد عمر پالنپوری نے تبلیغی مشن پر روانہ ہونے والے مبلغین کو ہدایات دیں اور فرمایا کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس مشن پر روانہ ہو رہے ہیں اس لئے راستے اور سفر کی صعوبتوں کو خاطر میں نہ لائیں اور نہ ہی کسی کے ساتھ درشتی سے پیش آئیں بلکہ لوگوں کی سخت اور دلآزار باتوں کے باوجود اپنے مقدس مشن کو جاری رکھیں۔ اس دوران وہ کسی بھی قسم کی سیاسی یا فرقہ وارانہ گفتگو نہ کریں۔ لوگوں کو نہایت محبت اور پیار سے دین کی دعوت دیں۔ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ اُلجھنے کی کوشش کرے تو تم اس سے اُلجھنے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر کوئی زیادتی کرے تو تم معاف کرنا۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت ہے۔

اجتماع کی مختلف نشستوں سے جماعت کے رہنماؤں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب المعروف حضرت جی (بھارت) حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری (بھارت) حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب (مدینہ منورہ) قاری ظہیر احمد صاحب (بھارت)

حاجی عبدالوہاب صاحب (رائیونڈ) مولانا محمد احمد صاحب (پاکستان) نے خطاب کیا۔
مقررین نے دین اسلام کی حقانیت اور اسکی برکات بیان کرتے ہوئے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اسلام کے زریں اصولوں کو اپنائیں۔ اسی میں ہم سب کی فلاح ہے۔ انہوں نے کہا کہ الحاد و مادیت کے موجودہ دَور میں مختلف پریشانیاں اور بُرائیاں جنم لے رہی ہیں ان کا علاج صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر کاربند رہ کر ہی ممکن ہے۔ انہوں نے موجودہ بے راہروی اور معاشرتی افراتفری کو اسلام سے دُوری کا سبب قرار دیا ہے۔

اجتماع کے دَوران بعض افراد نے پوری زندگی بعض نے آدھی زندگی اور بے شمار افراد نے چالیس دن سے لیکر دو سال تک تبلیغ دین کے لئے اللہ کے راستے میں نکلنے کا اعلان کیا۔ ان مبلغین کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی جنہیں جماعتوں کی شکل میں اندرون و بیرون ملک تبلیغ دین کے لئے روانہ کیا گیا۔ ان میں بیرونی ملک سے آئے ہوئے دو تین ہزار مبلغین بھی شامل ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راستہ میں بہت ہی مشکلات اور مصائب پیش آئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے کسی کے حق میں بددُعا نہیں کی۔ انہوں نے مزید کہا کہ دعوت و تبلیغ کا اصل مقصد انسان کی اپنی اصلاح ہے اور اس راستہ میں نکلنے والوں کو ان باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کلمہ طیبہ کا مقصد و مقام سمجھیں، نماز کو حقیقی شکل میں قائم کریں، دین کا ضروری علم سیکھیں، اللہ اور اس کے رسُول پاکؐ کے ذکر و اذکار میں مشغول رہیں، مسلمانوں کے احترام و اکرام کا خاص خیال رکھیں، بڑوں کی عزت کریں، چھوٹوں پر شفقت کریں، علماء کرام کی قدر کریں کیونکہ علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ، دعوت و تبلیغ کے لئے گلیوں بازاروں، محلوں، کھیتوں میں گشت کریں اور سب سے ضروری بات یہ کہ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔

مُبلغین نے مزید کہا کہ دُنیاوی زندگی عارضی اور چند روزہ ہے ہم دنیاوی زندگی کو سنوارنے کے لئے بہت محنت کر رہے ہیں لیکن آخرت کی زندگی جو ہمیشہ کے لئے اور ختم نہ ہونیوالی زندگی ہے۔ اس کے لئے ہم کچھ بھی نہیں کر رہے ہم اس سے غافل ہوچکے ہیں حالانکہ اصل زندگی آخرت کی ہے اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ابدالآباد کی زندگی کو سنوارنے کے لئے ابھی سے محنت کریں یہ دنیا اور اس کی چیزیں تو یہیں رہ جائیں گی۔ آخرت میں تو صرف نیک اعمال ہی کام آئیں گے۔

(رپورٹ جنگ)

پیامِ اقبال

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

تبلیغی ڈائری
دورۂ روس

جامعہ رشیدیہ کے ایک فاضل مُبلّغ کی

تبلیغی رپورٹ

ماسکو

بعد از سلام مسنون!

خداوند قدوس سے اُمید ہے کہ حضرت والا عافیت کے ساتھ پوری اُمت کی فکر کرتے ہوئے ہم ضعفاء کے لئے بھی دُعائے خیر کر رہے ہوں گے۔ خدائے پاک کے فضل و کرم سے ہماری کمزور جماعت گذشتہ ۲۰ ر شعبان کو روس کے لئے روانہ ہوگئی تھی اور ۹ ۱ ر شعبان کو "ماسکو" پہنچی اور اسی دن تین گھنٹوں بعد "تاشقند" روانہ ہوگئی۔ عشاء کی نماز سے پہلے ہم تاشقند پہنچے۔ روس کے لئے ہمیں پچاس دن کا ویزا ملا تھا لیکن انہوں نے جو ہمیں پروگرام دیا وہ بیالیس دن کا تھا۔ سات شہروں "تاشقند، الماٹا، عشق آباد، دوشنبے، بخارا، سمرقند اور ماسکو کے لئے انہوں نے پروگرام بنا دیا ان میں صرف "الماٹا میں تین روز کا پروگرام اور سمرقند" میں ایک دن کا، اور باقی شہروں میں ایک ایک ہفتہ کا پروگرام تھا۔

ہم جب تاشقند پہنچے تو رات ہوگئی تھی۔ کسی مسجد کی خبر نہیں لے سکے وہاں ہمارے حساب سے ۱۹ ر شعبان کو رمضان المبارک شروع ہوگیا تھا ہمارا روزہ نہیں تھا۔ دوسرے دن ہم نے روزہ شروع کر دیا اور ہم مفتی ضیاء الدین بابا خان سے ملنے کیلئے مسجد "ملا شیخ" گئے۔ ظہر سے قبل مسجد میں پہنچ گئے تھے اور امام صاحب سے ملے ان سے بات ہوئی وہ بہت خوش ہوئے امام صاحب حافظ قرآن و عالم و عربی دان تھے۔ انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب افطار کے وقت تشریف لائیں گے۔ اب ظہر کی نماز پڑھ کر آرام کر لو۔ ہم نے مسجد میں تھوڑی سی تعلیم کی چونکہ وہاں مسجد میں تعلیم ممنوع ہے اس لئے ہم نے ذاتی اعمال شروع کئے۔ سورۃ کہف سورۃ یٰسین ۱۴ مرتبہ کا یہ معمول روزانہ چلتا تھا اور مسجد میں آتے تھے۔ اشارہ سے بات ہوتی تھی۔ افطار کے وقت ہمیں ایک خاص جگہ لے گئے وہاں مفتی صاحب تشریف لے آئے۔ مفتی صاحب کو پہلے سے ہماری جماعت کی خبر ہوگئی تھی آتے ہی کہنے لگے کہاں ہیں "ہمارے پیارے مہمان اور خوشی کے مارے رو پڑے اور کہنے لگے تمہاری جماعت تبلیغ کی وجہ سے ہمیں بہت فائدہ پہنچا، ہمت افزائی ہوئی۔ لوگوں میں دینی احساس و شعور پیدا ہوا۔ دیکھو میں کب مر جاؤں پتہ نہیں۔ میری وصیت ہے کہ تمہارا آنا جانا جاری رہے اور اسی وقت ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنے لگے:

"اے اللہ جماعتِ تبلیغ کی قربانی اور محنت قبول فرما اور اسکو کامیاب فرما۔"

پھر ہم نے مسجدوں میں جانے کے لئے مشورہ کیا۔ کہنے لگے کہ تین دن تو یہاں ہی بات کریں پھر سوچیں گے۔ تراویح پڑھنے کے بعد بیان ہوتا تھا۔ نائب مفتی شیخ یوسف شاکر ترجمہ کرتے تھے۔ تاشقند میں بارہ مسجدیں ہیں ہر مسجد کی تراویح میں ختم قرآن ہوا حفاظ صاحبان کہیں تین پارے کہیں چھ پارے پڑھتے تھے۔ مسجد تلا شیخ میں تین پارے پڑھتے تھے تراویح میں تقریباً پانچ سو کا مجمع ہوتا تھا۔ ان میں ایک چوتھائی نوجوان بھی تھے اس طرح تین دن گذر گئے۔ بیان لاؤڈ سپیکر و فون سے ہوتا تھا۔

پھر ایک مسجد یلنگچ گئے یہ مسجد نئی اور بڑی تھی۔ تقریباً ایک ہزار نمازی نماز پڑھ سکتے تھے۔ عصر کے بعد بات ہوئی تراویح کی چار رکعت پڑھ کر ہم واپس آگئے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ عمر بھر قیام اللیل، صیام النہار پڑھتے رہے سنتے رہے لیکن عمل میں نہیں آیا لیکن اس رمضان شریف میں رات کو سونے کی فرصت نہیں ملی۔ فجر کی نماز پڑھ کر آرام کا موقع ملتا تھا شہر میں پیدل بھی چلے۔ ہزاروں آدمی ہمیں دیکھتے سلام اور مصافحہ کرتے تھے گویا کہ انہوں نے کوئی نئی چیز دیکھی۔

ماسکو سے تاشقند اڑھائی ہزار میل کے فاصلہ پر ہے اس طرح یہاں کا پروگرام پورا کر کے ہم الماٹا گئے جس کا فاصلہ تاشقند سے ایک ہزار میل ہے اور جانب مشرق میں واقع ہے۔ الماٹا بہت بڑا شہر ہے دس لاکھ کی آبادی ہے اسی فیصد مسلمان ہیں۔ یہ شہر قازکستان کا پایۂ تخت ہے ایک ہی مسجد ہے ہم ہوٹل میں ٹھہرے ہوٹل سے ایک میل کے فاصلے پر مسجد تھی ہم پیدل جاتے تھے سوائے فجر کے باقی نمازیں مسجد میں پڑھتے۔ ہر نماز کے بعد تھوڑی بہت بات ہوتی تھی۔

امام صاحب نوجوان تھے۔ عربی سمجھتے تھے لیکن بول نہیں سکتے تھے ترجمہ کرتے تھے۔ وہاں قاضی شرعی حکومت کی طرف سے مقرر ہے۔ عربی خوب جانتے ہیں لیبیا سے پڑھ کر آئے ہیں پہلے روز عشاء سے پہلے قاضی صاحب سے ملاقات ہوئی دیکھتے ہی خوشی کے مارے لپٹ گئے اور کہنے لگے تم بنگلہ دیش سے آئے ہو۔ ۲ سال پہلے ہمارے مولانا عبدالعزیز صاحب کی جماعت وہاں گئی تھی۔ مسجد میں تراویح کی نماز پڑھی۔ یہاں بھی ختم قرآن ہوتا تھا۔ بڑے حافظ صاحب کی ستر سال عمر ہے نہایت دھیمی آواز سے پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد بیان ہوا۔ تین روز کا پروگرام تھا مسجد میں ہم تعلیم بھی کرتے تھے اور ذاتی اعمال بھی، روزانہ تراویح کے بعد بیان ہوتا۔ آخری دن جمعہ کا تھا۔ ہم جمعہ کی نماز سے ۲ گھنٹے پہلے مسجد میں پہنچ گئے قاضی صاحب بھی اسوقت تشریف لے آئے تھے۔ مشورہ ہوا کہ جمعہ سے پہلے کون خطاب کرے۔ قاضی صاحب مسجد کے خطیب ہیں جمعہ سے پہلے بیان کرتے ہیں فرمایا کہ آج تمہارا بیان ہے آدھ گھنٹہ وقت ہے لیکن بیان جب شروع ہوا تو ایک گھنٹہ گذر گیا قاضی صاحب ترجمہ کرتے تھے ایسا اچھا ترجمان کہیں نہیں ملا۔ میں نے علیحدگی میں اس کام کو سمجھانے کی کوشش کی تو قاضی صاحب ذہین آدمی تھے سمجھ گئے انہوں نے دو جگہ گاؤں میں پروگرام رکھا۔ شہر سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر قاضی صاحب اپنی گاڑی اور مکان والا کی گاڑی لیکر ہوٹل میں آکر ہمیں لے جاتے تھے اور تراویح سے پہلے پہنچاتے تھے۔ عصر سے پہلے ہم گاؤں میں پہنچتے تھے عصر کی نماز پڑھ کر بات شروع ہوتی تھی۔ دل کھول کر ہم نے وہاں بات کی کیونکہ وہاں جاسوسی کا خوف نہیں تھا۔ وقت کی کمی کا بہت افسوس ہوا انہوں نے بنگلہ دیش آنے کا پختہ ارادہ کیا اور کہا کہ دعوت نامہ ضرور بھیجو۔

پھر ہم وہاں سے عشق آباد چلے گئے ۔ تاشقند سے پانچ صد میل کے فاصلہ پر مغرب کی طرف یہ ترکستان کا پایۂ تخت
ہے اس شہر میں کوئی مسجد نہیں وہاں حکومت کی طرف سے جو رہبر تھا وہ ایک عیسائی عورت تھی انگریزی جانتی تھی ہم نے
ان سے مسجد کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ یہاں کوئی مسجد نہیں ہے یہاں سے دس میل کے فاصلے پر ایک مسجد گری ہوئی
ہے ایک دن ہمیں لے گئی۔ جا کے دیکھا کہ ایک صحرا میں مسجد گری ہوئی ہے کوئی آبادی آس پاس نہیں. عورت نے کہا کہ
۱۹۴۸ء میں جو زلزلہ آیا تھا اس سے یہ مسجد تباہ ہو گئی ۔ تو ہم مسجد نہ ہونے کی وجہ سے پریشان ہو گئے کہ ہم مسلمانوں سے کیسے ملیں گے
ایک دن گذر گیا دوسرے دن ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ ہم یہاں ہوٹل میں رہنے کے لئے تو نہیں آئے ہمیں تو مسلمانوں سے ملنا ہے
خدائے پاک کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور خاص اعمال کرنے دعا اور رونے دھونے کی ضرورت ہے چنانچہ ساتھیوں نے ایسا
ہی کیا اور پھر ہم نے رہبر عیسائی عورت سے مشورہ لیا ہم نے اسکو سمجھایا کہ ہم یہاں صرف گھومنے پھرنے کے لئے نہیں آئے
ہم تو یہاں مسلمانوں سے ملنے آئے ہیں اور ہمارا رمضان کا مبارک مہینہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کیساتھ افطار
کریں، تراویح کی نماز ادا کریں اس کی کیا صورت ہو سکتی ہے تو عورت نے کہا کہ اس کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی یہاں
ایک ادارہ " دینیہ بورڈ " ہے اس کے نائب صدر مسلمان ہیں میں اُن کو بلاتی ہوں تم ان سے بات کرو چنانچہ انہوں نے
اپنے دفتر میں بلایا تو نائب صدر اللہ نور ناظم بابا خانم دونوں حاضر ہوئے تو میں نے ان سے بات کی کہ ہم بنگلہ دیش سے
تمہارے مہمان آئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ یہاں کے مسلمانوں سے بات کریں رمضان کا مبارک مہینہ ہے افطار بھی ان کے ساتھ
کریں اور تراویح کی نماز بھی ان کے ہمراہ پڑھیں اسکی کیا صورت ہو سکتی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ یہاں کوئی مسجد نہیں سب نمازی
اپنے گھروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہم ان کے گھروں میں کیسے جائیں تو انہوں نے شہر کے سردار حاجی عوض محمد کو
ٹیلی فون کے ذریعے بلوایا دس منٹ کے بعد وہ حاضر ہو گئے سن رسیدہ آدمی تھے خوشی کے مارے ہم سے لپٹ گئے ۔
ان سے بھی وہی بات ہوئی تو اس نے کہا کل میرے گھر تمہاری دعوت ہے یہ کہہ کر وہ سب لوگ چلے گئے اس دن ساتھی
بازار کو گئے تو ایک نوجوان حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی ان سے اشارہ سے بات ہوئی اور بنگلہ دیش سے آنے اور
ہوٹل میں ٹھہرنے کا ذکر کیا تو اس نے پوچھا کہ تم کیا خریدتے ہو؟ ساتھیوں نے بتایا کہ کھانے پینے کے لئے کوئی چیز خریدتے ہیں
تو اس نے منع کیا اور کہا کہ آج میرے گھر تمہاری دعوت ہے ہوٹل واپس جاؤ میں ابھی گاڑی لیکر آتا ہوں ساتھی واپس آکر
بازار کی کارگزاری سنا رہے تھے کہ اتنے میں وہ حاجی صاحب حکومت کی طرف سے ایک آدمی کو لیکر ہوٹل میں حاضر ہو گئے
اس آدمی کا نام فولاد ہے اور حاجی صاحب کا نام ذیشان ہے ہم کو گھر لے گئے ۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے دنبہ ذبح کیا اور
اپنے رشتہ داروں کو دعوت دی تو افطار سے پہلے بہت آدمی جمع ہو گئے ۔ عربی کا کوئی ترجمان نہیں لیکن حکومت کا جو آدمی فولاد
ہے وہ فارسی جانتا تھا اور میں نے بھی چالیس سال پہلے کچھ فارسی پڑھ رکھی تھی الفاظ یاد نہیں آتے تھے ٹوٹی پھوٹی بات ہوئی
اور فولاد نے ترجمہ کر کے لوگوں کو سمجھایا لوگ بہت متاثر ہوئے اور پھر ہماری دعوت شروع ہو گئی پانچ جگہوں میں دعوت

ہوئی۔ پھر ہم ایک گھر گئے افطار کھانا اور تراویح کی نماز ہوتی تھی۔ انہوں نے گھروں میں کسی کمرے کو مسجد بنا رکھا تھا جمعہ کی نماز بھی پڑھتے ہیں۔ چوتھے دن ہم جس گھر گئے وہاں نائب صدر اللہ نور بھی حاضر ہو گئے اور ہماری خیریت پوچھی اور کہا تمہارا دل خوش ہو گیا ہم نے کہا کہ ہم بہت خوش ہیں۔ لوگوں نے خفیہ طور پر مجھے کہا کہ ہم مسجد کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے تم مہمان ہو تم نور سے اللہ نور کو کہہ سکتے ہو۔ چنانچہ مسجد کے بارے میں عرض کرنے پر انہوں نے کہا کہ ہماری حکومت خدمت خلق کرتی ہے دنیا کی جو ضرورت ہے پوری کر دی دیکھو ہمارے یہاں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ہے دین کی لائن میں حکومت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے ہر ایک کی اپنی اپنی ذمہ داری ہے پھر بھی میں نے بہت اصرار کیا کہ ایک مسجد بنوا دو نماز کے لئے مسجد ضرور چاہیئے تو اللہ نور نے کہا اللہ کی ساری زمین مسجد ہے میں نے کہا ٹھیک ہے لیکن جمعہ کی نماز کے لئے مسجد چاہیئے تو انہوں نے کہا میں کوشش کروں گا وہاں فولاد اور حاجی ذیشان نے پختہ ارادہ کیا کہ ہم ضرور بنگلہ دیش جائیں گے ہمارے نام دعوت نامہ ضرور بھیجنا۔

وہ ہماری رہبر عیسائی عورت ہمیشہ ہمارے ساتھ چلتی تھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی، روزہ بھی رکھنا شروع کر دیا لیکن نماز نہیں پڑھتی تھی کہنے لگی کہ سیکھنے کے بعد پڑھوں گی جب ہم ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تو وہ بھی ہمارے ساتھ ہاتھ اٹھا کر کچھ کہتی تھی اسطرح ہم یہاں کا پروگرام پورا کر کے دوشنبے گئے۔

"دوشنبے" تاشقند سے تین سو میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں کے مسلمانوں میں دینی جذبہ ہے لیکن حکومت کی طرف سے دباؤ بھی بہت سخت ہے۔ دوشنبے میں چار مسجدیں ہیں۔ ہم نے انٹورسٹ والوں کو بغیر پوچھے تین مسجدوں میں کام کر لیا تو ان کا چیئرمین بہت خفا ہو گیا وہ خاص روسی تھا۔ پانچویں دن مجھے بلوایا۔ خفا اس لئے ہوا کہ ہم صرف مساجد میں کیوں جاتے ہیں ان کے ٹورسٹ علاقوں میں کیوں نہیں جاتے۔ ہم ان کے پاس گئے اور انہوں نے پوچھا کہ تم یہاں کس مقصد کے لئے آئے ہو۔ ہم نے کہا تمہارا ملک دیکھنے کے لئے تو انہوں نے کہا کہ تم نے کیا دیکھا۔ پہاڑوں کو نہیں دیکھا سمندروں کو نہیں دیکھا۔ میں نے کہا دنیا میں سب سے اونچا پہاڑ ہمالیہ ہے اس کے نیچے ہم رہتے ہیں اور سب سے بڑا سمندر بحر ہند ہے جس کے کنارے ہم رہتے ہیں ہمیں یہاں کے پہاڑ اور سمندر دیکھنے کی ضرورت نہیں یہاں کی چار چیزیں ہمیں پسند ہیں وہی ہم دیکھتے ہیں۔ پہلے تو یہاں کے آدمی بہت خوبصورت ہیں ہم سب کالے ہیں۔ دوسرے یہاں درخت بہت ہیں ایسے درخت ہمارے ملک میں نہیں ہیں۔ تیسرے ہم بازار جاتے ہیں مختلف قسم کے پھل دیکھتے ہیں خریدتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ہمارے ملک میں مسجدیں بہت ہیں لیکن یہاں کی مساجد جیسی خوبصورت نہیں ہیں وہی ہم دیکھنے کے لئے جاتے ہیں یہ سن کر وہ ہنس پڑے اور کہا کل جہاں جاؤ گے ہماری گاڑی اور رہبر لیکر جاؤ گے۔ ہم نے کہا ٹھیک ہے اور ایک ہی مسجد باقی تھی ہم ان کی گاڑی اور رہبر لیکر اس مسجد میں کام کرنے کے لئے آئے اور یہ ہمارا آخری دن تھا۔

پھر ہم تاشقند واپس آئے اور بذریعہ ریل بخارا پہنچے۔ تقریباً پانچ سو میل کا فاصلہ ہے۔ بخارا اصل بخارا نہیں چند پرانی بستیاں ہیں یہاں تین سو ساٹھ مسجدیں تھیں۔ اب وہاں صرف تین مسجدیں ہیں اور مسکین کی حالت میں پڑی ہیں۔ بڑے

بڑے آدمی ہمیں دیکھ کر روتے تھے۔ دو مسجدوں میں بات کرنے کی اجازت نہیں ملی ایک مسجد میں دو دن کام کیا اور وہاں بات بھی ہوئی انہوں نے ایک دن دعوت بھی کی لیکن بات کرانے کی ہمت نہ ہوئی۔ حکومت کی طرف سے سب سے زیادہ سختی بخارا میں ہے لیکن وہاں ایک مدرسہ میرعرب نام کا ہے۔ اسی سے اوپر طلبہ کی تعداد ہے عربی فارسی پڑھتے ہیں مسائل سیکھتے ہیں اور مختلف شہروں میں خطیب و امام بنتے ہیں عید کی نماز ہم نے بخارا میں پڑھی۔ بخارا کے گلی کوچوں میں ہم پیدل چلتے تھے اور مسلمانوں سے سلام و مصافحہ بھی کرتے تھے۔

وہاں سے پھر ہم "سمرقند" گئے۔ سمرقند میں چوبیس گھنٹے کا پروگرام تھا۔ سمرقند میں پہلے تین مسجدیں تھیں گذشتہ سال مزید چار مساجد بنیں وہاں دینی فضا سب سے اچھی ہے دو مسجدوں میں ہم نے کام کیا۔ امام بخاریؒ کی قبر کی زیارت کی وہاں ہشام بن عباسؓ کی قبر مبارک بھی موجود ہے عبد الدارون بن سعید بن رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بھی موجود ہے وہاں ایک مسجد بھی ہے سامنے بڑا قبرستان ہے امام صاحبان اور لوگوں سے بات ہوئی تو انہوں نے افسوس کیا کہ تم کو دس دن کے لئے آنا چاہیئے تھا اور کہا کہ آئندہ آنیوالی جماعت کم از کم دس دن کا پروگرام لے کر آئے۔ دراصل ہم نے بھی زیادہ وقت لگانے کی کوشش کی تھی مگر حکومت نے منظور نہیں کیا۔ سمرقند والوں میں دینی احساس اور سمجھ سب سے زیادہ ہے۔

وہاں سے پھر ہم "ماسکو" آئے ماسکو میں ۹ دن قیام ہوا وہاں اسی لاکھ سے اوپر آبادی ہے۔ صرف ایک مسجد ہے ہم مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جاتے۔ مقامی اور غیر ملکی لوگوں سے خصوصی باتیں کرتے۔ مختلف ممالک کے طلبہ سے بھی ملاقات ہوئی ایک دن بیان کرنے کی اجازت ہوئی۔ امام صاحب بڑے آدمی تھے بہت محبت سے پیش آئے اور ترجمہ بھی انہوں نے کیا مؤذن نوجوان ہے۔ عربی جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ماسکو اور آس پاس میں پچیس لاکھ مسلمان ہیں ہر نماز میں تقریباً سو آدمی شریک ہوتے ہیں جمعہ کو تقریباً پانچ سو کا مجمع تھا۔ ہماری ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور ہمت افزائی بھی ہوئی۔ وہاں ایک سبزی منڈی بھی ہے کہ اکثر مسلمان ہیں ہمارے ساتھی جاتے تھے تو مسلمان سینے پر ہاتھ رکھ کر سلام کرتے تھے راستے میں جب ہم پیدل چلتے تھے تو پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون مسلمان ہے کون غیر مسلم۔ دُور دُور سے بہت سے آدمی سینے پر ہاتھ رکھ کر ہماری طرف سر جھکاتے تھے یہاں ہر جگہ ہم نے لوگوں کو اعمال کا اہتمام کرنے کو کہا اور استغفار کی اہمیت بتلائی کہ تمام مسلمان آدمی رات کے بعد خوب استغفار کریں اور روس کے ہر مسلمان کی طرف سے استغفار کرے۔

ماسکو میں بعض نوجوانوں سے ملاقات ہوئی جو ٹوٹی پھوٹی عربی جانتے تھے ہم نے پوچھا کہ عربی کہاں سے سیکھی کہا کہ گھر میں والد صاحب سے۔ ہر جگہ ہی دیکھا کہ دیندار آدمی اپنی اولاد کو گھروں میں تعلیم دیتے ہیں کیونکہ مسجد میں تعلیم ممنوع ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں کو کہا کہ ہر عمل کے بعد دعا کا اہتمام کریں خدائے پاک سے دینی آزادی مانگیں دعا کی شدید ضرورت ہے کہ اللہ پاک روس کے مسلمانوں کو دینی آزادی عطا کرے۔ مسلمانوں میں اخلاق کی کمی نہیں مہمان نوازی مثالی ہے صرف دینی آزادی مل جائے تو پھر دینی چشمہ جاری ہوگا اس لئے جماعتیں بھیجئے اور نہایت حکمت کے ساتھ کام کرنا ہے تقویٰ والی جماعت اور رونے والی جماعت زیادہ سے زیادہ
باقی بر صفحہ

حضرتِ علامہ خالد محمود صاحب

ڈائریکٹر
اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

سے

مرزائیوں کے مُقدمہ جنوبی اَفریقہ کی رُوئیداد

مرزائیوں کے مشہور مقدمہ کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) کی کچھ مختصر روئیداد ملک کے مختلف جرائد میں چھپی ہے مگر ان کے معلومات زیادہ تر ان ارکان وفد سے حاصل کردہ ہیں جو اس سلسلہ میں تاریخ مقدمہ سے ایک دن پہلے کیپ ٹاؤن پہنچے۔ ظاہر ہے کہ اس سرسری میں اس مقدمے کا پورا پس منظر ان کے سامنے نہ آسکتا تھا۔ علامہ خالد محمود صاحب اس مقدمے سے دو ہفتے پہلے جنوبی افریقہ پہنچے تھے اور آپ نے پورے دس دن کیپ ٹاؤن میں قیام فرمایا تھا وہاں کے مشائخ اور علماء کرام جو اس مقدمہ میں مدعا علیہم تھے ان کے پاس مقیم رہے اور ان کے ساتھ وکلاء مقدمہ سے بھی ملتے رہے۔ مقدمے کی تیاری انہی کے زیر نگرانی رہی۔ ہمیں مکمل روئیداد کے لئے ان کی پاکستان میں آمد کا انتظار رہا۔ آپ کے پاکستان پہنچنے پر نمائندہ "الرشید" آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقدمہ کے بارے میں مختلف سوالات کئے۔ اس انٹرویو سے اس مقدمے کا پورا پس منظر سامنے آجاتا ہے۔

—— طاہر رشیدی / نمائندہ "الرشید"

سوال: مقدمہ کی ابتدا کس نے کی مسلمانوں نے یا مرزائیوں نے؟ اس میں مدعی اور مدعا علیہ کون کون تھے؟؟

جواب: اس کی ابتداء لاہوری فرقے کے مرزائیوں نے کی۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی وہاں ایک برانچ ہے اس نے کیپ ٹاؤن کے سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی کہ انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کا حق ہے اس کے لئے انہوں نے تین ماہ کا عبوری امتناعی حکم حاصل کرلیا۔ یہ حکم امتناعی مسلم علماء کی تنظیم مسلم جوڈیشل کونسل کے خلاف تھا۔ مقدمے کا نمبر اور نام یہ ہے، مقدمہ نمبر ۸۲/۸۶،۵ —— احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام (لاہور) / بنام مسلم جوڈیشل کونسل و چار دیگران حکم امتناعی کی یہ درخواست شعبان ۱۴۰۲ھ کے اواخر میں پانچ دینی رہنماؤں کے خلاف دائر کی گئی جوڈیشل کونسل کے سربراہ شیخ ابوبکر النجار تھے یہ درخواست ان کے بھی خلاف تھی یہ سب حضرات اس دعوے میں مدعا علیہم تھے۔

سوال: یہ مقدمہ اپنی ابتدائی شکل میں ہی سپریم کورٹ میں کیسے آگیا۔ سپریم کورٹ کی باری تو ہائی کورٹ کی سماعت کے بعد آتی ہے؟

جواب: وہاں ہائی کورٹ کے درجہ کی ہر عدالت سپریم کورٹ کہلاتی ہے۔ جنوبی افریقہ میں کئی سپریم کورٹ ہیں۔ جس طرح یہاں کوئی مقدمہ براہ راست ہائی کورٹ میں جاسکتا ہے وہاں کوئی بھی مقدمہ براہ راست سپریم کورٹ میں دائر ہوسکتا ہے اس کے اوپر پھر ایک مرکزی قسم کی سپریم عدالت ہے جہاں نچلی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں جاتی ہیں۔ یہ اس درجہ کا سپریم کورٹ نہ تھا جس طرح ہمارے ملک میں سپریم کورٹ ہے۔

سوال: آپ وہاں اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی طرف سے خود پہنچے تھے یا آپ کو وہاں بلایا گیا تھا؟

جواب: رمضان شریف میں کیپ ٹاؤن کے معتبر عالم مولانا یوسف کاران نے مجھے لندن فون کیا اور اس مقدمہ کی صورتحال کی اطلاع دی۔ مولانا کا خاندان ملایا سے آکر کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ میں مقیم ہے۔ مولانا کاران اس علاقے کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند جاکر مکمل دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ شافعی المسلک ہیں مگر دیوبند کی نسبت سے آپ دوسرے عرب علماء کی نسبت قادیانیت سے زیادہ واقف تھے۔ جوڈیشل کونسل نے مقدمہ کی تیاری کی۔ زیادہ ذمہ داری انہی کو سونپا۔ مولانا کاران نے فون پر مجھے صورتحال بتائی اور کیپ ٹاؤن پہنچنے کی استدعا کی۔ میں نے پہنچنے کا وعدہ کرلیا۔ مولانا کاران نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ پاکستان سے ہم کن کن حضرات کو اس سلسلہ میں دعوت دیں جن کی تشریف آوری مقدمہ کی تیاری میں مفید رہ سکے میں نے یہ تین نام تجویز کئے:

- مولانا عبدالرحیم صاحب اشعر (ملتان)
- مولانا منظور احمد صاحب (چنیوٹ)
- مولانا محمد تقی صاحب عثمانی (کراچی)

سوال: جنوبی افریقہ کے کن کن حضرات نے اس سلسلہ میں محنت کی ہے اور اس مقدمے میں دلچسپی لی؟

جواب: مولانا محمد یونس صاحب جنرل سیکرٹری جمعیت علماء نٹال، ڈاکٹر سید سلمان ندوی خلف الرشید حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر حبیب الحق صاحب پروفیسر ڈربن یونیورسٹی، مولانا عبدالحق عمرجی فاضل دیوبند (ڈربن) جناب مولانا ابراہیم میاں فاضل دیوبند (جوہانسبرگ) جناب مفتی ابراہیم صاحب سنجالوی مفتی جنوبی افریقہ، مولانا یوسف کاران فاضل دیوبند، جناب شیخ نظیم صاحب (کیپ ٹاؤن) اور دیگر کئی اور معتبر حضرات۔

سوال: آپ کیپ ٹاؤن کب پہنچے اور مقدمہ کے سلسلہ میں تیاری کرانے کا آغاز کیسے ہوا؟

جواب: مسلم جوڈیشل کونسل کیپ ٹاؤن کا تقاضا تو یہی تھا کہ میں ۶ اگست سے پہلے وہاں پہنچ جاؤں اس تاریخ پر اس عبوری حکم امتناعی کی توثیق زیر بحث آئی تھی لیکن مجھے اس سے پہلے ری یونین جانا تھا وہاں کی جمعیۃ علماء سے میں وعدہ کرچکا تھا اور ان حضرات نے خاصے انتظامات کئے ہوئے تھے۔ میں نے مانچسٹر سے مولانا عبدالحق عمرجی کو فون کیا کہ مولانا یوسف کاران سے رابطہ قائم کرکے مجھے اطلاع دیجائے کہ کیا تاریخ مقدمہ کچھ مؤخر ہوسکتی ہے انہوں نے اپنے وکلاء سے مشورہ کرکے "ہاں" میں جواب دیا اور میں نے اواخر اگست میں پہنچنے کی اطلاع دیدی۔ جنوبی افریقہ میں میں پہلے ڈربن پہنچا وہاں جمعیت علماء صوبہ نٹال کا مرکزی دفتر ہے۔ یہاں دینی کتابیں کافی موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد کی کتابیں میں مانچسٹر سے ساتھ لے آیا تھا مولانا یونس صاحب نے فائل مقدمہ کی نقول کیپ ٹاؤن سے یہیں منگوالی تھیں باہمی فیصلے سے قرار پایا کہ اس مقدمہ کے سلسلے میں پہلی میٹنگ ڈربن میں ہی ہوجائے اور اس ابتدائی مطالعہ کے بعد پھر کیپ ٹاؤن روانگی ہو۔

مولانا عبدالحق عمرجی کی قیام گاہ پر میٹنگ ہوئی جس میں بہت سے حضرات نے شرکت کی جن میں سے پروفیسر حبیب الحق صاحب مولانا عبدالحق عمرجی، ڈاکٹر سید سلمان ندوی، مولانا یونس پٹیل اور مولانا انصاری کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مقدمہ کی فائل میں تین درجے کے حلفیہ بیانات تھے:

(۱) مرزائیوں کی طرف سے داخل کردہ حلفیہ بیان :۔ یہ تیس صفحات سے زیادہ تھا اور اس میں اُن لوگوں نے ان پانچ امور پر زیادہ زور دیا تھا : ○ مسلمان کی رسمی تعریف ○ اپنے مسلمان ہونے کے دلائل ○ پاکستان میں بعض عدالتوں کے فیصلے کہ مرزائی مسلمان نہیں ○ مرتد کی سزا قتل نہیں ○ پاکستان پارلیمنٹ کی انہیں غیر مسلم قرار دینے کی قرارداد ایک سیاسی عمل تھا دینی نہیں۔

(۲) اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے ماہرین فن کی حیثیت سے بھی حلفیہ بیان داخل کئے گئے اور مدعا علیہم نے بھی اپنے اپنے بیان حلفیہ داخل کئے :۔ ○ ڈاکٹر حبیب الحق صاحب کا حلفیہ بیان ○ مفتی ابراہیم صاحب سنجالوی کا حلفیہ بیان ○ شیخ ابوبکر النجار کا اپنا اور بطور نمائندہ مسلم جوڈیشل کونسل حلفیہ بیان ○ دیگر چار مدعا علیہم کے حلفیہ بیانات۔

(۳) مرزائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے حلفیہ بیانات پر جوابی حلفیہ بیان۔

ڈربن کی اس میٹنگ میں مسلمانوں کی طرف سے داخل کردہ بیانات لفظاً لفظاً پڑھے گئے اور احقر ان کے مندرجات پر ساتھ ساتھ تبصرہ کرتا رہا کچھ حوالے بھی پیش کئے جنہیں مولانا یونس پٹیل قلمبند کرتے گئے کام طویل تھا اس لئے اس کیلئے ایک اور میٹنگ رکھی گئی یہ دوسری میٹنگ بھی ڈربن میں رکھی گئی ۔ اس دوران مجھے اپنے طور پر مرزائیوں کے دونوں درجوں کے بیانات دیکھنے کا بھی موقع ملا اور ارادہ کیا کہ ان پر تبصرہ اور مؤاخذہ کیپ ٹاؤن کی مجالس میں کیا جائے جسمیں مولانا یوسف کاران اور عرب عالم شیخ نظیم بھی شریک ہوں۔

صورتحال کا تجزیہ

وہاں کے قانونی پیرایۂ عمل میں اس مرحلہ پر تین طرح کے حلفیہ بیان عدالت کے سامنے آتے ہیں اور انہی کے مندرجات پر عدالت میں بحث ہوتی ہے ۔ پہلا بیان مستغیث کا ، دوسرا مدعا علیہم کا تیسرا مستغیث کا جوابی حلفیہ بیان ۔ ان تین تدریجی بیانات کے بعد اب کوئی چوتھا بیان داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ ہماری طرف سے جو حلفیہ بیان داخل کئے گئے تھے ان میں بعض پہلو تشنہ تھے اور بعض ترمیم طلب۔ لیکن ضابطے کے مطابق اب ان میں کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ ڈاکٹر سلمان ندوی اور پروفیسر حبیب الحق کی رائے میرے موافق تھی کہ واقعی ان میں چند امور ترمیم طلب ہیں۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لئے میں نے مشورہ دیا کہ اپنے وکیل کے سامنے ان پہلوؤں کی نشاندہی کر دی جائے تاکہ وہ بحث میں ان امور کو خود لپیٹ سکیں ۔ اس دوسری میٹنگ کے بعد میں مولانا یونس پٹیل کی معیت میں کیپ ٹاؤن چلا گیا ایئرپورٹ پر مولانا عبدالحق کرجی ہمیں الوداع کرنے آئے ۔ کیپ ٹاؤن ائیرپورٹ پر مولانا یوسف کاران اور ہمارے ایک وکیل مع اپنے احباب وارکان کے چشم براہ تھے۔

کیپ ٹاؤن میں میٹنگ

وہاں کے ایک عرب دوست کی قیامگاہ پر بعد نمازِ عشاء مجلس مشاورت ہوئی جسمیں اسلامی تنظیمات کے نمائندے ، وہاں کے علماء و مشائخ نے کثیر تعداد میں شرکت کی بعض وکلاء بھی شریک تھے ۔ طے پایا کہ مرزائیوں کے دونوں بیانات پر ترتیب وار نوٹ قلمبند کئے جائیں ۔ وکلاء کا مشورہ تھا

کہ اس تاریخ پر تو صرف اس پر بحث ہوگی کہ پہلے حکم امتناعی کی توثیق کی جائے یا نہ۔ اس میں قادیانیوں کے مسلمان یا غیر مسلم ہونے پر باقاعدہ بحث نہ ہوگی ان مباحث کی ضرورت صرف اس صورت میں ہوگی جب مقدمہ مین ایکشن کے طور پر دائر کیا جائے اور اس کی باقاعدہ سماعت ہو —— تاہم مشورہ میں طے پایا کہ سارے مباحث ابھی سے قلمبند کرلئے جائیں۔ گو ان کی ضرورت اس تاریخ پر نہ پڑے اور ان کی ضرورت باقاعدہ سماعت کی صورت میں ہی ہو۔ یہ سب معلومات ابھی سے جمع کرلئے جائیں اور انہیں اپنے وکلاء کے سامنے رکھدیا جائے۔

دس دن کی تگ و دو اور تحقیق و تفتیش سے ان کے ایک ایک نکتے پر ہم نے نوٹ تیار کرلئے۔ احقر ہر بات کا جواب دیتا رہا اور مولانا یوسف کاران انہیں انگریزی میں لکھتے جاتے تھے۔ یہ علمی محنت اس مقدمے کا اہم ترین مرحلہ تھا۔ قادیانی کتابوں کے جن صفحات کی احقر نشاندہی کرتا ان کے فوٹو سٹیٹ لینے کا وہاں پورا انتظام تھا اس طرح کا فائل علمی پہلو سے مکمل ہوتا گیا۔

لاہوری مرزائی بھی قادیانیوں کی طرح مسلمان نہیں

تقریباً دس سال پہلے انگلینڈ میں بھی ایک ایسا مرحلہ پیش آیا تھا جس میں لاہوری مرزائیوں کا مسئلہ زیر بحث تھا اسوقت متعلقہ لوگوں نے مختلف علماء کی طرف رجوع کیا تھا۔ اتفاق سے میرا ان دنوں کا ایک مفصل فتویٰ چھپا ہوا مل گیا جسمیں مرکزی بحث مرزائیوں کے لاہوری گروپ پر ہی تھی۔ مولانا یوسف کاران نے اس کا انگریزی ترجمہ کرکے اسے ٹائپ کرالیا وہ بھی اس فائل میں لگا ہوا ہے۔

اپنے وکلاء سے میٹنگ

اس مقدمہ میں ہمارے تین سینئر وکیل تھے ان میں سینئر جناب اسمٰعیل محمد تھے دوسرے دو انگریز تھے یا وہ افریقن ڈچ ہوں گے۔ مشائخ کیپ ٹاؤن نے میری اور ان کی ملاقات کرانے کا اہتمام کیا میں نے ان کے سامنے مرزائیوں کے لاہوری فرقے کے چار کفری عقیدے پیش کئے اور ان پر بحث کی:

① لاہوری مرزائیوں کا ایک مدعی نبوت کو مجدد یا مسلمان ماننا۔

② مرزا غلام احمد کو مسیح موعود ماننا

بعض وکلاء سمجھتے تھے کہ لاہوری مرزائی مرزا غلام احمد کو صرف مجدد سمجھتے ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ مسیح موعود کا منصب مجدد سے کہیں زیادہ ہے مرزا غلام احمد اگر مدعی نبوت نہ بھی ہوتا تو اس کا مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ اس کے کفر کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کیونکہ اس دعویٰ میں قرآن و حدیث کی متعدد نصوص کا انکار اور ان کی نئی تشریح میں کفر و الحاد لپٹا ہوا ہے۔

③ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ سے پیدا ماننا

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت مریمؑ سے بلا مس بشر پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں متعدد جگہ مسیح ابن مریم کہہ کر ذکر کیا ہے۔ ماں کی طرف سے نسبت تبھی ہے کہ ان کا کوئی باپ نہ تھا

ورنہ عادتِ زمانہ اور قانونِ الٰہی یہی ہے کہ انسانوں کو اُن کے باپوں کے نام سے پکارا جائے : ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ۔ اسلام کے اس قطعی عقیدے کا انکار یقیناً کفر ہے۔

۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

اسلام میں پیغمبر کی توہین کفر ہے۔ مرزا غلام احمد نے عیسائیوں کو چڑانے کیلئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت گالیاں دیں اور ان کی توہین کی ہے۔ یہ مرزائیوں کی ایک مستقل وجہ کفر ہے۔

جناب اسماعیل محمد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے ان مباحث کے نوٹ لے لئے اور کہا کہ اس تاریخ پر تو ان مباحث کی ضرورت نہ پڑے گی لیکن کیس اگر باقاعدہ سماعت میں آگیا تو پھر یہ مباحث بہت کام آئیں گے۔

ہمارے وکلاء صاحبان نے ہمیں پوری تسلی دی کہ ان کے فائل میں ہر سوال کا جواب اور ہر مشکل کا حل آگیا ہے۔ انہوں نے قانونی پہلوؤں سے خود بھی اس کیس کی پوری تیاری کر رکھی ہے اور مرزائیوں کی درخواست میں کچھ قانونی کمزوریوں کی نشاندہی کر رکھی تھی، مثلاً یہ کہ ان کی درخواست ایک انجمن کی طرف سے ہے جس میں دفن ہونے کی اہلیت نہیں، دفن ہونے کا حق افراد کو مل سکتا ہے جماعت کو نہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان وکلاء صاحبان نے یقین دلایا کہ مدعا علیہم کو اس کیس کے بارے میں اب کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ وکلاء سے میٹنگ کے بعد ہم پورے مطمئن ہو کر واپس لوٹے۔ اگلے دن میں اور مولانا یونس پٹیل ڈربن واپس آگئے وہاں ایران کی غیر متوازن مذہبی پالیسی پر ایک جلسۂ عام تھا۔ حضرت مولانا عبد الحق عمرجی اور مولانا انصاری نے ایک ہال میں اسکا اہتمام کیا ہوا تھا جسمیں شہر کی بھاری اکثریت کی شمولیت کی توقع تھی اس لئے ہم اسے چھوڑ نہ سکے۔

پاکستان سے وفد کی آمد

۷ ستمبر کو حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب کا نیروبی سے مجھے فون ملا کہ پاکستان سے ایک وفد کیپ ٹاؤن کے اس مقدمہ کے لئے نیروبی آیا ہوا ہے اور انہیں جنوبی افریقہ کا ویزا نہیں مل رہا۔ حضرت مفتی صاحب کو بہت فکر تھی کہ تاریخ مقدمہ میں صرف دو دن باقی ہیں اب کیا ہوگا؟ میں نے انہیں بہت تسلی دی کہ کیس بحمد اللہ پوری طرح تیار ہو چکا ہے اور میں نے دس دن لگا کر اس کیس کی پوری تیاری کرا دی ہے قانونی پہلوؤں سے بھی ہمارے وکلاء بہت مستعد اور تیار ہیں اس سے مفتی صاحب کو بہت اطمینان ہوا۔ مولانا محمد تقی عثمانی اور جناب سید ریاض الحسن گیلانی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان سے فون پر مقدمے کے سلسلہ میں بات چیت ہوئی۔ ان سب حضرات کی رائے یہ تھی کہ پھر بھی ہو انہیں ویزا ضرور ملنا چاہیئے تاکہ مقدمے کی سماعت ہی ہو جائے۔ مفتی زین العابدین صاحب نے تجویز فرمائی کہ جنوبی افریقہ کے معتمد مسلم اکابر اگر حکومت سے رجوع کریں تو ویزا مل سکتا ہے۔ میں نے مولانا عبد الحق عمرجی سے مشورہ کر کے جوہانسبرگ کے جناب موسیٰ بذصیاں کو فون کیا۔ انہوں نے اسی وقت متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا۔ خدا کے فضل سے سب ارکان وفد کو ویزے مل گئے تاریخ میں دو دن باقی تھے ایک دن ان حضرات نے جوہانسبرگ گذارا اور پھر یہ حضرات کیپ ٹاؤن تشریف لے آئے۔

احترام کے پہنچنے سے چند گھنٹے پہلے دوبارہ کیپ ٹاؤن پہنچ گیا تاکہ ان حضرات کے استقبال کا اہتمام کیا جا سکے خدا کا شکر

ہے کہ وہاں کے احباب اور وہاں کے مشائخ نے پورا تعاون فرمایا اور کافی تعداد میں لوگ ائیر پورٹ پر پہنچے اور پاکستانی وفد کا نہایت ہی خلوص و محبت سے استقبال کیا جوہانسبرگ کے جناب ابراہیم میاں اور حضرت مفتی احمد میاں بھی ان کے ساتھ تھے۔ یہ وفد جوہانسبرگ سے ہی کیپ ٹاؤن آیا تھا۔ چند گھنٹے بعد پروفیسر خورشید احمد صاحب بھی لندن سے کیپ ٹاؤن پہنچ گئے۔

پاکستانی وفد کا اعزاز

اگلی صبح ۹ ستمبر کا دن تھا جس کا کافی دنوں سے انتظار تھا یہ اس مقدمے کی تاریخ تھی جس میں اس عبوری حکم امتناعی کی توثیق یا تنسیخ کا فیصلہ ہونا تھا۔ ہم لوگ مقامی علماء و مشائخ اور سربراہانِ مسلم تنظیمات کی معیت میں ۹ بجے ہی کمرۂ عدالت میں پہنچ گئے۔ مقدمہ سننے والوں کی بڑی تعداد کے باعث عدالت کو پھر کسی دوسرے کمرے میں منتقل کرنا پڑا۔ ہمارے پاکستانی وفد کو گو وہاں پیش ہونے کا موقع نہ ملا لیکن سامعین میں انہیں ممتاز نشستوں میں بٹھایا گیا۔ جناب افضل چیمہ صاحب اور پروفیسر خورشید احمد صاحب کارروائی کے نوٹ بھی لیتے رہے۔ یہ سارا دن مرزائیوں کے وکیل نے لے لیا[1]

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ ۹ ستمبر کو مقدمہ شروع ہونے سے پہلے مرزائیوں نے عدالت کے سامنے کوئی اور درخواست بھی پیش کی؟

جواب: ہاں یہ اس مقدمے کا ایک افسوسناک سانحہ ہے۔ رات ہمارے ہاں یہ بات چل نکلی کہ مرزائیوں کی درخواست میں یہ تھم ہے کہ یہ ان کی احمدیہ انجمن کی طرف سے دی گئی ہے اور مستغیث کے لئے فرد ہونا ضروری ہے اگر وہ اپنے کسی فرد یا چند افراد کی طرف سے استغاثہ دائر کرتے تو ان کی بات لائق سماعت ہو سکتی تھی موجودہ صورت میں انہیں استغاثے کا حق نہیں ہے کوئی انجمن یہ حق نہیں مانگ سکتی کہ اسے کسی زمین میں دفن ہونے کا موقع ملنا چاہیئے۔ یہ بات ارکانِ وفد میں نہایت رازدارانہ طور پر ہوئی تھی۔

ہماری حیرانی کی حد نہ رہی جب اگلے دن مقدمہ شروع ہونے سے پہلے ہی مرزائیوں کی طرف سے سٹرپیک مرزائی کی ایک درخواست عدالت کے سامنے آگئی کہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کا حق ملنا چاہیئے۔ یہاں مرزائی مستغیث ایک اور غلطی کر گئے انہیں اپنی درخواست کے ساتھ حلفیہ بیان لگانا یاد نہ رہا جو ضروری تھا۔

سوال: مسلمانوں کے اس رازدارانہ مشورے کی اطلاع مرزائیوں کو کیسے ہوگئی؟ یہ درخواست دائر کرنے کا منصوبہ اگر ان کا پہلے ہوتا تو انہوں نے حلفیہ بیان ساتھ ضرور لگایا ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہنگامی عجلت میں ہی وہ اسے بھول گئے ہوں گے۔ تعجب ہے کہ ان کو راتوں رات اس بات کی اطلاع کیسے ہوگئی؟

جواب: ہاں یہ بات واقعی اس دورے کا سانحہ ہے مجھے شبہ ہے کہ ان ارکان میں سے ہی کسی نے مرزائیوں کو یہ بات پہنچائی

---

[1] موصوف کا نام ینگ تھا مگر وہ بہت بوڑھے تھے یہ یہودی وکیل بار بار اس موضوع کو لیتے کہ احمدی مسلمان ہیں اور عدالت بار بار ان کو ٹوکتی کہ آج کی سماعت صرف اس حکم امتناعی کی تنسیخ یا توثیق پر ہے اس موضوع پر نہیں کہ یہ مسلمان ہیں یا نہیں مگر وہ وکیل پھر بھی اسی موضوع پر رہتے ان کے اسی اصرار اور بار بار کے تکرار نے سارا دن لے لیا۔

ہوگی۔ وہ کون ہو سکتا ہے؟ میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا تاہم یہ ضرور ہے کہ ایسے وفود میں ارکان کا انتخاب نہایت حزم و احتیاط سے ہونا چاہیئے۔

پاکستانی وفد کا مجموعی اثر

سوال: آپ کے خیال میں پاکستانی وفد کی آمد کس لحاظ سے مفید رہی۔ مقدمہ کی تیاری تو مسلمانوں کے وکلاء پہلے سے پوری کر چکے ہوں گے اور علمی پہلو سے آپ نے وہاں اتنے دن قیام کر کے انہیں پریکٹس تیار کرا ہی دیا تھا پھر اس وفد کا بنیادی کام کیا رہا؟

جواب: اس وفد کے پہنچنے سے ہماری بہت زیادہ حوصلہ افزائی ہوئی۔ یہ تاثر وہاں عام تھا کہ پاکستانی مسلمان اس مسئلے میں بہت بیدار ہیں۔ پاکستان نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت یونہی قرار نہیں دیا بلکہ یہ پاکستان کے ہر حساس دل کی دھڑکن اور ہر مسلمان کے دل کی آواز تھی جسے پاکستان پارلیمنٹ نے ایک قرار داد کی صورت میں پاس کیا پھر اس عظیم دینی خدمت کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت سے دوستوں نے حج کی سعادت بھی حاصل کر لی۔

سوال: ارکان وفد وہاں پہنچ کر آپس میں سب متفق رہے یا ان میں کہیں اختلاف رائے بھی ہوا تھا۔ جب آپ نے لاہوری مرزائیوں کو کافر کہا تو پروفیسر خورشید احمد نے آپ کی مخالفت تو نہیں کی۔ وہ کالعدم جماعت اسلامی کے رکن ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مودودی صاحب لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں کہتے تھے۔ ہمیں یہاں پاکستان میں اندیشہ تھا کہ مرزائی کہیں اس اختلاف سے فائدہ نہ اٹھائیں اور وہاں یہ بات زیر بحث نہ آجائے؟

جواب: پروفیسر خورشید احمد نے وہاں ہماری مخالفت نہیں کی جس کی ہمیں بڑی خوشی ہے اور پھر مودودی صاحب کی ذاتی رائے کی جماعت پابند نہیں۔ بحث ۱۹۷۴ء میں جب مرزائیوں کے دونوں گروہوں (قادیانی اور لاہوری) کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا اس وقت بھی جماعت اسلامی نے مخالفت نہیں کی تھی۔ جج نے مرزائیوں کے وکیل کو بار بار کہا تھا کہ ان کے حلفیہ بیانات میں کسی ماہر اسلامیات کا کوئی بیان شامل نہیں جس میں انہیں مسلمان تسلیم کیا گیا ہو۔ جہاں تک میں ان کے حلفیہ بیانات کا مطالعہ کر سکا یہ صحیح ہے کہ مرزائی اپنی تائید میں کسی ماہر اسلامیات کو پیش نہیں کر سکے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہو۔

سوال: جب مرزائیوں کے وکیل کو جج نے یہ بتایا کہ آج کی سماعت میں زیر بحث سوال یہ ہے کہ آپ حکم امتناعی کے حقدار ہیں یا نہیں یہ بحث نہیں کہ آپ مسلمان ہیں یا نہیں تو مرزائیوں کے وکیل نے اس کا کیا جواب دیا؟

جواب: مرزائی وکیل اس کا کوئی جواب نہ دے سکا تھا تاہم اس نے صرف یہ بات کہی کہ ہم ہنگامی ضرورت کے پیش نظر اس حکم امتناعی کی توثیق مانگتے ہیں اگر اس حکم امتناعی کی توسیع نہ کی گئی تو ہمیں ڈر ہے کہ ہماری گھریلو زندگیاں بھی برباد ہو جائیں گی۔ اور ہمارے اور دوسرے مسلمانوں کے کئی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ یہاں کے علماء کو منع کیا جائے کہ وہ ہمیں غیر مسلم اور کافر نہ کہیں۔ جج نے اس موقع پر برجستہ کہا کہ ریکارڈ میں تو ایسا کوئی ذکر نہیں کہ کیپ ٹاؤن میں کسی گھر میں کوئی احمدی اور غیر احمدی کسی رشتہ نکاح میں منسلک ہوں جب ایسا کوئی واقعہ نہیں تو پھر آپ کو اندیشہ کس بات کا ہے کہ اس حکم امتناعی کی عدم توثیق کی صورت میں

کئی گھر برباد ہو جائیں گے۔

مرزائی وکیل نے اس پر یہ نکتہ اُٹھایا کہ ایسے کسی واقعہ کا ریکارڈ پر ہونا ضروری نہیں ایسے مواقع پر عدالتوں کو جوڈیشل نوٹس لینے کا پورا حق حاصل ہوتا ہے یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مسلمانوں کے آپس میں نکاح ہوتے ہیں تو جب احمدی بھی مسلمان ہیں تو ان کے نکاح بھی تو دوسرے مسلمانوں سے ہوتے ہی ہوں گے آپ اس صورت کا جوڈیشل نوٹس لیکر اس حکم امتناعی کی توثیق کر سکتے ہیں۔

اس پر جج نے سٹرینگ کو بیرڈ کا اور کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے مسلمان ہونے کا فیصلہ اس مقدمے کو زیر بحث لائے بغیر ہی کر دوں ؟ جب یہ مقدمہ ہی زیر بحث نہیں تو میں اس کا فیصلہ کیسے کر سکتا ہوں ؟ جہاں تک حالات کے جوڈیشل مطالعے کا تعلق ہے وہ تو یہ ہے کہ مسلمان مسلمانوں سے نکاح کرتے ہیں اور احمدی احمدیوں سے اور مسلمانوں کے متعلق بیانات میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اسپر سٹرینگ بالکل خاموش ہو گئے۔

مرزائی وکلاء اس مرحلے پر بالکل تھک گئے دکھائی دیتے تھے۔ عدالت کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا کہ وہ اپنے حق استغاثہ کی وجوہ پیش کرنے کے بعد بیٹھ گئے اب مسلمانوں کی باری تھی۔۔۔۔

باقی آئندہ شمارے میں

جامعہ رشیدیہ اور مکتبہ رشیدیہ

جامعہ رشیدیہ' دار العلوم ہے اور السنہ شرقیہ' علوم اسلامیہ کا دینی مدرسہ ہے۔
جو بیاسی سال سے رائے پور (جالندھر) پنجاب سے حضرات اکابر دار العلوم دیوبند کے علماء و فضلاء نے قائم فرمایا تھا۔ جو آج تک بفضلہ تعالیٰ جاری و ساری ہے اور انشاء اللہ رائے پوری حضرات کا شجرۂ طیبہ' صدقۂ جاریہ قائم و دائم رہے گا۔

دار العلوم کی شاخ جامعہ رشیدیہ زندہ و درخشندہ ہے۔ تعلیمات کے کام، نظم و نسق کا نظام حسب سابق بدستور چل رہا ہے اور علمی و عملی جد و جہد جاری ہے۔

البتہ مکتبہ رشیدیہ ایک ذاتی تجارتی کتب خانہ ہے جس کا جامعہ ہذا سے تعلق ندارد۔
اس لئے جملہ مراسلات بنام مدیر و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ آنے چاہئیں۔

منجانب: (پیر جی) عبد العلیم رائپوری ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال

مفتی اعظم
مفتی محمودؒ

تحریک ختم نبوت کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ روشن رہے گا

قائدِ اتحاد

ندیم باسط

- — برطانوی سامراج کا نام مٹانیوالوں میں ان کا نام بھی شامل رہے گا۔
- — وہ صحیح معنوں میں علمائے دیوبند کے جانشینوں میں سے تھے!

چمنستان دیوبند میں یوں تو ہزاروں پھول کھلے لیکن ان پھولوں میں کتنے ہی پھول نہایت جاذب نظر، بے انتہا نور افروز اور بے انتہا معطر نکلے انہی پھولوں میں سے ایک پھول ایسا نکلا جسے آج تمام دنیا مفکرِ اسلام، فقیہہ ملت، جید عالم دین، درویش وزیراعلیٰ، قائد تحریک بحالیٔ جمہوریت، قائد تحریک ختم نبوت، قائد تحریک نظام مصطفےٰ، قائدِ حزب مخالف اور قائدِ پاکستان قومی اتحاد مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمود کے نام سے جانتی ہے۔ کسے معلوم تھا کہ ڈیرہ اسماعیل خاں کے چٹیل اور بے آب وگیاہ میدان میں کھلنے والے اس پھول کی مہک سے تمام عالم اسلام کو معطر ہونا ہے وہ اسی قافلہ حریت کے جرنیل تھے جنہوں نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا اور اس کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

وہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ، مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا محمد یوسف بنوری کے صحیح معنوں میں جانشین تھے

حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے دینی تعلیم علماءِ دیوبند، علماءِ سہارنپور سے حاصل کی ——— تعلیم سے فراغت پاکر نوجوان مولوی محمود برطانوی سامراج کے خلاف سینہ سپر ہوگیا۔ چنانچہ مولوی محمود نے بھی انگریز دشمنی کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ علماء حق کی کوششوں کی بدولت انگریز کو برصغیر سے نکلنا پڑا اور پاکستان کا وجود عمل میں آیا۔ وہ پاکستان جو صرف اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا کہ اس میں کوئی اور قانون نہیں ہوگا صرف اسلامی قوانین ہوں گے۔

قائداعظم کی وفات کے بعد کوئی ایسا اور سیاستدان نہیں آیا جس نے اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوئی عملی کوشش کی ہو چنانچہ علماء حق نے اس مسئلہ پر آواز اٹھائی اور ایک اسلامی جماعت "جمعیۃ علماءِ اسلام" کی داغ بیل ڈالی مفتی محمودؒ نے بھی اسی پلیٹ فارم سے سیاست میں حصہ لیا۔ مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر مسائل بیان کرنے والا یہ مولوی وہ ہے جو آہستہ

آہستہ اپنی عقل و فراست اور تدبر کی بناء پر چھاتا چلا گیا۔ اور ثابت کر دیا کہ ایک مولوی بہت اچھا سیاستدان بھی ہو سکتا ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ ۱۹۶۲ء میں قومی اسمبلی کے انتخاب میں کامیاب ہوئے اور پارلیمنٹ میں آئے۔ ایوب خان کی حکومت تھی قومی اسمبلی کے ایوانوں میں مفتی محمود للکار للکار کر کہہ رہے تھے کہ اسلام ہی غریبوں کے مسائل حل کر سکتا ہے اور ہماری منزل مقصود صرف اور صرف اسلام ہی ہونی چاہیئے۔

۱۹۶۸ء کی تحریک بحال جمہوریت میں حضرت مفتی محمودؒ کی خطابی گھن گرج نے بڑے بڑے قدآور بتوں کو پاش پاش کر دیا ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں آکسفورڈ او کیمرج یونیورسٹی میں سیاسی درس دینے والا سیاستدان ایک بوریا نشین فقیر بے نوا، عالم دین سے مات کھا گیا مفتی صاحب دوبارہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور قومی اسمبلی میں قائد حزب مخالف کے نام سے پہچانے جانے لگے۔

۱۹۷۴ء میں قادیانی فرقے نے پھر سر اٹھایا۔ تحریک ختم نبوت میں آپ کی قائدانہ خطابت نے تحریک میں ایسی جان ڈال دی کہ پوری قوم سر بکفن ہو کر میدان میں آگئی۔ بالخصوص پارلیمنٹ میں مرزا ناصر نے کئی گھنٹے قادیانی نبوت کے حق میں دلائل دیئے تو حضرت مفتی محمود نے جوابی تقریر میں دلائل و براہین سے اس کے جھوٹ کو بے نقاب کیا اور مرزا ناصر کا ایسا تعاقب کیا کہ اسے راہ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا بالآخر حکومت وقت کو مفتی صاحب کے دلائل کے سامنے جھکنا پڑا اور فیصلہ ہو گیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں کا مسلم برادری سے کوئی تعلق نہیں۔

بھٹو کے دور میں جمہوریت کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا گیا۔ جو بھی حق کی آواز اٹھتی اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جاتا اسکی جیتی جاگتی تصویر بلوچستان اسمبلی کے ممبر مولانا شمس الدین شہید ہیں۔ مولانا مفتی محمودؒ کو بھی راہ حق سے ہٹانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا کم و بیش آٹھ قاتلانہ حملے کروائے گئے مگر اللہ نے اس مرد درویش سے مزید کام لینے تھے مخالفین کی کوئی بھی چال کامیاب نہ ہوئی پیرے اس عظیم قائد کو حق کی پاداش میں قومی اسمبلی سے اٹھوا کر باہر پھنکوا دیا گیا۔ حق و باطل کی یہ آویزش یونہی جاری تھی کہ حکمران اعلیٰ نے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ مفتی صاحبؒ کی کوششوں سے تمام جماعتوں نے ایک متحدہ جماعت بنائی جسے پاکستان قومی اتحاد کا نام دیا گیا قیادت کے لئے سب کی نظریں قائد اسلامی انقلاب مفتی محمودؒ پر پڑیں اور آپ کو صدر چن لیا گیا۔ انتخابات میں دھاندلی ہوئی قومی اتحاد نے نتائج کا بائیکاٹ کر دیا اور "تحریک نظام مصطفےٰ" چلائی گئی۔

مفتی صاحبؒ کی قائدانہ خطابت نے پشاور سے کراچی تک ایک جوش و ولولہ پیدا کر دیا اور پوری قوم ایک بار پھر فیصلہ کن جدوجہد کے لئے تیار ہو گئی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے بے سروسامانی کے باوجود وقت کے ایک بڑے آمر کو اپنا موقف تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ اچانک فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ ہو گیا۔

مفتی صاحبؒ دنیا میں رہے تو "عزم ہمالیہ کی طرح مضبوط، آب زمزم کی طرح پاک و صاف، دماغ خورشید کی طرح روشن علم سمندر کی طرح وسیع، مزاج پھولوں کی طرح نرم و شگفتہ، فکر چراغوں کی طرح تابندہ، کلام شہد کی طرح شیریں۔" میرے پاس الفاظ

نہیں جن سے میں اپنے عظیم قائد کو خراج تحسین پیش کر سکوں ۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے ، مرد قلندر اور آزاد منش انسان تھے
آہ ۔ آج تو اس مرد قلندر کی روح بھی بے چین ہو گی وہ ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے :

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا — جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

افسوس ! آج وہ جماعت دو حصوں میں بٹ گئی ہے ۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ان کے مشن کو آگے بڑھائیں پھر اپنے اختلافات ختم کر کے دینِ مصطفےٰ کے دشمنوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جائیں ورنہ صفحۂ ہستی سے مٹ جاؤ گے ۔ کہ نام تک بھی نہ ہو گا کہیں ۔ خدا تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ میرے بقیہ بزرگوں کو اتحاد ، اتفاق جذبہ ایثار و قربانی سے نوازے ۔

یہ واہمہ ہے حقیقت ہے یا ہے ضعف یقین — وہ گھر سے جا بھی چکا ہے نظر میں رہتا ہے ۔

یاد سے تیری دل درد آشنا معمور ہے — جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

مفتی صاحب اقتدار نہیں چاہتے تھے کہ ہمیں تو اسلامی نظام چاہیئے چاہے وہ جمہوریت کے ہاتھوں آئے چاہے مارشل لاء کے ذریعے ۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم نے ایک گہرے سمندر میں گوہر نایاب حاصل کرنے کے لئے غوطہ لگایا ہے یعنی اسلام کے لئے ۔ دیکھتے ہیں کہ وہ گوہر ہمیں حاصل ہوتا ہے یا نہیں ۔ مگر ع رہی دل میں حسرتیں کہ نشاں قضا نے مٹا دیئے ۔
مفتی محمودؒ کو انگریز دشمنی اپنے اکابر سے ورثے میں ملی تھی ان کے سامنے تمام حقائق عیاں تھے ان کی دوربین نگاہیں مستقبل پر تھیں اسی لئے موصوف سامراج کو عالم اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا کرتے تھے چنانچہ ۲ر جنوری ۷۰ء کو لاہور میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے حق و باطل کا معیار ان الفاظ میں واضح کیا ۔

" ہمارے نزدیک سامراج دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے جب تک سامراج کا جنازہ بحرِ روم میں غرق نہیں کیا جاتا نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کے بنیادی مسائل حل نہیں ہوں گے ۔ آج اس سامراج کا پیدا کردہ ناسور اسرائیل عربوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ رہا ہے اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے اپنی کو بروئے کار لائے ہوئے ہے ۔ جمال ناصر کہا کرتے تھے کہ دریا کی تہہ میں اگر مچھلیاں لڑ رہی ہوں اور دنیا کے کسی خطے میں جنگ ہو رہی ہو تو سمجھ لو کہ ۔ ۔ ۔ کی سازش ہے "

مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا ہزارویؒ کا بھی یہی موقف تھا ۔ اللہ اللہ یوں وہ مرد درویش پیدا ہوا تھا تو صرف اسلام کی خاطر سارے جہان کا درد اس کے جگر میں تھا ۔ وہ افغانستان اور فلسطین کے تمام حالات سے بخوبی واقف تھا وہ چاہتا تھا کہ تمام امتِ محمدیہ کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے مسلمان قوم ایک ملت بن جائے پھر کسی میں جرأت نہ ہو کہ کسی اسلامی ملک کی طرف نظر اٹھا کے دیکھے ۔

ملک و ملت کے غم نے ان کی ہڈیاں تک پگھلا کے رکھ دی تھیں اگر یوں کہوں تو بے جا نہ ہو گا کہ انکی کیفیت ویسی ہو گئی تھی جو علامہ کے پیر و مرشد فقیر الشیخ السندھی کی تھی ۔ چودھویں صدی کا آخری حج کرنا چاہتے تھے ابھی رختِ سفر باندھا ہی تھا کہ اللہ نے اپنے پاس بلا لیا ۔ (چٹان)

فتوحات فاروقی

شبلی نعمانیؒ

جنگ قادسیہ

جب اسلام کے جیالے کسریٰ کی فوجوں پر قہرِ الٰہی بن کر ٹوٹ پڑے

رستم اب تک لڑائی کو برابر ٹالتا جاتا تھا لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اسکو اسقدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بندی کا حکم دیا نہر جو بیچ میں حائل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر سڑک بنادی جائے صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور دوپہر سے پہلے پہلے یہ فوج نہر کے اس پار آگئی، خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا دوہری زرہیں پہنیں، سر پر خود رکھا، ہتھیار لگائے پھر اسپ خاصہ طلب کیا اور سوار ہوکر جوش میں کہا کہ کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا۔ کسی سپاہی نے کہا "ہاں اگر خدا نے چاہا" بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی"۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی، آگے پیچھے تیرہ صفیں آراستہ کیں، قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا، ہودجوں اور عماریوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے، میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے، خبر رسانی کے لئے موقع جنگ سے پایۂ تخت تک کچھ کچھ فاصلے پر آدمی بٹھائے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا تھا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے اس لئے فوج کیساتھ شریک نہ ہوسکے۔ بالاخانے پر میدان کی طرف رُخ کرکے تکیہ کے سہارا سے بیٹھے اور خالد بن عرطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پرچوں پر لکھوا کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں فنِ جنگ کا اسقدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزیِ طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوجیں آراستہ ہوچکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشانی سے تمام فوج میں آگ لگادی۔ شعراء میں حماس، حطیئہ، اوس بن معراء، عبدۃ بن الطبیب، عمرو بن معدیکرب۔ اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ، غالب ابن الہذیل الاسدی، بسر بن ابی رہم الجہنی، عاصم بن عمرو، ربیع سعدی، ربیع بن عامر میدان میں کھڑے تقریر کر رہے تھے اور فوج کا یہ حال تھا کہ ان پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے بعض حصے یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

ابن الہذیل اسدی کے الفاظ یہ تھے:

"خاندانِ سعد! تلواروں کا قلعہ بناؤ اور دشمنوں کے مقابلہ میں شیر بن جاؤ، گرد کی زرہ پہن لو اور نگاہیں نیچی کرلو جب تلواریں تھک جائیں تو تیروں کی باگ چھوڑ دو کیونکہ تیروں کو جہاں بار مل جاتا ہے تلواروں کو نہیں ملتا۔"

اس کے ساتھ ہی قاریوں نے میدان میں نکل نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورۂ جہاد کی آیات تلاوت کرنی شروع کر دیں جن کی تاثیر سے دل ہل کر رہ گئے اور آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔

سعدؓ نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ایک ایرانی قدانداز دیبا کی قبا زیب بدن کئے، زریں کمر بند لگائے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے میدان میں آیا۔ ادھر سے عمرو بن معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اُس نے تیر کمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمر میں ہاتھ ڈال کر اُٹھایا اور زمین پر دے پٹکا اور تلوار سے گردن اُڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں لڑا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا ہر شخص معدی کرب کیونکر ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ ایرانیوں نے بجیلہ کے رسالہ پر جو سب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو ریلا۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ کالے پہاڑ کہاں دیکھے تھے دفعتہً بدکے اور منتشر ہوگئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن ہاتھیوں کے ریلے میں ان کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے تھے سعدؓ نے یہ دیکھ کر قبیلہ اَسد کو فوراً حکم بھیجا کہ بجیلہ کو سنبھالو۔ طلیحہ نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے ساتھیوں سے کہا: عزیزو! سعدؓ نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔ تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اُٹھائیں اور ہاتھوں میں برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ان کی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا تھم گئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارا زور اسطرف کر دیا۔ سعدؓ نے قبیلہ تمیم کو جو تیر اندازی اور نیزہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی یہ سُن کر وہ دفعتہً بڑھے اور اسقدر تیر برسائے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا پھر قریب پہنچ کر تمام ہودے اور عماریاں پلٹ دیں شام تک یہ ہنگامہ رہا جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عرب اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

سعدؓ جس وقت بالاخانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بیوی سلمیٰ بھی ان کے برابر بیٹھی تھی۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعدؓ غصے سے بے تاب ہوئے جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اُٹھی کہ افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا۔ سعدؓ نے غصے سے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا۔ سلمیٰ نے کہا: "سبحان اللہ بزدلی کیساتھ غیرت بھی..." یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعدؓ خود لڑائی میں شریک نہ تھے۔ اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدانِ جنگ سے مقتولوں کی لاشیں اُٹھوا کر دفن کرائیں اور جسقدر

زخمی تھے مرہم پٹی کے لئے عورتوں کے حوالے کئے پھر فوج کو کمر بندی کا حکم سنایا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف غبار اٹھا گرد پھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہؓ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجی تھیں وہ آن پہنچیں۔ حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاری کی تھی اُسی زمانے میں ابو عبیدہؓ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی فوج جو وہاں بھیجدی گئی تھی اسکو حکم دو کہ سعدؓ کی فوج سے جاکر مل جائے چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید غیبی سمجھی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ مضر اور ایک ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ سعدؓ کے بھائی سپہ سالار تھے اور ہراول قعقاع کی رکاب میں تھا قعقاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ اُدھر سے بہمن نکلا۔ قعقاع جسر کا واقعہ یاد کر کے پکار اُٹھے کہ "لینا ابو عبیدؓ کا قاتل جانے نہ پائے"۔ دونوں حریف تلوار لیکر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی ردوبدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں اطراف کے بہادر تنہا تنہا میدان میں نکل کر اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ شہر براز کے ہاتھوں مارا گیا۔ بزرجمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قعقاع سے لڑکر قتل ہوا۔ غرض ہنگامۂ عام سے پہلے ایرانی فوج نے اپنے اکثر نامور بہادر کھودیئے تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔

شام کی امدادی فوج کو قعقاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کردیئے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا اُدھر سے نمودار ہوتا تھا اس طرح تمام دن فوجوں کا تانتا بندھا رہا اور ایرانیوں پر رعب چھا تا گیا۔ ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے لگاتا ہوا آتا تھا اور قعقاع اس کے ساتھ ہوکر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لئے قعقاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح مہیب بنایا یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رُخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے۔

عین ہنگامۂ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاصد پہنچے جن کے پاس نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المؤمنین نے یہ انعام اُن لوگوں کے لئے بھیجا ہے جو ان کا حق ادا کرسکیں۔ چنانچہ قعقاع نے حمال بن مالک، ربیل بن عمرو، طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمرو التمیمی کو یہ تلواریں دیں اور قبیلہ ربیع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کئے۔ ربیل نے فخر سے جوش میں آکر یہ شعر پڑھا "سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں۔

جس وقت لوگوں نے کاٹنے والی نازک تلواریں بانٹیں اسوقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جن کو شراب پینے کے جرم پر سعدؓ نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا منظر دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوتے جاتے تھے آخر ضبط نہ کرسکے۔ سلمیٰ (سعد کی بیوی) سے کہنے لگے خدا کے لئے اسوقت مجھے چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آکر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا یہ حسرت کے ساتھ واپس ہوئے اور بار بار پُر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے: "اس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں"

جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی، اور دروازے اسطرح بند کر دیئے جاتے ہیں کہ پکارنے والا پکارتے پکارتے تھک جاتا ہے۔"

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر اسقدر اثر کیا کہ انہوں نے اس کی بیڑیاں کاٹ دیں۔ انہوں نے فوراً اصطبل میں جاکر سعدؓ کے گھوڑے پر جس کا نام بالغاء تھا زین کسا اور میدان جنگ میں پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ میمنہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے سعدؓ بھی حیران تھے اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابومحجن کا ہے لیکن وہ قید خانے میں ہے۔ شام ہوئی تو ابومحجن نے آکر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعدؓ سے بیان کئے۔ سعدؓ نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا کہ خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔ ابومحجن نے کہا خدا کی قسم میں آج کے بعد پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

خنساء جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا:

"پیارے بیٹو! تم اپنے ملک کے دوبھر نہ تھے، نہ تم پر قحط پڑا تھا باوجود اس کے کہ تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بد دیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ تو جاؤ اور آخری دم تک لڑو۔"

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا، "خدایا میرے بیٹوں کو بچانا۔"

اس دن مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا یہ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے اس میں قعقاعؓ نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت چند رسالوں اور پیدل فوج کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور شام کی طرف نکل جائیں پو پھوٹتے ہی سو سو سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور غل پڑ گیا کہ نئی امدادی فوجیں آگئی ہیں، ساتھ ہی حملہ ہوا حسن اتفاق سے ہاشم جن کو ابوعبیدہؓ نے شام سے مدد کے لئے بھیجا تھا عین موقع پر سات سو سواروں کو لیکر پہنچ گئے۔ یزدجرد کو دم دم کی خبریں پہنچ رہی تھیں اور وہ برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہاشم نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا۔ معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح گرجتا ہوا میدان میں آیا اس کا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اس کے مقابلے سے جی چراتے تھے لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور

سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ایرانیوں نے ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کیں تاکہ معدی کرب نے رفیقوں سے کہا میں مقابل ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا ورنہ عمرو بن معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعۃً ان پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے معرکے کے بعد دشمن پیچھے ہٹا عمرو بن معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جا بجا برچھیوں کے زخم تھے تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اس حالت میں ایک ایرانی برابر سے نکلا انہوں نے اس کے گھوڑے کی دُم پکڑ لی ایرانی نے بار بار مہمیز کیا لیکن گھوڑا اپنی جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اُتر کر بھاگ پڑا اور یہ اُچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعدؓ نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رُخ کرتے ہیں دل کا دل پھٹ جاتا ہے ضخم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے؟ انہوں نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بیکار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت مہیب اور کوہ پیکر گویا کل ہاتھیوں کے سردار تھے ایک ابیض اور دوسرا اجرب کے نام سے مشہور تھا۔ سعدؓ نے قعقاع عاصم، حمال اور ربیل کو بلا کر کہا کہ یہ مہم تمہارے ہاتھ ہے۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور پیادے بھیج دیئے کہ ہاتھیوں کو نرغے میں کرلیں پھر خود برچھا ہاتھ میں لیکر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے کہ آنکھیں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جھرجھری لیکر پیچھے ہٹا ساتھ ہی قعقاع کی تلوار پڑی اور سونڈ مستک سے الگ ہو گئی ادھر ربیل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لئے اور دم کے دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل دہل پڑتی تھی چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکہ کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سرے سے ترتیب دی قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سواروں کا رسالہ اس کے بعد پیدل فوجیں اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعدؓ نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کئے تو قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنی رکاب کی فوج لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑے فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قعقاع کا جوش دیکھ کر سعدؓ کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ وَانْصُرْ یعنی "اے خدا قعقاع کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔ قعقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی نخع، بجیلہ، کندہ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملہ پر کہتے جاتے تھے خدایا اس کو معاف کرنا اور یاور رہنا۔ اوّل اوّل سواروں کے رسالے نے حملہ کیا لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جم کر لڑتی تھیں اس ثابت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ جعفیہ نے اس پر حملہ کیا لیکن تلواریں زرہوں پر اُچٹ اُچٹ

کر دیں گے۔ سرداران قبیلہ نے للکارا۔ سب نے کہا زرہوں پر تلواریں اثر نہیں کرتیں۔ اس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پہلوان پر جو پہلے کا وار اس طرح کیا کہ برچھا کر توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد کر دیا تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے اس پر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو قعقاع نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر منتخب کئے اور سپہ سالارِ فوج رستم کی طرف رُخ کیا۔ ساتھ ہی قیس اشعث عمرو بن معدی کرب ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلہ کے سردار تھے ساتھیوں کو للکار کر دیکھو یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں اور سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے آگے کھڑے ہو کر اس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیروزان و ہرمزان کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئے۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ وار لڑتا رہا جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ نکلا۔ ہلال نامی ایک سپاہی نے پیچھا کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے آگئی رستم کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی ہلال بھی کودے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔

ہلال نے لاش خچر کے پاؤں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا ہے۔ ایرانیوں نے دیکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔

سعدؓ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامۂ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلتے مدینے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے مطابق نکلے اِدھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا بڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آ رہے ہو۔ وہ سعدؓ کا قاصد تھا اور مژدہ فتح لیکر آیا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعدؓ کا قاصد ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کر دیئے اس نے کہا خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رکاب کے برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے شتر سوار شہر میں داخل ہوا تو دیکھا جو شخص سامنے آتا ہے ان کو امیر المومنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ ڈر سے کانپ اٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا۔

فرمایا "نہیں کچھ حرج نہیں تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو" چنانچہ اسی طرح اس کے رکاب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے مدینہ پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوش خبری سنائی اور ایک نہایت پُراثر تقریر کی جس کا آخیر فقرہ یہ تھا؛

"مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ میں خود خدا کا غلام ہوں البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو یہ میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ

تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن ہاتوں سے نہیں بلکہ عمل سے"

قادسیہ کے معرکے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑتے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں لائے گئے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے فتح کے بعد یہ لوگ سعدؓ کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعدؓ نے دربارِ خلافت کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو بلوا کر رائے لی اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آکر آباد ہو گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کریں۔ ایرانیوں نے قادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام لیا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان مہیا کر لئے تھے اور فیروزان کو سردارِ لشکر قرار دیا گیا۔ سعدؓ نے ان کے استیصال کے لئے ۱۵ھ میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کئے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصبری سد راہ ہوا اور میدانِ جنگ میں زخم اٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صلح کر لی اور بابل تک موقع بموقع پل تیار کرا دیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گذر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار نخیرجان، ہرمزان، مہران وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعدؓ نے خود بابل میں مقام کیا اور زہرہ کی افسری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کر دیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوثی میں ٹھہری تھیں اور شہریار جو رئیس زادہ تھا ان کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوثی سے گذرے تو شہریار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدانِ جنگ میں آکر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن جب تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام ہی تیرے مقابلہ کو جائے گا۔ یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا اس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہریار دیو کا سا تن و توش رکھتا تھا مقابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک کر گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گرا کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے انگوٹھا نابل کے منہ میں آگیا نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہریار تلملا گیا نابل موقع پا کر اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ چاک کر دیا۔ شہریار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا نابل نے زرہ وغیرہ اس کے بدن سے اُتار کے سعدؓ کے آگے ڈھیر کر دی۔ سعدؓ نے عبرت کے لئے حکم دیا کہ نابل وہی لباس اور اسلحہ سجا کر آئے۔ چنانچہ شہریار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیرنگیوں کی تصویر پھر گئی۔

کوثی ایک تاریخی مقام تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے یہیں قید کیا تھا۔ چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی سعدؓ اسکی زیارت کو گئے اور درود پڑھ کر یہ آیت پڑھی: تلك الايام نداولها بين الناس. کوثی سے آگے بڑھے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر کہتا تھا کہ جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کبھی زوال نہیں آسکتا۔ یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسریٰ سے بہت ہلا ہوا تھا اور اسی لئے اسکو بہرہ شیر کہتے تھے سعدؓ کا لشکر قریب پہنچا تو وہ تڑپ کر نکلا لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا

سعدؓ نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔ آگے بڑھ کر سعدؓ نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر اُدھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لئے۔ شہرزاد نے جو ساباط کا رئیس تھا سعدؓ سے کہا کہ یہ معمولی کاشتکار ہیں ان کے قید کرنے سے کیا حاصل۔ چنانچہ سعدؓ نے ان کے نام دفتر میں درج کر لئے اور چھوڑ دیا۔ آس پاس کے تمام رئیسوں نے جزیہ قبول کر لیا مگر شہر پر قبضہ نہ ہو سکا دو ماہ تک محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلع سے نکلکر معرکہ آراء ہوتے۔ ایکدن بڑے جوش سے سب نے مرنے پر کمریں باندھیں اور تیر برسائے زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے ان کی زرہ کی کڑیاں جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی تھیں لوگوں نے کہا کہ اس زرہ کو بدل لیں۔ بولے کہ میں اتنا خوش نصیب کہاں ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق سے پہلا تیر انہی کو آ لگا، لوگوں نے نکالنا چاہا تو انہوں نے منع کر دیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہربراز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھریرا اڑا دیا۔

بہرہ شیر اور مدائن میں صرف دجلہ حائل تھا۔ سعد بہرہ شیر سے بڑھے تو آگے دجلہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں پل تھے توڑ کر بیکار کر دیئے۔ سعدؓ دجلہ کے کنارے پہنچے نہ پل تھا نہ کشتی فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا: برادران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے یہ مہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریا میں ڈال دیا ان کو دیکھکر سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج عین کنارے پر پہنچی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں جن ہیں چنانچہ "دیواں آمدند، دیواں آمدند" کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ بھاگا۔

سعدؓ مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ بے اختیار زبان سے یہ آیات نکلیں، کم ترکوا جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمۃ کانوا فاکہین کذالک اورثناھا قوما آخرین۔

ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کی جگہ منبر نصب ہوا چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔

بقیہ: تبلیغی ڈائری

جانے کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی جماعت سے اللہ پاک ہدایت کا فیصلہ فرمادیں اور روسی قوم کو بھی ہدایت دیدے جماعت کے تمام احباب سلام عرض کرتے ہیں اور دُعا کی درخواست کرتے ہیں کہ اللہ پاک ہمیں مزید توفیق دے اور موت تک عافیت کے ساتھ دین کی محنت میں لگائے رکھے۔

بندہ اشرف علی عفی عنہٗ
کاکرائیل مسجد ڈھاکہ (بنگلہ دیش)

كتاب الزائر والمعائنة

فضيلة الشيخ الاستاذ بالجامعة الاسلامية بالمدينة المنوّرة

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده، والصلوٰة والسلام على نبينا محمد وعلى اله وصحبه وسلم وبعد فقد من الله تعالىٰ علينا بزيارة الجامعة الرشيديه بمدينة ساهيوال وكان اللقاء بيننا وبين طلابها ومدرسيها ووقفنا على مبانيها المعمور عمرها الله بالتقوىٰ والايمان وقد سررنا جدًا بما لمسناه من المشائخ القائمة على التدريس والادارة بالمدرسة ونسأل الله سبحانهٗ ان يسددهم وان يعينهم فى هذا السبيل وانهٗ يجزيهم الجزاء الاوفىٰ ونحن نوصى القائمين فى المدرسة مدير او مدرسيه ببذلهٖ المزيد من الجد فى نشر الدين وتعليم ابناء المسلمين العلوم الاسلامية النافعة كما نرجوا منهم ان يخصصوا بعض الحصص لتدريس اللغة العربية والمحادثة بها بين الطلاب ليكون سعيهم فى احادثة اللغة العربية عاليا كما نوصيهم بالتعاون فيما بينهم والتكاتف على البر والتقوىٰ وان يكون هدفهم جمع كلمة المسلمين والقضاء على الخرافات القائمة الموجودة كما نوصيهم ان يكون لهم نصيبًا فى الدعوة الى الله فى القرىٰ المجاورة وان يقوموا بزيارة المدارس العربيه من بلدهم ليكون الاتصال فيما بينهم قويا وروابط المحبة موصولة ونسأل الله لنا ولهم التوفيق والتسديد وانهٗ يجعل جزاءهم وجزاءنا جنة الخلد ورضوانه رب العالمين وصلى الله على عبده ونبيه محمد وعلى اله وصحبه وسلم۔

كتبه:

معوّض بن بزل العوفى

المدرس بالجامعة الاسلامية بالمدينة المنوّرة

ووكيل كلية القرآن

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے

استاذ وکیل کلیۃ القرآن کی جامعہ آمد و رائے گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے بعد:
اللہ تعالیٰ نے ہم پر شہر ساہیوال کے مدرسہ جامعہ رشیدیہ میں حاضری اور زیارت کا احسان فرمایا اور ہماری اور اس جامعہ کے مدرسین اور طلباء سے ملاقات ہوئی اور ہمیں اس جامعہ کی تعمیراتِ جدید کی اطلاع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو دولتِ ایمان اور تقویٰ سے سرسبز و شاداب رکھے۔

ہمیں اس جامعہ میں کام کرنیوالے اساتذہ اور انتظامیہ کے اخلاص اور محبت پر بے انتہا خوشی حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ اس جامعہ میں کام کرنے والے اساتذہ اور انتظامیہ کو درستگی عطا فرمائیں اور ان کی اس راہ میں اعانت فرمائیں اور ان کو اس کام پر پورا پورا بدلہ عطا فرمائیں۔ اور ہم مدرسہ کے مدرسین و انتظامیہ کو تاکید کرتے ہیں کہ وہ دین کی نشر و اشاعت اور مسلمانوں کے بچوں کو علوم اسلامیہ نافعہ کی تعلیم دینے میں پوری پوری کوشش صرف کریں نیز ہم ان سے اس کی بھی توقع رکھتے ہیں کہ یہ اپنا کچھ وقت عربی زبان سکھانے میں بھی صرف کریں تاکہ عربی بول چال میں ان کو مہارت ہو سکے نیز ہم ان کو اس بات کی بھی نصیحت کرتے ہیں کہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور تقویٰ کے کاموں پر تعاون کریں اور ان کا مطمع نظر مسلمانوں کو جمع رکھنا ہو۔ اور ہم ان کو اس کی بھی تبلیغ کرتے ہیں کہ قرب و جوار کی بستیوں میں دعوتِ الی اللہ کے لئے کچھ وقت لگائیں اور قریب قریب کے مدارس میں بھی جائیں تاکہ اس طرح ان کے درمیان محبت کے روابط برقرار رہیں اور دن بدن مضبوط ہوں۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور ان کے لئے کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت الخلد اور اپنی خوشنودی کا بدلہ عطا فرمائیں۔ وصلی اللہ علی عبدہ ونبیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم

کتبہ

معوض بن بزل العوفی

استاذ جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ و وکیل کلیۃ القرآن الکریم ۱۲-۱۱-۱۴۰۲ھ

جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

○ جامعہ رشیدیہ ساہیوال باضابطہ رجسٹرڈ ادارہ
حکومت کا مستمہ خیراتی ادارہ بمطابق نوٹیفکیشن ۱۵ اسی نمبر ۱۴۵ (۱) آئی ٹی پی ۶۰
مجریہ ۶۱-۲-۹ وزارت مالیات حکومت پاکستان

○ جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال کو دی جانے والی تمام رقومات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔

○ جامعہ رشیدیہ رائپوری بزرگوں کی اعتمادی و تعلیمی درسگاہ اور علماء دیوبند کی دانش گاہ۔

بسرپرستی حضرت مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ رائپوری ابن بانی رشیدیہ حضرت مولانا حافظ محمد صالح قدس سرہٗ خلیفہ ارشد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم بیادگار حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ و تلمیذ راشد حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدہ (اسیر مالٹا) جاری و ساری ہے۔

○ جامعہ رشیدیہ کا نظام تعلیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور نصاب تعلیم و مسلک حقہ دارالعلوم دیوبند کے مطابق کارفرما اور عملدرآمد ہے۔

ع ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہے ہیں

○ جامعہ رشیدیہ کا جملہ نظام و انصرام و اہتمام اور محاسبی بحمد اللہ و بفضلہ تعالیٰ ہر طرح تسلی بخش اور اطمینان کن ہے۔ ہر مسلمان جامعہ کا حساب و کتاب ملاحظہ کر سکتا ہے۔ گورنمنٹ کے منظور شدہ آڈیٹر جامعہ کا حساب و کتاب چیک کرتے ہیں اور باقاعدہ سالانہ آڈٹ کرایا جاتا ہے۔

○ جامعہ مستقل آمدن ندارد توکل علی اللہ کام چلتا ہے۔ اخراجات ماہانہ پچاس ہزار روپے اور معہ تعمیرات سات لاکھ سالانہ بجٹ ہوتا ہے۔

○ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ملک و ملت کا مسلمہ تعلیمی ادارہ ہے جو پاکستان کے فوقانی مدارس دینیہ میں معتمد علیہ درسگاہ ہے جس کا نظام ہر طرح تسلی بخش

○ جامعہ رشیدیہ کے طلبہ آپ کے صدقات و زکوٰۃ عشر کے اولین مستحق اور بہترین حقدار ہیں

زر قسم زکوٰۃ و فطرانہ و اجناس گندم طلبہ رشیدیہ کا انتظار ہے

Phone

REGD. L
NO. 8054

MONTHLY. AL RASHID. LAHORE PAKISTAN

مدرسہ راشدات

جامعہ رشیدیہ (مردانہ) کے ساتھ بچیوں لڑکیوں مستورات کا مدرسہ راشدات'

قرآنی تعلیمات' حفظ و ناظرہ اور تعلیم الاسلام' بہشتی زیور تعلیم النساء وغیرہ

نصاب کی تعلیم کا کام پورے تحفظ سے جاری و ساری ہے۔ لڑکیوں کی

تعلیمات' اور عورتوں کے نماز جمعہ پڑھنے کیلئے "راشدات ہال" زیر تعمیر ہے!

جو حضرات صدقۂ جاریہ میں حصہ لینا چاہیں وہ مدرسہ راشدات کی تعمیر

میں اپنا زاد راہ آخرت بنائیں اور سنواریں۔ راشدات کی عمارت شروع ہے

جنت میں گھر بنائیے اور راشدات کی سرپرستی فرمائیے!

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اُس کی — کہ جس پہ ایسا تری ذاتِ خاص کا ہو پیار
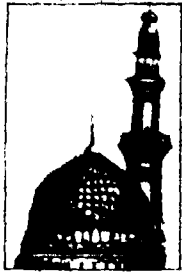
جو تُو اُسے نہ بناتا تو سارے عالم کو — نصیب ہوتی نہ دَولت وجود کی زنہار

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — اَمیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار

تو بُوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی — تو نُورِ شمس ہے گر اور نبی ہیں شمس نہار

حیاتِ جاں ہے تو ہیں اگر وہ جانِ جہاں — تو نُورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ نُورِ دیدۂ بیدار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید ہے یہ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مُرغ و مار

جو یہ نصیب نہ ہو، اور کہاں نصیب میرے — کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کے تیرے قطار

اُڑا کے باد میری مشتِ خاک کو پسِ مرگ — کرے حضورؐ کے رَوضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رُتبہ کہاں مُشتِ خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غُبار

یادگار: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

ماہنامہ

الرشید

جلد ۱۱ — شمارہ ۳

جنوری ۱۹۸۳ء — ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مدیر اعلیٰ: فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر: عبدالرشید ارشد

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

مقام اشاعت: ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

خطاط: حزب اللہ خالد

پرنٹر: منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

آئینہ مضامین

مجلہ مراسلات نام
فاضل حبیب اللہ رشیدی
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ
جامعہ رشیدیہ ساہیوال

راشدات

ادارہ

اخبار الجامعۃ

وفود علماء کرام مشائخ عظام کا ورود مسعود

جامعہ رشیدیہ، علماء مشائخ ملت و راہنمایانِ ملک کا مرکز ہے

(۱) حافظ القرآن والاحادیث، امیر العلماء حضرت مولانا عبد اللہ صاحب درخواستی مدظلہ نے لاہور جاتے ہوئے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ آپ نے قرآن و احادیث سے اتحاد کا درس دیا اور علماء و طلباء کو مستفیض فرمایا۔

(۲) علماءِ سرحد کے ایک مؤقر وفد نے بسرکردگی حضرت مولانا سید عبد القادر آزاد صاحب رئیس التبلیغ خطیب اوقاف شاہی مسجد لاہور، جامعہ میں نزولِ اجلال فرمایا۔ حضرت مولانا قاضی عبد الحئی صاحب (چن پیر) فاضل دیوبند اور ڈسٹرکٹ خطیب پشاور، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث وغیرہ قائدین نے "وحدت ملی" پر تقاریر فرمائیں اور جامعہ کا معائنہ فرماتے ہوئے مسرت واطمینان کا اظہار فرمایا۔۔۔۔

(۳) وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا الحاج سلیم اللہ خاں صاحب شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی، حضرت مولانا عبد المجید صاحب شیخ الحدیث باب العلوم کہروڑ پکا، جناب مولانا حافظ القاری محمد حنیف صاحب جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان جامعہ تشریف لائے اور جامعہ کے جملہ شعبہ جات وغیرہ کا مفصل معائنہ کیا جس کا تذکرہ "کتاب الرائے والمعائنہ" سے ٹائیٹل صـ۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

استدعا

امیر الجامعہ، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ، جامعہ رشیدیہ علیل و صاحبِ فراش ہیں۔ حضرات رفقاء نیز تلامیذ رشیدیہ حضرت مولانا مدظلہ کی صحت و عافیت اور ظل عاطفت کے لئے ادعیہ صالحہ فرماتے رہیں اور جامعہ کے لئے بھی دعوات خیر جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ارباب رشیدیہ کو مزید دین کی تعلیم و تبلیغ کی توفیق انیق عطا فرمائیں ——— (الادارہ)

(۴) ہندوستان میں سند آسمائے خواجہ اجمیر شریف سے حضرت دیوان سید سولت حسین شاہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ اجمیر شریف جامعہ رشیدیہ تشریف لائے۔ حضرت دیوان صاحب کے ہمراہ جناب سید نفیس الحسینی (رئیس الخطاطین پاکستان) نیز جامعہ مدنیہ لاہور کے اساتذہ و طلبہ بھی تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے جمعہ سے قبل جامعہ رشیدیہ کے دارالاقامہ کا معائنہ فرماتے ہوئے جامعہ کلاں قدم رنجہ فرمایا، اور ہر طرح سے اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا۔ نیز خطبہ سے پہلے مختصر خطاب فرماتے ہوئے اپنے مواعظ حسنہ سے مستفیض فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب سجادہ نشین اجمیر شریف نے فرمایا کہ "حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے برِ صغیر ہندوستان میں اپنے قدم میمنت لزوم سے اسلام کی تبلیغ کا کام نہایت جدوجہد سے شروع کیا جس کے نتیجہ میں لاکھوں غیر مسلم کلمہ پڑھتے ہوئے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔

حضرت دیوان صاحب نے فرمایا کہ اسی طرح آپ کے حلقہ میں حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ نے پاکپتن شریف کے علاقے میں دین کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اکابر اولیاء امت و مشائخ ہند نے اختلافیات سے قطع نظر، اصولی طور پر تبلیغ اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دیتے ہوئے پوری محنت اور مساعی جمیلہ سے جہاد کیا۔ اس لئے بزرگوں کی محبت اور ان کی یاد میں ہمارا فرض ہے کہ موجودہ گمراہی کے دور میں اختلافی مسائل کو بجائے اصل دین اور بنیادی تبلیغ کا کام کریں اور آپس میں اتفاق و اتحاد رکھتے ہوئے مسلمان بھائیوں میں اخوۃ و مساوات کا درس دیا کریں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو انشاء اللہ پورے برصغیر و ایشیا کیا پوری دنیا میں ہمارا مستقبل روشن ہوگا؛ ورنہ اختلافات و نزاعات کا نتیجہ ہر جماعت کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک اور نیک بنائے۔ دعائے خیر اور نماز جمعہ کے بعد حضرت دیوان صاحب پاکپتن تشریف لے گئے۔

خاص برائے جامعہ رشیدیہ و رائپوری حضراتؒ

تمیزِ حق و باطل کا ابھرنا غیر ممکن تھا
نہ ہوتے گر جہاں میں صاحبِ علم و ہنر پیدا

یہ وہ در ہے کہ جس کی رہبریت خود پاتی ہے
یہ وہ گھر ہے کہ ہوتے ہیں جہاں اہلِ نظر پیدا

شمیم اکبرآبادی

اسوۂ حسنہ

غزواتِ اسلامیہ اور اسکی یادگاریں

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حضرت امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد ـــــ مرحوم

سیلاب آتا ہے تو اس کی سطح پر سر بفلک عمارتیں حباب کی طرح تیرتی پھرتی ہیں، زلزلہ آتا ہے تو فقیروں کی جھونپڑی کیساتھ قصرِ شاہی کے ستون بھی متزلزل ہوجاتے ہیں، آندھی چلتی ہے تو سب سے پہلے عظیم الشان محلوں کے کنگرے ہی ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں ـــــ جنگ بھی ایک سیلاب ہے جو تمدن کے آثار کو بہالے جاتا ہے۔ لڑائی بھی ایک زلزلہ ہے جو نظام امنیہ کی بنیادیں ہلا دیتا ہے، معرکہ کارزار بھی ایک آندھی ہے جو علم و تہذیب کے ایک ایک پتے کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔

دنیا کی تاریخ نے ہر زمانے میں اس کی دردناک مثالیں بکثرت پیش کی ہیں۔ بخت نصر اٹھا اور بیت المقدس کو برباد کر دیا، ایرانی آئے اور بابل کے قدیم تمدن کو تاراج کر کے چلے گئے، رومی نکلے اور کارتھیج کی سرزمین کو آگ اور خون سے بھر دیا، سکندر یونان سے نکلا اور ایران کی در و دیوار کے ایک ایک نقش کو مٹا دیا، تاتاری ابھرے اور بغداد کے قدیم آثار و تہذیب کو دجلہ میں ڈبو دیا۔

اس قسم کے حملوں نے مادی یادگاروں کے ساتھ ہمیشہ روحانی یادگاروں کو بھی فنا کر دیا۔ تاتاریوں نے بغداد کے کتب خانے کا ایک ایک حرف دجلہ کے پانی سے دھو دیا۔ اسکندریہ کا عظیم الشان کتب خانہ آگ کے شعلوں کی نذر ہوگیا۔ ایران کے تاج شاہی نے مزنیوں کیساتھ اپنے ملی جواہر بھی غارتگروں کے پاؤں پر نثار کر دیئے سینکڑوں بت خانے منہدم ہوگئے، سینکڑوں مسجدیں ویران ہوگئیں، ہزاروں گرجے گرا دیئے گئے۔ لاکھوں صومعے اور مدارس برباد ہوگئے۔

دار العلوم لووین کی بربادی

آج خود یورپ ہی کی روایت سے خود یورپ والوں کی وحشیانہ مثال کا ہماری معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ ہمارے سامنے موجودہ علم و تمدن کی اس سب سے بڑی محافظ قوم کو بصورت معمار پیش کیا گیا ہے جو آج فلسفہ اور صناعت کی نئی عمارتوں کا سنگِ بنیاد ہے جس کی سرزمین نے علم کی سب سے اعلیٰ خدمت

کی جس کے حکماء نے فلسفہ کی نئی زندگی کے لئے سب سے پہلے نفخ رُوح کیا جس نے مشرقی علوم و آثار کو سب سے پہلے بچایا جس کے فلسفہ نے ارسطو کی عظمت خاک میں ملائی اور یونان کے علمی تسلط کی جگہ اپنے عرشِ فکر وادراک کے آگے تمام دُنیا کو سجدہ کرایا جس کا ملک سب سے بڑا دارالصنائع، جس کے دارالعلوم سب سے زیادہ پایۂ علم اور جس کی قوم سب سے زیادہ پرستارِ معارف اور عشاقِ علوم ہے!

بایں ہمہ ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ اس نے یورپ کے ایک بہت بڑے علمی پایۂ گاہ (اندلس) کو جلا دیا۔ اسکا دارالعلوم، اسکا دارالکتب، اس کے علمی تجربہ گاہ سب آگ اور دھوئیں کے اندر فنا کر دیئے گئے۔ غیر محارب انسانوں کے قتل اور بے قصور علمی عمارتوں کی آتشزدگی پر آج علم و تمدن کا ہر فرزند اپنے آپ کو خونبار و ماتم سنج دکھلاتا ہے۔

یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ لیکن کبھی کبھی وہی پانی جو طوفان بن کر موجیں مارتا تھا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابرِ کرم کا چھینٹا بن جاتا ہے کبھی زمین کی وہی حرکت جو زلزلہ بن جاتی ہے ایسا بھی انقلاب ہوتا ہے کہ سبزہ کی لہک اور بوئے گل کی موج ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی ہوا کا وہی تُند جھونکا جو آندھی بن کر چلتا تھا ایسا بھی ہوا ہے کہ نسیم خوشگوار بن کر چلنے لگا ہے۔ یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی۔

اسلام اسی ابرکرم کا چھینٹا، اسی بوئے گل کا قافلہ، اسی نسیم سحر کی موج حیات تھا۔ بخت نصر نے بیت المقدس کو برباد کر دیا تھا، ایرانیوں کے حملے سے بابل کا تمدن منہدم ہو گیا تھا، ایران کے در و دیوار سکندر کے حملوں سے چور چور ہو گئے تھے، تاتاری بغداد میں اینٹ پتھر کا ڈھیر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ لیکن فرزندانِ اسلام نے خدا کی راہ میں جان کو قربان کیا مال کو برباد کیا تاکہ دُنیا کو آباد کریں۔ انہوں نے اپنے آپ کو مٹایا تاکہ دنیا کی مٹی ہوئی یادگاریں پھر زندہ ہو جائیں۔ انہوں نے اپنے خون کو بہایا تاکہ دنیا کے چہرے کا وہ آب و رنگ پھر عود کر آئے جسکو وحشیانہ حملوں کے سیلاب بہالے گئے تھے۔

انہوں نے اس پاک مقصد کے لئے تلوار ہاتھ میں لی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ جو چیز سر رشتۂ حیات کو پہلے کاٹ دیتی تھی وہ اب تمدن کے بکھرے ہوئے اجزاء کو کیونکر جوڑ رہی ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب کے جن میدانوں میں خاک اُڑ رہی تھی ان میں نسیم خوشگوار کے جھونکے چلنے لگے، ایران کے مٹے ہوئے نقش و نگار پھر اُبھر آئے، یونان کی برہم شدہ مجلس علم پھر گرم ہو گئی مصر و شام کا کاروانِ رفتہ پھر لوٹ آیا، بیت المقدس پھر تمدن کا قبلۂ مقصود بن گیا۔ پہلوں نے جو کچھ لُوٹا تھا انہوں نے وہ سب کچھ واپس دلا دیا، پہلوں نے برباد کیا تھا انہوں نے زندگی بخشی۔ جیش رومی یروشلم آیا تاکہ برباد کرے لیکن اعراب حجاز یروشلم گئے تاکہ اس کے لٹے ہوئے باغوں کو سرسبز و شاداب کر دیں، رومیوں کی فوجیں افریقہ اور ایران سے گزریں لیکن ان کے ہاتھ میں ہلاکت اور بدحالی تھی۔ ٹھیک انہی زمینوں پر سے مسلمان بھی گزرے مگر ان کے ساتھ تمدن و آزادی اور امن و نظام کے فرشتے سایہ فگن تھے۔

فانظر الی آثار رحمت اللہ! کیف یحیی الارض بعد موتہا۔ ان ذالک

پس اللہ کی رحمت کی ان نشانیوں کو دیکھ کہ اُس نے کس طرح زمین کو از سرِ نو زندگی بخشی بعد اس کے کہ مر چکی تھی

لمحی الموتیٰ وھو علیٰ کل شیئٍ قدیرٌ۔ بیشک وہ موت کو حیات سے بدلنے والا ہے۔

مقصودِ ظہورِ امم لیکن جس قوم نے اعلاءِ کلمۃ اللہ کا جھنڈا بلند کیا تھا، جو ایک دینِ قیم کی صداقت کو دنیا کے تمام ظلم و فساد اور عصیان و طغیان پر غالب کرنا چاہتی تھی اس کے سینے کے اندر امن و اصلاحِ عالم کی جس روح القدس نے اپنا نشیمن بنایا تھا وہ صرف تمدن و تہذیب کی گلکاریوں پر ہی فریفتہ نہیں ہو سکتی تھی اس کا مقصدِ ظہور اس بلندی سے جس کے بعد چشمِ مادہ کچھ نہیں دیکھ سکتی اور اس وسعت سے جس کے بعد ہماری بڑی سے بڑی رصدگاہیں جواب دیتی ہیں بہت بلند تر تھا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

تم کو خدا نے دنیا کی بہترین قوم بنا کر نمایاں کیا ہے تم سچائی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو۔

تشریحِ مزید ہم کو نہیں معلوم کہ عظیم الشان مصری دنیا میں کیوں آئے تھے لیکن ہم نے ہیرو غلیفی نقوش کے اندر پڑھا ہے کہ انہوں نے بڑی بڑی قوموں کو غلام بنا کر ذلیل و خوار رکھا۔ ان کو عجیب عجیب طرح کے آلہائے تعذیب کے شکنجوں میں کسا جن کی تصویریں "ممی فس" کے مندر میں دیکھ کر ہم اشک آلود ہوئے ہیں اور اس کے بعد بڑے بڑے مینار بنا کر اور حیرت انگیز عمارتیں کھڑی کر کے دنیا سے چلے گئے۔ مگر ان تعلیمی اور صناعی کارناموں کا وجود بھی مظلومی کی ان آہوں اور بے بسی کے ان آنسوؤں کی یاد دلاتا ہے جو بلادِ نوبہ اور کنعان کی مفتوح قوموں نے ان کے لئے چار پایوں سے بھی زیادہ محنت کرتے ہوئے بہائے تھے۔

ہم نہیں جانتے کہ روم کے ہولناک فاتحوں کا جن کے سر پر تمدنِ قدیم کا سب سے زیادہ درخشاں تاج نظر آتا ہے کیا مقصد تھا مگر ہم نے شمالی افریقہ میں کئی میلوں تک پھیلا ہوا ایک تودہ دیکھا ہے جس کے اندر سے کارتھیج کی ٹوٹی ہوئی اینٹیں جھلکتی رہتی ہیں اور ایران و شام کی خاک کے ذرّے کہتے ہیں کہ ہمیں سب سے زیادہ خون انہی رومی تلواروں کی لعنت سے نصیب ہوا۔

تاریخ کے عہدِ قدیم کی تاریکی ہمیں کچھ نہیں بتلاتی کہ وہ عظیم الشان ایرانی جنہوں نے اصطخر کی عظیم الاثر محرابیں بنائیں اور اپنی روایتوں کے اندر دیوؤں سے لڑے اور تمام بحر و بر کو تختِ ایران کے آگے سر بسجود دیکھا، دنیا میں کیوں نمایاں ہوئے تھے اور دنیا نے ان سے کیا پایا؟ البتہ دریائے فرات کے کنارے کے وحشت ناک تودے اور کہیں کہیں سے ابھر کر نظر آنے والی شکستہ دیواریں اپنے اندر ایک تاریخی عمل ضرور رکھتی ہیں اور ایران کا سب سے بڑا کارنامہ یہ بتلاتی ہیں کہ عہدِ قدیم کے عظیم الشان کشورِ تمدن یعنی بابل پر خوفناک درندوں کی طرح وہ چڑھ آئے اور اس کی عجیب الصناعۃ دیواروں کے نیچے بربادی اور تباہی نے ان کے مقصدِ ظہور پر نوحہ پڑھا۔

پھر خود وہ بابل (جو ایرانیوں کی خونخواری پر نوحہ خواں تھے) دنیا میں کس غرض سے آیا تھا اور کیا کر گیا؟ یہ پتہ ہے کہ اس نے

معلق باغ بنائے جو بڑے ہی عجیب تھے اور آج بھی عجیب سمجھے جاتے ہیں لیکن اس نے تمدن و انسانیت کے ان باغوں کیساتھ کیا کیا جو گو عجیب نہ تھے لیکن باغبانِ دنیا کے ہزارہا برسوں کی محنت کی کمائی تھے۔ ہولناک بخت نصر کا تاراج کن سیلاب جب شام میں پھیلا ہے تو یروشلم (بیت المقدس) کی سرزمین کا چپہ چپہ شادابی و سرسبزی کی بہشت تھا۔ لیکن بابل کے فرزند وہاں اس لئے آئے تھے کہ زندگی کی شادابی کی جگہ آگ کے حرموں کے نقشوں میں اپنے ظہور کا مقصد لکھ جائیں

فجاسوا خلال الدیار وکان وعدًا مفعولاً (۱۹: ۵)

پھر وہ قوم جوان سب کی جانشیں ہوئی شام سے اٹھی اور روم پہنچی، پھر یونان و مصر اور شمال افریقہ تک پھیل گئی اس کی نسبت بھی ہمیں نہیں معلوم کہ اس کے آنے کا مقصد کیا تھا اور گو وہ کوہ "زیتون" کی ایک چٹان پر بتلایا گیا ہو لیکن نہ تو روم کی کسی تاریخ میں وہ قابلِ فہم ہے اور نہ پانچویں صدی ہی سے لیکر (جبکہ اس نے تختِ حکومت اور تلوارِ بے نیام کیساتھ اپنی نمائش کی) پندرھویں صدی مسیحی تک (جبکہ اسپین میں مجلس تعذیبِ گمراہیین (انکویزیشن) کام کر رہی تھی) وہ سمجھا جاسکتا ہے البتہ ڈریپر کی رہنمائی میں ہم نے قرطبہ اور غرناطہ کی وہ عمارتیں دیکھیں جہاں پہلے تمدن کی رونق، علم کی مجلس، اور عمران و تہذیب کی آبادیاں تھیں مگر اس کے بعد وحشت و بہیمیت کا ایسا سناٹا چھایا جسے بیسویں صدی کی عالمگیر چہل پہل بھی اب تک دور نہ کرسکی۔

اُمتہ وسط

لیکن دُنیا کی ان بڑی سے بڑی قوموں کے بعد، ہمارے سامنے صرف ایک قوم ایسی آتی ہے جس نے اپنے ظہور کے پہلے ہی دن اپنا مقصد بتلا دیا تھا اور جو محض قوتوں کا ایک ہجوم، طاقتوں کا ایک اجتماع، اور قہر و استیلاء بہیمی کا ایک انقلابی سیلاب نہ تھا جو آیا اور بہا کر چلا گیا، بلکہ طے شدہ کاموں کا ایک کھلا اور اعلان کردہ پروگرام تھا جسے اپنے ہاتھوں میں لیکر وہ دُنیا کی اُجڑی ہوئی آبادیوں اور برباد کردہ علم و تمدن کی یادگاروں کے سامنے نمودار ہوئی:

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللّٰہ عاقبۃ الامور۔ (۲۲: ۳۰)

"یہ وہ قوم ہے کہ اگر ہم نے انہیں دُنیا میں قائم کردیا تو ان کا کام آبادیوں کو اُجاڑنا، انسانوں کو قتل کرنا، عمارتوں میں آگ لگانا اور قہر و استیلاء کی لعنت میں انسانیت کو مبتلا کرنا نہیں ہوگا بلکہ وہ کارگاہِ عالم میں اسلئے قدم رکھے گی کہ صلوٰۃ الٰہی کو قائم کرے، محتاج اور کسمپرس انسانوں کو اپنے مال کا شریک بنائے سچائی اور راست بازی کا حکم دے اور ہر طرح کی بُرائیوں اور ظلم و فساد کو دُنیا میں روکے اور سب کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

تاریخ موجود ہے اور کئی ہزار سال تک کا سُراغ ہم نے لگا لیا ہے لیکن دُنیا میں کوئی قوم آج تک ایسی نہیں آئی جس نے اپنے ظہور کا مقصد یہ قرار دیا ہو، اپنے ظہور کے اوّل دن ایسے صاف لہجے اور ایسی کھلی روشنی میں اس کا عام اعلان کردیا ہو!

غزواتِ اسلامیہ کی یادگاریں

پس جس قوم کے ظہور کا مقصد قیام صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا، ضروری تھا کہ وہ جو کچھ کرتی صرف اسی مقصد کے لئے کرتی اور اپنے سفر سعی کے ہر قدم پر اسی کو ڈھونڈھتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جبکہ دنیا کی تمام قوموں کی لڑائیوں کی یادگاریں بربادی و ہلاکت اور شر و طغیان کی صورت میں سطح زمین پر باقی ہیں تو اسلام کے غزوات و جہاد کی یادگاریں ایک اور ہی رنگ اور ایک دوسری ہی حالت میں نظر آتی ہیں۔ اگرچہ اس کا نقش قدم جس سرزمین پر پڑتا تھا ایک یادگار علم و تمدن بن جاتا تھا یعنی وہ ہر سفر جہاد سے اپنے ساتھ صرف روحانی یادگاریں ہی لیکر واپس ہوئی۔

دنیا کی موجودہ اور گذشتہ جنگوں کے نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ قتل، آتشزدگی، سلب و نہب بربادی علم، ہلاکت عمران تمدن کے سوا تمہیں اور کچھ نہیں نظر آتا۔ اب آؤ اس قوم کی جنگوں کی یادگاروں کی جستجو میں نکلیں جس نے اپنا "مقصد ظہور" قیام صلوٰۃ الٰہی، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ بتلایا اور اس کے دشمنوں نے اول روز ہی سے اسے مسلح ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ ہم ڈھونڈیں گے کہ جنگ کے میدانوں میں وہ اپنے مقصد کی حفاظت کر سکی یا نہیں۔ اور جب خون اور آتش کے کیچڑ پر سے گذری تو جنگ کی کیا کیا یادگاریں اپنے پیچھے چھوڑ گئی۔

اس سفر جستجو میں متعدد منزلیں پیش آئیں گی۔ سب سے پہلے ہم روحانی یادگاروں کو جمع کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہو گا کہ مسلمانوں کے غزوات کی سب سے پہلی یادگار "عبادتِ الٰہی" ہے۔ عباداتِ اسلامی کے ارکانِ عظیمہ پانچ ہیں۔ نماز، روزہ صیام، حج، زکوٰۃ۔ ان میں سے کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جس کے سلئے غزواتِ اسلامیہ کی یادگاریں سامنے نہ آجاتی ہوں۔ سب سے پہلے نماز سے شروع کیجئے۔

ارکانِ صلوٰۃ

عبادتِ الٰہی روحانیت کا سرچشمہ، ھدایتِ قلبی کا منبع، نیکی کا مرکز، برکاتِ الٰہیہ کا مہبط اور انسان کو تمام بہیمی قوتوں اور نفسانی جوشوں سے بچانیوالی ہے:

ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر — نماز انسان کو تمام برائیوں سے روک دیتی ہے۔

(کیونکہ اس کی وجہ سے ہمیشہ خدا سے تعلق کا تصور رہتا ہے)

پس وہ ایک قلعہ ہے جو برائیوں کے لشکر کو اپنے اندر گھسنے نہیں دیتا لیکن اس قلعہ کے ستونوں کو اس قوم کے سفر جہاد و غزوات ہی نے قائم کیا تھا۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجیشہٗ اذا علوا الثنایا کبروا واذا ھبطوا سبحوا فوضعت الصلوٰۃ علیٰ ذالک۔

(ابوداؤد ج۱ ص ۳۴۹ کتاب الجہاد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مجاھدین کی فوجیں جب پہاڑیوں کے اوپر چڑھتی تھیں تو تکبیر کا غلغلہ بلند کرتی تھیں اور جب اوپر سے نیچے کی طرف اترتی تھیں تو سبحان اللہ کا نعرہ مارتی تھیں۔

پس نماز میں قیام و قعود، رکوع و سجود اور تکبیر و تسبیح کو اسی قالب میں ڈھالا گیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ نماز کے ارکان لڑائی ہی کی بدولت وجود میں آئے۔ اس لئے نماز مسلمانوں کی لڑائیوں کی ایک پہلی یادگار ہے۔ تمام نمازوں میں "صلوٰۃ الخوف" جہاد کیساتھ مخصوص ہے جس کے احکام اور نمازوں سے مختلف ہیں۔

واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ	اور جب تم مجاہدین کی صف میں نماز پڑھنا چاہو تو پہلے
فلتقم طائفۃ منھم معک ولیاخذوا	ایک گروہ تمہارے ساتھ اپنے ہتھیار لیکر شریک نماز
اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا	ہو جائے جب وہ سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہو جائیں تاکہ وہ
من ورائکم ولتأت طائفۃ اخریٰ	حفاظت کرتے رہیں اور دوسرا گروہ آئے جس نے
لم یصلوا فلیصلوا معک ولیأخذوا حذرھم	ابھی نماز نہیں پڑھی ہے اور چاہیئے کہ نہایت ہوشیاری
واسلحتھم، ودّ الذین کفروا لو تغفلون	کیساتھ مسلح ہو کر نماز ادا کریں کیونکہ کفار موقع ڈھونڈ
عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون	رہے ہیں کہ تم اپنے ہتھیار اور مال و متاع سے غافل
علیکم میلۃ واحدۃ۔	ہو جاؤ تو دفعۃً تم پر ٹوٹ پڑیں۔

مجاہدین اسلام نے اپنی اس یادگار کے ذریعے دنیا کو دکھا دیا کہ خدائی صداقت کی محافظ قوم دشمن کے مقابلہ میں اپنی رُوحانی یادگاروں کو کیونکر قائم رکھ سکتی ہے جبکہ میدانِ جنگ میں تمام قومیں فرصت کے لمحوں کو ستانے اور کھانے پینے میں خرچ کرتی ہیں تو مسلمان تلواروں کے سائے میں اپنی مہلت کی گھڑیاں صرف اللہ کی عبادت میں صرف کیا کرتے ہیں غرضیکہ صلوٰۃ الخوف بھی اسلامی غزوات کی ایک یادگار ہے۔

واقعہ حضرت خبیب انصاری اسلام میں دو رکعت کی ایک اور نماز بھی بطور یادگار کے قائم رکھی گئی ہے جو ایک مظلوم مجاہد کے جوش مذہبی کی یادگار ہے۔ اسلام صبر و استقلال، تقویٰ و طہارت اور خشوع و خضوع کا ایک قلعہ تھا جس کو میدانِ جنگ میں کھڑا کیا گیا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ	خدا اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اسکی راہ
سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ	میں اس استقلال کیساتھ صف بستہ ہوتے ہیں گویا ایک
مَّرْصُوْصٌ۔	دیوار ہیں جسکے اندر سیسہ پگھلا کر بھر دیا ہے۔

اس لئے اسلام نے سخت مصیبت کی حالت میں عزم و استقلال کی زندہ امثال یادگار چھوڑی ہیں۔ اس نے فساد کی لڑائی کو روکنے کے لئے عدالت کی جتنی لڑائیاں لڑیں اُن کی یادگاروں میں اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کے دس دستے روانہ کئے اور عاصم بن ثابت انصاریؓ کو ان کا امیر مقرر فرمایا جب یہ لوگ مقام ھداۃ میں پہنچے تو قبیلہ بنو لحیان کو ان کا پتہ چل گیا اور انہوں نے دو سو قدر انداز ان کے پیچھے روانہ کر دیئے

جب عاصم نے دشمن کے مسلح گروہ کو دیکھا تو پہاڑ پر چڑھ گئے۔ دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا اور امان دیکر پہاڑ سے اترنے کی خواہش کی۔ لیکن عاصم نے کہا میں کسی کافر کی امان سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا۔ اس پر ان لوگوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور سات آدمیوں کے ساتھ شہید ہو گئے۔ مگر فوج کے تین دستے عہد میثاق لیکر اتر آئے۔ ان میں خبیبؓ انصاری اور ابن دثنہؓ بھی تھے کفار نے کمانوں کی زہ اتار لی اور اس سے ان لوگوں کو باندھ لیا۔ ان کے ساتھ ایک تیسرا شخص بھی تھا جس نے کہا یہ پہلی عہد شکنی ہے جس سے مجھے قتل و خون کی بو آتی ہے میں ان کے ساتھ نہیں جا سکتا۔" ان لوگوں نے جبراً ساتھ لیجانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا۔ وہ خبیبؓ اور ابن دثنہؓ کو ساتھ لے گئے اور مکہ میں غلام بنا کر بیچ دیا۔ قبیلہ بنو حارث ابن عامر نے خبیبؓ کو خرید لیا اور چونکہ یہ وہی خبیبؓ تھے جنہوں نے غزوہ بدر میں حارث ابن عامر کو قتل کر دیا تھا اس لئے ان لوگوں نے اس خون کا انتقام لینا چاہا اور ان کو حرم سے باہر قتل کرنے کے لئے لے گئے کیونکہ دارالامن میں قتل کرنا ناجائز تھا۔

لیکن حضرت خبیبؓ کے عزم و استقلال نے شہادت کے وقت ایک روحانی یادگار قائم کر دی۔ انہوں نے دشمنوں سے دو رکعت نماز کی اجازت چاہی، کفار نے اجازت دیدی انہوں نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ نماز ادا کی اور کہا کہ اگر تم لوگ اسکو جزع و فزع کے لیت و لعل پر محمول نہ کرتے اور یہ بدگمانی نہ ہوتی کہ میں موت کے وقت میں تاخیر ڈالنے کے لئے بہانہ کرتا ہوں تو میں نماز کو اور زیادہ طول دیتا اور بہت دیر تک اپنے خدا کے حضور رہتا۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھے؛

ولست ابالی حین اقتل مسلما　　علی ای شق کان للہ مصرعی

"جبکہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاتا ہوں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ خدا کی راہ میں کس پہلو پر جان دوں گا۔"

وذالک فی ذات الالہ وان یشاء　　یبارک علی اوصال شلو ممزع

"میرا قتل صرف خدا کی راہ میں ہے اور اگر وہ چاہے تو کاٹے ہوئے جوڑوں میں برکت دے سکتا ہے۔"

کفار نے ان کو نہایت بے دردی کیساتھ باندھ کر قتل کر دیا اور انہوں نے دو رکعتوں کو ہر اس شخص کے لئے بطور ایک زندہ سنت صبر و ثبات کی یادگار چھوڑا جو ایسے ظالمانہ طریقہ سے قتل کیا جائے۔

(اسلامی غزوات کی ایک یادگار یہ تھی۔)

تیسرات طہارت عبادت اسلامیہ کی آسانیوں میں تیمم خدا کی دی ہوئی ایک یادگار آسانی ہے اس کے برکات کا ظہور زیادہ تر سفر میں ہی ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا سفر اکثر جہاد ہی کے لئے ہوا کرتا تھا اس لئے سفر ہی میں مسلمانوں کو یہ عطیہ الٰہی دیا گیا۔ چنانچہ ایک سفر میں حضرت عائشہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ سورۃ انفاق سے راستے میں ان کا ہار گم ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہؓ کے ساتھ اس کو ڈھونڈنے ٹھہر گئے لیکن منزل پر دور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ پر

ناراضی ظاہر کی کہ تمہاری ہی غفلت نے تمام قوم کو اس مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے چنانچہ اس موقع پر یہ آیت تیمم نازل ہوئی اور تمام صحابہؓ مسرت کے لہجہ میں پکار اُٹھے۔

ما ھی باوّل برکتکم یاآل ابی بکر (بخاری) اے آل ابی بکر! یہ کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں۔

اس بنا پر تیمم بھی غزوات اسلامیہ کی یادگار ہے۔

تیسیر صلوٰۃ وصوم حالت سفر میں قصر اور رمضان میں افطار صوم کی اجازت بھی جہاد ہی کی راہ میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے دی گئی۔ قرآن کریم کی آیات قصر میں صاف طور پر جہاد کے مواقع کا ذکر اُوپر گذر چکا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حکم قصر دراصل جہاد کے لئے ہوا تھا (بخاری)

حج عبادات اسلامیہ میں حج مختلف یادگاروں کا مجموعہ ہے وہ جس گھر میں ادا کیا جاتا ہے خدا کے سب سے برگزیدہ بندے کے ہاتھ کی قائم کی ہوئی یادگار ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ہ

جب حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی دیواریں چُن رہے تھے تو اسوقت یہ دُعا ان کی زبان پر تھی کہ خدایا ہمارے اس عمل کو قبول کرے تو ہی سننے اور جاننے والا ہے۔

بلکہ دنیا کی مذہبی یادگاروں میں سب سے قدیم یادگار وہی ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

پہلا گھر جو انسان کی پرستش گاہ بنایا گیا وہی گھر ہے جو مکہ میں تمام دنیا کی برکت وھدایت کیلئے تعمیر کیا گیا ہے۔

ان بندوں نے خدا کی وحدانیت کی ایک زندہ رہنے والی یادگار قائم کی تھی خدا نے بھی اسی میں انکی یادگار قائم کر دی۔

فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ اس گھر میں مقام ابراہیم ایک نمایاں مقدس یادگار ہے۔

صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا حضرت ھاجرہؑ کی اس سراسیمگی کا منظر تازہ کرتی ہے۔ جب وہ پانی کی جستجو میں اور بچے کی محبت میں پریشان حال تھیں۔ چاہِ زمزم قدرتِ الٰہی کی اس کرشمہ سازی کو یاد دلاتا ہے جس نے وادئ غیر ذی زرع (بنجر اور خشک سرزمین) میں خدا کی رحمت کے دبے ہوئے چشمے کا منہ کھول دیا تھا۔ قربانی حقیقتِ اسلامیہ کی اس جانفروشی اور فدائیت کے سِرّ روحانی کو محسوس و مُمثل کر دکھاتی ہے جس نے حضرت خلیلؑ و ذبیحؑ کے اندر سے ظہور کیا تھا۔ "رمی جمار" اس بہیمی و ابلیسی قوتوں سے دُنیا کو روکتا ہے جو ان پاک مقاصد کی تکمیل میں سنگ راہ ہو رہے تھے۔

لیکن غزوات اسلامیہ نے ان یادگاروں میں ایک یادگار کا اور اضافہ بھی کر دیا۔ فتح مکہ سے ایک سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لائے تو صحابہؓ کو مدینہ کی آب وہوا نے چور چور کر دیا تھا اور بخار کے عام ابتلاء نے ان کی طاقت رفتار سلب کر دی تھی۔ اس ضعف کا اثر طواف کی حالت میں بھی صاف نمایاں ہوتا تھا اور مکہ والے

دیکھتے رہتے تھے۔ اس پر کفار نے جو اسلام کی فوجی طاقت کا ہر موقع پر امتحان لیتے رہتے تھے طنز آمیز لہجہ میں کہا :

اوھنتھم حمیٰ یثرب ۔ (مسلم) مدینہ کے بخار نے توان کو چور چور کر دیا

اگرچہ عملاً ابھی تک ان کو یہ یقین نہیں دلایا جاسکتا تھا کہ یہی ناتواں ہستیاں، یہی ضعیف بندے ایک دن ان کی قوت کے سر پر غرور کو کچل دیں گے۔ تاہم علامات و آثار دکھلائے جاسکتے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تندرستوں کی طرح اکڑ کر چلنے کا حکم دیا کہ روح کی ایمانی قوت کو جسم ضعیف کے پردے میں بھی نمایاں کریں۔ یہ یادگار اب تک قائم ہے اور اسکو فقہاء کی اصطلاح میں "رمل" کہا جاتا ہے جس کے معنی اکڑنے کے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اسکو موقوف کر دینا چاہا تھا کیونکہ بظاہر یہ ایک وقتی حکم تھا لیکن پھر رک گئے کیونکہ ان کی نظرِ دقیقہ سنج نے محسوس کیا کہ یہ یادگار مسلمانوں کے لئے ہمیشہ درسِ شجاعت و تحریک عزائم کا وسیلہ ہے اور ہر سال یاد دلاتی ہے کہ ان کے اسلاف کرام نے ضعفِ جسمانی کی حالت میں بھی کس طرح اپنی صولتِ اسلامی کو قائم رکھا تھا۔

نتائج واقعہ افک

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ افک بھی جو ایک سفر جہاد میں پیش آیا تھا اسی سلسلے کی روحانی یادگار ہے۔ یہ یادگار اگرچہ ابتداء میں نہایت درد انگیز معلوم ہوئی لیکن درحقیقت خدا کی رحمت کا بہت بڑا خزانہ اس کے اندر مستور تھا۔ قرآن مجید میں عورتوں کے تمدنی حقوق کی حفاظت کے لئے ایک خاص سورۃ "النساء" نازل ہوئی جس کو عورتوں کی مخصوص یادگار کہا جاسکتا ہے لیکن ان کی وضع، لباس، طرز معاشرت حقوق منزلی وغیرہ کی عام اصلاح کے متعلق اب تک کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی مگر اس واقعہ کے بعد ہی "سورۃ نور" اتری، جو زیادہ تر انہی احکام سے مملو ہے۔

چھٹی صدی عیسوی میں انسان کا یہ شریف تر نصف حصہ انتہا درجہ کی بے کسی و ذلت میں ڈال دیا گیا تھا۔ تمدن اور مذہب دونوں نے اس کے ساتھ بے رحمی کی تھی اسلام نے سب سے پہلی مرتبہ عورتوں کے حقوق کا اعلان کیا اور اس کے معاشرتی درجہ کو خاندان میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی لیکن اس انقلاب کا پورا حصہ سورۃ نور کے نزول سے وجود میں آیا ہے اور سورۃ نور ایک سفر جنگ کو یاد دلاتی ہے۔ پس عورتوں کے حقوق کی سب سے بڑی اور سب سے پہلی اصلاح بھی غزوات اسلامیہ ہی کی یادگار ہے۔

حدِ قذف اور حدِ زنا کے متعلق بھی اب تک کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی لیکن اس واقعہ کے بعد ہی ان حدود کی تعیین کے لئے آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت اگرچہ عام طور پر مسلط تھی لیکن قرآن مجید کی برکات نے اسکو اور بھی قطعی کر دیا پس یہ واقعہ ان احکام کی روحانی یادگاروں کا ایک مجموعہ ہے جن کو حدود اللہ کے جامع اور مختصر لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ازواج مطہرات کے فضائل مخصوص کا ایک باب ہے جس کو کفار نے کھول دیا تھا یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اسکو مسلمانوں کے لئے خیر و برکت کہا : لا تحسبوہ شرا لکم بل ھو خیر لکم " اس واقعہ کو برا نہ سمجھو وہ تمہارے لئے موجب خیرات و برکات ہوا۔"

اسلامی یادگاروں کا عجائب خانہ

دنیا کی دوسری قوموں نے اپنے نمایاں کارناموں کی مادی یادگاریں قائم کی ہیں خاص خاص لڑائیوں کو مختلف محسوس طریقوں سے نمایاں کیا ہے عجائب خانوں میں سلاطین قدیم اور جانباز بہادروں کے آلاتِ جنگ محفوظ رکھے ہیں ان کی یادگار میں مجلسیں منعقد ہوتی ہیں اور شادی وغم کی قومی وملکی تقریبیں قائم کی جاتی ہیں اسلام نے اگرچہ اس قسم کا کوئی عجائب خانہ نہیں بنایا تاہم اس کی یادگاریں محفوظ ہیں۔ اس کی لڑائیوں کی یادگار لوہے کی تلوار نہ تھی جو عجائب خانہ میں رکھی جاتی بلکہ وہ روح ودل کے تغیرات وانقلابات تھے جن کے لئے تمام عالمِ انسانیت بجائے عجائب خانہ ہے۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں عجائب خانے کے لئے ایک چھوٹی سی عمارت بنادی جاتی تو اس سے کیا فائدہ ہوتا جب کہ تمام دنیا کی سطح ارضی اس کے لئے دارالآثار بن گئی ہے۔ بدر[1] اور حنین کی ڈھالیں اور نیزے یورپ کی طرح ہم نے بچا کر نہیں رکھے کیونکہ بدر کے کنارے نیزوں کے سامنے جو ہاتھ اللہ کی عبادت کے لئے اُٹھتے تھے وہ اب تک چالیس کروڑ انسانوں کے اندر سے ہر روز دن میں پانچ بار اُٹھ کر بدر کی یاد کو مٹنے نہیں دیتے اور اس محسوس اور حیّ وقائم یادگار نے ہمیں معدنی اور سنگی یادگاروں سے مستغنی کر دیا ہے۔

---

[1] مسلمانوں نے (برعکس یورپ) غزوہ بدر میں کفار کا جو قافلہ لوٹ لیا تھا اس میں بچوں کا ایک کھلونا بھی تھا جو خوش قسمتی سے ابن زبیرؓ کے ہاتھ آگیا تھا۔ یہ کھلونا کیا تھا؟ راوحق میں ایک گہرا زخم جس کے سوراخ سے بچوں نے کھیلا۔ ابنِ زبیرؓ اپنے والد کی نسبت فرماتے ہیں: ضربۃ ضربہا یوم بدر قال عروۃ کنت ادخل اصابعی فی تلک الضربات العب ان کے مونڈھے پر بہت سے زخموں کیساتھ ایک وہ زخم بھی تھا جو ان کو معرکہ بدر میں لگا تھا۔ عروہؓ کہتے ہیں کہ میں ان زخموں کے اندر انگلی ڈال کر کھیلا کرتا تھا۔ انہی کھلونوں نے فرزندانِ اسلام کے لئے جان پر کھیل جانے کو ایک کھیل بنا دیا تھا۔

[2] غزواتِ اسلامیہ میں واقعہ بدر ایک نہایت اہم واقعہ ہے جس نے دُنیا کی تاریخ بدل دی، صحابہ کرامؓ اس کے ہر واقعہ کو یاد رکھتے تھے اور اس عہد کی ہر چیز کو یادگار سمجھتے تھے۔ انہی یادگاروں میں حضرت ابن زبیرؓ کی تلوار بھی تھی جس کے جوہر انہوں نے معرکہ جنگ میں دکھائے تھے۔ جب عبداللہ بن زبیرؓ کو عبدالملک ابن مروان نے قتل کرادیا تھا تو ان کے صاحبزادے عروہ ابن زبیر کو بلا کر یہ تلوار دکھائی اور کہا تم اسکو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا "ہاں" عبدالملک نے اس کی نشانی پوچھی، انہوں نے جواب دیا کہ وہ غزوہ بدر میں ایک جگہ سے کند ہوگئی ہے۔ مروان نے کہا کہ سچ ہے: "بھن فلول من قراع الکتائب" وہ تلواریں دشمنوں کے جسم پر گھستے گھستے کند ہوگئی ہیں۔ چنانچہ اس مصرع کو پڑھ کر یہ خاندانی یادگار عروہ بن زبیر کو دیدی۔ لوگوں نے تین ہزار تک قیمت لگائی اور ایک شخص نے اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھ کر خرید لی۔ کسی زمانے میں مسلمانوں کی تلواریں دشمنوں کے جسم پر گھستے گھستے کند ہو جاتی تھیں اب نیام میں پڑے پڑے کند ہو جاتی ہیں۔ ابتداء وہ تھی انتہاء یہ ہے:

وبلوناهم بالحسنات والسيئات لعلهم يرجعون!

خطبہ مدراس　　علامہ سید سلیمان ندوی

جامعیّت

کامل اکمل جامع سیرت

ایک ایسی شخصی زندگی جو ہر طائفہ انسانی اور ہر حالتِ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔ اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطانِ عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو یک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ ڈالو، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد و معلم ہو تو صفہ کی درسگاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونیوالے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبیؐ کا اسوہ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفین کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جدوجہد کا نظم و نسق درست کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروانِ سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت میں قاضی اور پنچائتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نورِ آفتاب سے پہلے داخل ہونیوالے ثالث کو دیکھو جو حجرِ اسود کو کعبہ کے ایک گوشے میں کھڑا کر رہا ہے۔

مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظرِ انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ و عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیاتِ پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو۔ غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو تو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور روشنی و رہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانے میں ہر وقت اور ہر دم مل سکتا ہے۔ اس لئے طبقۂ انسانی کے ہر طالب اور نورِ ایمانی کے ہر متلاشی کے لئے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اس کے سامنے نوح و ابراہیم، ایوب و یونس، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب کی

سیرت میں موجود ہیں۔ گویا تمام دوسرے انبیاء کرام کی سیرتیں صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکیٹ) ہے جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلبگار کے لئے بہترین سامان موجود ہے۔

حضرات! ذرا عرب کے اس اُمّی معلّم کی درسگاہ کا مطالعہ کرو، جو فرشِ صُفّہ پر بیٹھ کر درس دیتا ہے۔

یہ کون طالب علم ہیں؟

یہ ابوبکر و عمر، علی و عثمان، طلحہ و زبیر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مکہ کے قریشی طالب علم ہیں!

یہ کون ہیں؟ ابوذرؓ اور انیسؓ ہیں۔ یہ مکہ کے باہر و تہامہ کے غفاری قبیلہ کے لوگ ہیں۔ یہ کون ہیں یہ ابوہریرہؓ اور طفیل بن عمروؓ ہیں۔ یمن سے آئے ہیں اور دوسی قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبل ہیں یہ بھی یمن سے آئے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ضماد بن ثعلبہؓ ہیں قبیلہ ازد کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ خباب ابن الارت قبیلہ تمیم کے ہیں یہ منقذ بن حبانؓ اور منذر بن عائذ ہیں عبدالقیس کے قبیلہ کے ہیں اور بحرین سے آئے ہیں، یہ عبید و جعفر عمان کے رئیس یہ فروہؓ ہیں یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے ہیں۔ یہ کالے کالے کون ہیں یہ بلالؓ ہیں ملک حبش والے۔ یہ کون ہیں؟ یہ صہیب رومی کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران کے سلمان فارسی ہیں، یہ فیروز دیلمی ہیں یہ سیبخت اور مرکبود ہیں نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح ۶ھ میں وہ عہدنامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا ہے یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کر دیں اور مسلمان جہاں چاہیں اپنی دین کی دعوت دیں۔ اس دلخواہ کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ اسی سال ۷ھ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا، دحیہ کلبیؓ ہرقل قیصرِ روم کے دربار میں، عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں، حاطب بن بلتعہ مقوقس عزیزِ مصر کے یہاں، عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس شجاع بن وہب الاسدی شام کے رئیس حارث غسانی اور سلیط بن عمروؓ رؤساء یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلامؐ کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمدؐ کی درسگاہ میں داخلہ کا اذنِ عام ہے۔

حضرات! اس واقعہ سے درسگاہِ محمدیؐ کی جامعیت کا یہ پہلو نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کے لئے رنگ و روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا بلکہ وہ دنیا کے تمام خاندانوں، تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لئے عام تھی۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے

اب آؤ! اس درسگاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں۔ کیا وہ اسکول اور کالج ہے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے یا اس کی حیثیت ایک جامع اور درسگاہ اور عظیم الشان یونیورسٹی کی ہے۔ جہاں ذوق، مناسبتِ طبع اور

استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ تعلیم ملتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم گاہ کو دیکھو، وہاں صرف فوج کے سپاہی اور یوشع جیسے فوجی افسر اور قاضی اور کچھ مذہبی عہدہ دار پائے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰ کے طالب علموں کو تلاش کرو، چند زہد پیشہ فقراء فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کیا نظر آئے گا! ایک طرف اصحمہ حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس، ذوالکلاع حمیر کا رئیس، عامر بن شہر قبیلہ ہمدان کا رئیس، فیروز دیلمی اور مرکبود بن کے رئیس، عبید وجعفر عمان کے رئیس۔ دوسری طرف بلال و یاسر، صہیب، خباب، عمار اور فکیہہ رضی اللہ عنہم کے سے غلام اور حضرت سمیہؓ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ کی سی لونڈیاں ہیں۔ غور سے دیکھو! امیر و غریب، شاہ و گدا آقا و غلام سب ایک صف میں کھڑے ہیں۔

ایک طرف عقلائے روز، اسرار فطرت کے محرم، دنیا کے جہانبان اور ملکوں کے فرمانروا اس درسگاہ سے تعلیم پاکر نکلتے ہیں۔ ابوبکر صدیق رضؓ ہیں، عمر فاروق رضؓ ہیں، عثمان غنی رضؓ ہیں۔ علی مرتضیٰ رضؓ ہیں، معاویہ بن ابی سفیانؓ ہیں جنہوں نے مشرق سے مغرب تک، افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرمانروائی کی اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبر اور نظام و نسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے۔ ان کے عدل و انصاف کے فیصلے، ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابوعبیدہ بن جراح رضؓ، عمرو ابن العاصؓ پیدا ہوتے ہیں جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و گنہگار اور انسانیت کے لئے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں مرقع الٹ دیتے ہیں اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے۔ سعد رضؓ نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا۔ خالدؓ اور ابوعبیدہؓ رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیمؑ کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین وادیٔ نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں زبردستی چھین لی، عبداللہ بن زبیر رضؓ اور ابن ابی سرح رضؓ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے چھین لیا۔ یہ مشہور اور فاتح سپہ سالار ہیں جن کی قابلیتوں کو زمانہ نے تسلیم کیا ہے اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے۔

تیسری طرف باذان بن ساسان رضؓ (یمن) خالد بن سعیدؓ (صنعاء) مہاجر بن امیہؓ (کندہ) زیاد بن ولیدؓ (حضرموت) عمرو بن حزم رضؓ (نجران) یزید بن ابی سفیان (تیماء) علاء بن حضرمیؓ (بحرین) وغیرہ وسیعیں وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی اور خلق خدا کو آرام پہنچایا۔

چوتھی طرف علماء اور فقہاء کی صف ہے، عمر بن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عائشہ رضؓ، حضرت اُم سلمہؓ، ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابت ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں جنہوں نے اسلام کے فقہ و قانون کی بنیاد ڈالی اور دُنیا کے مقننین میں انہوں نے خاص درجہ پایا۔

پانچویں صف عام ارباب روایت و تاریخ کی ہے مثلاً ابوہریرہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سینکڑوں صحابہ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں۔

ایک چھوٹی جماعت ان ستر صحابہؓ (اہل صفہ) کی ہے جن کے پاس سر رکھنے کے لئے مسجد نبویؐ کے چبوترے کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا دنیا میں ان کی کوئی ملکیت نہ تھی، وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور اُن کو بیچ کر خود کھاتے اور کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے۔

ساتواں رُخ دیکھو، ابوذرؓ ہیں جن کی مانند آسمان کے نیچے اُن سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے نزدیک آج کا کھانا کل کے لئے اُٹھا رکھنا بھی شانِ توکل کے خلاف تھا۔ اُن کو دربارِ رسالت سے مسیح الاسلام کا خطاب عنایت فرمایا۔ سلمان فارسیؓ ہیں جو زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں، عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے تیس برس کامل طاعت و عبادت میں گزارے اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں۔ مصعب بن عمیرؓ ہیں جو اسلام سے پہلے قاقم و حریر کے کپڑے پہنتے اور ناز و نعمت میں پلے تھے اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اوڑھتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے۔ اور جب شہادت پائی تو کفن کے لئے پورا کپڑا تک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے۔ عثمان بن مظعونؓ جو اسلام کے پہلے صوفی کہلائے ہیں، محمد بن مسلمہؓ ہیں جو فتنہ کے زمانہ میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لیکر میرے حجرے میں مجھے قتل کرنے کو داخل ہو جائے میں اس پر وار نہ کروں گا۔ ابو درداؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے۔

ایک اور طرف دیکھو! یہ بہادر کار پردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت ہے اس میں طلحہؓ ہیں، زبیرؓ ہیں، مغیرہؓ ہیں، مقدادؓ ہیں، سعد بن معاذؓ ہیں، سعد بن عبادہؓ ہیں، اسد بن حضیرؓ ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔ کاروباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور بیوپاری اور مدینہ کے کاشتکار اور کسان بھی ہیں۔ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن زبیرؓ جیسے دولت مند بھی ہیں۔

ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے فرزند ہالہ تلواروں سے قیمہ

کئے گئے، سمیہ رضؓ حضرت عمارؓ کی والدہ محترمہ ابوجہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں، حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے، حضرت خبیبؓ نے سولی پر جان دی، حضرت زیدؓ نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی، حرام بن ملحانؓ اور ان کے ۶۹ رفقاء نے بیر معونہ پر رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت پیا، واقعہ رجیع میں حضرت عاصمؓ اور ان کے سات رفیقوں کے بدن بنو لحیان کے سو تیراندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے، ۷ھ میں ابن ابی العوجاءؓ کے ۴۹ ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے ہاتھوں شہید ہوئے، حضرت کعب بن عمر غفاریؓ مع اپنے ساتھیوں کے ذات الطلاح کے میدان میں شہید ہوئے دنیا کے ایک مشہور مذہب کو صرف ایک سُولی پر ناز ہے لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی سولیاں، کتنے مذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی، یا سولی کی لکڑی، بہرحال یہ ایک آنی تکلیف ہے اس سے زیادہ استقلال اور اس سے زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی مصیبتوں میں گرفتار رہیں جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت کے فرش پر آرام کیا اور پتھر کی سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا جن کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں، اور جب پوچھا گیا تو وہی محمد کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا۔ شعب ابی طالب کی قید میں تین برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کی یعنی سعد بن ابی وقاصؓ وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت سے ایک سوکھا چمڑا مل گیا تو اسی کو دھو کر آگ پر بھون کر اور پانی میں ملا کر کھایا، عتبہ بن غزوانؓ کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان تھے ان غیر فطری غذاؤں سے کھا کھا کر ہمارے منہ زخمی ہو گئے۔ خبابؓ جب اسلام لائے تو کافروں نے ان کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا یہاں تک کہ یہ دہکتے ہوئے کوئلے انہی کی پیٹھ کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ بلالؓ دوپہر کی جلتی ہوئی ریت پر لٹائے جاتے اور سینہ پر پتھر کی سل رکھدی جاتی۔ ان کے گلے میں رسّی ڈال کر ان کو گلی گلی گھسیٹا جاتا ابو فکیہہؓ کو ان کے پاؤں میں رسی ڈال کر زمین پر گھسیٹا گیا، ان کا گلہ دبایا گیا، ان کے سینہ پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی، عمارؓ جلتی ریت کے فرش پر لٹائے گئے اور مارے جاتے، حضرت زبیرؓ کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا، سعد بن زیدؓ رسیوں میں باندھ کر پیٹے جاتے، حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے رسی میں باندھ کر پیٹا۔ یہ سب کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا وہ اُترتا نہ تھا۔ یہ کیا نشہ تھا؟ یہ ساقی کوثر کے خمخانہ جاوید کا نشہ تھا۔

عزیزو! غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی بُت پرست عرب، وہی بد اخلاق عرب ہیں! یہ کیا انقلاب ہو گیا تھا۔ ایک اُمی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل، روشن دماغ اور متقی کیونکر بنا گئی۔ ایک نہتے پیغمبر کا دائرہ تبلیغ کسمپرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زور و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا جو خدا کے نام سے بھی آشنا نہ تھے وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاعت گذار کیونکر ہو گئے تم نے ورد بنا...

محمدیؐ یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری سیر کرلی، ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم دیکھے۔ مقنن بھی دیکھے، فوجی بھی دیکھے، غریب اور مسکین بھی دیکھے، شاہ و امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی، مرنے والے بھی، راہِ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا۔ تم نے کیا فیصلہ کیا! اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انسانی کمالات اور صفاتِ حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی اور یہ سب انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں جو کبھی صدیقؓ و فاروقؓ ہو کر چمکتی تھیں، کبھی ذی النورینؓ اور مرتضیٰؓ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالد اور ابوعبیدہ اور کبھی سعد و جعفر طیار ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمر، ابوذر، سلمان اور ابوالدرداء ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتیں، کبھی ابن عباس، ابی ابن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود کی صورت میں علم و فن کی درسگاہ اور عقل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلال و صہیب اور عمار و خبیب کی امتحان گاہوں میں تسلی کی روح اور تسکین کا پیام بن جاتی تھیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) گویا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک آفتابِ عالم تاب تھا جس سے اونچے پہاڑ نیچے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابرِ باراں تھا جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا اور قسم قسم کے درخت اور رنگا رنگ پھول اور پتے جم رہے تھے۔ اور اُگ رہے تھے۔

ان نیرنگیوں کیساتھ اور اس اختلافِ استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی، ایک روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی۔ وہ بادشاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم قاضی ہوں یا گواہ، افسر ہوں یا سپاہی، استاد ہوں یا شاگرد، عابد و زاہد ہوں یا بیوپاری، غازی ہوں یا شہید توحید کا نور، اخلاص کی روح، قربانی کا ولولہ، خلق ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی ہوں جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں یہ فیضانِ حق سب میں یکساں اور برابر تھا، راستوں، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا مگر خدا ایک تھا، قرآن ایک تھا، رسول ایک تھا اور قبلہ ایک تھا۔ ہر رنگ ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی، خلق کی ہمدردی، خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی۔

دوستو! میں نے اِس تحریر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت جامعیت کی نیرنگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں۔ اگر تم مطالعۂ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین کرو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخری، دائمی اور عالمگیری راہنما نہیں ہو سکتا۔

اسی لئے اعلان فرمایا:۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ؕ

"اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو"۔

اگر تم سپہ سالار ہو اور سپاہی ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو، اگر دولتمند ہو تو میری پیروی کرو، اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو۔ غرض جس نیک راہ پر بھی ہو اور اس کے لئے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔

ہر مذہب کے دو جز ہیں ایک کا تعلق انسان کے دل سے اور دوسرے کا انسان کے باقی جسم سے اور مال و دولت سے ہے پہلے کو ایمان اور دوسرے کو عمل کہتے ہیں۔ عمل کے تین حصے ہیں۔ ایک خدا سے متعلق ہے جس کو عبادت کہتے ہیں۔ دوسرا انسان کے باہمی کاروبار سے متعلق ہے جس کو معاملات کہتے ہیں اور جن کا بڑا حصہ قانون ہے۔ تیسرا انسان کے باہمی تعلقات اور روابط کی بجا آوری سے ہے اسکو اخلاق کہتے ہیں۔ غرض اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق مذہب کے یہی چار جُز ہیں اور یہ چاروں جز پیغام محمدیؐ کے ذریعہ سے تکمیل کو پہنچتے ہیں۔

توراۃ اور انجیل میں عقائد کا حصہ بالکل ناصاف اور غیر واضح ہے اس میں خدا کے وجود اور توحید کا بیان ہے لیکن دلیلوں اور ثبوتوں سے معّرا۔ خدا کی صفات جو اصل میں روحِ انسانی کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں اور جن کے ذریعہ سے خدا کی معرفت اور محبت ہو سکتی ہے نہ توراۃ میں ہیں اور نہ انجیل میں۔ توحید کے بعد رسالت ہے۔ رسالت اور نبوت کی حقیقت وحی، الہام مکالمہ کی تشریح انبیاء کرام کی حیثیت انسانی، انبیاء کا ہر قوم میں ہونا، انبیاء کے فرائض، انبیاء کو کس حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیئے، انبیاء کی معصومیت۔ ان تمام مسائل سے پیغام محمدیؐ سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں۔ جزاء وسزا، دوزخ وجنت حشر و نشر، قیامت و حیاتِ آخرت۔ توراۃ میں ان کے نہایت دھندلے نشانات ہیں۔ انجیل میں ایک یہودی کے جواب میں ان اہم امور کے متعلق ایک دو فقرے ملتے ہیں۔ ایک دو فقرے جنت و دوزخ کے متعلق بھی ملتے ہیں اور بس۔ لیکن پیغام محمدیؐ میں ہر چیز صاف اور مفصل موجود ہے۔

فرشتوں کا تخیل توراۃ میں بھی ہے مگر بالکل ناصاف، کبھی کبھی خدائے واحد اور فرشتوں میں یہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے کہ توراۃ میں خدا کا ذکر ہو رہا ہے یا فرشتوں کا۔ انجیل میں ایک دو فرشتوں کے نام آتے ہیں وہاں روح القدس کی حقیقت اسقدر مشتبہ ہے کہ نہ اس کو فرشتہ کہہ سکتے ہیں نہ خدا، یا یوں کہو کہ اس کو فرشتہ بھی کہہ سکتے ہیں اور خدا بھی لیکن پیغام محمدیؐ میں ملائکہ اور فرشتوں کی حقیقت بالکل واضح ہے۔ اس میں ان کی حیثیت مقرر کر دی گئی ہے۔ ان کے کام بتا دیئے گئے ہیں۔ خدا سے، پیغمبروں سے اور کائنات سے ان کا تعلق کھول کر بتا دیا گیا ہے۔

یہ تو وہ تکمیل ہے جو عقائد اور ایمانیات میں پیغام محمدیؐ نے کی ہے۔ اب آیئے عملیات کا امتحان لیں۔ پہلا حصہ عبادات ہے۔ توراۃ میں قربانی کی طویل بحث اور اس کے شرائط و آداب کی بڑی تشریح کی ہے، روزوں کا بھی ذکر آیا ہے، دعائیں بھی

ہیں، بیت ایل یا بیت اللہ کا نام بھی آتا ہے لیکن یہ تمام چیزیں اس قدر دھندلی ہیں کہ ان پر لوگوں کی نظر بھی نہیں پڑتی اور وہ ان کو انکا کی طرف مائل کرتے ہیں، پھر نہ تو عبادات کی تقسیم ہے اور نہ ان کے طریقے اور آداب بتائے گئے ہیں، نہ ان کے اوقات کی صاف صاف تعیین کی گئی ہے اور نہ خدا کی یاد اور دعاؤں کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے نہ کوئی دعا بندہ کو سکھائی گئی ہے۔ زبور میں خدا کی دعائیں اور مناجاتیں بکثرت ہیں مگر عبادات کے طریقے آداب و اوقات اور دیگر شرائط کا پتہ نہیں۔ انجیل میں عبادات کا بہت کم بلکہ بالکل ذکر نہیں ہے ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کے چالیس دن کے فاقہ کا ذکر ہے۔ اسکو روزہ کہہ لو، یہودیوں کا یہ اعتراض بھی انجیل ہی میں ہے کہ کیوں تیرے شاگرد روزے نہیں رکھتے۔ سوال رات میں دعا کرنے کا ذکر ہے اور وہیں ایک دعا بھی سکھائی گئی ہے مگر اور عبادات کا وہاں نشان نہیں۔ لیکن اسلام کے پیغام میں ہر چیز صاف اور مفصل ہے۔ نماز، روزہ اور حج ان کے آداب شرائط عبادات کے طریقے، خدا کے ذکر اور یاد کی دعائیں اور مؤثر دعائیں، نماز کے اوقات روزے کے اوقات، حج کے اوقات، ہر ایک کے احکام اور خدا کے حضور میں بندوں کی عجز و انکساری، دعاء و مناجات، گناہوں کے اقرار اور توبہ و ندامت اور عبد و معبود کے باہمی راز و نیاز کی وہ تعلیمیں دی گئی ہیں جو روح کی اصل غذا ہیں جو دلوں کی گرہیں کھولتی ہیں جو انسانوں کو خدا تک پہنچا دیتی ہیں، جو مذہب کی روح کو مجسم کر دیتی ہیں۔

عمل کا دوسرا حصہ معاملات یا مملکت و معاشرت کے قوانین کا ہے یہ حصہ حضرت موسیٰؑ کے پیغام میں بڑی تفصیل کیساتھ موجود ہے اور پیغام محمدیؐ نے ان کو بڑی حد تک قائم رکھا ہے لیکن ان قوانین کی سختی کم کر دی گئی ہے اور ایک قومی قانون کو تنگ دائرہ سے نکال کر اس کو عالمگیر قانون کی حیثیت دے دی ہے اور اس حیثیت سے جن اجزاء کی ضرورت تھی ان کا اضافہ کیا ہے زبور اور انجیل اس شریعت اور قانون سے بالکل خالی ہیں۔ طلاق وغیرہ کے متعلق ایک دو احکام انجیل میں البتہ ہیں، باقی صفر۔ مگر عالمگیر اور دائمی مذہب کی ضرورتوں کی کفالت کے لئے مملکت اور معاشرت کے قوانین کی حاجت تھی اور چونکہ پیغام عیسوی ان سے خالی تھا اس لئے دیکھو کہ عیسائی قوموں کو یہ چیزیں بت پرستی یونانی اور رومی قوموں سے قرض لینی پڑیں۔ پیغام محمدیؐ نے ان میں سے ہر حصہ کو پوری نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا اور ایسے اصول اور قواعد کلیہ بنائے جن سے وقتاً فوقتاً ائمہ مجتہدین اور علماء نئی نئی ضرورتوں کے لئے مسائل نکال نکال کر پیش کرتے ہیں۔ کم از کم ایک ہزار برس تک اسلام نے دنیا میں جو شہنشاہی کی اور سینکڑوں متمدن اور مہذب سلطنتیں قائم کیں ان سب کا اسی قانون پر عمل درآمد رہا اور اب بھی اس سے بہتر قانون دنیا میں پیش نہیں کر سکتی۔

عمل کا تیسرا حصہ "اخلاق" ہے توراۃ میں اخلاق کے متعلق چند احکام پائے جاتے ہیں ان میں سے سات اصول احکام ہیں جن میں والدین کی فرمانبرداری کی ایک ایجابی تعلیم کے سوا باقی چھ محض سلبی تعلیمیں ہیں، تو خون مت کر، تو چوری نہ کر تو زنا نہ کر، تو اپنے ہمسائے پر جھوٹی گواہی نہ دے، تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ، تو اپنے ہمسایہ کے مال کا لالچ نہ کر۔ ان میں سے چھٹا حکم چوتھے میں اور ساتواں تیسرے میں داخل ہے اس لئے چار ہی اخلاقی احکام رہ گئے۔

انجیل میں بھی انہی احکام کو دہرایا گیا ہے اور مجملاً دوسروں کے ساتھ محبت کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے جس کو توراۃ کے احکام پر ایک اضافہ کہہ لیجئے لیکن پیغام محمدیؐ نے اس قطرہ کو دریا کر دیا ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے بارہ اصولی احکام متعین کئے ہیں جو معراج میں بارگاہِ ربانی سے عطا ہوئے تھے اور جو سورہ اسراء میں مذکور ہیں۔ ان بارہ میں سے گیارہ انسانی اخلاق اور ایک توحید کے متعلق ہے گیارہ میں سے چار سلبی ہیں اور پانچ ایجابی، اور ایک سلبی و ایجابی کا مجموعہ۔

ماں باپ کی عزت اور فرمانبرداری کر جن کا تجھ پر حق ہے ان کا حق ادا کر، یتیم سے اچھا برتاؤ کر۔ ناپ تول، ترازو اور پیمانہ ٹھیک رکھ۔ اپنا وعدہ پورا کر کہ تجھ سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی۔ یہ پانچ ایجابی باتیں ہیں۔

تو اپنی اولاد کو قتل نہ کر، تو ناحق کسی کی جان نہ لے، زنا کے قریب نہ جا، انجان بات کے پیچھے نہ چل، زمین پر غرور نہ کر۔

یہ پانچ سلبی باتیں ہیں۔ اور ایک حکم سلبی و ایجابی کا مجموعہ ہے:

فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال اور بیچ کی راہ اختیار کر۔

انہی اصولی احکام کے مطالعہ سے واضح ہو گیا ہوگا کہ پیغام محمدیؐ کیونکر تکمیل پیغام ہو کر آیا ہے اس نے نہ صرف ان اصولی احکام کو بتایا اور مکمل کیا ہے بلکہ اخلاق کی ایک ایک گرہ کو کھولا انسان کی ایک ایک قوت کا مصرف بتایا اس کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا روح کی ایک ایک بیماری کی تشخیص کی اور اس کا علاج بتایا ہے۔

یہ "عمل" کی وہ تکمیل تھی جو پیغام محمدی کے ذریعہ سے انجام پائی۔

اسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو ہم ان کو ایمان اور عمل صالحہ کے دو لفظوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایمان اور عمل یہی دو چیزیں ہیں جو ہر قسم کے محمدیؐ پیغام پر حاوی ہیں اور قرآن پاک میں انہی دونوں پر انسانی نجات کا مدار ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارا ایمان پاک اور مستحکم ہو اور عمل نیک اور صالح ہو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے اور ہر جگہ صاف کھول کھول کر بیان کیا ہے کہ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں اصولی مسئلوں کو پوری تشریح کیساتھ آپ کے سامنے رکھدوں مگر افسوس کہ موقع نہیں ہے کہ یہاں ان کی پوری تفصیل پیش کی جاسکے اس لئے اسوقت پیغام محمدی کا صرف وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دُنیا کو غلطیوں کی اصلاح کی اور دینِ ناقص کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا اور ان اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دُور کیا جن کی بنیاد پر انسانیت حد درجہ پستی اور گمراہی میں تھی اور وہ غلطیاں ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھیں۔

ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا مسئلہ جو پیغام محمدیؐ کے ذریعے سامنے آیا وہ کائنات اور مخلوق الٰہی میں انسان کا درجہ ہے اور یہی توحید کی جڑ ہے۔ اسلام سے پہلے انسان اکثر مخلوقاتِ الٰہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم مرتبہ سمجھتا ہے وہ سخت پتھر اونچے پہاڑ بہتے دریا، سرسبز درخت، برستے پانی، دہکتی آگ، ڈراؤنے جنگل، زہریلے سانپ، ڈکارتے شیر، دودھ دیتی گائے، چمکتے سورج، درخشاں تاروں، کالی راتوں، بھیانک صورتوں غرض دُنیا کی ہر اس چیز کو جس سے وہ ڈرتا ہے یا جس کے نفع کا خواہشمند تھا

باقی صـ۲۸ پر

صلی اللہ علیہ وسلم

رحمۃ للعالمین

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

علامہ قاضی سید سلمان منصور پوریؒ

شاھدًا

قرآن مجید میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاھد بھی فرمایا گیا ہے اور شہید بھی۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور کریں:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا ــــــ سورۃ الاحزاب ۔ ع ۶

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا ــــــ سورۃ فتح ۔ ع ۱

وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ ــــــ سورۃ الحج ۔ ع ۱۰

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ــــــ سورۃ البقرہ ۔ ع ۱۷

وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ــــــ سورۃ النساء ۔ ع ۶

شہادت امر واقع کو بیان کرنا اور دوسرے شخص کو اپنے بیان کے ذریعے سے اس امر کا باور کرانا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت جسے حضور نے ادا کیا اور جسے ادا فرما کر لوگوں کو تیقن کے درجہ تک پہنچایا امور ذیل کے متعلق تھی۔ ہستی باری تعالیٰ۔ تقدیس ذات و تنزیہہ صفات۔ سلسلہ وحی۔ وجود نبوت۔ اعمال کا جزاء وسزا کی حقیقت۔ وجود عالم معاد۔ عالم ارواح۔ علوم مابعد الطبیعہ۔ ان امور کو حسن وفصاحت اور کمال علم اور روشن دلائل اور براہین قاطعہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور پھر اپنے گفتار و کردار سے اس صداقت کے تیقن کو ملحدوں اور دہریوں، منکروں اور مادہ پرستوں کے قلوب میں مستحکم فرمایا۔ یہ حضور ہی کا حصہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت الٰہیہ اور حکمت ربانیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے سامنے بطور گواہ کے پیش کیا ہے۔ یہ ایک ثانوی حقیقت ہے کہ گواہوں کی قلت یا کثرت کسی معاملہ کے ثبوت ونفی پر ذرا مؤثر نہیں بلکہ شہادت کو قوت دینے اور صداقت کے درجہ تک پہنچانے والی چیز جو ہے وہ شاھد کی ثقاہت اعتبار اور راست بازی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی راست بازی اور اعتبار کی یہ حد تھی کہ جب کفار نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ تم نے کیونکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول خدا تسلیم کیا تو

انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہونٹ جھوٹ بولنے والے کے نہیں۔ ہرقل نے ابوسفیان کے جواب میں کہا تھا کہ جس شخص نے کبھی کسی مخلوق پر جھوٹ نہیں بولا ناممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔ ابوجہل جیسے الدالخصال نے کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں تجھے جھوٹا نہیں سمجھتا مگر تیری تعلیم پر میرا دل ہی نہیں جمتا۔

صداقت اور اعتبار ہو تو ایسا ہو کہ خواہ کوئی شہادت کو قبول کرتا ہے یا نہیں لیکن شہادت دہندہ کی ثقاہت کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہیں نکلتا۔ یا بقول ابوسفیان نہیں نکل سکتا۔ بلکہ ہر شخص دل میں سمجھ گیا ہے کہ اس کے خلاف لب کشائی اپنی ہنسی کرانا اور خود کو ذلیل کرنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہادت کو دشت وجبل میں آشکارا کیا، بیابان اور شہروں کے سمع اور قلب تک پہنچایا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے نعرہ سے فضائے ارض وسما کو بھر دیا اور سننے والوں کے دل ودماغ کو شک وانکار اور تذبذب وگمان کے ہوائے فاسد سے خالی کردیا۔ اللہ اکبر! اس شاھد کس زبردست شہادت سے اٹھا ہے جس کے منہ سے نکلتے ہی وہی کلمہ شہادت ہر ایک کی زبان پر رواں ہے اور کیا عجمی کیا عربی، کیا مشرقی کیا مغربی ہر ایک اسی شہادت کا کلمہ خواں ہے۔ شاھد خاموش نہیں ہوجاتا جب تک ہزار در ہزار اور شمار در شمار بندوں کو وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کے فرض پر آمادہ نہیں کرلیتا اور اسود واحمر اور عبید وملوک کو كُوْنُوْا قَوّٰامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ کے وجوب امری کا پابند نہیں ٹھہرا دیتا۔ شاھد کی صداقت پر لاکھوں شاہد عینی موجود ہوگئے ہیں۔ ملکوں اور قوموں، جزیروں اور وادیوں نے اس شہادت سے ایقان حاصل کرلیا ہے تب شاہد اس داوری گاہ سے عزم رحلت فرماتا ہے اور چلتے وقت بھی ان سب کو یہ سنا دیتا ہے: اَنْتُمْ تُسْاَلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَآئِلُوْنَ قَالُوْا بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاِصْبَعِهٖ يَرْفَعُهَآ اِلَى السَّمَآءِ وَيَنْكُتُهَآ اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ وہ پوچھتا ہے کہ لوگو! وہ قاضی جہاں، ربّ زمین وزماں جب دریافت فرمائے گا کہ میں نے اپنی شہادت کو کیونکر ادا کیا تو کیا آپ بتائیں گے۔ سب کے سب متفق اللفظ لہل اٹھتے ہیں۔ "ابھی حضورؐ نے تو جتنا کچھ فرمانا تھا اُسے خوب ہی فرمایا، حضورؐ نے تو تبلیغ وتفہیم کا حق ادا کر دیا حضورؐ نے تو اپنی شہادت سے معاملے کا کھوٹا کھرا ین الگ الگ کرکے دکھا دیا"

شاھد آسمان کی جانب انگشت شہادت اٹھاتا، پھر لوگوں کی طرف جھکاتا اور اپنے بھیجنے والے سے مخاطب ہوکر عرض کرتا ہے الٰہی میری شہادت کی شہادت کو سن لے۔ میری گواہی کا تو خود گواہ رہنا۔ ان لوگوں کے بیان کو محفوظ فرمالینا۔

ایسے شاہد پر دل وجان خود بخود قربان ہوتے ہیں۔ جو داوری گاہ عالم میں شہادت کے لئے اکیلا آیا اور لاکھوں لوگوں کو گواہ بنا گیا۔ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شاھد اور شہید فرما کر حضورؐ کی بہترین خوبی سے دنیا کو آگاہ فرمایا ہے۔

صفت ثانی مبشرا ونذیرا

تمام قرآن مجید پر نظر ڈال لیجئے کسی نبی کی نسبت عَلَيْهِمْ وَعَلٰى نَبِيِّنَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا یہ دونوں لفظ وارد نہیں ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مُبَشِّرًا

وَّمُنْذِرًا کے لفظ بھی ہیں اور بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ بھی اور چونکہ یہ فضیلت اور جامعیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں پائی گئی ہے اس لئے یہ اوصاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوِّ مرتبت نبوّت کا اظہار کرنے میں خاص ہیں۔

بشارت کے متعلق دیکھئے کہ کہیں تو مومنین کو اس امر کی بشارت دی گئی ہے کہ: اَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا [1] اور کسی جگہ فرمایا لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [2] اور کسی جگہ فرمایا فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ [3] یہ سب روحانی اور اخلاقی بشارات ہیں۔ اور انہی کے لئے مسلمانوں کو ابھارا اور تیار کیا گیا ہے۔

انذار کے معنی ڈرانا کئے جاتے ہیں لیکن ڈرانا صحیح طور پر انذار کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے مفہوم کو اُلٹ دیتا ہے۔ انذار کے معنی تو یہ ہیں کہ آدمی کو اسکے ہونیوالے نقصان سے آگاہ کر دیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اُمّت کو ان کے افعال ناشائستہ کے عواقبِ بد سے آگاہ کیا کرتے اور بُرے انجام اور بُرے نتیجہ کی خبر دیا کرتے تھے۔ یہ صفت دلسوزی و ہمدردی سے پیدا ہوتی ہے خدا ترسی و رحم دِلی سے ظہور پکڑتی۔ محبّتِ نوعِ انسانی اور حُبِّ جنس سے اشاعت پاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات سے ان جملہ اوصاف کا بدرجہ کمال ہونا بخوبی ثابت ہے اور اسی لئے راہِ گم کردہ قوم کو غلط راستی کجی اور اس کے خطرات سے آگاہ کرتے رہنا حضور کا خاصہ فطرت ہو گیا تھا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ تم جلتی ہوئی آگ کی خندقوں میں منہ کے بل پروانہ وار گر رہے ہو اور میں کمر سے پکڑ پکڑ کر تم کو خندق سے پیچھے ہٹا رہا ہوں۔

صفتِ ثالث

دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت الی اللہ کو جس سرگرمی سے شروع فرمایا اور جس کامیابی تک پہنچایا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حصّہ ہے۔

الف: اس پہاڑی وعظ کو دیکھو جس پر سے یا آل فہر و یا آل غالب کی آواز سے عرب کو حضورؐ نے بلایا۔

ب: اس خلوت کدہ کا خیال کرو جہاں مکہ سے دور اور دامانِ کوہ کے سایہ میں ارقم بن ابوارقم کے گھر کے اندر خفیہ خفیہ تعلیم دی جاتی تھی۔

ج: کوہِ طائف کا واقعہ یاد کرو جہاں حضورؐ کا خون جسم سے بہہ کر جوتوں میں جم رہا تھا اور زبان پر دعوت الی اللہ کا وعظ جاری تھا۔

د: عکاظ کے بڑے سالانہ میلے پر نظر ڈالو جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم يَا اَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا کا نعرہ لگا رہے ہیں اور سنگدل ابولہب حضورؐ کے پیچھے پیچھے جا رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ بتا رہا ہے۔

---

[1] سورہ احزاب ع ۶۔ ترجمہ: "مومنین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔"

[2] سورہ یونس ع ۷، ترجمہ: "ان کے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بشارت ہے خدا کے فرمودہ میں تبدیلی نہیں ہے یہ بشارت بہترین کامیابی ہے۔"

[3] سورہ زمر ع ۲۔ ترجمہ: ان بندوں کو بشارت سُنا دے جو بات سُنتے ہیں اور پھر سب سے اچھے طریقہ پر چلتے ہیں۔

ر : مکہ سے باہر پہاڑیوں کی گھاٹی عقبہ کا تصور کرو، تاریکی چھا گئی ہے بے پناہ، مسافر اس پُرخطر مقام پر ٹھہرنا نہیں چاہتا مگر راستہ کی صعوبت اور خطراتِ راہ کے تصور نے یثرب کے قافلہ کو اسی جگہ ٹھہر جانے پر مجبور کر دیا۔ نورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی تاریکی میں یکہ و تنہا اس لئے گام فرسا ہیں کہ شاید کسی ایک نفس ہی کے کان میں اپنی دعوت کی آواز پہنچا سکیں۔

ز : کوہِ تنعیم کے دامن تک نظر کو بڑھاؤ چالاک دشمن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے یار و مددگار اور آرام میں دیکھ کر حضور ہی کی تلوار پر قبضہ کر لیا ہے۔ حضورؐ کو گستاخانہ لہجہ اور متکبرانہ انداز سے جگایا، حضورؐ دیکھتے ہیں کہ دشمن سر باختہ ایک تیغ آختہ کے ساتھ کھڑا ہے اور پوچھتا ہے کہ اب تم کو کون بچائے گا؟ حضورؐ اس وقت بھی دعوت الی اللہ کو فراموش نہیں کرتے اُسے وہی مبارک نام سناتے ہیں جو غافل انسان کے زنگ آلود دل کا حجاب اٹھا دیتا ہے اور جو قلبِ مردہ کو حیات تازہ عطا کر دیتا ہے۔

س : راہِ ہجرت کی سیر کرو۔ سینکڑوں میل کا سفر درپیش ہے۔ خشک پہاڑیوں اور بے آب و گیاہ میدانوں سے دو اونٹ گذر رہے ہیں جنہوں نے راہ میں کہیں آرام نہیں لیا ہے حضورؐ کے ہمرکاب دو مخلص اور ایک وفادار ہے۔ کینہ توز دشمن کے تعاقب کا ہر لحظہ خطرہ لگا ہوا ہے اور یہی اندیشہ راہواروں اور راہروؤں کو تیز گامی سے لئے جا رہا ہے پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ الی اللہ کے فرض کو نہیں بھولتے۔ اُم معبد الخزاعیہ، سراقہ بن مالک المدلجی اور بریدہ بن الحصیب اسلمی اور اس کے ستّر ساتھی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس خشک بیابان ہی میں آبِ حیات پیا اور چشمۂ زندگی حاصل کیا۔

ش : آٹھ یوم کی شبا روزی تگاپو کے بعد خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبا پہنچ گیا ہے۔ صبر آزما سفر نے بے زبان جانوروں کو بھی تھکا دیا، مگر حضورؐ اس دعوت الی اللہ کے شوق کی تعمیل میں دوسرے ہی دن ایک مسجد کے قیام کا اہتمام فرما رہے ہیں جہاں سے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ کی صدا ہر صبح و مسا پہاڑیوں سے ٹکراتی، غافلوں کو جگاتی، شائقوں کو بلاتی آج تک اس داعی کی پکار کو تازہ کر رہی ہے۔

ص : حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینہ کو جاتے ہیں، اہل مدینہ زن و مرد، پیر و جوان، یہود و نصاریٰ، صابی و ترسا بھی اہل ایمان کی طرح ہمہ راہِ چشم اور ہمہ تن شوق بن رہے ہیں۔ راہ ہی میں نماز کا وقت ہو جاتا ہے اور خدا کا رسولؐ اسی جگہ دعوت الی اللہ کے لئے ٹھہر جاتا ہے۔ بنی سلیم کے قلوبِ سلیم کو تقویٰ کے رنگ میں رنگین بنا تا رضوانِ ربانیہ کی نوید سے شاد کام فرماتا ہے۔

ط : مدینہ میں بنو اشہل اور بنو غفار، اوس و خزرج کا ہر شخص دل و دیدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرشِ راہ بنائے۔ بابی دامی بابی و اُمی عرض کر رہا ہے مگر حضورؐ دعوتِ الی اللہ کے لئے ابن سلول کے پاس جاتے ہیں، کوچہ میں صاف زمین پر اس کے قریب جا بیٹھتے ہیں۔ وہ ناک چڑھاتا، تیوری پر تیوری چڑھا کر رُومال کو منہ پر رکھ لیتا ہے اور زبان سے کہتا ہے محمدؐ تم نے تو گرد سے اور تمہاری سواری نے اپنی بُو سے میرے دماغ کو پریشان کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑتے ہیں اور آیاتِ قرآنیہ کی تبلیغ فرما کر دعوتِ الی اللہ کا اتمام فرماتے ہیں۔

ع : ربیع بنتِ معوذ ایک شب کی بیاہی ہوئی دلہن کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور اسے دعوتِ الی اللہ فرماتے ہیں

وہاں انصار کی چھوٹی چھوٹی بچیوں کو حربیہ اشعار فخریہ لہجہ میں پڑھتے ہوئے سنتے ہیں تو ان کو بھی عقائد صحیحہ کی تلقین فرماتے ہیں۔
ف : سسکتی ہوئی جان توڑتی ہوئی نواسی کو گود میں لیتے ہیں، اسوقت بھی دعوت الی اللہ میں مصروف نظر آتے ہیں، اکلوتے بچہ ابراہیمؑ کی لاش پر بیٹھتے ہیں اسوقت بھی حاضرین کو رضائے الٰہیہ کے معنی سمجھاتے، استقامت کا نمونہ دکھاتے ہیں۔
ق : آخری مرض ہے گیارہ دن کی تپ شدید اور دردِ سر میں ذرا تخفیف ہوئی ہے، ضعف اسقدر ہے کہ پاؤں کے بل کھڑا نہیں ہوا جاتا مگر دعوتِ الی اللہ میں وہی سرگرمی ہے۔ سر پر پٹی باندھے ہوئے عباسؓ و علیؓ کے کندھوں پر سہارا دیئے ہوئے مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ منبر پر نہ کھڑا ہوا جاتا ہے اور نہ چڑھا جاتا ہے اس کے زیرین زینہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور نصیحت بالغہ و مواعظ موعظہ سے دعوتِ الی اللہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔
ک : آخری دن ہے سفر آخرت میں صرف پانچ گھنٹہ کا وقفہ رہ گیا ہے مسلمان صبح کی نماز کے لئے مسجد میں جمع ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضعف اور شدتِ درد کی وجہ سے اپنے بستر پر جسے کھجور کے پٹھوں سے نرم بنایا گیا ہے لیٹے ہیں دعوتِ الی اللہ کا فرض پھر حضورؐ کے قلب پاک میں تازہ حرارت پیدا کرتا ہے۔ مسجد اور حجرہ مبارک کے درمیان جو پردہ پڑا ہوا تھا اسے ہٹاتے ہیں تھوڑی دیر تک تبسم کیساتھ اس نظارہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں جو ایک خدا کی عبادت کے لئے سینکڑوں مسلمانوں کے یکدل و یک جہت و یک آواز ہونے سے پیدا ہو گیا تھا اب پھر زمین پر گھسٹتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں اور اس بڑے مجمع کے سامنے پھر آخری دفعہ دعوتِ الی اللہ کی نورانی مثال قائم فرماتے ہیں۔
ل : آخری گھڑی ہے بیوی، بیٹی، نواسے اس تنگ حجرہ میں جمع ہیں جس کے اندر دس سے زیادہ اشخاص کھڑے ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ اسوقت بھی دعوتِ الی اللہ اور ترحم برعباد اللہ کی تعلیم زبان پر ہے۔ الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم ۔ نماز نماز اور لونڈی غلاموں کے حقوق "
م : آخری سانس ہے دیدۂ حق بین کو آسمان کی جانب بلند کیا ہے اس پاک نام کا اعلان فرماتے ہوئے جس کی دعوت عمر بھر دیتے رہے اَللّٰهُ هُوَ الرَّفِيْقُ الْاَعْلٰى کہتے ہوئے چشم حق بین کو فانی نظاروں سے بند کر لیا۔
ہم کو تو تاریخ بشر ایسا نمونہ دکھانے سے قاصر ہے جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دعوتِ الی اللہ ہی میں پورا ہوا اس لئے : دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ کا خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک سے خاص معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے خداوند کریم نے حضورؐ کو اس صفت سے معرف فرمایا۔

صفت رابع سِرَاجًا مُّنِيرًا

سورہ فرقان اور سورہ نوح میں آفتاب کو سراجاً اور سورہ عم میں سراجاً وھاجاً فرمایا ہے مگر سراجاً منیراً ایسا لفظ ہے جس کا استعمال ذاتِ پاک نبوی کے سوا اور کسی کے لئے نہیں فرمایا۔
نظام شمسی میں آفتاب کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ اس نظام کے جملہ سیاروں کا قبلۂ اعظم جس کا طواف ان اجرام بلا ادراک ہے یہی نیر اکبر ہے۔ عالم کون و فساد میں بھی آفتاب کی بہت بڑی ضرورت ہے اس کی حرارت اس کا نور

ایک شے کے وجود اور قیام پر گہرا اثر رکھتا ہے، ہاں عالم مادی کا آفتاب ایسا ہی ہے۔

اب خداوند کریم عالم روحانی کے نیرِ اعظم[1] کو اپنے نور میں دکھاتا ہے اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراجاً منیراً کے خطاب سے روشناس عام فرماتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جملہ سیارگان سماءِ نبوت کا مدار اعظم بھی ہیں اور عالم شریعت کی بقاءِ دوام علت اولیٰ بھی (صلی اللہ علیٰ نبیہ)

آفتاب رات کی تاریکی کو دور کرتا ہے اور سراج منیر نے ظلمت کفر و شرک کو محو کر دیا ہے۔ آفتاب کی روشنی سب تاروں پر چھا جاتی ہے انہیں چھپا لیتی ہے۔ سراج منیر کی شریعت بھی تمام شریعتوں کی مہیمن ثابت ہوتی ہے۔ آفتاب کی روشنی جرائم کا ارتکاب روک دیتی ہے سراج منیر کے نور نے بھی معاصی کو بند کر دیا ہے۔

آفتاب ایک وقت میں کرۂ ارض کے ایک ہی پہلو کو روشن کرسکتا ہے لیکن اس سراج منیر نے وقتِ واحد میں جاہلیت کی ظلمت و جہالت کی تاریکی، کفر و شرک کی سیاہی، رسوم کے اندھیرے، رواج کی گھٹا اور تقلید کی تیرگی کو اپنی نورانی شعاعوں سے اٹھا کر دلوں کو نورِ ایمان سے دماغوں کو عقائد صحیحہ کے لمعات سے آنکھوں کو کتاب مبین کے مطالعہ سے خلا کو نورانی تعلیم سے دھندلے تذبذب کو دلائل ساطعہ سے تاریک ذہنوں کو براہین مبینہ سے روشن فرما دیا۔ اس روشنی میں ہر ایک نے حقیقت اشیاء کو دیکھا اور ہر ایک کی نگاہ خود اپنے آپ کو بھی دیکھ سکنے کے قابل ہوئی۔ وہ جو انسانیت کی حقیقت کو فراموش کر بیٹھے تھے اب خود اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ ثابت ہوئے۔ وہ جو حمایت سے راہ و رہنما گم کردہ تھے اب جو خضرِ راہ بنے۔

بعض شپرہ چشم آفتاب کی روشنی میں چندھیا جاتے ہیں اور بعض بوم طبع رات کی تاریکی ہی میں پر و بال کھولتے ہیں۔ یہی حال ان تیرہ درونوں کا ہے جو انوار محمدی کی تاب نہیں لا سکتے اور ضوءِ رسالت سے مستنیر نہیں ہوتے۔ مومنین کو تو اس سراج ربانی پر پروانہ وار نثار ہونا ضروری ہے۔

[1] قرآن مجید کا نام "نور" بھی ہے۔

بقیہ: کامل و اکمل جامع سیرت

پوجتا تھا اور اس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکاتا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں بلکہ تم ان کے آقا ہو۔ یہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں تم ان کے لئے نہیں پیدا کئے گئے وہ تمہارے آگے جھکی ہیں تم کیوں ان کے آگے جھکتے ہو۔ اے انسان! تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو اس لئے یہ ساری مخلوقات اور کائنات تمہارے زیر فرمان کی گئی ہے، تم اس کے زیر فرمان نہیں کئے گئے وہ تمہارے لئے ہے، تم اس کے لئے نہیں ہو۔

نبی رحمت ﷺ
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

چھٹی صدی مسیحی میں عالمگیر پیمانہ پر یہ کیفیت نظر آتی ہے کہ پوری نوعِ انسانی خودکشی پر آمادہ نہیں کمربستہ ہے جیسے خودکشی کرنے کی اس نے قسم کھائی ہے۔ ساری دنیا میں خودکشی کی تیاری ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس منظر اور صورت حال کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے بہتر کوئی بڑے سے بڑا مصور، ادیب، مؤرخ تصویر نہیں کھینچ سکتا وہ فرماتا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔ (سورۂ آل عمران: ۱۰۳)	اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔

ہمارے مؤرخوں اور سیرت نگاروں سے جاہلیت کی تصویر پورے طور پر کھنچ نہ سکی۔ وہ نہ صرف قابلِ معافی بلکہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ادب اور زبان کا ذخیرہ ساتھ نہیں دیتا واقعہ اور صورتحال اتنی سنگین اتنی نازک اتنی مہیب اور اتنی پیچیدہ و دقیق تھی کہ موئے قلم سے اس کی تصویر اور زبان و ادب کی بڑی سے بڑی قدرت و صلاحیت سے اس کی تعبیر ممکن نہیں، کوئی مؤرخ اس کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے۔ وہ دورِ جہالت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی کیا وہ ایک یا دو قوموں کے انحطاط یا اخلاقی بگاڑ کا مسئلہ تھا، خالی بت پرستی کا مسئلہ تھا، اخلاقی جرائم و فواحش کا مسئلہ تھا، شراب نوشی، قمار بازی، عیش پرستی، انسانی حقوق کی پامالی، ظلم و استبداد، معاشی استحصال، جابر و بیداد حکومت، ظالمانہ نظاموں اور غیر منصفانہ قوانین کا مسئلہ تھا؟ کیا مسئلہ یہ تھا کہ کسی ملک میں باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو زندہ درگور کر رہا تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا، مسئلہ یہ نہ تھا کہ عرب کے چند سنگ دل اور قسی القلب لوگ اپنی معصوم بچیوں کو جھوٹی شرم اور خیالِ ننگ و عار سے بچنے کے لئے ایک خودساختہ تخیل اور ایک ظالمانہ روایت کی بناء پر اپنے ہاتھوں زمین میں زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے، مسئلہ یہ تھا کہ انسانیت اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کرنا چاہتی تھی۔ وہ دور ختم ہو چکا، اب اس کو کیسے لا کر سامنے کھڑا کر دیا جائے، وہ دور جن لوگوں نے دیکھا تھا وہی اس کی حقیقت

کو سمجھتے اور جانتے تھے۔

مسئلہ کسی ایک قوم و ملک کا بھی نہیں تھا، نہ کسی ایک مغالطہ اور فریب کا تھا، مسئلہ انسانیت کی قسمت کا تھا، مسئلہ نوع انسانی کے مستقبل کا تھا۔ اگر کوئی مصور ایسی تصویر پیش کرے جس میں دکھایا گیا ہو کہ نوع انسانی کی نمائندگی ایک انسان کر رہا ہے ایک حسین و جمیل پیکر، ایک فربہ تازہ جسم جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آدم کا نام زندہ اور اس کا سلسلہ قائم ہے، جو مسجود ملائکہ ہے، اور مقصود آفرینش؛ جس کے سر پر خدا نے خلافت کا تاج رکھا ہے اور جس کی وجہ سے یہ کرۂ ارضی ایک خرابہ اور ویرانہ نہیں ایک آباد و گلزار جگہ ہے۔ اس انسان کے سامنے آگ کا ایک سمندر ہے ایک نہایت مہیب خندق ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں، وہ انسان اس میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار کھڑا ہے اس کے پاؤں اٹھ چکے ہیں اور وہ مائل بہ پرواز ہے ایسا نظر آرہا ہے کہ چند لمحوں میں وہ اس کی اندھیریوں میں غائب ہو جائیگا۔ اگر اس دور کی ایسی تصویر کھینچی جائے تو کسی حد تک اس صورتحال کا اندازہ ہو سکتا ہے جو بعثت کے وقت پائی جاتی تھی۔ اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ — اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے

فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا۔ — خدا نے تم کو اس سے بچالیا

اور اسی بات کو نبوت نے ایک تمثیل میں بیان کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اس دعوت و ہدایت کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی۔ جب اس کی روشنی گرد و پیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرا کرتے ہیں ہر طرف سے امنڈ کر اس میں کودنے لگے اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیحدہ کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸)

حقیقتاً اصل مسئلہ یہی تھا کہ انسانیت کی کشتی کو سلامتی کیساتھ پار لگایا جائے۔ جب انسان اپنے صحیح موڑ میں آجائیگا جب زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جائیگا تو ان سب تعمیری، فلاحی، علمی، ادبی اور ترقیاتی کوششوں اور منصوبوں کا دور آئیگا بھی صلاحیت مختلف انسانوں اور انسانیت کے بہی خواہوں میں پائی جاتی ہے حقیقتاً ساری دنیا پیغمبروں کی احسان مند ہے کہ انھوں نے نوع انسانی کو ان خطرات سے بچالیا جو اس کے سر پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہے تھے، دنیا کا کوئی علمی، تعمیری، اصلاحی کام، کوئی فلسفہ، کوئی دبستانِ فکر ان کے احسان سے سبکدوش نہیں۔ سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں پیغمبروں ہی کی رہین منت ہے۔ انسانوں نے زبانِ حال سے کئی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ اب ان کی افادیت ختم ہو گئی اور اب وہ دنیا کے لئے اور اپنے لئے کوئی نافعیت، برکت و رحمت اور کوئی پیغام اور دعوت نہیں رکھتے۔ انھوں نے اپنے خلاف خدا کی عدالت میں خود نالش کی اور گواہی دی، ان کی نسل تیار تھی اور وہ اپنے کو بڑی سے بڑی سزا بلکہ سزائے موت کا مستحق ثابت کر چکے تھے۔

جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جب وہ اخلاقیات کو یکسر فراموش کر دیتا ہے جب انسان اپنی

سفلی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے، جب اس کے دل میں انسان کے دل کی بجائے بھیڑیئے اور چیتے کا دل پیدا ہو جاتا ہے، جب اس کے جسم میں ایک فرضی معدہ اور ایک لا محدود نفس امارہ جنم لیتا ہے، جب دنیا پر جنون کا دورہ پڑتا ہے تو قدرتِ خداوندی اسکو سزا دینے یا اس کے جنون کے نشہ کو اتارنے کے لئے نئے نئے نشتر اور نئے نئے جراح پیدا کرتی ہے۔

؎ کرتی ہے ملوکیت اندازِ جنوں پیدا اللہ کے نشتر تیمور ہو یا چنگیز

آپ ملوکیت کے لفظ کو تمدن سے بدل دیجئے کہ تمدن کا بگاڑ اور تمدنی جنون، ملوکیت کے جنون سے زیادہ خطرناک اور زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ ایک کمزور سا مریض اگر پاگل ہو جاتا ہے تو پورے محلہ کی نیند حرام کر دیتا ہے اور سارا محلہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آپ تصور کیجئے کہ جب نوعِ انسانی پاگل ہو جائے اور جب تمدن کا قوام بگڑ جائے جب انسانیت کا مزاج خراب ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے؟

جاہلیت میں تمدن صرف بگڑا ہی نہ تھا متعفن ہو گیا تھا، اس میں کیڑے پڑ گئے تھے، انسان نوعِ انسانی کا شکاری بن گیا تھا۔ اسکو کسی انسان کی جانکنی، کسی زخمی کی تڑپ اور کسی مصیبت زدہ کی کراہ میں وہ مزا آنے لگا تھا جو جام وسبو میں، اور دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے اور خوشنما منظر میں نہیں آتا تھا۔ آپ روما کی تاریخ پڑھیں جس کی فتوحات، نظم ونسق اور قانون سازی اور تہذیب کے دنیا میں ڈنکے بجے۔ یورپین مؤرخ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ " اہلِ روما کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ فرحت افزا اور مست کر دینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا جب باہم شمشیر زنی یا خونخوار جانوروں کی لڑائی میں ہزیمت خوردہ اور مجروح شمشیر زن جانکنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا اور موت کے کرب میں آخری ہچکی لیتا۔ اسوقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشائی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی انکو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔

(ملاحظہ ہو "تاریخ اخلاق یورپ")

رُومی عہد کی سیاقی جس میں انسان کو جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا انسانی شقاوت و سنگدلی کی بدترین مثال پیش کرتی ہے لیکن یہ صرف اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ "تاریخ اخلاق یورپ" کے مُصنف لیکی ان کھیلوں کی ہر دل عزیزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" سیاقی کی یہ مقبولیت و دلفریبی اس لحاظ سے مطلق حیرت انگیز نہیں کہ دلکشی کے جتنے مناظر اس میں آکر مجتمع ہو گئے تھے اُتنے کسی دوسرے ملعبہ میں نہ تھے، لق ودق اکھاڑہ، امراء و اعیان، دولت کی زرق برق پوشاکیں، تماشائیوں کا انبوہِ کثیر ان کے ذوق وشوق کا اثر متعدی، اتنے بڑے مجمع میں ایک متوقع سکون وخاموشی اسّی ہزار زبانوں سے ایک بارگی صدائے تحسین بلند ہوتی۔ اس کی آواز سے شہر کیا معنی مضافاتِ شہر تک گونج اُٹھتے۔ جنگ کا گھڑی گھڑی رنگ بدلتے رہنا عدیم المثال جرأت دبے جگری کا اظہار، ان میں سے ہر شے تخیل کو متاثر کرنے

سکنے کافی ہے اور ان کا مجموعی طاقت قدرتی طور پر بہت قوی ہے۔ ان ظالمانہ تفریحات کو روکنے کے لئے احکام جاری کئے گئے لیکن یہ سیلاب اتنا پُرزور تھا کہ کوئی بندہ اسے روک نہیں سکتا تھا۔"

(ملاحظہ ہو لیکی کی کتاب "تاریخ اخلاق یورپ")

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی بلکہ ٹوٹ گئی تھی۔ انسان انسان نہیں رہا تھا۔ انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا۔ انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا اس حالت میں خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء، ۱۰۷) اور (اے محمد) ہم نے تمکو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دَور بلکہ قیامت تک کا پورا دور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و دعوت اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے۔ آپ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ نے اس تلوار کو جو نوعِ انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کرے اس تلوار کو ہٹایا اور اسکو وہ تحفے عطا کئے جنہوں نے اسکو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب و تمدن، علم و فن، روحانیت و اخلاص اور تعمیرِ انسانیت کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ ہم یہاں پر آپ کے چند عطیوں کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے نوعِ انسانی کی ھدایت و اصلاح اور انسانیت کی تعمیر و ترقی میں بنیادی اور قائدانہ کردار ادا کیا اور جن کی بدولت ایک نئی دُنیا وجود میں آئی؛

آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے دُنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا فرمائی۔ اس سے زیادہ انقلاب انگیز حیات بخش، عہد آفرین اور معجز نما عقیدہ دُنیا کو نہ پہلے کبھی ملا اور نہ قیامت تک مل سکتا ہے، یہ انسان جس کو شاعری، فلسفہ اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں اور جس نے قوموں، ملکوں کو بارہا غلام بنایا عناصر اربعہ پر اپنی حکومت چلائی، پتھروں میں پھول کھلائے اور پہاڑوں کا جگر کاٹ کر دریا بہائے اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا، یہ اپنے سے کہیں زیادہ مجبور و ذلیل، بے حس و حرکت بے جان و مُردہ اور بعض اوقات خود اپنی ساختہ پرداختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا یہ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح و شیاطین اور مظاہر قدرت ہی کے سامنے نہیں، بلکہ کیڑوں، مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا اور اس کی پوری زندگی انہی سے خوف و اُمید اور انہی خطرات میں بسر ہوتی تھی جس کا نتیجہ بزدلی، ذہنی انتشار وہم پرستی اور بے اعتمادی تھا۔ آپ نے اس کو ایسے خالص فطرت آمیز، سہل الفہم، حیات بخش عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خدا کے سوا جو خالقِ کائنات ہے ہر ایک سے آزاد نڈر اور بے فکر ہوگیا۔ اس میں ایک نئی قوت، نیا حوصلہ، نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی۔ اس نے صرف خدا کو کارسازِ حقیقی، حاجت روائے مطلق اور نافع و ضار (نفع یا نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شروع کیا اس نئی دریافت اور بازیافت سے اس کی دنیا بدل گئی۔ وہ ہر قسم کی غلامی اور عبودیت اور ہر طرح کے بیجا خوف و رجا اور ہر طرح کی تشتت و انتشار سے محفوظ ہوگیا اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی وہ اپنے کو ساری مخلوقات سے افضل

ساری دنیا کا سردار و منتظم اور صرف خدا کا محکوم اور فرمانبردار سمجھنے لگا۔ اس کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت و شرف کا قیام تھا جس سے پوری دنیا محروم ہو چکی تھی۔

بعثتِ محمدی کے بعد ہر طرف سے عقیدۂ توحید کی (جس سے زیادہ مظلوم و مجہول کوئی عقیدہ نہ تھا) صدائے بازگشت آنے لگی۔ دُنیا کے سارے فلسفوں اور افکار و خیالات پر اس کا کم و بیش اثر پڑا۔ وہ بڑے بڑے مذاہب جن کے رگ و ریشہ میں شرک اور تعددِ الٰہہ (متعدد خداؤں اور معبودوں) کا عقیدہ رچ بس گیا تھا کسی نہ کسی لَے میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوئے کہ خدا ایک ہے، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوئے اور ان کی ایسی فلسفیانہ تشریح کرنے لگے جس سے ان پر شرک و بت پرستی کا الزام نہ آئے اور وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے کچھ نہ کچھ ملتا ہوا نظر آئے۔ ان کو شرک کا اقرار کرنے میں شرم اور جھجک محسوس ہونے لگی اور سارے مشرکانہ نظام، فکر و اعتقاد احساس کمتری میں مبتلا ہوئے۔ اس محسن اعظم کا احسان عظیم یہ ہے کہ اس نے توحید کی نعمت دنیا کو عطا کی۔

آپ کا دوسرا انقلاب آفرین اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے جو آپ نے دُنیا کو عطا کیا۔ انسان قوموں اور برادریوں ذات پات اور اعلیٰ و ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد و معبود کا سا فرق تھا۔ وحدت و مساوات کا کوئی تصور نہ تھا۔ آپ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا:

یَآیُّھَا النَّاس ان ربکم واحدٌ و انّ اباکم واحدٌ	لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک
کلکم لاٰدم و اٰدم من تراب ان اکرمکم	تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے اللہ کے
عند اللہ اتقاکم ولیس لعربی علیٰ عجمی	نزدیک تم سب میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب
فضل الا بالتقویٰ۔ (کنز العمال)	سے زیادہ پاکباز ہے کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے انہیں دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا ہے اور یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں جن پر نسلِ انسانی کی حقیقی وحدت کا قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے اور جس کے سائے کے نیچے انسان کو امن و سکون حاصل ہو سکتا ہے اور وہ اشتراکِ عمل اور تعاون کے اصول پر انسانیت کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوعِ انسانی کے خالق و صانع کی وحدت، اور ایک نسلِ انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت، اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے ایک روحانی اور حقیقی طور پر وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، دوسرے الفاظ میں توحیدِ رب" اور توحیدِ اب" کی تعلیم دی۔ جس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے "الرب واحد والاب واحد" رب (پروردگار) بھی ایک اور آب (والد بزرگوار) بھی ایک۔

جس وقت یہ اعلان کیا گیا تھا اسوقت دنیا اس کے سننے کے حال (موڈ) میں نہ تھی۔ یہ اعلان اسوقت کی دُنیا میں ایک زلزلہ سے کم نہ تھا۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو تدریجی طور پر قابلِ برداشت ہو جاتی ہیں۔ بجلی کا یہی حال ہے کہ اس کو

پر دوں میں رکھ کر چھو لیتے ہیں لیکن بجلی کی عریاں لہر کو اگر کوئی چھو لے تو جسم میں کرنٹ دوڑ جاتا اور اس کا کام تمام کر دیتا ہے۔ آج علم و فہم اور فکر انسانی کے ارتقاء کی ان منزلوں نے جو اسلام کی دعوت، اسلامی معاشرہ کے قیام معلمین اور داعیان اسلام کی کوششوں سے طے ہوئیں اس انقلاب انگیز اور زلزلہ فگن اعلان کو روز مرّہ کی حقیقت بنا دیا ہے اقوام متحدہ کے پلیٹ سے لیکر جس نے حقوقِ انسانی کا منشور شائع کیا ہر جمہوریہ اور ہر ادارہ کی طرف سے انسانی حقوق اور مساواتِ انسانی کا اعلان کیا جا رہا ہے اور کوئی اس کو سُن کر متعجب نہیں ہوتا لیکن ایک زمانہ تھا جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب نامہ خدا سے اور سورج سے یا چاند سے ملایا جا رہا تھا۔ قرآن شریف نے یہودیوں، عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کے لاڈلے اور جیسے اولاد کی طرح ہیں وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ فراعنہ مصر اپنے کو سُورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے۔ شاہانِ ایران کو جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا اس کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے۔ اہلِ ایران انھیں اسی نظر سے دیکھتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے۔ کیانی سلسلہ کے آخری ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا نام بتاتا ہے کہ وہ اور ایرانی ان کو خدا کا کس درجہ مقرب اور ہمنشیں سمجھتے تھے۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ انکا عقیدہ تھا کہ آسمان نَر اور زمین مادہ ہے ان دونوں کے اتصال سے کائنات کی تخلیق عمل میں آئی۔ اور شہنشاہ خنا اول اس جوڑے کا پلوٹھا بیٹا ہے [1] عرب اپنے سوا ساری دُنیا کو گونگا اور بے زبان (عجم) کہتے تھے۔ ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش عام عربوں سے بھی اپنے کو بالاتر سمجھتا تھا اور اسی احساس برتری میں حج ایسے عمومی اجتماع میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتا تھا [2] قرآن نے اس فضا اور ماحول میں اعلان کیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ — لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری
وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ — قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور)
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۱۳) — خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے

اور قرآن کی ایک ایسی سورت میں جو قرآن کا دیباچہ (فاتحہ) اور سب سے زیادہ پڑھی جانیوالی سورۃ ہے کہا گیا ہے:

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ — سب تعریف اللہ کی ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے

آپ کی رحمۃ للعالمین کا تیسرا مظہر اور نوعِ انسانی پر تیسرا احسان عظیم احترام انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے۔ اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا۔ انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا۔ بعض اوقات پالتو جانور، بعض مقدس حیوانات، بعض درخت

---

[1] ملاحظہ ہو "تاریخ چین" از جیمس کارکرن

[2] ملاحظہ ہو کتب حدیث و سیرت

جن کے ساتھ بعض عقائد و روایات وابستہ ہو گئی تھیں، انسان سے کہیں زیادہ قیمتی، لائقِ احترام اور قابلِ حفاظت تھے ان کیلئے
بے تکلف انسانی جانیں لی جاسکتی تھیں اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاسکتے تھے آج بھی بعض بڑے
بڑے ممالک میں ان کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھایا کہ انسان
اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی قابلِ احترام، لائقِ محبت اور مستحقِ حفاظت وجود ہے۔ آپ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے
اوپر صرف خالقِ کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ وہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے۔ ساری دنیا اور یہ سارا
کارخانۂ عالم اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔ (البقرہ: ۲۹)
وہی ہے جس نے تمہارے لئے سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

وہ اس مخلوقات اور اس بزمِ عالم کا صدر نشین ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا
اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس سے زیادہ اس کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا۔۔۔ اعتراف کیا ہوسکتا ہے کہ صاف کہدیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں
اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کیساتھ اچھا سلوک کرے اور اسکو آرام پہنچائے:

"الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (مشکوٰۃ بروایۃ بیہقی)

انسانیت کی بلندی اور خدا سے اس کے قرب و اختصاص کا اظہار اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے جو ایک حدیث قدسی
میں کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا "اے فرزندِ آدم میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا۔ بندہ کہے گا پروردگار
میں تیری عیادت کیا کرسکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا کیا تجھے معلوم نہیں ہوا میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا تو اس کی عیادت
کو نہیں گیا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ پھر ارشاد ہوگا اے فرزند آدم میں نے تجھ سے
کھانا مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا تھا۔ بندہ عرض کرے گا پروردگار میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں تو تو رب العالمین ہے ارشاد
ہوگا کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اسے نہیں کھلایا تھا اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو اس
کو میرے پاس پاتا۔" (صحیح مسلم)

ایک سراپا توحید مذہب میں کیا انسانیت کی بلندی اور انسان کی رفعت و محبوبیت کا اس سے بڑھ کر اعتراف و اعلان
پایا جاسکتا ہے اور کیا دنیا کے کسی فلسفہ و مذہب میں انسان کو یہ مقام ملا گیا ہے؟ آپ نے خدا کی رحمت و شفقت کے لئے انسانوں پر
رحم و شفقت کو شرط اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا اور فرمایا:

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔ ؎ رحم کرنیوالوں پر رحمٰن کی رحمت ہوتی ہے اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤگے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔

آپ غور کیجئے کہ وحدتِ انسانیت کا نقش دلوں پر بٹھانے اور احترام انسانیت کا یقین دلوں میں پیدا کرنے کے لئے جب یہ سعی بلیغ نہیں کی گئی تھی اسوقت انسان کا کیا حال رہا ہوگا۔ ایک انسان کی ادنیٰ خواہش کی قیمت ہزاروں انسانوں سے زیادہ تھی بادشاہ اٹھتے تھے اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کر دیتے تھے، سکندر اٹھا اور جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے ہندوستان تک چلا آیا اور قوموں اور تہذیبوں کے چراغ گل کر دیئے، سیزر اٹھا اور انسانوں کا اس طرح شکار کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے آج ہمارے زمانہ میں بھی ڈو ڈو عالمگیر جنگیں ہوگئیں، جنہوں نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور یہ صرف قومی تکبر، سیاسی انانیت، اقتدار کی ہوس، یا تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرنے کے جذبہ کا نتیجہ تھا۔ اقبالؔ نے سچ کہا:

؎ ابھی تک آدمی صید زبونِ شہریاری ہے   قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

چوتھا انقلابی کارنامہ یہ ہے کہ بعثتِ محمدی کے وقت نوعِ انسانی کے اکثر افراد پر فطرتِ انسانی سے بدگمانی اور خدا کی رحمت سے مایوسی کی ایک عام فضا چھائی ہوئی تھی۔ اس ذہنی کیفیت کے پیدا کرنے میں ایشیاء کے بعض قدیم مذاہب اور مشرق وسطیٰ اور یورپ کی تبدیل شدہ عیسائیت نے یکساں کردار ادا کیا تھا۔ ہندوستان کے قدیم مذاہب نے تناسخ" اواگون" کے فلسفہ کے ذریعے جس میں انسان کے ارادہ و اختیار کو مطلق دخل نہیں ہے اور جس کی رُو سے ہر انسان کو اپنے پہلے جنم کے اعمال اور غلطیوں کی سزا بھگتنی ضروری ہے اور عیسائیت نے انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے اور اس کے لئے حضرت مسیحؑ کے کفارہ بننے کی ضرورت کے عقیدہ کے نتیجہ میں اسوقت کی متمدن دنیا کے لاکھوں کروڑوں افراد کو جو ان مذاہب کے پیرو تھے اپنی ذات سے بدگمانی اور اپنے مستقبل اور خدا کی رحمت سے مایوسی میں مبتلا کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری طاقت و صفائی سے اعلان کیا کہ انسان کی فطرت ایک سادہ تختی کی مانند ہے جس پر پہلے سے کوئی تحریر نہیں لکھی ہے اس پر بہتر سے بہتر تحریر لکھی جا سکتی ہے۔ انسان اپنی زندگی کا خود آغاز کرتا ہے اور اپنے اچھے یا برے عمل سے اپنی دنیا و عاقبت بناتا یا بگاڑتا ہے وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار یا جوابدہ نہیں ہے۔

قرآن مجید نے بار بار اعلان کیا کہ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا اور یہ کہ اس کے حصہ میں اسی کی کوشش اور اس کے نتائج آنیوالے ہیں، انسان کی کوشش کا نتیجہ ضرور ظاہر ہوگا اور اس کو اس کا بھرپور بدلہ ملے گا۔

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَ اَنْ   یہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائیگا

؎ ابوداؤد، حالیؔ نے اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

؎ کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر   خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۚ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ (النجم : ۳۸-۴۱)

اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے پھر اسکو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔

اس اعلان سے انسان کا اپنی فطرت اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہوگیا جو بالکل متزلزل ہوگیا تھا وہ نئے عزم و یقین اور نئے ولولہ کیساتھ اپنی اور انسانیت کی تقدیر چمکانے اور اپنی قسمت اور قوت آزمانے کے لئے سرگرمِ سفر ہوگیا۔

نبوتِ محمدی کا پانچواں عظیم اور ناقابلِ فراموش احسان اور ایک گرانقدر تحفہ دین و دنیا کی وحدت کا تصور اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں محض اصطلاح کا اختلاف ہے اور قدیم درسی زبان میں "نزاعِ لفظی" ہے۔ انسان کے اعمال، اخلاق اور ان سے پیدا ہونیوالے نتائج کا اصل انحصار، انسان کی ذہنی کیفیت، عمل کے محرکات اور اس کے مقصد پر ہے جس کو اسلام کے دین و شریعت کی زبان میں "نیت" کے ایک مفرد و سادہ، لیکن نہایت بلیغ و عمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے اس کے نزدیک نہ کوئی چیز "دنیا" ہے اور نہ کوئی چیز "دین" اس کے نزدیک خدا کی رضا کی طلب "اخلاص" اور اسکے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل، یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصولِ معاش کی جدوجہد، جائز تفریحِ طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی، سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب و ولایت تک پہنچنے کا وسیلہ اور خالص دین بن جاتی ہے۔ اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت اور دینی کام جو رضائے الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت و جہاد، قربانی و سرفروشی اور ذکر و تسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں (دنیا و دین) میں تقسیم اور دنیا کو دو کیمپوں، اہلِ دین اور اہلِ دنیا میں بانٹ دیا تھا جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جُدا تھے اور اُن کے درمیان ایک موٹی سرحدی لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متصادم اور یہ دونوں کیمپ باہم متحارب تھے۔ ان کے نزدیک دین و دنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی جس کو ان میں سے کسی ایک سے رسم و راہ پیدا کرنی ہو اسکو دوسرے سے قطع تعلق اور اعلانِ جنگ کرنا ضروری تھا کوئی انسان ایک وقت میں ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہوسکتا تھا۔ معاشی جدوجہد، غفلت و خدا فراموشی کے بغیر حکومت و سلطنت دینی و اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کئے اور خوفِ خدا سے خالی ہوئے بغیر، اور دیندار بننا، تارکِ دنیا ہوئے بغیر متصور ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ انسان عام طور پر سہولت پسند اور لذت پرست واقع ہوا ہے۔ دین کا ایسا تصور جس میں دنیا کی کسی جائز تمتع، ترقی اور سربلندی، طاقت و حکومت کے حصول کی گنجائش نہ ہو، انسانوں کی کثرت کے لئے قابلِ قبول اور قابلِ برداشت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کے متمدن ذہن، صاحبِ صلاحیت، اور باعمل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے لئے دین کی بجائے دنیا کا انتخاب کیا اور اُس نے اس پر اپنے کو مطمئن و راضی کرلیا۔ وہ ہر قسم کی دینی ترقی سے مایوس ہوکر دنیا کے حصول اور اس کی ترقی

میں مشغول ہو گئے۔ دین و دنیا کے اس تضاد کو ایک مذہبی اور مسلّم حقیقت سمجھ کر انسانوں کے مختلف طبقوں اور انسانی اداروں نے عام طور پر مذہب کو خیرباد کہا۔ سیاست و ریاست نے مذہب کے نمائندہ کلیسا سے بغاوت کی اور اپنے کو اس کی ہر پابندی سے آزاد کر لیا۔ انسان "فیلِ بے زنجیر" اور معاشرہ "شترِ بے مہار" ہو کر رہ گیا۔ دین و دنیا کی اس دوئی اور اہل دین اور اہل دنیا کی اس رقابت نے نہ صرف یہ کہ مذہب و اخلاق کے اثر کو محدود و کمزور اور انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کو اس کی برکت و رحمت سے محروم کر دیا بلکہ اس الحاد و لادینیت کا دروازہ کھولا جس کا سب سے پہلے یورپ شکار ہوا۔ پھر دنیا کی دوسری قومیں جو یورپ کے فکری عملی یا سیاسی اقتدار کے زیر اثر آئیں، اس سے کم و بیش متاثر ہوئیں، موجودہ دنیا کی صورتِ حال جس میں مذہب و اخلاق کا زوال اور نفس پرستی (اپنے وسیع معنی) میں اپنے آخری نقطہ کو پہنچ گئی ہے، اسی دین و دنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عظیم ترین معجزہ اور انسانیت کے لئے عظیم ترین تحفہ اور آپ کی رحمۃ للعالمین کا مظہر ہے کہ آپ کامل طور پر رسولِ وحدت ہیں، اور بیک وقت "بشیر" و "نذیر" ہیں۔ آپ نے دین و دنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت بنا اور پوری روئے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کر دیا۔ دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں سے نکال کر حسنِ عمل، خدمتِ خلق اور حصولِ رضائے الٰہی کے ایک ہی محاذ پر لا کھڑا کر دیا، یہاں لباسِ دنیا میں درویش قبا، شاہی میں فقیر و زاہد، سیف و تسبیح کے جامع، رات کے عبادت گذار اور دن کے شہسوار نظر آئیں گے اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

چھٹا انقلاب یہ ہے کہ بعثتِ محمدیؐ سے پہلے انسان اپنی منزلِ مقصود سے بے خبر تھا۔ اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ موہوم منزلیں اور اپنی کوششوں کے لئے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنا لئے تھے۔ ان میں انسان کی ذہانت اور قوتِ عمل صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقت ور اور حاکم بن جاؤں۔ وسیع سے وسیع رقبہ زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور فرمانروائی قائم ہو جائے، لاکھوں آدمی ایسے تھے جن کا پروازِ تخیل، نقش و نگار، رنگ و آہنگ لذت و ذائقہ اور بلبل و طاؤس یا چوپایا و حیوان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا ہزاروں انسان ایسے تھے جن کی ساری ذہانت اپنے زمانہ کے دولت مندوں اور طاقتوروں اور سرکار دربار کی خدمت و خوشامد یا بے مقصد ادب و شاعری سے دل خوش کرنے میں صرف ہو رہی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلِ انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لا کر کھڑی کر دی، آپ نے یہ بات دل پر نقش کرا دی کہ خالقِ کائنات کی صحیح معرفت اس کی ذات و صفات اور اس کی قدرت و حکمت کا صحیح علم، ملکوت السماوات والارض کی وسعت و عظمت اور لامحدودیت کی دریافت، ایمان و یقین کا حصول، خدا کی محبت و محبوبیت اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہو جانا اس کثرت میں وحدت کی تلاش اور دریافت، انسان کی حقیقی سعادت اور کمال آدمیت ہے، اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ایثار و قربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا اور کمال ترقی

کے اُن اعلیٰ مدارج تک پہنچ جانا جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے انسان کی کوششوں کا حقیقی میدان ہے۔

آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی رُت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے۔ دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خُدا طلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کی ایک نئی دُھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خُدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں اور در و دیوار پر سبزہ اُگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثتِ محمدی کے بعد قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا۔ کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزلِ مقصود کی تلاش اور اس پر پہنچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ہر ملک اور قوم میں طبیعتوں میں یہی نشہ اور ہر طبقہ میں اس میدان میں ایک دوسرے سے بازی لیجانے کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے عرب و عجم، مصر و شام، ترکستان و ایران، عراق و خراسان، شمالی افریقہ اور اسپین اور بالآخر ہمارا خطّہ ہند و پاک اور جزائر شرق الہند سب اسی صہبائے محبت کے متوالے اور اسی مقصد کے دیوانے نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوئی۔ آپ تاریخ و تذکرے کی کتابیں پڑھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا طلبی اور خداشناسی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا۔ شہر شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں بڑی تعداد میں ایسے خُدامست، عالی ہمّت، عارف کامل، داعی حق اور خادمِ خلق، انسان دوست ایثار پیشہ انسان نظر آتے ہیں جن پر فرشتے بھی رشک کریں، انھوں نے دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما دیں، عشقِ الٰہی کا شعلہ بھڑکا دیا، علوم و فنون کے دریا بہا دیئے، علم و معرفت کی محبت کی جوت جگا دی اور جہالت و وحشت ظلم و عداوت سے نفرت پیدا کر دی، مساوات کا سبق پڑھایا، دکھوں کے مارے اور سماج کے ستائے ہوئے انسانوں کو گلے لگایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح ہر چپۂ زمین پر انکا نزول ہوا ہے اور ان کا شمار ناممکن ہے۔

آپ ان کی کثرت (کمیت) کے علاوہ ان کی کیفیت کو دیکھئے ان کی ذہنی پرواز، ان کی رُوح کی لطافت اور ذکاوت اور ان کے ذوقِ سلیم کے واقعات پڑھیئے انسانوں کے لئے کس طرح ان کا دل روتا اور ان کے غم میں گھلتا، کس طرح ان کی رُوح سسکتی، انسانوں کو مصیبت سے نجات دلانے کے لئے وہ کس طرح اپنے کو خطرہ میں ڈالتے اور اپنی اولاد اور متعلقین کو آزمائش میں مبتلا کرتے تھے ان کے حاکموں کو اپنی ذمہ داری کا کس قدر احساس اور محکوموں میں اطاعت و تعاون کا کس قدر جذبہ تھا ان کے ذوقِ عبادت ان کی قوتِ دُعا، ان کے زہد و فقر، جذبۂ خدمت اور مکارمِ اخلاق کے واقعات پڑھیئے، نفس کے ساتھ ان کا انصاف اپنا احتساب، کمزوروں پر شفقت، دوست پروری، دشمن نوازی، ہمدردیٔ خلائق کے نمونے دیکھئے۔ بعض اوقات شاعروں اور ادیبوں کی قوتِ متخیلہ بھی ان بلندیوں تک نہیں پہنچتی جہاں وہ اپنے جسم و عمل کے ساتھ پہنچے۔ اگر تاریخ کی مستند اور متواتر شہادت نہ ہوتی تو یہ واقعات قصّے کہانیاں اور افسانے معلوم ہوتے۔ یہ انقلاب عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم معجزہ اور آپکی رحمۃ للعالمینی کا کرشمہ ہے۔

تو فخرِ کون و مکاں زُبدۂ زمین و زماں	امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں	ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

(حضرت نازل)

النبی الخاتم

اشارات و عنوانات : سید مناظر احسن گیلانیؒ

مکی زندگی "دل" اور مدنی سیرۃ "دماغ"

زندہ نبی

یوں آنے کو تو سبھی آئے، سب ہی آئے، سب جگہ آئے (سلام ہو اُن پر) بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے لیکن کیا کیجئے کہ ان میں جو بھی آیا، جانے ہی کے لئے آیا۔ پر ایک، اور صرف ایک جو آیا اور آنے ہی کے لئے آیا۔ وہی جو اُگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا۔ چمکا اور پھر چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ چڑھا اور چڑھتا ہی جا رہا ہے سب جانتے ہیں اور سبھی کو جاننا ہی چاہیئے کہ جنہیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے۔ برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اسکا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے جو پچھلوں میں بھی اسطرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا دُور والے بھی اس کو ٹھیک اُسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائیگا۔ جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لئے رات نہیں۔ ایک اسی کا ایک چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔

بہرحال جتنے آنے والے آئے سب جانے کے لئے آئے۔ بیّنات اور واضح شہادت کی روشنی میں دیکھا جا چکا کہ جو بھی آیا بالآخر ایک ایک کر کے کسی نہ کسی طرح خود وہ اُن کی زندگی، ان کی تعلیم جہاں سے طلوع ہوئی تھی وہیں بالآخر غروب ہو گئی اور بلاشبہ ان کے لئے یہی مقدر تھا۔ قدرت کے باندھے قانونوں کو دُنیا کا کون ازور کھول سکتا ہے۔ پر اب دیکھو کہ وہ آتا ہے جو آنے ہی کے لئے آیا ہے۔ کس شان کے ساتھ آیا، کس آن کے ساتھ آیا۔ مصریوں کی غلامی میں صدیاں صبر کرنیوالا میں نہیں بلکہ جب سے دنیا ہے۔ آدم کے جن گھرانوں کو محکومیت کی لعنت نے کبھی نہیں چھوا۔ جن کے دماغ میں آزادی کی ہوا کے سوا کبھی کسی قسم کی غلامی کی گندگی نہیں پہنچی۔

بلاشبہ آدم کی ساری اولاد کے درمیان شاید یہی ایک نسل تھی جس نے اپنے ہاتھ کو سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ کو اپنے خلاف رکھ کر ہمیشہ ایسی زندگی بسر کی جو دنیا کے کسی خطہ کے باشندوں کو میسّر نہ ہوئی وہ ان ہی آزادوں میں اُٹھا اور محسوس قوتوں میں جن چیزوں کا نام قوت رکھا گیا ہے ایک ایک کے نیچے سے انسانیت کو آزادی دلانے کے دعوے کیساتھ اُٹھا۔ اور جس طرح اس نے خاک اور دھول کے بوجھ سے انسانیت کے سر کو ہلکا کیا، کیا دعویٰ کرنے سے پہلے قدرت نے خود اس کو اس کے مبارک وجود کو اس کی دلیل نہیں بنایا کہ قوم اور نیشن کے دیوتاؤں کے آگے اس نے جھکنے والے اس کے قدموں پر اس نے اپنا

قومیت کے بُت کی شکست

اور اپنے بچوں کا خون یہ سمجھ کر بھینٹ چڑھانیوالے کہ قوم کے وجود میں افراد کی ضمانت مستور ہے یہ لوگ قومی اور انفرادی بقا ہی نہیں بلکہ سرے سے بقاء ہی کے راز سے جاہل ہیں۔

دیکھو! جس طرح وہ ایسے ملک میں پیدا ہوا تھا جس میں کچھ نہیں تھا، اسی طرح یہ قدرت ہی کی طرف کی بات تھی کہ وہ جس قوم میں پیدا ہوا اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ اس کا دماغ، اس کا دل، اس کی طبیعت، اپنی قوم سے کیا لیتی جب کہ خود ان ہی کے پاس کچھ نہ تھا، اور اگر کچھ تھا بھی تو جو باہر کا حال تھا وہی ان کے اندر کی کیفیت تھی۔ بلکہ شاید ان کے اندر کے دل ان کے پہاڑوں سے زیادہ سخت، ان کے دماغ ان کے میدانوں سے زیادہ چٹیل تھے، ان میں ان کی صحبتوں میں رہنے والوں کے اندر سنوار سے زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا تھا۔ اُبھرنے سے زیادہ ان میں پلنے والے ٹھٹھرتے تھے۔ تاہم وہ آدمی ہی تھے اور مکہ بادیہ نہیں ایک شہر تھا۔

انسانوں کے بجائے چوپایوں کی صحبت

مانا کہ اس میں مدرسہ نہ تھا، اسکول نہ تھا، کالج نہ تھا، یونیورسٹی نہ تھی، سوسائٹی نہ تھی، کلب نہ تھا، لان نہ تھا، صنعتی کارخانے نہ تھے، علمی معہد، کوئی باضابطہ سیاسی ادارہ نہ تھا، لیکن پھر بھی وہ شہر تھا اس میں شہریت کے کچھ لوازم تھے۔ ایک معبد تھا جس کی زیارت کے لئے اطراف و اکناف کے مسافر وہاں آتے رہتے۔ شمالی و جنوبی کاروانی راستوں کی شاہراہ پر واقع تھا۔

شک کی اس بُٹی کو بھی توڑنے کے لئے غالباً یہ غیبی سامان تھا۔ جب تک ان سے آپ کچھ لے سکتے تھے، اس عمر تک خانگی حالات کی مجبوریوں نے شہر اور شہریت سے جدا کر کے آپ کو جنگل پہنچا دیا، بجائے آدمیوں کے چراگاہ کے چرندے آپ کے ساتھی ٹھہرائے گئے۔ مشغلۂ تجارت میں مشغول ہونے سے پہلے تقریباً بائیس تیئس سال کی عمر تک آپ کے اوقات کا یہی نظام تھا کہ صبح ہوئی گھر گھر سے بکریوں کے ریوڑ، اونٹوں کے گلوں کو ساتھ لئے بہت دور صحرا میں چلے جاتے، شام ہوئی سب کے گھر ان کے مویشی پہنچا دیئے گئے۔ گھر پہنچے جو کچھ دیا گیا کھا لیا اور تھکے ہوئے گلہ بانوں کی طرح بنی نوع انسان کا یہ سب سے بڑا گلہ بان سو جاتا شہر میں کیا ہوتا ہے کون آتا ہے، کون جاتا ہے۔

حضرت مسیحؑ اور لفظ "احمد" فارقلیط

میری بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر تم برداشت نہیں کرسکتے، لیکن جب وہ فارقلیط (احمدؐ) آئے گا تو سچائی کی ساری راہیں بتا دے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ : ۱۳)

ظاہر ہے کہ فرض کے منصب پر قیام کے بعد اس قوم کا اس کے ساتھ جو سلوک شروع ہوا ایسی صورت میں ان سے اسکو کیا مل سکتا تھا جب وہ اس سے اس کی ہر چیز بلکہ جان تک چھیننے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے، پھر جس کو اپنی قوم سے کچھ نہیں ملا، نہ علم ملا نہ عمل ملا کہ اس سے تو وہ خود کورے تھے لیکن اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے ان میں جو قومی حمیت اور خاندانی غیرت کا جا بجا جوش تھا، دیکھو تو وہ اس سے بھی محروم کیا گیا، لیکن کیا اس نے علی رؤس الاشہاد خود اپنی ہستی کی شہادت سے ثابت کر کے نہیں دکھایا کہ نہ اسکو ملتا ہے جسے قوم چاہے اور نہ اس کو ملتا ہے جو قوم سے چاہے بلکہ جس کا سب کچھ چاہا ہوا ہے جس کسی کو بھی ملتا ہے اسی کو چاہنے سے ملتا ہے کون شک کرسکتا ہے کہ اس دعوے کی سب سے بڑی دلیل وہ خود تھا، اس کی زندگی تھی۔

حضرت جعفرؓ کی مشہور تاریخی تقریر

"سُن اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیت میں ڈوبے ہوئے تھے ہم پتھر کی گھڑی ہوئی مورتوں کے آگے جھکتے تھے ہم مُردار کھاتے تھے ہم بے حیائیوں سے لت پت تھے ہم رشتوں ناطوں کو کاٹتے تھے، ہم اپنے پڑوسیوں کے لئے صرف دُکھ اور رنج تھے، زوروالے ہمارے بے زوروں کو نگلتے جا رہے تھے کہ اچانک ہم میں اللہ نے اپنا پیغامبر اٹھایا جس کی نسبت کو ہم جانتے ہیں، جس کی سچائی کا، صدق کا، امانت کا، پارسائی کا ہم سب کو تجربہ ہے۔ اسی نے ہم کو اللہ کی طرف پکارا، ورحکم کیا کہ ساری گندگیوں، ان سارے جھوٹے پتھر کے کھوٹے ہوئے دیوتاؤں سے ٹوٹ کر جدا ہو جائیں جن کے ساتھ ہم پہلے پٹے ہوئے تھے۔

اے بادشاہ! اس نے ہم پر اصرار کیا ہے کہ جس کی امانت ہو اسکو واپس کر دیں، رشتوں اور برادریوں کو جوڑیں، پڑوسیوں سے حسنِ سلوک برتیں، اللہ نے جن باتوں سے روکا ہے، جس کے خون سے روکا ہے ان سے رک جائیں، بے شرمی کے کاموں، بیحیائی کے دھندوں کو چھوڑ دیں، اس نے ہمیں منع کیا ہے کہ بناوٹی باتیں نہ بنائیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پاکباز عورتوں پر تہمت نہ جوڑیں۔ (دُہرا کے زور دیتے ہوئے) اس نے ہم کو حکم کیا ہے کہ ہم اللہ ہی کو پوجتے رہیں، کسی کو اس کا ساجھی اور شریک نہ بنائیں اور اُس نے ہم پر یہ بھی لازم کیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں اور روزے رکھیں؛

پس ہم اسے سچا یقین کرتے ہیں، اس کی تصدیق کرتے ہیں، اس کی باتوں کو مانتے ہیں، جو کچھ اللہ کے یہاں سے لایا ہے اس پر ہم چلتے ہیں۔ (پھر پلٹ کر) اسی لئے ہم صرف اللہ ہی کو پوجتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک و سہیم نہیں سمجھتے، اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ہم نے بھی اسکو حرام کیا، جن چیزوں کو اُس نے حلال کیا ہم نے بھی ان کو حلال کیا[1]"

مدنی زندگی اور دماغ کا تجربہ

جن کوتاہ بینوں نے "دل" کا اقرار کیا تھا لیکن "دماغ" پر ان کو اب تک شک تھا، اب اُن ہی تنگ نظروں کے لئے دوسری زندگی کا آغاز ہوتا ہے جس میں "دل" سے زیادہ "دماغ"

آخری وسوسہ کا ازالہ

ہی کی نمائش ہوگی تاکہ وہ وہمی شوشہ بھی مٹ جائے جس کی آڑ میں جاننے کے بعد نہ جاننے کے لئے چھپنے والے چھپ رہے ہیں۔

اور دیکھو کہ دماغی تجربات بینہ کی اس کشمکش سے وہ کُرسی بھی نچوڑی جائیگی جس سے اِن خود بینوں کا نشہ پھاڑا جائے گا، پھٹ جائے گا، جن کے پاؤں "سربلندی و علو" کے خمار کے ہاتھوں جاننے کے بعد بھی ماننے سے اب تک ڈگمگا رہے ہیں تاکہ حجت پوری ہو۔ لیهلك من هلك عن بينة و يحيي من حي عن بينة (القرآن)

جو مرنا چاہے وہ کھلے بندوں سب کچھ دیکھکر مرے اور جینا چاہے وہ بھی کھلے بندوں سب کچھ دیکھ کر جیئے۔

مدنی زندگی کے شروع میں جو دکھایا گیا ہے کہ حق اتی علی الناس کے فریادی "الناس" اور ناس کے ساتھ جو کچھ ہیں سب

---

[1] یہ حضرت علیؓ کے بڑے بھائی جعفر طیار تھے وطن چھوڑ نیوالوں کیساتھ حبشہ گئے آٹھ سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ آکر ملے چند دنوں کے بعد موتہ کی جنگ میں شہید ہوئے۔ چند سال ہوئے کہ لاش مبارک تیرہ سو سال بعد اصل حالت میں ملی جسم پر زخموں کے نشان موجود تھے اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی۔ ۱۲ [2] طائفی دعا کا وہی ٹکڑا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیکسی کے متعلق فرمایا تھا۔ ۱۲

پر اسکو وزن بخشا جارہا ہے۔ یا طائف کی گلیوں میں جو رد کیا گیا تھا، سلع پہاڑ کے دامن میں سب اسی پر رد کئے جارہے ہیں۔ بھوکوں کے لئے روٹیاں لے کر دوڑے آتے ہیں پیاسوں کے لئے پانی لے کر دوڑے آتے ہیں۔ گاتے ہیں، بجاتے ہیں، باہم ایک دوسرے کو

مدینہ کے داخلہ کی تصویر اسی پیغمبر کے الفاظ

للکارتے ہیں، ابھی ابھی جس کی جماری چٹانیں ھلم الی یا رسول اللہ کیساتھ پکار رہی تھیں اسی کو انسانی زبانیں آگے آگے بڑھ کر ٹھیک اسی طرح:

انصاری سرداروں کی پیشکش

یا رسول اللہ ھلم الی القوۃ و المنعۃ

"اے اللہ کے رسولؐ زور اور حفاظت کی طرف آئیے"۔

مدنی زندگی اور اسکے بعد کے تسخیری آثار طائفی تسخیر کے نتائج ہیں

عرض کرتے ہیں، جان حاضر کرتے ہیں مال حاضر کرتے ہیں، تو یہ مدینہ کا نہیں بلکہ قرن الثعلب کے موڑ پر طائف سے نکلتے ہوئے جس عمل کا ردعمل "ملاء اعلیٰ" سے شروع ہوا تھا یہ اسی تسخیری قوت کا ظہور ہے جو مکہ میں بھی ظاہر ہوا "ثور" میں بھی ظاہر ہوا۔

قبا کی پہلی مسجد زمین پر خدا کے دربار کا پہلا دروازہ

"ثور" سے نکلنے کے بعد بھی ظاہر ہوا، "قبا" میں بھی ظاہر ہوا، جہاں خالق کا جو دروازہ مخلوقات کے لئے بند تھا۔ صدیوں کے بعد پہلی دفعہ قبا کی مسجد بنا کر کھولا گیا تاکہ جس کسی کو جہاں کہیں زمین پر قابو بخشا جائے پہلا کام یہی کرے۔

مسلمانوں کا سب سے پہلا تعمیری کام

اور اب مدینہ میں بھی اسی ردعمل کا ظہور ہو رہا ہے، آئندہ ہوتا رہے گا، اسی کا ظہور "کوفہ" میں بھی ہوگا، "قاہرہ" میں بھی ہوگا، "غرناطہ" میں بھی ہوگا، "بغداد" میں

اسلامی پایہ تختوں کا ذکر

بھی ہوگا، "دمشق" میں بھی ہوگا، "قرطبہ" میں بھی ہوگا، "غزنی" میں بھی ہوگا، "دہلی" میں بھی ہوگا۔ اور کیا بتاؤں کہ کہاں کہاں ہوگا، کب تک ہوگا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ابد تک اب تو صرف اسی کا ظہور ہے، اسی کی نمود ہے۔ اسی لئے "مدنی زندگی" کے اصل عناصر یہ واقعات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو "مکہ" ہی کے آثار ہیں جنہیں تم اب "مدینہ" میں دیکھ رہے ہو۔ بلکہ "مدنی زندگی" میں تم کو وہ باتیں تلاش کرنی چاہئیں جن میں "دل" سے زیادہ "دماغ" کا "اخلاق" سے زیادہ "عقل" کا تجربہ ہو۔

"مکہ" میں جس طرح دیکھا گیا کہ اس "دل" سے بہتر کوئی دل نہیں، اسی طرح ان باتوں کا مطالعہ "مدینہ" میں کرو، جن کو دیکھ کر

مسجد نبوی مدرسہ صُفّہ

کہا جائے کہ اس "دماغ" سے بہتر کوئی دماغ نہیں۔ ظاہر ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ مسجد نبوی بنائی گئی اور اس کے ساتھ "صفہ" کا مدرسہ بنایا گیا، لیکن کیا صرف مسجد نبوی بنائی گئی اور

مسجد نبوی میں تعمیری سادگی کا راز

مدرسہ بنایا گیا۔ مسجد اور مدرسہ کون نہیں بناتا اور کہاں نہیں بنتے، پھر اس میں بڑائی کی کیا بات ہے، باوجود استطاعت و قدرت کے پختہ اینٹ کے اور پتھر سے نہیں بنائی گئی بلکہ کھجور کے تنوں اور شاخوں اور کچی اینٹ سے بنائی گئی، بلاشبہ ان میں یہ نمونہ ضرور ہے کہ مسلمان جس آبادی

مساجد اسلام کی میخ ہیں

میں پہنچیں، سب سے پہلے، وہ اپنے گھر سے بھی پہلے، وہاں خدا کی عبادت کی مسجد کی نیو رکھیں کہ مسجد ہی اسلام کی میخ ہے۔ اسلامی آبادی بناتے ہوئے سب سے پہلے چاہیئے کہ اس

میخ کہ ہر مسلمان اس جگہ گاڑے جہاں وہ آباد ہوتا ہے، تعمیری تکلفات کی وجہ سے دقت نہ ہو اس لئے سب سے پہلے مسجد کا نمونہ وہ رکھا گیا جسے ہر شخص گاڑ سکتا ہے ہر جگہ گاڑ سکتا ہے۔ آخر تعمیری سامان کے لحاظ سے جو مسجد بھی ہوگی اس سے کیا کم ہوگی جو مسلمانوں کی سب سے پہلی مسجد تھی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسجد مدرسہ کے ساتھ ہو "علم دین" ہے، "دین علم" ہے عملاً اس نمونے سے تعلیم دی گئی۔

دربار رسالت کی ہمہ جہتی حیثیت

پھر کیا مدینہ میں پایۂ تخت قائم ہوا، وہاں منبر کی جگہ تخت بچھایا گیا، وہی منبر ہے وہی مسجد ہے وہی جھونپڑے ہیں، وہی چمڑے کا اکھرا گدا ہے، نہ حاجب ہیں، نہ دربان ہیں،

شاہی دربار

امیر بھی آتے ہیں اور غریب بھی آتے ہیں، دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے۔ عجیب دربار! سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا کہ فوج تھی، علم تھا، پولیس تھی، جلاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے،

مدرسہ، خانقاہ

منسط تھا، قانون تھا۔ مولوی کہتے مدرسہ تھا کہ درس تھا، وعظ تھا، افتاء تھا، قضا تھا، تصنیف تھی، تالیف تھی، منبر تھا، محراب تھی۔ صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی کہ دعا تھی، جھاڑ تھا، پھونک تھا، ورد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا شغل تھا، تحنث (چلہ) تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا فاقہ تھا زہد تھا قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھارے کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائیگا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے جس کو جو کہہ دیا جاتا ہے پورا ہوتا ہے۔

اسوہ جامعہ

مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا، اس لئے کہ وہ سب کے لئے آیا تھا۔ آئندہ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا جس زمانہ میں چلنا تھا، اسی روشنی میں چلنا تھا۔

صحابہؓ میں توحید کا نشہ

اور تم دیکھو کہ اسی عرب میں ایک طرف ان کا نشہ اتار گیا جن کی بڑائی میں خدا کی کبریائی کی بھی گنجائش نہ تھی، تو دوسری طرف ان ہی میں ایک اور نشہ پیدا ہو گیا کہ خدا کی بڑائی کے سوا ان کے اندر کسی کی بڑائی باقی نہ رہی، یہی وہ گروہ تھا جو "سینا" کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ قدوسیوں کی شکل میں نظر آیا، وہی موسیٰ جس کی دلیلیں مسلسل خود اپنے اندر سے اس دعویٰ کا مدعی اعلان سے پہلے پکار رہا تھا۔ اسی دعوے کے نسخہ کو ان پر بھی پیش کیا گیا

توحیدی ملکہ کی مشق پہاڑ کی کھوہ میں نہیں تلوار کے نیچے

جنہوں نے جان کر اسکو مانا تھا، یہ نسخہ ان کو پلایا گیا۔ اور کسی جنگل یا پہاڑ کے غاروں میں نہیں، تلوار کی چھاؤں میں اس کی مشق کرائی گئی۔

دوسرے پیغمبروں کے مقابلہ میں آنحضرتؐ کی کامل زندگی کی تروتازگی، سیرۃ محمدیہ کے تجربہ کاروں کی عجیب خصوصیات

ایسے انسان جن پر اس عہد کی ساری بڑائیاں ختم ہوتی تھیں، ان میں بادشاہ بھی تھے اور دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ، ان میں کمانڈر بھی تھے اور دنیا کے سب سے بڑے کمانڈر، ان میں دماغ والے بھی تھے سب سے زیادہ بیدار دماغ والے، ان میں دل والے بھی تھے سب سے زیادہ روشن دل والے۔ الغرض انسانیت کی جتنی اونچی منزلیں سوچی جا سکتی ہیں۔

انسانیت کی ساری بلندیاں صحابہؓ پر ختم تھیں

تجربہ کاروں کی یہ جماعت ان کو آخری بلندیوں پر ساری دنیا کے آگے مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے اس کا ثبوت پیش کر رہی تھی کہ اس وقت کی دنیا میں ان

سے اونچا کوئی نہیں ہے۔

نبوت! اللہ کیسی عجیب نبوت! تجربہ! اور کیسا عجیب تجربہ! کتنا روشن تجربہ، کتنا نکھرا ہوا اور صاف تجربہ، ہر قسم کی آلائشوں اور کدورتوں سے پاک و صاف تجربہ، کتنی عظیم دانائیوں کا پرکھا ہوا تجربہ، کتنی نازک ذہانتوں کا جانچا ہوا تجربہ، کتنی روشن فطرتوں کا ناپا ہوا تجربہ، کتنی بے رعب، بے جھجک طبیعتوں کا بے لاگ تجربہ، کتنے متوازن معتدل دماغوں کا نپا تلا تجربہ، چند نہیں، فوج در فوج، نسل آدم کی غٹ کی غٹ، جوق در جوق افراد کا تجربہ، اتنے افراد کا تجربہ کہ دنیا کے کسی مسئلہ یا حقیقت کے لئے نہ آج تک انسانوں کی اتنی بڑی جماعت اکٹھی ہوئی اور نہ شاید آئندہ ہو سکتی ہے۔

سیرتِ محمدیہ و پیغامِ محمدی کی حفاظت کے سامان

تجربات و مشاہدات کا یہی حیرت انگیز ذخیرہ تھا جس کی حفاظت و نگرانی کا فرض کسی خانقاہ کے درویشوں یا کسی مدرسہ کے معلموں یا کسی انجمن کے ممبروں، یا کانفرنس کے دفتریوں، یا کسی افسانہ نگار مؤرخ کی انگلیوں کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ سب جانتے ہیں کہ زمین پر روئے زمین

دنیا کی سب سے بڑی سلطنت اس کی محافظ و مبلغ قرار پائی

پر اس زمانہ کی جو سب سے بڑی قاہرہ سلطنت تھی اس نے اپنا پہلا فریضہ بھی اس کی حفاظت و تبلیغ قرار دیا، اور اس کا آخری فریضہ بھی یہی تھا درمیان کے جتنے مقدمات تھے وہ صرف اسی مقصد کے حصول کے لئے ذرائع تھے۔ دنیا کی اس سب سے بڑی سلطنت نے اپنی ہر قسم کی قوتوں کو صرف اسی کی نگرانی اور نشر و اشاعت کے لئے مخصوص اور محدود کر دیا۔

مسلمانوں سے آخری عرض

پس اے اخوانِ عزیز!

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ ھٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۔ (القرآن)

"کوشش کرو اللہ کی طرف بلانے میں کوشش کا پورا حق ادا کرتے ہوئے اسی نے (اے امتِ اسلامیہ) تم کو چن لیا ہے اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں فرمائی، یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے، اسی نے تمہارا نام "مسلمین" رکھا پہلے بھی اور اس میں بھی (کوشش کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ رسول تمہارے نگراں رہیں گے اور تم دنیا کے نگراں رہو گے، پھر لوگو! نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور زور سے پکڑو اللہ کو وہی تمہارا آقا ہے پھر کتنا اچھا آقا ہے، کتنا اچھا مددگار۔

ختمِ نبوت کے بعد ایک امت کی بعثت

جب جانے کے لئے آنے والے آتے رہے، اشخاص چنے جاتے تھے لیکن جب وہ آیا جو آنے ہی کے لئے آیا تھا تو اس کے طفیل میں اس کے ساتھ شخص نہیں بلکہ ایک امت ہی چن لی گئی، پہلے شخص مبعوث ہوتے تھے، اب ایک امت ہی مبعوث ہے یعنی اس امت کا

مسلمانوں کا قرآنی حقیقی فرض

"اصل منصب" اور "فرض حقیقی" ہے، جب تک وہ اس "منصب" پر قائم رہیں گے اور انسانوں کی نگرانی کریں گے اسوقت تک ان کے رسُول بھی اس اُمت کے نگران رہیں گے لیکن جب تم اپنے منصب سے ہٹے، اگر رسولؐ کی نگرانی کو محسوس کرتے ہو تو کیا یہی وعدہ نہیں تھا۔

ہر ملک کے مسلمان اپنے ملک کے غیر مسلموں کی طرف مبعوث ہیں

یہ امتِ مجتبیٰ و مبعوثہ ہر قوم میں ہے، ہر ملک میں ہے، پس جو جہاں ہے وہ وہیں مبعوث ہے، اس کی قوم اسی ملک کے باشندے ہیں مصیبت کی گھڑی وہی تھی جب اپنی قوم کو ہم نے اپنی قومیت سے نکالا اس کے ساتھ ان کا درد بھی دل سے نکلا، حالانکہ اگر حضرت ہودؑ کے کافر، ان کی قوم تھی، قریش رسولِ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ تھے، تو کس نے کہا کہ ہندوستان کے ہندو ہندوستان کے مسلمانوں کی قوم نہیں، مصریوں کی قوم، مصر کے قبط نہیں، یورپ کے عیسائی یورپ میں رہنے والے ترکوں کی قوم نہیں ہیں، پس جب تک "حتیٰ لا یکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ" نہ ہو تھک کر بیٹھنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، وثیقہ ہے کہ:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔

"اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ سارے دین پر وہ غالب ہو۔"

تمام ادیان و مذاہب پر اسلام کا غلبہ

دیکھو کہ لامذہبیت پر مذہبیت غالب ہے چند پیشہ ور کتاب سازوں یا سبق فروش معلّموں کو جانے دو، جو دس پانچ سو باپ کی روٹی کھاتے ہیں، عام فطرتِ انسانی پر مذہب کی گرفت اس طرح سخت ہے جسطرح ہمیشہ سے تھی۔ آخر اگر مذہبیت کا اس قدر زور ہو گیا ہے تو جس یورپ کے متعلق یہ سُنایا جاتا ہے کیوں نہیں وہاں کے باشندوں نے لامذہب ہونے کا اعلان کیا ہے۔

سچ ہے کہ انسانی دماغ کی جو ذہنی ساخت ہے اس میں اتنی تنگی یا پستی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ ماضی و مستقبل کے انجام کے فیصلہ کے بغیر وہ اپنی زندگی گذار دے، کہاں سے آیا ہوں! کہاں جا رہا ہوں! کیوں آیا ہوں! چلنے والے کے سامنے ان سوالات کے جوابات نہیں ہیں کیا وہ ایک قدم بھی آگے بڑھ سکتا ہے!

بہرحال کم از کم اسوقت تک تو دنیا میں لامذہبوں سے زیادہ، بہت زیادہ، بہت ہی زیادہ تعداد مذہبی لوگوں کی ہے اور مذاہب میں ہر حیثیت سے جو وزن اسلام کو حاصل ہے کسی کو نہیں ہے۔ پس اس کا منطقی نتیجہ کیا یہی نہیں ہوا کہ لامذہبیت پر مذہب غالب اور تمام مذاہب پر اسلام غالب اس لئے سب پر اسلام غالب ہے۔ جب مسلمان اپنی نگرانی دوسروں کے سپرد کر کے رسول علیہ السلام کی نگرانی سے اسوقت محروم ہیں، اس زمانہ میں بھی اسلام کے غلبہ کا یہ حال ہے تو کیا حال ہوگا جب دنیا کے نگران بن کر پھر رسُول کی نگرانی کی سعادت مسلمان حاصل کریں گے۔ کچھ نہیں، کوئی کام نہیں، جب تک اصل کام نہ ہوگا، کسی کام میں برکت نہ ہوگی۔ بہت آرام لے چکے، تھکن مٹ چکی، کام بہت باقی ہے، ہوتا کہ پھر نکلنے والے پھر نکلتے اور "درا" کی اس "بانگ" پر چل پڑتے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے

وقت فرصت ہے کہاں، کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ملائشیا میں بھی قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا گیا

کسی بھی قادیانی فرقہ کے افراد کی شہریت ختم کر دی جائیگی ۔ نائب وزیراعظم

قادیانی فتنہ ملک بھر میں سرطان کی طرح پھیل رہا ہے !

ملائشیا میں بھی قادیانیوں کو کافر قرار دیدیا گیا ہے اور نائب وزیر اعظم ڈاتک موسیٰ تمام نے متنبہ کیا ہے کہ جو لوگ قادیانی فرقہ کے کسی بھی گروہ سے اپنا تعلق قائم کریں گے ان کی ملائشیائی شہریت ختم کر دی جائے گی ۔

نیو اسٹریٹس ٹائمز نے اپنے سنڈے ایڈیشن میں اس کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ملائیشیا میں قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور سرگرمیوں پر مسلمانوں نے تشویش کا اظہار کیا ہے اور علماء نے متفقہ طور پر اپنے فتووں میں قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا ہے ۔ نائب وزیر اعظم داتک موسیٰ تمام نے گذشتہ روز کوالالمپور سے پچیس میل دُور ایک جامع مسجد کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قادیانی فتنہ ملک بھر میں سرطان کی طرح پھیلتا جا رہا ہے اور حکومت اس کے سدباب کے لئے ضروری اقدامات کر رہی ہے ۔

انہوں نے متنبہ کیا کہ ملائشیا کے وفاقی آئین میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جو شخص مسلمان نہیں اُسے ملائیشیا کی مسلم شہریت (ملائے) کہلانے کا ہرگز حق حاصل نہیں ہے اور اسے مسلمانوں جیسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں دی جائے گی واضح رہے کہ ملائشیا میں ۶۰ فیصد ملائے ، ۳۰ فیصد چینی اور ۱۰ فیصد بھارتی باشندے آباد ہیں ۔ داتک موسیٰ تمام نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ قادیانیوں نے دیگر ممالک کی طرح ملائیشیا میں بھی آپریشن شروع کر دیا ہے اور روز بروز ان کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جس کا تدارک ضروری ہے ۔ انہوں نے کہا کہ ملائشیا میں روحانیت اور مادہ پرستی کی بنیادوں پر بعض خفیہ اور پُراسرار تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں اسی خطرے کے پیش نظر مذہبی طبقوں کا ایک اجلاس میں بُلا رہا ہوں جس میں مسلمان ، عیسائی ، ہندو ، بدھ اور دیگر مذاہب کے اسکالر حصہ لیں گے ۔ اس سے اسلامی نظریات کو مسخ کرنے کی مذموم سازشوں پر قابو پانے میں مدد ملے گی ۔

"سیرۃ طیبہ طاہرہ پر خطبہ و مواعظ حسنہ"

مجدد تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے تربیت یافتہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدنیؒ کے تلمیذ رشید،
حضرت مولانا سید عبدالغفور صاحب عباسیؒ کے خلیفہ مجاز

نمونہ سلف حضرت مولانا

محمد ادریس انصاری

مجددی صادق آبادی

۷ رجنوری ۱۹۸۳ء کا خطبہ جمعہ جامعہ رشیدیہ ارشاد فرمائیں گے!

حضرات واحباب وارباب شوق و ذوق مستفیض ہوں۔

۶، ۷ رجنوری کی مجالس جامع مسجد غلہ منڈی ساہیوال، اور ۸ رجنوری کو "ادریس مگر فارم" قیام ہوگا

وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون

کتاب الرائے والمعائنہ

آج وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا وفد مدارس عربیہ کا دورہ کرتے ہوئے جامعہ رشیدیہ ساہیوال پہنچا۔ جامعہ رشیدیہ پاکستان کی مشہور و معروف دینی درسگاہ ہے وفد نے جامعہ کے جملہ شعبہ جات کا معائنہ کیا۔ ماشاء اللہ نظم و نسق اور تعلیم کے تمام شعبوں میں حسن ترتیب اور سلیقہ کا مشاہدہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جامعہ رشیدیہ کو ترقیات سے بہرہ ور فرمائے اور شرور و فتن سے اس کی حفاظت فرمائے۔ آمین

(دستخط)

محمد حنیف جالندھری
مہتمم جامعہ خیر المدارس

سلیم اللہ خاں
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

عبد المجید غفرلہٗ
جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا ضلع ملتان

۲-۱۰-۱۴۰۲ھ

MONTHLY. AL RASHEED LAHORE PAKISTAN

مدرسۂ راشدات

بحمد اللہ جامعہ رشیدیہ کی تعلیمات کے ساتھ تعمیرات کا تسلسل بھی چلتا رہتا ہے۔ تعلیمات میں بفضلہ تعالیٰ نمایاں ترقی اور جملہ علوم اسلامیہ، فنون عربیہ کی تدریس عروج پر ہے۔ تمام شعبوں میں مدرسہ ترقی پذیر ہے۔

ازالۂ اوہام و اطمینان قلوب کے لئے وفود وفاق المدارس العربیہ اور معائنہ کنندگان حضرات، راہنمایانِ ملک و ملت کی آراءِ گرامی ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہیں۔ یا بنظرِ خود تشریف لا کر معائنہ فرمائیے!

تعلیمات کا اندازہ اس سے لگائیے کہ عربی کے شعبوں کے علاوہ تحفیظ القرآن کے درجات میں اضافہ ہو رہا ہے اور تعلیمات کے ساتھ ساتھ تعمیرات کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔

راشدات ہال نیز عورتوں کے نماز جمعہ پڑھنے کی جگہ والی عمارت زیرِ تعمیر ہے

پچاس سے ساٹھ ہزار روپے کا تخمینۂ مصارف ہے!

صدقۂ جاریہ میں حصہ لینے والے مخیر حضرات توجہ سامی فرما کر زادِ راہِ آخرت میں حصہ لیتے ہوئے جنت میں اپنا گھر بنوائیں۔ یہ حصہ سقروض ہو رہا ہے اس لئے جملہ احباب کو فوری توجہ مبذول کرنا چاہیئے!

الداعی الی الخیر (پیر جی) **عبد العلیم رائپوری** ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال

بنام حبیب رشیدی

جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا دینی و تبلیغی مجلہ
ماہنامہ
الرشید
بادارت
فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال پاکستان

جامعہ رشیدیہ

میں
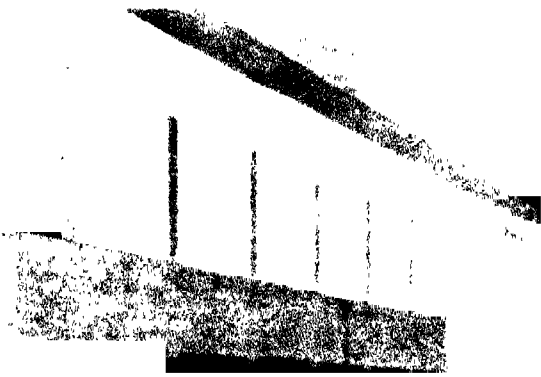
راہ نمایانِ ملت اور طلبہ کے وفود کی آمد

جامعہ رشیدیہ علماء، صلحاء، راہ نمایانِ ملت کا مرکزی ادارہ ہے!

○ نقشبندی سجادہ نشین حضرت مولانا الحاج محمد ادریس صاحب انصاری مدظلہٗ مجددی معہ رفقاء مجلس جامعہ رشیدیہ تشریف لائے۔ آپ نے "ذکر اللہ" کے عنوان پر خطاب و مواعظ حسنہ فرماتے ہوئے خطاب و خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نصائح فرمائے۔ حضرت کی تشریف آوری پر حاجی محمد صدیق صاحب قاری عبدالغنی صاحب کے شکر گذار ہیں۔

○ سراج ملت حضرت میاں سراج احمد صاحب مدظلہٗ دین پوری نے معہ جماعت علماء قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا اور جامعہ کے حادثہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے طلبہ کی عیادت فرمائی۔ آپ نے جامعہ رشیدیہ کلاں کا بھی معائنہ فرمایا اور سانحہ کی صورت حال پر مذاکرہ فرمایا اور پوری جماعت کی طرف سے اظہار ہمدردی فرمایا۔ تاہم صعت کہ حضرت میاں صاحب کی تشریف آوری پر ارباب حل رشیدیہ زیارت سے محروم رہے۔

○ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور مدظلہٗ کی طرف سے محترم جناب الحاج محمد اجمل قادری معہ احباب لاہور نے قدم رنجہ فرماکر جامعہ رشیدیہؒ اور جامعہ رشیدیہ کلاں، جائے حادثہ کا معائنہ فرمایا، ہسپتال میں طلبہ کی عیادت فرمائی۔ جامعہ کے مسائل پر تبادلہ خیالات فرماکر ادعیہ صالحہ سے نوازا۔

○ (پاکستان سوادِ اعظم اہلسنت کے ناظم اعلیٰ) مولانا محمد ضیاء القاسمی (جنرل سیکرٹری تنظیم اہلسنت پاکستان) نوجوان علماء کی قیادت کرتے ہوئے جامعہ پہنچے۔ آپ نے طلبۂ رشیدیہ سے خطاب فرمایا اور اپنی جماعتوں کی طرف سے پوری ہمدردی، اعانت، نصرۃ کا یقین دلایا۔ رشیدیہ کنونشن پر مذاکرہ و تبادلہ خیالات ہوا۔

○ دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حضرت مولانا قاضی شمس الدین شیخ الحدیث جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ اور فقیہ ملت حضرت مولانا سرفراز احمد صفدر شیخ الحدیث نصرت العلوم گوجرانوالہ کے مراسلات نیز دارالعلوم کبیر والا، جامعہ رحمانیہ جہانیاں مجلس تحفظ حقوق اہلسنت پاکستان، جمعیۃ طلباء اسلام اور کالجوں کے طلبہ کے وفود مسلسل آرہے ہیں۔

ہم جملہ حضرات کی ہمدردی کے شاکر و مشکور ہیں۔

بانی جامعہ رشیدیہ بنیادگذار: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائپوری

ماہنامہ

الرشید

جلد ۱۱ — فروری ۱۹۸۳ء

شمارہ ۴ — ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

مدیر اعلیٰ
فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر
عبدالرشید ارشد

مقام اشاعت
۳۲ سے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپے

پرنٹر
منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

خطاط
حزب اللہ خالد

آئینہ مضامین

راشدات — ادارہ

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاہِہِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ○ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ○

؎ نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن — پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

جامعہ رشیدیہ "بقول مدیر" دار العلوم دیوبند" دار العلوم دیوبند کے طرز وطریق کا واحد مدرسہ، اور پاکستان میں علمائے دیوبند کا ترجمان ادارہ ہے۔"

"جامعہ رشیدیہ" کا عصرِ حاضر کی فرقہ بندیوں، پارٹی بازیوں، موجودہ دور کی سیاسیات ملکیہ سے براہِ راست کوئی تعلق ندارد ۔ ۔ ۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ مؤسسین رشیدیہ و بانیانِ مدرسہ ہذا نے تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ اور حریت ملک، خدمتِ ملت، نیز استخلاص وطن و انخلاءِ برطانیہ کے لئے رائپوری حضرات کی تمام تر جہادات میں شریک قافلہ تھے۔ حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رحمۃ اللہ رائپوری، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ارشد اور محمودی قافلہ کے خصوصی حلقہ بگوش مگر خاموش و گمنام کارکنوں میں تھے۔

حضرت خلیفہ مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دین پوری، مدرسہ رشیدیہ رائپور (ضلع جالندھر) کے قریب قصبہ "نور محل" میں اسیر و نظر بند تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت خلیفہ صاحبؒ کے درمیان مفتی فقیر اللہؒ رابطہ تھے۔ یہ سائیں طور خشاہؒ موضع ہردوسنگھ سے ناشتہ وغیرہ اور مفتی فقیر اللہؒ اسباق پڑھا کر کتب وغیرہ لیکر قلعہ نور محل جایا کرتے تھے حضرت خلیفہ صاحبؒ رہائی کے بعد مدرسہ رشیدیہ رائپوری حضرات سے ملنے جانا چاہتے تھے مگر انگریز نے خفیہ طور پر دین پور شریف پہنچا دیا تھا۔

تقسیم ملک کے بعد مدرسہ رشیدیہ کی تعمیر ثانیہ بحکم حضراتِ رائپوری جالندھر سے منٹگمری تا ساہیوال راقم آثم خادم ناظم نے بصورتِ نشاۃ ثانیہ شروع کی، تو سب سے پہلے اپنے اُستاد و مربی و مرشد حضرت سید مدنی قدس اللہ اسرارہم سے اجازت نامہ حاصل کر کے حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی رح کے ایماء سے رشیدیہ کا احیاء کیا اور جامعہ رشیدیہ کا افتتاح بدستِ حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ بصورت درسِ قرآن حکیم سے ہوا۔ اور جامعہ رشیدیہ کا آغاز حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے فرمایا اور سنگِ بنیاد حضرت مولانا درخواستی مدظلہ، حضرت علامہ افغانی مدظلہ کے مبارک ہاتھوں رکھا گیا۔ اور جامعہ رشیدیہ نے حضرت سیدنا عبد القادر رائپوریؒ، حضرت سید علامہ بنوریؒ و حضرت مفتی محمودؒ، نیز حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ، حضرت

مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت امیر شریعتؒ، حضرت مولانا عبدالہادی دین پوریؒ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ
حضرت مولانا عبداللہ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔

جامعہ رشیدیہ تعمیر کردہ اول تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں بحکم سرکار ضبط کر لیا گیا۔ بعد ازاں جامعہ رشیدیہ مسجد اول کی چند کنال کے قریب زمین خرید کی گئی جس پر جامعہ رشیدیہ تعمیر ہے۔ جامعہ رشیدیہ کلاں کی اراضی ایک ایکڑ سردار نور محمد مؤکل مرحوم نے صدقہ جاریہ ہبہ فرمائی۔ ایک ایکڑ کے قریب حکومت سے خوش خرید کی گئی ایک کنال کے قریب خان عبدالسلام صاحب نے مدرسہ کو ہبہ فرمائی جس پر جامعہ رشیدیہ کی تعمیرات، مسجد ثانی، دارالقرآن، دارالحدیث، دارالتفسیر، دارالفقہ دارالکتب، دارالاقامہ طلبہ و درسگاہیں، مطبخ نیز مکانات اساتذہ وغیرہ تعمیر ہیں۔

دو مدارس کی تعمیرات کے باوجود، جائے تنگ شد و طلبہ بسیار! اس لئے جامعہ کی بالائی منازل کی تعمیرات کا سنگ بنیاد جامعہ اسلامیہ (مدینہ یونیورسٹی) کے نائب الرئیس نے رکھا۔ جبکہ محترم موصوف سعودیہ عربیہ سے مدارسِ عربیہ پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے، آپ نے جامعہ کو دیکھا، سنگ بنیاد نصب فرمایا، خطاب فرمایا اور پچاس ہزار روپے رقم خطیر کی اعانت فرمائی جو بالائی عمارات پر صرف کردہ درسگاہوں کے کمرے بنا دیئے گئے۔

جامعہ رشیدیہ کی نشأۃ ثانیہ کی تاریخ جد و جہد سے بھرپور ہے اور جامعہ کی قربانیاں اظہر من الشمس ہیں۔
۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں جامعہ کا کردار اور اس کا عمل دیکھنے کے لئے "منیر انکواری رپورٹ" ملاحظہ فرمائی جا سکتی ہے۔ بحمد اللہ! جامعہ کا جہاد ملک میں سر فہرست ہے۔ جامعہ کی قربانیاں علیٰ رؤس الاشہاد ایسی ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہ بات دعوے سے کہی جا سکتی ہے کہ جامعہ رشیدیہ اور اس کے اساتذہ و طلبہ نے تحریک ختم نبوۃ تحریک جہاد ۱۹۶۵ء، تحریک نظام مصطفیٰ وغیرہ میں جرأت مندانہ اقدامات کر کے مدارس و جامعات کی صحیح نمائندگی کی۔ اور تا حال مسلسل عمل جاری و ساری ہے۔ لیکن ارباب حل و عقد جامعہ کسی کیلئے رقیب یا حلیف یا مخالف نہیں۔

نظام مصطفیٰ، جمہوریت کی تحریک کے دور میں جامعہ میں اسلحہ کا سکینڈل، اسلحہ پلان، جامعہ کی چھتوں پر اسلحہ ہی اسلحہ صفوف مسجد سے ام الخبائث کا ظہور نیز مدیر الجامعہ، فاضل خطیب کے دفتر سے شراب کی شیشی کی برآمدگی، "ہیرا منڈی بازار" کے ایک مقدمہ میں ناظم مدرسہ فاضل رشیدی پر الزامات اور کردار کشی وغیرہ حوادثات نیز اسارت، نظر بندیاں اور زبان بندیوں کے ساتھ اپنے دانا مخالفین و نادان دوستوں کے حملے مزید برآں۔ طلبہ پر مختلف مصائب اور عملۂ رشیدیہ کی آزمائش، کارکنوں پر ابتلاء ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔ موجودہ دور کے آزمائش پیریڈ میں باوجود جارحانہ اقدامات کے بحمد اللہ و بفضل رسول اللہ ہم حق بجانب ہیں، حق کے محاذ پر قائم ہیں، باطل کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔

اہل ہوئی و اہل بدعت، باطل قوتوں سے خائف نہیں۔ غریب و ضعیف ہوں گے مگر ایمان و الیقان کی دولت رکھتے ہیں، کمزور ہوں گے مگر بے غیرت و بے حمیت نہیں۔ عقائدِ حقہ، مسائلِ صحیحہ، توحیدِ خالص، سنتِ نبویہ، ختم نبوت و مقام صحابہؓ کے قائل اور اس پر عامل ہیں۔ مجاہدین علماءِ دیوبند کی جدوجہد، مسلسل عمل اور جہاد و قربانی سے دین و مذہب کو خوب سمجھ کر راست اقدام کرتے ہیں اور اللہ کریم و رحیم سے استقامت و مغفرت طلب کرتے ہیں؛

؎ باطل سے ڈبنے والے اے آسماں نہیں ہم　　سو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا

اِس لئے کہ؛

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے　　آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

اِن ناگفتہ بہ کوائف و ناکردہ قصور، نیز وقتی حالات کی بنا پر عملہ جامعہ رشیدیہ نے فیصلہ اور عزم و بالجزم کیا ہے کہ مستقبل قریب میں مدارس عربیہ اسلامیہ دیوبندیہ پاکستان کی ملک گیر رشیدیہ کنونشن طلب کی جائے۔ انشاء اللہ والامر بید اللہ۔ رشیدیہ کنونشن میں مساجد اہلِ حق کے تحفظ و بقاء اور مدارس قاسمیہ، رشیدیہ، محمودیہ، مدنیہ، اشرفیہ، عثمانیہ کی حفاظت و حیات کے لئے بہت اعلیٰ، جامع نظم و نسق ترتیب دادہ، مساجد اہلسنت و مدارس دینیہ کو ایک مضبوط، طاقتور تنظیم میں منسلک کرنیکا پروگرام ہے۔ (کانھم بنیان مرصوص)

تاکہ یہ دینی و تعلیمی چٹانیں اپنی اپنی جگہ قائم و دائم رہیں۔ مدارس کو مجاہدین کے مراکز قرار دیدیئے جائیں اور ان میں تعلیمات حاصل کرنیوالے جہاں عالم باعمل، دانایانِ کتاب و سُنّت حفاظ و قراء، مقررین، محدثین، فقہاء، مبلغین و معلمین پیدا ہوں وہاں دارالعلوم کی طرح مجاہد بھی ہوں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

رشیدیہ کنونشن میں جملہ دیوبندی طبقات کو دعوتِ عام ہے اور انشاء اللہ دعواتِ خاص بھی ہوگی۔ جملہ حلقوں، اداروں کے نمائندوں کو اعتماد میں لئے جانے کی مساعی جمیلہ ہونگی اور بزرگوں، نوجوانوں اور دوستوں کے جذبات کے مطابق علماءِ دیوبند کے تمامتر طبقات اور تنظیموں کو دعوتِ وحدت اسطرح دیجائے گی کہ اختلافات چونکہ اصولی نہیں ہیں اس لئے فروعی، جزوی اور سیاسی اختلافات کو اولاً ختم یا کم از کم کر دیجئے۔ اختلافات کے باوجود مخالفت ہرگز نہ ہو اور وحدتِ عمل کی تجاویز اور اتحاد مسلک کی تدابیر پیش کی جاویں۔

جملہ مدارس، دارالعلوم، جامعات، مکاتیب نیز حضراتِ علماءِ دیوبند کے طبقات اور ان کے کارکنوں سے مستدعی ہوں کہ اپنی آراء، تجاویز، تدابیر، مشوروں سے ہماری سرپرستی، رہنمائی اور نصرت فرما کر اپنے خیالات سے مطلع و مطمئن فرمائیں۔

؎ اٹھو ورنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی　　دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ

کچھ دار العلوم دیوبند کے بارے میں

دار العلوم ہماری مادر علمی، روحانی مقام، عالم اسلام کا واحد اسلامی، دینی، تعلیمی مرکز ہے۔ دار العلوم کی ایک اینٹ کو نقصان پہنچا تو ہم حزین اور آپ بے قرار ہو گئے۔ اس لئے کہ یہ قاسم العلوم والخیرات اور صاحب رشد و ہدایت حضرت گنگوہی قدس اللہ اسرارہم، شیخ الہند اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مرشد سید مدنی رح، علامہ سید انور شاہ کشمیری رح، حکیم الامۃ حضرت تھانوی رح، شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانی رح کی امانت اور قربانیوں کا ثمرہ ہے:

کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ۔

دار العلوم سے آمدہ اطلاعات کے مطابق بحمد اللہ "دار العلوم" باضابطہ کھلا ہوا ہے اور قافلۂ قاسمی، کاروانِ رشد و ہدایت جاری و ساری اور اپنا کام بطریق احسن سرانجام دے رہا ہے اور "دار العلوم" میں کوئی اختلاف و نزاع نہ دارد ۔۔۔۔ اما الزبد فیذھب جفاء واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض ۔۔۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گاڑی تو صحیح جاری ہوتی ہے، ذرا بریک لگ جاتی ہے۔ اس کی وجہ ذرا کل پرزوں کی خرابی ہو سکتی ہے۔ غلطی و غفلت کی سزا پوری قوم کو ملتی ہے۔ اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

؎ تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

دار العلوم کے دفاتر باقاعدہ اپنا کام کر رہے ہیں اور ارکین شوریٰ اپنے فرائض و حقوق پوری ذمہ داری سے ادا کر رہے ہیں۔ تعلیمات کے محاذ پر اساتذہ و طلبۂ قاسمی و رشیدی گامزن ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ دار العلوم حسب سابق اپنے جہاد میں مصروف عمل ہے۔

ناظرین کرام اور قارئین حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دار العلوم میں دو تین دفعہ ایسا بحران آیا کہ ملتِ اسلامیہ اس بحران سے دوچار ہوئی اور اضمحلال آیا۔۔۔۔

اوّل حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رح کا دار العلوم سے ڈابھیل تشریف لے جانیکا واقعہ ۔۔۔ لیکن وہ ہجرت، جماعت کے لئے ایسی نصرت ثابت ہوئی کہ بمبئی کے علاقہ میں ایک مزید دار العلوم قائم ہو گیا، اور علماءِ دیوبند کی ایک جماعت وہاں کام کرنے لگ گئی۔ حضرت شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانی رح نے دوسرے دار العلوم میں علمی جواہرات تقسیم فرمائے۔ ایک مزید افادہ یوں ہو گیا کہ دار العلوم کو شیخ العرب والعجم حضرت مرشد سید مدنی رح جیسا مجاہد شیخ الحدیث مل گیا۔

موجودہ زمانے کی طبقاتی کشمکش اور خود دیوبندی حلقوں میں اختلاف آراء والے ابتلاء میں پاکستانی علماءِ دیوبند کے لئے

یہ عبرت کا مقام ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ دارالعلوم سے ڈابھیل تشریف لے گئے لیکن دارالعلوم کے خلاف کوئی بیان یا دارالعلوم کی مخالفت میں کوئی باقاعدہ مخالفانہ تحریک کی صورت نہ پیدا کی، اگرچہ اخبار و پریس حسب عادت اختلافات کو اچھالتے رہے لیکن حاشا و کلا اکابر نے "دیوبندیت" کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ اختلافات کے باوجود مخالفت کو ہوا نہیں دی اور دیوبندیت کے لئے وحدۃِ عمل کارفرما رہا۔۔۔

اگر اختلاف ان میں باہم گر تھا — تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا — خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا

دارالعلوم کے موجودہ بحران میں بھی فیھما اثم کبیر و منافع للناس کی صورت پیدا ہو گئی کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی دامت برکاتہم کے وجود مسعود سے ایک جدید دارالعلوم کا قیام عمل میں آگیا۔ البتہ حزن و ملال کہ دارالعلوم حضرت قاری صاحب کے کلمات طیبات سے خاموش، اور افسوس کہ حضور قاری صاحب مدظلہ دارالعلوم سے محروم ہو گئے۔ عسی ان تکرھوا شیأ وھو خیر لکم و عسی ان تحبوا شیأ وھو شر لکم واللہ یعلم و انتم لا تعلمون ۰

بہرحال دیوبند آباد و شاد ہے۔ بقول ظفر الملۃ مولانا ظفر علی خاں مرحوم

شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند — ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو — کر لیا ان غلامانِ دین قیم نے پسند

۔۔۔۔۔ اور دیوبندیت زندہ و تابندہ ہے اور دارالعلوم درخشندہ و فرخندہ۔۔۔۔۔

اسمیں قاسم ہوں کہ انورشاہؒ کہ محمودالحسنؒ — سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند
گرمیٔ ہنگامہ تیری ہے حسین احمدؒ سے آج — جن سے ہے پرچم روایات سلف کا سربلند

ہمدردان دارالعلوم اور بہی خواہان دیوبند کو چاہیئے کہ وہ اپنے مرکز کے لئے دامے درمے سخنے، قدمے اعانت و نصرت کا سلسلہ جاری رکھیں اور ادعیہ صالحہ کرتے رہیں۔ اہل علم کیلئے مقام مسرت کہ ماہنامہ مجلّہ "دارالعلوم" پہلے کی طرح قلمی محاذ پر حضرات اراکین شوریٰ کی سرپرستی میں چل رہا ہے اور دارالعلوم میں سب اچھا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

عافظ رشید ارشد

مقالہ سیرت

تحریر: فاضل رشیدی فاضل دیوبند

اسلام کا عادلانہ نظام

یہ مقالہ "صوبائی سیرت کانفرنس" منعقدہ ۱۴ جنوری ۱۹۸۳ء
باہتمام محکمہ اوقاف پنجاب تحریر کردہ پڑھا گیا۔
بشکریہ چوہدری آفتاب احمد خان صاحب ناظم اعلیٰ محکمہ اوقاف
"الرشید" میں شائع کیا جاتا ہے!

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ ولا کتاب بعد کتابہ ولا نظام بعد نظامہ

؎ خدا در انتظار حمد ما نیست — محمد چشم برراہ ثنا نیست
محمد از تو میخواہم خدا را — خدایا از تو حبّ مصطفےٰ را

امابعد! قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ العدل اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ

صدر ذیشان و برادرانِ پاکستان!

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانفرنس کی مبارک تقریب اور سعید اجتماع میں، سیرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مقالاتِ سیرت پیش خدمت کئے جا رہے ہیں۔

میرا عنوان نظامِ عدل ہے، اور سیرت محمدی کا نام ہی نظام عدل ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ پروگرام عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ دنیا کے سب سے بڑے عادلِ اعظم نبی اکرم علیہ السلام ہیں۔ آپ نے عدل و انصاف کا قانونِ اعدل پیش فرمایا۔ آپ نے عادلانہ نظام کی دائمی کتاب عدل میں انسانیت کو درسِ عدل دیتے ہوئے فرمایا:

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا، اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ۝

یعنی: کسی قوم سے اختلاف و عداوت کی وجہ سے عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ بلکہ عام دُنیا کے عدل سے بڑھ کر ایسا عدل کا نمونہ پیش کرو جو تقویٰ کے سب سے زیادہ قریب ہو۔

سبحان اللہ! کیا عادلانہ نظام ہے گویا کتاب حکمت کا تقاضا ہے کہ صرف عدل کافی نہیں محض عدل و انصاف تو ساری دنیا کی آواز ہے لیکن نظام عدل میں تقویٰ و طہارت مطلوب و مقصود ہے۔ اور پیام عدل یہ ہے:

؎ سبق پڑھ پھر عدالت کا صداقت کا شجاعت کا		لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

حضراتِ گرامی! جب عادلِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو دنیا میں عدل و انصاف مفقود تھا، اور بے اعتدالی و ناانصافی کا دَور دورہ تھا۔ دنیائے انسانیت عدل و انصاف کو آوازدیتی لیکن کوئی شنوائی نہ ہوتی تھی، جہالت کا زمانہ ظلم و ستم کا راج تھا۔ انسانیت سسکیاں لے رہی تھی، مدہوش تھی، خُدا کے گھر میں تین سو ساٹھ تصاویر آویزاں و چسپاں تھیں جن کی نمائش اور پُوجا ہوتی تھی لوگ شرک و کفر اور فحاشی میں مبتلا تھے عدل و انصاف عنقا تھا۔

ع یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت

بقول حالیؔ!

؎ اُتر کر حرا سے سُوئے قوم آیا		اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی		عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی

حضرات! اُم القریٰ اور مکی زندگی میں فی الحال عدل و انصاف کے تقاضے پُورے نہ ہو سکتے تھے کہ مکی حکومت کا عادلانہ نظام نہ تھا بلکہ ظالمانہ قوانین و مشرکانہ دساتیر چل رہے تھے اس لئے عالم کی سب سے بڑی انصاف پسند شخصیت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑ کر ہجرت اختیار فرمائی۔ اور آپ کے ساتھ آپکی جماعتِ صحابہ نے بھی ہجرت و نصرۃ فرمائی۔ اور آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔

مدینہ منورہ میں اسلامی نظام اور عادلانہ نظام آپ کی سیرتِ پاک کی روشنی میں جاری و ساری ہوا۔ مدنی زندگی عدل و انصاف کی زندگی تھی۔ آپ کی سیرت و اسوۂ حسنہ کی تعلیمات کا نام عدل ہے جو اسوقت میرا موضوع ہے!

صدرِ ذی قدر! آج دنیا عدل و انصاف، امن و امان، ترقی و سلامتی کے دعوے کرتی اور نعرے لگاتی ہے لیکن عدل کی بجائے ظلم و ستم بڑھ رہا ہے اور نئی روشنی کے زمانے میں عوام ظلمات میں مبتلا ہیں۔ امن و امان کے اجارہ داروں نے عدل کی بجائے جور و ستم جنگ و جدال، لڑائی جھگڑا پھیلانا شروع کر دیا ہے اور تہذیب و تمدن اور تعلیم کے نام پر ضلالت و فساد برپا کر دیا گیا ہے؛ بقول شاعر

؎ تم نے پھولوں کو چُھوا کانٹا بنے مُرجھا گئے		اور اس نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کر دیا

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظامِ عدل نے عرب و عجم کو امن و امان کا درس دیا۔ موجودہ سیاستدانوں، دانشوروں کے مقابلہ پر ساری دنیائے انسانیت کو اخوت و عدل کا سبق پڑھایا۔

برادرانِ کرام! آئیے میں آپ کو مدینہ شریف کے محلِ عدل کی دعوت دوں۔ مدنی سرکار نے مدینہ میں فرش پر بیٹھ کر عدالت قائم فرمائی اور عدل و انصاف کیسا تو ایسے فیصلے فرمائے کہ دنیا مامون و مصئون ہوئی۔

مدینہ کے دس سالہ قیام میں چوری، بدکاری اور شراب کا صرف ایک آدھ کیس پیش ہوا۔ مدینہ کا معاشرہ طیبہ

طاہرہ، مطہرہ ہوگیا۔

عدل محمدی سیرتِ محمدی کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے!

حضور علیہ السلام کے سامنے ایک عورت فاطمہ مخزومیہ کی چوری کا مقدمہ پیش ہوا۔ چوری ثابت ہوئی حضورؐ نے ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم صادر فرمایا۔ بعض لوگ حسبِ نظام معاشرہ سفارش کرنے لگے اور مصلحتوں کا تذکرہ ہونے لگا۔

تاریخ مدینہ اور آثار محمدیؐ میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ آپ نے نظام عدل محمدی کے مطابق فرمایا لو ان فاطمة بنت محمد رسول الله سرقت لقطعت يدها (او كما قال) یہ تو فاطمہ مخزومیہ ہے اگر فاطمہ بنت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرے گی تو قطع ید کی سزا نافذ ہوگی۔

عدل محمدی کی دوسری مثال اساریٰ بدر کا واقعہ ہے۔ بدر کے قیدیوں میں حضور علیہ السلام کے چچا حضرت عباسؓ بھی ماخوذ تھے۔ بعض اصحاب نے بطور خاص ان کے لئے مراعات کا تذکرہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساواۃ محمدی کے پیش نظر خصوصی رعایت نہ دی باوجودیکہ حضرت عباس کی تکلیف کا حضورؐ کو احساس تھا۔

عدل فاروقی میں جنگ قادسیہ کی جنگ عظیم کے وقت سپہ سالاران ایران نے حضرات صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ تم ہم پر کیوں چڑھائی کرکے آئے ہو؟ پہلے بھی عرب بدو آتے تھے اور لوٹ مار کر چلے جاتے تھے لیکن اب تمہارا آنا بالکل دوسری نوعیت کا ہے! آخر معاملہ اور تمہارا مدعا کیا ہے؟

حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ: "انا ارسلنا لنخرج الناس من ظلمات الجهال الى نور الايمان ومن جور الملوك الى عدل الاسلام"۔

سامعین عظام! اللہ کے آخری نبی کے وصال کے بعد آپ کا قائم کردہ عادلانہ نظام خلافت صدیقی کی صورت ظہور پذیر ہوا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافۃ عدل علی منہاج النبوۃ جاری وساری رکھی۔

فاروقی خلافت کے دور میں عدل فاروقی دنیا میں ضرب المثل ہوا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عدل اعظم دنیا میں نمودار ہوا۔ فاروقی عدل، عالم میں مثالی حکومت کا نقشہ ونمونہ تھا۔ فاروقی نظام عدالت اور سیاست نے قیصر وکسریٰ کے ظالمانہ نظام حکومت کی بجائے عدل وانصاف کا ریکارڈ قائم فرمایا۔ فاروقی عدل نے شیر وبکری کو ایک گھاٹ پانی پلایا۔

دوستو، بزرگو! یہی عدل فاروقی، عدل عثمانی کی صورت ترقی کرتے کرتے عدل حیدری بن کر چمکا اس نظام عدل کا نام خلافتِ راشدہ ہے۔

واجب الاحترام بزرگو! سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ انقلاباتِ عدل حضورؐ کی ہی سیرت پاکیزہ کا ثمرہ ونتیجہ ہے جو دورِ اول کے مسلمانوں حضرات صحابہ کرام میں رسوخ ونفوذ کرگیا اسی واسطے حضور پاکؐ نے فرمایا: صحابة كلهم عدول۔ ولله در القائل

ے دُرفشانی نے تیری قطروں کو دریا کردیا دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
خود نہ تھے جو راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

آج بھی اگر ہم عدل و انصاف تقویٰ و طہارت کے تقاضے پورے کر کے اپنے ماحول کو پاک صاف بنالیں تو معاشرہ عادلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اُسوۂ حسنہ کے حامل نے عدل کی دعوت، عدل کا پیام، عدل کا نظام اور عدل کا پروگرام دیتے ہوئے آخری وقت چھوٹوں پر رحم، غلاموں پر شفقت اور غریبوں سے حسن سلوک اور صلۂ رحمی کی وصایا فرمائی تھیں۔ آپ کے انقلاب عدل کو ایک غیر مسلم قومی شاعر نے یوں پیش کیا ہے:

ے کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کردیا کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کردیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

ے

ے یا ربّ صلّ وسلم دائماً ابداً علی حبیبك خیر الخلق کلهم
هو الحبیب الذی ترجی شفاعته فی کل هول من الاهوال مقتحم

فقط ههنا منا تم الکلام
علی مصطفٰنا الوف السلام

۱۲ ربیع الاوّل کے جشن

وطن میں جشن میلاد النبیؐ ہر سمت برپا تھے
عقیدت اور محبت کے مُظاہر رُوح افزا تھے
مگر ترکِ اطاعت سے ہوا ترکِ عمل پیدا
کسی نے یہ بھی سوچا، آج ہم کیا، اور کل کیا تھے؟

وقار انبالوی

بیت اللہ

ع وہ دُنیا میں گھر پہلا خُدا کا

جہاں گورنر ہاؤس کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے رہتے ہیں!

مکہ مکرمہ میں دُنیا کی بیشمار قومیں آباد ہیں۔ کچھ ایسی قومیں ہیں جن کو یہاں آئے ہوئے نصف قرن سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اور زیادہ تر لوگ ایسے ہیں جو پٹرول کی دولت نکلنے کے بعد یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ مکہ مکرمہ شہر کا سنٹر (مرکزی حصہ) مسجد الحرام ہے اس شہر میں گھومنے والی ہر بس کی ابتداء و انتہا مسجد الحرام سے ہوتی ہے۔ سڑکیں اور گلیاں اس ترتیب سے بنائی گئی ہیں کہ ہر سڑک گھوم کر بیت اللہ شریف تک پہنچ جاتی ہے اس لئے یہاں آنیوالے حجاج کرام کو بغیر گائیڈ کئے اپنے مکانات آسانی سے مل جاتے ہیں۔

دوسرے صوبوں کی طرح مکہ سٹیٹ کا گورنر امیر ماجد بن عبدالعزیز مکہ مکرمہ میں ہی رہتا ہے گورنر ہاؤس کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں تاکہ تکلیف زدہ اپنا مدعا بیان کر سکے بیشتر معاملات گورنر صاحب خود ہی حل کرتے ہیں۔

گورنر مکہ امیر ماجد بن عبدالعزیز اور میئر جناب عبدالقادر کوشک کی دن رات انتھک کوشش سے یہ شہر تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ پرانی عمارتوں کی جگہ نئی عمارات تعمیر ہو رہی ہیں۔ حرم شریف کے گرد و نواح میں عمارتوں کو مسمار کر کے حاجیوں کی آسائش کے لئے بڑے بڑے ہال تعمیر کئے جا رہے ہیں تاکہ غریب ملکوں سے آئے ہوئے حجاج جو رہائشی اخراجات برداشت نہیں کر سکتے ان میں رہیں۔

دنیا کا یہ واحد شہر ہے جس میں ہر سال تقریباً پندرہ لاکھ سے بیس لاکھ تک باہر سے لوگ آ کر یہاں ایام حج میں قیام کرتے ہیں اس شہر کی یہ برکت ہے کہ ایک ہی وقت میں اتنے عظیم اجتماع میں بھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں کی جا سکتی۔

مکہ واٹر سپلائی انسانی زندگی میں تازہ ہوا کے بعد سب سے زیادہ ضرورت کی چیز پانی ہے جو کہ قدرت کا ایک عظیم عطیہ ہے مکہ واٹر سپلائی اور ٹریفک کنٹرول حکومت کے خصوصی ترقیاتی ادارے اور فعال شعبے ہیں۔

سعودی تعلیمی معیار تعلیمی میدان میں اسوقت سعودی عرب میں اچھی نہج پر کام ہو رہا ہے۔ سال میں کئی کئی تعلیمی کانفرنسیں ہوتی ہیں جن میں جدید سائنس، ٹیکنالوجی پر بڑے بڑے سکالر مقالے پڑھتے ہیں۔ یوں تو بہت سارے مدرسے کالج ہیں لیکن جامعہ الملک عبدالعزیز آل سعود کی شاخ بھی ہر شہر میں موجود ہے جہاں ہزاروں طلباء ملکی و غیر ملکی جدید

قدیم علوم حاصل کرتے ہیں۔ جامعہ سے ملحقہ کلیۃ الشریعۃ ہے جس میں علم حدیث و فقہ کے بڑے بڑے عالم درس حدیث دیتے ہیں مکہ معظمہ شروع ہی سے علم وادب کا مرکز رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شہر علمی وادبی لحاظ سے دنیا میں اپنی یکتا شہرت رکھتا ہے۔ یہاں سے عربی ادب وثقافتِ اسلامی کے فروغ کے لئے ایک جریدہ "الندوہ" روزنامہ بھی نکلتا ہے۔

یوں تو سعودی عرب سے عربی زبان میں کئی اخبار نکلتے ہیں یہاں کے مشہور اخبار جریدۃ عکاظ، المدینۃ المنورۃ، الجزیرۃ البلاد، الریاض وغیرہ۔ چند ایک انگریزی اخبار بھی نکلتے ہیں جن میں سب سے بڑا "عرب نیوز" ہے۔

سعودی عرب میں سب سے پرانا اخبار "جریدۃ الندوۃ" ہے۔ اس جریدے کو دوسرے تمام اخبارات پر کئی درجہ فوقیت حاصل ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے نکلتا ہے اور اسلامی ادب وثقافت کا ترجمان ہے لغو اور فضول خبروں سے پاک ہوتا ہے۔ یہ سعودیہ عربیہ کا سب سے پہلا اخبار ہے جسے حکومتِ سعودیہ نے صاحب الامتیاز کے لقب سے نوازا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سعودیہ عربیہ تعلیمی میدان میں دنیا کے ترقیاتی ممالک کی طرح نئے نئے طرز کی یونیورسٹیاں قائم کر رہا ہے دو سال قبل جب جلالۃ الملک خالد بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ کے دورے پر آئے تو انہوں نے اعلان کیا کہ اس سال کے اوائل میں یہاں ایک نئی یونیورسٹی قائم کی جائے گی (جامعۃ اُم القریٰ) اس کا نام ہوگا۔ شاہ کے اس اعلان کو بہت سراہا گیا اور اخبارات نے بڑی شہ سرخیوں کے ساتھ اس خوشخبری کو شائع کیا۔ شاہ کو عوام کی طرف سے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا

چونکہ یہ شہر اسلامی روایات ادب وثقافت اور اسلامی تہذیب کا گہوارہ ہے اس لئے ضروری تھا کہ اس شہر میں ایک یونیورسٹی ہو جو اسلامی نشاۃ ثانیہ میں اہم کردار ادا کرے۔ نئی نسل ملک وقوم کی معمار ہے اگر اس نسل کو دینی تعلیم سے مزین کیا گیا تو انشاء اللہ اس کا اثر نہ صرف اسلامی ملکوں پر پڑے گا بلکہ پوری دنیا میں دین اسلام عملی طور پر جلوہ افروز ہوگا۔

حرمین شریفین سے ہمارے برصغیر کا تعلق صدیوں سے ہے۔ مکہ مکرمہ میں چالیس فیصد آبادی برصغیر کے مسلمانوں کی ہے جو کئی صدیاں پہلے یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ پٹرول کی دولت نکلنے کے بعد یہاں وسیع پیمانے پر تعمیراتی کام شروع ہوا تو خصوصاً مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہمارے ملک کے ڈاکٹر انجینئر اور لیبر طبقہ کے لوگ آکر آباد ہوگئے چونکہ ان دنوں غیر مسلموں کا داخلہ بند ہے اس لئے مسلمانوں کو ہی ان شہروں میں آباد ہونے کا موقع ملا۔

پاکستانیوں کے بچوں کی تعلیم کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے سعودی قانون کے مطابق کسی بھی غیر ملکی ادارے کو تعلیمی مرکز کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔ پچھلے مہینے مکہ مکرمہ مقیم پاکستانیوں اور ہندوستان کے مسلمان باشندوں کو یہ خوشخبری سنائی گئی کہ ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے اسکول قائم کیا گیا ہے جس کا نام "جنت الاطفال" ہے۔

شہر کا وسطی حصہ حرم شریف ہے اس لئے تمام تر بازار بڑے بڑے رہائشی ہوٹل (گھوا) حرم کے چاروں اطراف میں ہیں حرم کے مغرب کی جانب بابِ ابراہیمؑ اور باب ابوبکرؓ کے سامنے کا حصہ بڑا گنجان ہے۔ اس علاقہ کو سوق الصغیر کہا جاتا ہے ایک طرف تو محلہ مسفلہ تک پھیلا ہوا ہے دوسری جانب الشبیکہ حارت الباب تک وسیع ہے یہاں۔

ضرورت کی ہر چیز آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑا ہوٹل الفتح و فندق الحرام بھی اسی سوق میں ہے۔ اس مارکیٹ میں ایک جانب سبزی اور گوشت کی دکانیں ہیں جہاں صبح سویرے بہت بڑی منڈی لگتی ہے ہر چیز تازہ مل جاتی ہے سبزیاں زیادہ تر مکہ مکرمہ کے قرب و جوار میں پائی جاتی ہیں۔ وادئ فاطمہ سے آئی ہوئی سبزیاں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ فروٹ طائف کے بازار کا صبح کے وقت سستے داموں مل جاتا ہے۔ گوشت میں بکری کے گوشت سے لیکر اونٹ کے گوشت تک تازہ بتازہ مل جاتا ہے۔ دوسری جانب میڈیکل سٹورز اور صرافوں کی دکانیں ہیں۔ حرم شریف میں نماز پڑھنے کے بعد حج کے زمانے میں حاجیوں کی بھیڑ اس مارکیٹ میں پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہاں میلے کا سماں رہتا ہے۔

حاجی چاہے اپنے ملک سے کوئی بھی کرنسی لیکر یہاں آتے ہیں یہاں صرافوں سے اس کے بدلے ریال مل جاتے ہیں جس سے وہ ہر چیز باآسانی خرید سکتے ہیں۔ اس ایریا میں پاکستانی ہوٹل بھی ہیں ساتھ ہی پاکستان کی بنی ہوئی مٹھائیاں، پان وغیرہ بھی مل جاتے ہیں۔ شام کے وقت بک سٹال پر پاکستانی اخبارات اور دیگر رسائل باآسانی مل جاتے ہیں ان تمام سہولتوں کی وجہ سے ہمارے ملک کے لوگ یہ محسوس نہیں کرتے کہ وہ غریب الوطن ہیں۔ مشرق کی جانب الصفا والمروۃ کی معروف پہاڑیاں ہیں۔ صفا و مروہ سے نکلتے ہی مکہ شہر کا سب سے بڑا بازار الغزہ ہے اس سے ملحق قدیم بازار بھی ابھی تک موجود ہے یہاں سیلزمین زیادہ تر پاکستانی ہیں اس لئے خرید و فروخت کے وقت زبان کا مسئلہ نہیں رہتا۔

مکہ مکرمہ کا قدیم قبرستان جنت المعلیٰ ہے یہ وہ قبرستان ہے جس میں جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی قبر بھی یہیں واقع ہے چونکہ یہ قبرستان متبرک ہے اس لئے مقیم مکہ تقریباً سب یہاں دفن ہوتے ہیں۔ قبروں کی ساخت ہمارے ملک کی قبروں سے مختلف ہے۔ احادیث کی روشنی میں قبروں کی سطح زمین کے برابر رکھی جاتی ہے۔ قبریں گہری بنائی جاتی ہیں جن میں بیک وقت آٹھ جنازے دفن ہو سکتے ہیں جنت المعلیٰ تک الغزہ سٹریٹ ختم ہو جاتی ہے یہاں سے مشرق کی جانب یہ سڑک محلہ الحوض سے ہوتی ہوئی منیٰ مزدلفہ اور عرفات تک پہنچ جاتی ہے اسی سڑک پر مکہ گورنر ہاؤس مکہ پولیس ہیڈ کوارٹر اور رابطہ عالم اسلامی کی عمارتیں واقع ہیں۔ بلدیہ مکہ کی نئی عمارت بھی اسی سڑک پر بن رہی ہے۔

بلدیہ مکہ بلدیہ مکہ کی کارکردگی دوسرے شہروں سے بڑے اچھے نہج پر ہے کارکنان کرام اس عظیم شہر کی صفائی کے لئے مقرر ہیں۔ ایام حج میں تو دن رات صفائی کی جاتی ہے اور اس کام کے لئے شہر میں پانچ ہزار ورکر ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ جگہ جگہ سڑکوں کے ساتھ درخت اور پودے لگائے جا رہے ہیں۔ بلدیہ مکہ نے اگلے پانچ سالہ منصوبہ میں شہر میں تمام پرانی عمارتوں کو مسمار کر کے نئے طرز پر جدید اور خوبصورت عمارتیں بنوانے کا پروگرام بنایا ہے تاکہ یہ شہر عظمت و خوبصورتی کے ساتھ ضیوف الرحمٰن کو مرحبا کہے۔

مکہ وزارت صحت یہ مکہ مکرمہ کی عظمت ہے کہ ہر سال لاکھوں انسان ایک شہر میں جمع ہوتے ہیں۔ بھانت بھانت

کہ یہ لوگ جن میں بچے بڑے اور خواتین ہوتی ہیں لیکن یہاں کوئی مرض وبائی نہیں پھیلا۔ حکومت نے عوام اور حاجیوں کی طبی سہولت کے لئے وزارت الصحۃ منطقۃ العربیہ کا ہیڈ کوارٹر مکہ مکرمہ میں ہی رکھا ہے تاکہ طبی سہولتیں زیادہ سے زیادہ میسر ہوں اسوقت یہاں چار بڑے ہسپتال ہیں ہر محلہ میں چھوٹے چھوٹے ہسپتال ہیں ۔ ان ہسپتالوں میں صبح سے لیکر رات آٹھ بجے تک کافی رش رہتا ہے ۔

جزیرۃ العرب میں عربی زبان کے علاوہ اور کوئی بھی زبان نہیں بولی جاتی۔ البتہ ہر علاقہ کے لب ولہجہ میں کچھ فرق ہے مکہ مکرمہ، جدہ، مدینہ منورہ حجاز میں شمار ہوتے ہیں یہاں پورا سال دنیا سے لوگ آتے رہتے ہیں مختلف زبانوں کا ملاپ ہونے کی وجہ سے مکہ والوں کی عربی دوسرے صوبوں سے کچھ مختلف ہے منطقی اور ادبی زبان تو ایک ہی ہے ۔

یہاں کے تاجر تقریباً دنیا کی ہر زبان جانتے ہیں اور وہ دیگر ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کی عادات و مزاج سے بھی خوب واقف ہیں موسم حج میں یہ شہر دلہن کی طرح سج جاتا ہے حرم شریف کے تجارتی مرکزوں میں ساری رات چہل پہل رہتی ہے اس شہر میں دو طبقے کے لوگ ہیں ۔ ایک طبقہ تو ان لوگوں کا جو بہت زیادہ امیر ہے اور دنیاوی امور میں بہت شاطر ہیں ۔ دوسرا طبقہ نسبتاً اوسط درجہ کے لوگوں کا ہے یہ لوگ قرب وجوار کے دیہات سے آکر آباد ہوئے ہیں جن کو بدو کہا جاتا ہے ۔

بدو اگرچہ شہری زندگی میں آکر گھل مل گئے ہیں لیکن ان کی پرانی زندگی میں فرق واقع نہیں ہوا ۔ بدو چار چار شادیاں کرتے ہیں کچھ لوگوں کا مقامی تجارت میں بھی بڑا ہاتھ ہے ۔ بدوؤں میں زیادہ طبقہ ملازم پیشہ ہے ان کی بودوباش مقامی لوگوں سے مختلف ہے بدوؤں کے شہر میں اپنے محلے ہیں عموماً محلے کے تمام لوگ آپس میں رشتہ دار ہوتے ہیں یہ لوگ ہمیشہ آپس میں شادیاں کرتے ہیں۔ شادی کرنے کے طور طریقے بھی مختلف ہیں ۔

مکہ شہر کے لوگ اپنی شادیاں شادی ہال یا ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں کرتے ہیں ۔ حرم شریف سے شمال مغرب میں

بیت اللہ ——— ○ ——— رحمت اللہ

وہ بیت اللہ جہاں اللہ ہی اللہ یاد آتا ہے ۔۔۔ وہ خوش تر حرم کا پاک نقشہ یاد آتا ہے
طوافِ کعبہ کرنا بوسہ لینا حجرِ اسود کا ۔۔۔ اس میکدۂ نور وحدت کا نقشہ یاد آتا ہے
برستی ہیں ہمیشہ رحمتیں جس سبز گنبد پر ۔۔۔ وہ انوار الٰہی کا خزانہ یاد آتا ہے
زہے وہ یادگار رحمت اللہ صاحب عرفاں ۔۔۔ خوشا دار العلوم صولتیہ یاد آتا ہے

مقیم اب دل میں ہے ارماں کعبے کی زیارت کا
سعادت حج کی ہو حاصل کہ مکہ یاد آتا ہے

آٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر وادی تنعیم جاتے ہوئے مسجد عائشہ ہے یہاں آنیوالا ہر حاجی کم از کم ایک مرتبہ عمرہ کرنے کے لئے اس مسجد میں دو رکعت نفل پڑھنے آتا ہے اور یہاں سے احرام باندھ کر حرم شریف کا قصد کرتا ہے اسی مسجد کے قریب بلدیہ مکہ کا شادی حال جس کو یہاں حدائق الزاہر کہتے ہیں موجود ہے یہاں ہر ہفتے جمعرات اور جمعہ کو شادیوں کی پارٹیاں منعقد ہوتی ہیں اس ہال میں مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ہال ہیں۔ حدائق الزاہر ہال کا ایک رات کا کرایہ دس ہزار ریال ہے۔ یہاں بچوں کی تفریح کے لئے سرکس وغیرہ بنے ہوئے ہیں شام کے وقت لوگ اپنے بچوں کو لیکر آتے ہیں اور ان کی تفریح ہو جاتی ہے۔

اسی روڈ پر کھر بارکہ (مکہ پاور سٹیشن) ہے مکہ سے نکلنے والے روزنامہ "الندوہ" کا صدر دفتر بھی اسی روڈ پر واقع ہے یہاں سے کچھ فاصلے پر مکہ شہر کا سائیٹ ایریا شروع ہو جاتا ہے اور اس کیساتھ مکہ شہر کی سنٹرل جیل ہے۔

حدائق الزاہر کے علاوہ لوگ شادیاں اور دیگر تقریبات مکہ انٹر کانٹی نینٹل میں بھی کرتے ہیں اس ہوٹل میں کام کرنیوالے زیادہ تر پاکستانی ہیں۔ عرب لوگوں کا زیادہ پسندیدہ کھانا طعام ہندی ہے خاص کر شادیوں کے موقع پر لوگ طعام ہندی کو پسند کرتے ہیں چونکہ عرب لوگ بغیر مرچ کے کھاتے ہیں اسلئے آرڈر بک کراتے وقت مرچ نہ ڈالنے کا ضرور کہتے ہیں۔

تقریبات میں طعام ہندی کے علاوہ (رز عربی) عربی چاول کا استعمال بھی زیادہ ہوتا ہے۔ عربی چاول پکانے کا طریقہ بہت مختلف ہے جو سوائے یہاں کے باشندوں کے اور کوئی صحیح طریقہ پر نہیں پکا سکتا۔ شادیوں میں نکاح کی رسم پہلے ادا کی جاتی ہے رخصتی عموماً ایک سال کے اندر اندر ہو جاتی ہے نکاح کی رسم کو یہاں خطوبہ کہتے ہیں۔ مہر میں پچاس ہزار ریال سے ایک لاکھ ریال تک دیا جاتا ہے۔ مہر فریقین کی رضامندی سے کیا جاتا ہے یہاں شادیوں میں بینڈ باجے نہیں بجائے جاتے البتہ عربی لڑکیاں دف بجاکر دولہا اور دلہن کو سرحبا کہتی ہیں ولیمہ کی رسم ادا کرنے کے بعد دولہن ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ وقت کے لئے میکے چلی جاتی ہے اس دوران دلہن والے دولہا کے عزیز و اقارب کی دعوت بھی کرتے ہیں۔ شہری لوگوں کی طرح بدو بھی اپنی شادیاں اعلیٰ پیمانے پر کرتے ہیں لیکن ان کی شادیاں غیر ضروری رسومات سے پاک ہوتی ہیں۔ (المنبر)

سیرۃ الرسولؐ

ڈاکٹر آصف قدوائی
(پی۔ ایچ۔ ڈی)

خلق عظیم

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

انسان معاشرہ میں پیدا ہوتا ہے اور اسی میں جیتا اور مرتا ہے۔ ارسطو نے اسے ایک "معاشرتی جانور" کہا ہے ماں کی آغوش سے لیکر لحد کی آغوش تک اس کی زندگی معاشرہ کے مختلف علاقوں اور رابطوں میں جکڑی ہوئی ہے ان علاقوں اور رابطوں کی اسے ہر وقت ضرورت ہے یہ اس کی بشریت کے اجزاء ہیں، ان کو توڑ کر وہ ایک انسان کی طرح زندگی بسر نہیں کرسکتا ہے۔ ارسطو ہی کا قول ہے کہ "جسے معاشرہ کی حاجت نہ ہو وہ یا خدا ہے یا درندہ، انسان نہیں"

ہماری اِس خصوصیت نے ہمارے وجود کے گرد حقوق و فرائض کا ایک وسیع جال بُن دیا ہے۔ ہم پر ہمارے گھر کے حقوق ہیں، ہمارے شہر، ہمارے ملک اور کل دنیا کے حقوق ہیں اور ان سب پر ہمارا حق ہے۔ جو شخص ان حقوق اور ذمہ داریوں کو برتنے میں جتنا زیادہ کامیاب ہوا، اُسے اُتنا ہی زیادہ شریف، شائستہ اور معیاری شہری سمجھا جاتا ہے۔

ایک فرد اور دوسرے فرد یا افراد اور معاشرہ کے رشتوں اور تعلقات کو عدل و انصاف اور ہمدردی اور سلامتی کی بنیادوں پر رکھنے کے لئے دو چیزیں ہیں۔ "قانون اور اخلاق" ہماری نجی اور اجتماعی زندگی کی عافیت اور اس کے صاف ستھرے پن کا انحصار انہیں پر ہے۔

دُنیا کے سارے مذہبوں نے اپنی بنیاد اخلاق پر رکھی ہے۔ اسلام نے تو ایک طور پر اخلاق کی اہمیت کو عبادت سے بھی بڑھا دیا ہے اور جبکہ کفر و شرک کے علاوہ ہر گناہ خدا کے نزدیک معافی کے قابل قرار دیا ہے بایں ہم انسانوں کے اخلاقی فرائض کی کوتاہی کی معافی ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے حق میں وہ ظلم ہوا ہو۔

اِسلام اخلاق حسنہ کو ایمان کی پہچان اور اس کے نتائج و ثمرات بتاتا ہے جن مسلمانوں کے اخلاق جتنے اچھے ہوں اُتنا ہی اس کا ایمان مضبوط اور اس کی عبادت مقبول ہوگی۔ اگر کوئی شخص ایمان کا دعویدار ہو اور خدا کی عبادت کا بھی اہتمام رکھتا ہو مگر اخلاق کی دولت سے محروم ہو اور اہل وعیال اعزّا و اقربا، دوست و احباب، پڑوسی، اہل وطن اور ساری انسانی برادری حتیٰ کہ جانوروں تک سے جو اس کا تعلق ہے اسے بحسن و خوبی انجام نہ دیتا ہو تو یہ عملی ثبوت اس بات کا ہوگا کہ اس کا ایمان اس کی زبان سے اُتر کر اس کے نفس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچا ہے۔ گویا کہ ہمارے اخلاق ہمارے ایمان کی کسوٹی ہیں ہم اپنے اخلاق کے آئینہ میں اپنی رُوح کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو خادمِ خاص تھے کہتے ہیں کہ :

"میں نے دس برس تک آپ کی خدمت کی مگر آپ نے کبھی کسی معاملہ میں باز پرس نہیں فرمائی۔" (صحیح مسلم)

مالک بن حویرث جو بیس دن تک آپ کی صحبت میں رہے کہتے ہیں کہ آپ رحمدل اور رقیق القلب تھے۔ (صحیح بخاری)

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کیمیائے سعادت میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

"آپ مویشیوں کو خود چارہ ڈالتے تھے، گھر میں جھاڑو دے لیتے، بکری دودھ لیتے، خادموں کو ان کے کاموں میں مدد دیتے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے، بازار سے سودا خرید لیتے، ادنیٰ و اعلیٰ کو پہلے خود سلام کرتے، کوئی ساتھ ہو لیتا تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتے، غلام و آقا، حبشی و ترک میں فرق نہ کرتے، رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے، کیسا ہی حقیر شخص دعوت دیتا، قبول فرما لیتے، جو کھانا سامنے رکھدیا جاتا رغبت سے کھا لیتے، رات کے کھانے سے صبح کے لئے اور صبح کے کھانے سے رات کے لئے اٹھا نہ رکھتے۔ نیک مزاج نرم خو، کشادہ دل اور خندہ جبیں تھے، مگر زور سے نہیں ہنستے تھے، اندوہ گیں تھے مگر ترش رو نہ تھے۔ سخی تھے مگر فضول خرچ نہ تھے۔"

اور حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ :

"کنبہ والوں اور خادموں پر بہت زیادہ مہربان تھے، زبانِ مبارک پر کبھی کوئی گندی بات یا گالی نہیں آئی، کسی پر لعنت نہیں کرتے تھے، دوسروں کی ایذا رسانی پر صبر فرماتے تھے، کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی پر بہت توجہ فرماتے تھے ہر چیز اور ہر شخص کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے، آسمانی بادشاہت پر ہمیشہ نظر جمائے رہتے تھے۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ :

"آپ اطاعت شعاروں کو بشارت سنانیوالے، گناہگاروں کو ڈرانے والے اور بے خبروں کو ہوشیار کرنیوالے، خدا کے بندے اور رسول تھے، تمام معاملات اللہ پر چھوڑنیوالے، نہ درشت خو تھے، نہ سخت گو۔ بدی کے بدلہ میں بدی نہ کرتے تھے، معافی مانگنے والوں کو معاف فرما دیتے تھے اور گناہگاروں کو بخش دیتے تھے۔ ان کا کام مذاہب کی کجیوں کو مٹانا تھا، ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان عطا کرتی تھی، آپ تمام خوبیوں سے آراستہ جامع اوصافِ حمیدہ تھے، سکینت ان کا لباس، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل ان کی سیرت، راستی ان کی شریعت اور ہدایت ان کی رہنمائی تھی، آپ ذلت سے سرکرنیوالے، گمناموں کو رفعت بخشنے والے، مجہولوں کو طاقت دینے والے قلت کو کثرت دینے والے اور تنگدستی کو غنا سے بدلنے والے تھے۔

غیبت، بہتان، عیب جوئی، بدگوئی، بدگمانی، دو رُخا پن وغیرہ سے آپ سخت نفرت فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضہ راوی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے غلام پر تہمت لگائے جبکہ وہ بے گناہ ہو تو قیامت کے روز اس کی پیٹھ پر کوڑے پڑیں گے۔ منافقت سے اسطرح ڈرایا کہ قیامت کے روز سب سے بُرا دو رُخے کو پاؤ گے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ کا علمی کارنامہ

از

پروفیسر عبد المغنی شعبہ انگریزی پٹنہ یونیورسٹی

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غیر منقسم ہندوستان کے ان معدودے چند عظیم ترین علمائے کرام میں ایک تھے جنھوں نے عصر حاضر کی علمی زندگی پر اپنا نقش دوام ثبت کیا ہے۔

چنانچہ بقول اقبالؒ "جوئے اسلام کے جس فرہاد نے شبلیؒ، اقبالؒ اور ابوالکلام آزاد سبھی کے خواب شیریں کی تعبیر نکال اور اس کو پورا کرنے کے لئے تحقیق و تصنیف کی ایک شاہراہ تعمیر کی" نیز اس پر گامزن ہونے کے لئے ایک پورا قافلہ مرتب کیا اور اسکو منزل کی طرف گامزن کر دیا اس کا نام سید سلیمان ندویؒ ہے۔ اس فرہاد علم و تحقیق نے اعظم گڑھ میں دار المصنفین کو پروان چڑھایا اور ندوۃ العلماء کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ دار المصنفین کے ترجمان کی حیثیت سے ماہنامہ "معارف" جاری کیا سیرۃ النبیؐ کی تکمیل کی، سیرۃ عائشہؓ مرتب کی، عرب و ہند کے تعلقات کا سُراغ لگایا، خطبات مدراس دیئے، نقوش سلیمانی تحریر کئے، عمر خیام کی حقیقت و اہمیت واضح کی اور تاریخ اسلام سے لیکر سیر الصحابہؓ اور بزم صوفیہ تک تصنیف کرائی۔ اس کے علاوہ سید سلیمان ندویؒ نے تحریک خلافت سے عالم اسلامی تک بین الاقوامی اور بین الملی سطح پر ملک وملت کی یادگار خدمات انجام دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تقسیم ہند سے قبل کے ہندوستان میں سید صاحب کے زیر قیادت ادارے علماء وقت کے مراکز بن گئے اور علمی و تحقیقی کاموں کے لئے ان کے تمام ہمعصر علماء نے ان اداروں کیساتھ ہر طرح تعاون کیا۔

سیرۃ النبیؐ علامہ ندویؒ کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جس کی سات عظیم الشان جلدوں میں پانچ انھی کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس کتاب میں پہلی بار دنیا کی کسی زبان میں سیرت رسولؐ کے موضوع پر تمام مضامین و مضمرات کا احاطہ جدید ترین معلومات کی روشنی میں کیا گیا۔ چنانچہ سیرت پر کوئی اتنی جامع کتاب آج تک نہ تو اس سے قبل تحریر کی گئی نہ اس کے بعد۔ یہی وہ تاریخی دستاویز ہے جس کے ذریعہ مستشرقین کہلانیوالے علماءِ مغرب کی ان جہالتوں کا پردہ چاک کر دیا گیا جو وہ سیرت رسولؐ پر اپنے متعصبانہ حملوں میں ظاہر کرتے رہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ سیرت النبیؐ کے ذریعہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اسلام کے اس نظام حیات کا مکمل نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی جو شارع اسلامؐ نے خود اپنی زندگی میں احکام وحی کے تحت مرتب کر دیا تھا اور اس کے ہر پہلو پر عمل کر کے بھی دکھایا تھا۔ سیرۃ النبیؐ میں قرآن و حدیث کے علاوہ سیرۃ کے تمام قدیم مآخذ کا عطر پیش کر دیا گیا اور اس سلسلہ میں جدید مباحث کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ اب یہ کتاب بجائے خود سیرت نبویؐ کا ایک اہم ترین ماخذ بن گئی ہے اور سیرت پر کوئی علمی کام اس سے بے نیاز ہو کر نہیں کیا جا سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس ایک کتاب نے اپنے مواد و اثر

دونوں سے سیرت کی بے شمار کتابیں اور مضامین و مقالات پیدا کر دیئے، نیز لاتعداد خطیبوں کو مستند و مقرر بنا دیا۔ پوری دنیا میں اس کتاب کے علمی معیار و وقار کو تسلیم کیا جا چکا ہے اور متعدد زبانوں میں اس کے تراجم کی کوششیں کی گئی ہیں جو ابھی تک شاید کتاب کے وزن و حجم کے سبب جزوی طور پر ہی کامیاب ہو سکی ہیں۔ کتاب کے مباحث سید صاحبؒ کو بیک وقت سیرت نگار، محدث، مفسر، فقیہ، متکلم اور ادیب کی اعلیٰ حیثیتوں میں پیش کرتے ہیں۔

سیرت نبویؐ کے ساتھ اسی شغف نے علامہ سید سلیمان ندویؒ سے تین اور زبردست علمی کام کرائے جن میں ایک "ارض القرآن" ہے جو دراصل سیرۃ النبیؐ کے دیباچہ کے طور پر ایک مبسوط مقالہ کی شکل میں تصنیف کی گئی تھی اور اس میں قرآن کریم کی تاریخی و جغرافیائی تفسیر کے طور پر ان مقامات و اقوام کی تفصیل بیان کی گئی ہے جن کا ذکر اور حوالہ قرآن کریم میں آیا ہے اس کا کچھ حصہ سیرت النبیؐ میں شامل کیا گیا۔ پھر پورے مواد کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ ایک مستقل کتاب کی صورت دے دی گئی۔ اسی طرح ایک دوسری کتاب کے مقدمہ سے بڑھ کر جو چیز بجائے خود ایک مستقل کتاب بن گئی وہ قرآن کے مباحث اور شارع اسلامؐ کی سیرت کا مکمل جغرافیائی و تاریخی پس منظر پیش کرتی ہے اور اس کے مطالعہ سے آشکارا ہوتا ہے کہ اصولی طور پر کتاب اللہ میں اور عملی طور پر سنت رسولؐ کے نمونہ میں نظام اسلام کا جو بنیادی خاکہ مرتب ہوا وہ تاریخ کے کن احوال اور روئے زمین کے کن مقامات کے پس منظر میں رونما ہوا۔ یہ کتاب ابھی تک اپنے موضوع پر سب سے اہم علمی تصنیف ہے اور اس سے بہتر کوئی تصنیف دنیا کی کسی زبان میں مرتب نہیں ہوئی ہے۔

اس سلسلہ کی دوسری چیز "خطبات مدراس" ہے جس میں سیرت رسولؐ کی جامعیت کو بڑے جامع، مختصر اور دلنشیں انداز میں نمایاں کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب سیرت رسولؐ کا عطر ہے اور حد درجہ مؤثر ہے۔ سیرت کے موضوع پر یہ عالمانہ و محققانہ خطبات اپنے مواد و انداز دونوں کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔ مساجد کے منبروں اور جلسۂ سیرت کی محفلوں میں ان خطبات کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے۔ نئی نسلوں نے سیرت اور سنجیدہ خطبات کے کتنے ہی سبق ان خطبات سے لئے کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب سیرت رسولؐ کا بہترین خلاصہ پیش کرتی ہے۔

تیسری سیرت رسولؐ جو سید صاحبؒ کے قلم سے نکلی "رحمت عالم" ہے۔ جو نوجوانوں اور عام طالبعلموں کے لئے مختصر پیمانے پر اور سادہ انداز میں تحریر کی گئی ہے۔ یہ کتاب متعدد درسگاہوں کے نصاب میں داخل رہی ہے یہ اپنے موضوع پر سب سے آسان اور عام فہم تصنیف ہے جس کا مطالعہ کر کے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سیرت رسولؐ کی مستند واقفیت حاصل کر سکتا ہے اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی سنوار سکتا ہے۔

سیرت عائشہؓ اپنے موضوع پر ایک نادر تصنیف ہے جس میں ام المؤمنینؓ کی زبردست شخصیت کا مکمل و مؤثر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کی مثالی عورت کیا اور کیسی ہو سکتی ہے اور کس طرح وہ پردے کی شرعی حدود میں رہتے ہوئے سماج کی بہترین علمی و عملی خدمات انجام دے سکتی ہے نیز بحیثیت عورت

اپنی شخصیت کے تمام امکانات کو بروئے کار لاسکتی ہے۔ یہ کتاب بھی اعلیٰ تحقیق کا نمونہ ہے اور اپنے موضوع کے جدید و قدیم ماخذ کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے صفحات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا ایک مستند نقشہ ملتا ہے اور دنیا کے سب سے بڑے انسان کی پاکیزہ خلوتوں کا جلوہ نظر آتا ہے۔

اسلام کی ان خالص دینی خدمات کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندویؒ ملت اسلامیہ کی تاریخ اور مسلمانوں کے کارناموں کی تحقیق سے بھی حد درجہ شغف رکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں متعصب انگریز مؤرخوں اور ان کے مقلد فرقہ پرست ہندو تاریخ نویسوں کی طرف سے آئے دن جو فتنے جاہلانہ، وحشیانہ انداز میں اٹھائے جاتے تھے ان کا مسکت مؤثر جواب دینے کیلئے سید صاحبؒ کے زیر قیادت پورا دار المصنفین اور اس کا رسالہ "معارف" تو سرگرم تھا ہی، خود سید صاحبؒ نے ایک بہت ہی وسیع اور اہم موضوع "عرب و ہند کے تعلقات" کو ایک مبسوط محققانہ تصنیف کے لئے منتخب کیا اور اپنی معلومات و دلائل سے ثابت کردیا کہ ہندوستان کے ساتھ عربوں کے تعلقات اس ملک پر مسلمانوں کی فوج کشی کے بہت قبل اور قدیم ترین ادوار سے تجارتی ثقافتی اور علمی سطحوں پر رہے تھے لہٰذا ہندوستان میں مسلمان اجنبی حملہ آوروں کی طرح نہیں داخل ہوئے نہ انہوں نے اپنے مفتوحین کیساتھ جاہل وحشیوں جیسا سلوک کیا بلکہ وہ اس ملک میں ایک ایسے زبردست تہذیبی و اصلاحی عنصر کی طرح داخل ہوئے جس نے اپنی سیاسی و عسکری طاقت سے بھی زیادہ اپنے علمی و اخلاقی کمالات سے پورے ملکی سماج کی نشاۃ ثانیہ کا سامان کیا۔

عرب دنیا میں اسلام کے پیغام کے علمبردار اولین تھے اور انہوں نے آج کی نئی دنیا کی بنیاد رکھی تھی۔ دور جدید کے علوم و فنون کی بہترین ایجادات و انکشافات کی راہیں عربوں نے ہی ہموار کی تھیں۔ انہوں نے اپنی تحقیق و تفتیش کے ذریعہ مشرق و مغرب کی طنابیں کھینچ کر ملادیں اور عہد وسطیٰ میں سائنسی آلات کے ساتھ ساتھ حکیمانہ نقشے بنا کر پوری دنیا کی سیر و سیاحت کی۔ نئی دنیاؤں کی دریافت میں واسکوڈی گاما اور کولمبس کی پیش روی اور رہبری عربوں ہی نے کی لیکن احسان فراموش اہل مغرب اپنے جاہلانہ تعصبات کی بناء پر عربوں کے ان کارناموں کو نہ صرف یہ کہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ انہیں دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے، تاکہ ایک طرف اپنی ذہنی برتری کا سکہ عالم انسانیت پر جمائے رکھیں اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو احساس کمتری میں مبتلا رکھیں۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس سلسلہ میں ایک اہم موضوع "عربوں کی جہاز رانی" پر صرف چار خطبات میں علمائے مغرب کے فریب کا پردہ چاک کردیا اور واضح کردیا کہ عصر حاضر کی جہاز رانی کے استاد اوّل عرب ہی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ہندوستان میں عربی زبان و ادب کی اشاعت کی طرف بھی توجہ دلائی۔ وہ خود عربی کے عالم اور ادا شناس تھے انہوں نے اس زبان کی ترویج کے لئے ایک طرف "دروس الادب" لکھی جو عربی دانی کی ابتدائی نصاب کے طور پر درسگاہوں میں تجویز کی گئی اور دوسری طرف ایک "لغات جدیدہ" کی تالیف کرکے جدید عربی زبان و ادب کے تمام مروجہ الفاظ و محاورات واصطلاحات کی تشریح کی۔ اس کے علاوہ اپنی نگرانی میں عربی رسالہ "الضیاء" کا اجراء کیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس طرح کے مضامین بکثرت آئے ہیں ؛

"مسلمانوں میں کامل ایمان اسکا ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو"

"اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں"

"لوگوں کو قدرتِ الٰہی کی طرف سے جو چیزیں عطا ہوئی ہیں ان میں سب سے بہتر اچھے اخلاق ہیں"

"تم میں میرے سب سے پیارے اور مجھ سے سب سے قریب وہ ہیں جو تم میں خوش خلق ہیں اور مجھے ناپسند اور قیامت میں مجھ سے دُور وہ ہوں گے جو تم میں بد اخلاق ہوں"

"جس کی نماز اس کو بُرائی اور بدی سے باز نہ رکھے اس کی نماز نماز ہی نہیں"

"میں حُسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں" "اچھے خلق ہی کو اسلام کہتے ہیں"

حُسنِ اخلاق کے پایہ اور مرتبہ کا اندازہ اوپر کی ان احادیث سے ہو گیا ہوگا ۔ اچھے اخلاق ایمان کے لوازم ہی نہیں بلکہ وہ انسان کو ان بلندیوں تک بھی پہنچا دیتے ہیں جن تک وہ کثرتِ عبادت کے ذریعے پہنچ سکتا ہے ۔

ارشادِ نبوی ہے ؛ "انسان حُسنِ خلق سے وہ درجہ پا سکتا ہے جو دن بھر روزے رکھنے اور رات بھر نماز پڑھنے سے ملتا ہے" اور فرمایا "قیامت کے ترازو میں حُسنِ خلق سے زیادہ بھاری چیز اور کوئی نہ ہوگی" پھر فرمایا ہے : "اچھے اخلاق والا دنیا و آخرت کی نیکیاں لے گا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو صحابی بیویاں تھیں ایک دن بھر روزہ رکھتیں اور رات بھر عبادت کرتیں صدقہ دیتیں مگر زبان دراز ایسی تھیں کہ پڑوسیوں کے دل چھلنی کئے رہتیں ، دوسری بیوی صرف فرض نماز پڑھتیں اور غریبوں کو کپڑے بانٹ دیا کرتیں ، مگر ایذا ان سے کسی کو نہ پہنچتی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے پہلی کی بابت فرمایا کہ اس میں کوئی نیکی نہیں ، وہ اپنی بد خلقی کی سزا بھگتے گی اور دوسری کی بابت فرمایا کہ وہ جنتی ہوگی ۔

اسلام کی دوسری تعلیمات کی طرح اس کی اخلاقی تعلیم بھی حیرت انگیز طریقہ پر جامع اور مکمل ہے اور دوسری صفت اس کی یہ ہے کہ اسلام نے اخلاقِ حسنہ کی غرض و غایت تمامتر خدا کی خوشنودی ٹھہرائی ہے ۔ اس طرح اچھے اور پاکیزہ اخلاق و خصائل کی نوعیت بھی عبادت کی ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کی دنیوی ، نفسانی اور ذاتی اغراض سے بلند ہو جاتے ہیں اسلامی نقطۂ نظر سے اچھے اور بُرے کاموں کا مدار نیت یعنی قلبی ارادہ یا کیفیت پر ہے ۔ نتیجہ اتنی اہم چیز نہیں ہے ۔ ذاتی نفع ، ریاکاری ، نمائش ، فخر ، لالچ ، خوشامد اور اس قبیل کے دوسرے محرکات اگر کسی بظاہر اچھے سے اچھے کام کے پیچھے ہوں تو اس میں کوئی خوبی نہ رہے گی ، نہ اللہ کی نظر میں اور نہ ہماری آپ کی نظروں میں ـــــ اور اللہ کی نظر میں تو ایسے وہ کام بھی جو انسان اپنے ضمیر کی تسکین یا روحانی مسرت یا وجدان یا افادۂ عام کی غرض سے انجام دے اور اس کے حکم کی حیثیت اور آخرت کے اجر و ثواب کی نیت اس میں ملحوظ نہ رکھے ، بے وقعت اور بے قیمت ہو رہیں گے ۔

انسانی فطرت کی رنگارنگی، طبائع کا تنوع اور واقعہ یا حالات سے مختلف لوگوں کے متاثر ہونے کی کیفیات میں جو اختلاف ملتا ہے اس کا اقتضاء یہ ہے کہ ہمارا نظام اخلاق ایسا متوازن اور معتدل ہو کہ اس میں نرم و گرم، جمالی و جلالی دونوں قسم کی قوتوں کا مناسب امتزاج پایا جاتا ہو، وہ طاقت اور سختی کا بھی مظہر ہو، صلابت رکھتا ہو۔ تو دوسری طرف ماں کے دل کا گداز بھی۔ وہ طاقت اور سختی کا بھی مظہر ہو، مسکنت اور عاجزی کا بھی۔ کوہ گراں بھی ہو، آب رواں بھی ہو۔ شعلہ بھی ہو، شبنم بھی۔ نہ وہ شروع سے آخر تک مسیحیت کی انفعالیت اور عاجزی ہی کی تشریح ہو اور نہ شریعت موسوی کی قانونیت اور سختی ہی کی توضیح، بلکہ ان دونوں کو اپنی آغوش میں لیکر ایک ایسا توسط اور توازن پیدا کرے کہ امن و عدل، بلند ہمتی و استقلال، قوت و حرکت آزادی و حق گوئی، عزم و وقار، عاجزی و فروتنی، رحم و عفو، حلم و بردباری، صبر و سکون، رفاقت و محبت، استغناء، قناعت، توکل، سخاوت، عصمت، حیا، شجاعت، مردانگی، سیر چشمی، بلند نظری۔ غرض تمام انسانی اوصاف اس میں نمایاں ہوں جو غضب و شہوت کی قوتوں کا استیصال نہ کرے کیونکہ اس طرح یہ دنیا ایک وسیع قبرستان ہو کر رہ جائیگی۔ اور نہ ان کو ترا ہی دے گی کہ ہم سب درندوں کی سطح پر اُتر آئیں بلکہ ان کی صحیح تربیت کا انتظام کرے اور انہیں افراط و تفریط کا شکار نہ ہونے دے۔ پیروان مسیحیت نے غضبی و شہوانی قوتوں کو بنفسہٖ برقرار رکھ کر ایک بڑی غلطی کی ہے۔ نطشے نے اسی لئے مسیحی فلسفۂ اخلاق سے منہ پھیر لیا تھا۔ جب تک پروٹسٹنزم نے اس رہبانی اخلاقیت کے خلاف بغاوت کر کے نفس کے ان اجزاء کو تمدن اور اخلاق میں مناسب جگہ نہ دی یورپ کے ذہن پر ایک طرح کا جمود چھایا رہا۔ ان قوتوں میں بذات خود کوئی برائی نہیں ہے دراصل ان ہی سے شجاعت، حوصلہ مندی، استقلال پامردی، محبت اور دوسری اچھائیاں اُبھرتی ہیں جن کے بغیر ہماری زندگی پھیکی اور بدمزہ ہی نہیں، بلکہ دنیا کے قریب قریب سارے اونچے اُصول بے جان کے قالب بن جائیں گے۔ برائی ان کے غلط استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ضرورت ان کے استعمال کا صحیح موقع اور محل مقرر کرنے کی ہے اور ان راستوں کے تعین کی جن میں بہہ کر حیات و قوت کے یہ دھارے معاشرہ کی شادابی اور نکھار کا سبب بن سکتے ہیں۔ انکو خشک کرنے کی نہیں، کیونکہ ان کے خشک ہونے سے تہذیب مرجھا جائے گی اور دُنیا ویران ہو جائے گی۔ اسلام کی اخلاقی تعلیم کا یہی منشا ہے اور یہی اس کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

دوسری خصوصیت اسلامی تعلیم کی اس کی ہمہ گیری اور تمام اچھائیوں اور برائیوں کے سارے جزئیات کی احاطہ بندی ہے جبکہ دوسرے اخلاقی معلموں نے اپنی ہدایتیں صرف ایک قوم یا ایک زمانہ کی اصلاح تک محدود رکھیں۔ اسلام کے پیغمبرؐ نے کل قوموں اور کل زمانوں کے حالات ملحوظ رکھ کر اخلاقی اصلاحات کی فہرست مرتب کی۔ سارے محاسن اور مفاسد کھول کر بیان کئے، ایک کا حکم دیا، دوسرے سے منع کیا۔ یہاں تک کہ اخلاقی اور نفسیاتی کیفیتوں اور حالتوں کا کوئی گوشہ توجہ اور ہدایت کا محتاج نہیں رہا۔

جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے: "اسلام نے اپنے اُصول و احکام کی تفصیل اس وسعت اور جامعیت

کے ساتھ کی ہے کہ برائیوں کا کلی استیصال ہو گیا ہے اور نیکیوں کے مظاہر عام ہو گئے ہیں۔ اس کے برخلاف دوسرے مذاہب نے ان کلیات کے جزئیات کی نہایت نامکمل اجمالی تشریح کی ہے۔" (سیرۃ النبیؐ جلد ۶ صفحہ ۱۱۵)

اسلامی اخلاقیات کی ایک اور خوبی جو اسے دوسرے مکاتب اخلاق پر فوقیت دیتی ہے۔ اس کے معلّمِ اخلاق کا وہ عظیم الشان اسلوبِ تعلیم ہے جس کی مثال تاریخ کو لاکھ کھنگالئے کہیں نہیں ملتی۔ آپ نے قول کیا تو عمل کو اتنے مکمل طریقہ پر لایا تھا کہ آپ کی ذاتِ مبارک قرآن مجید کی جیتی جاگتی زندہ و تابندہ تفسیر بن گئی تھی۔

جس کے سپرد نوع انسانی کی تعلیم اور تزکیہ ہو وہ خود اگر زندگی کے تمام نشیب و فراز اور معاشرہ کے پیچ و خم سے ہو کر نہ گذرے تو اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پھر اس کی تعلیم عملی حیثیت رکھنے کی بجائے علمی و نظریاتی یعنی اصولوں کا گلدستہ بن جائے گی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں ہم کو ایک بے مثال جامعیت ملتی ہے۔ آپ کی سیرۃ سے زندگی کے تمام پہلو ابھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کی زندگی میں ظلم کے پہاڑ بھی ٹوٹے، مصیبتوں اور آزمائشوں کی آندھیاں بھی آئیں ناکامیوں کا اندھیرا بھی چھایا اور فتحمندی اور کامرانی کے شادیانے بھی بجے، قوت و حکومت کے پرچم بھی لہرائے اور مسرتوں کے پھول بھی کھلے۔ آپ نے دوستی بھی برت کر دکھائی اور دشمنی بھی، جنگیں بھی لڑیں اور صلح و آشتی کے عہد نامے بھی کئے، دن دن بھر روزے رکھے اور رات رات بھر نمازیں بھی پڑھیں اور ملکی اور سیاسی گتھیاں بھی سلجھائیں، غارِ حرا میں خلوت نشین اور ماہِ رمضان میں معتکف بھی رہے اور خانگی زندگی کا لطف بھی اٹھایا۔ دینِ پاک کے سب سے بڑے مبلغ، ہادی اور رہبر کا فرض بھی انجام دیا اور مسلمانوں کی آزاد ریاست کی داغ بیل بھی ڈالی۔

نرمی اور سختی کے مواقع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب پہچانتے تھے۔ جہاں حدود الٰہی کے ٹوٹنے کا سوال ہوتا تھا وہاں آپ سختی کرنے میں تامل نہ فرماتے تھے اور جہاں مستحبات اور اخلاقی فضائل اور رزائل ہی سے تعلق ہوتا تھا وہاں آپ نرمی ہی سے کام لیتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا مگر جو کوئی شریعت کی حدود توڑتا تھا اُسے سزا دیتے تھے۔

ایک بار قریش کی ایک خاتون چوری کے جرم میں پکڑی گئی، بعض عزیز ترین صحابہ نے ان کی سفارش کرنا چاہی تو آپ نے ان کی ایک نہ سنی اور فرمایا "تم سے پہلے کی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں معمولی لوگ گناہ کرتے تو ان کو سزا دی جاتی تھی اور جب بڑے لوگ کرتے تو ان کا جرم نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔" اسی موقع پر یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم اگر میری بیٹی بھی کبھی یہ جرم کرے تو میں اللہ کے قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔

اسی طرح نرمی کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک بدوی آیا۔ اتفاق سے اسے پیشاب کی حاجت ہوئی تو وہ وہیں مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ نے دیکھ کر چاروں طرف سے اُسے ڈانٹنا شروع کیا۔ آپ نے روکا اور فرمایا تم سختی کیلئے نہیں بلکہ نرمی کے لئے بھیجے گئے ہو۔ اس کے بعد اس بدوی کو بلا کر سمجھایا کہ یہ مساجد عبادت کے

کو کہیں۔ یہاں نماز پڑھی جاتی ہے، یہ پیشاب پاخانہ کی جگہ نہیں۔ اور لوگوں سے فرمایا کہ اس پر پانی بہا دو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بابت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے ساری داستان ایک جملہ میں کہدی۔ انہوں نے کہا: "آپ کا اخلاق من وعن قرآن تھا"

ایک اور موقع پر آپ نے ذرا تفصیل سے بتایا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کسی کو بُرا کہنے کی نہ تھی، آپ بُرائی کرنیوالے کے ساتھ بھی بُرائی نہ کرتے تھے بلکہ اسے معاف کر دیتے تھے۔ جب آپ کو کسی دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تھا تو اُن میں سے جو آسان ہوتی اسے اختیار کرتے تھے بشرطیکہ اس میں کوئی گناہ کا شائبہ نہ ہو، کیونکہ گناہ سے آپ بہت دُور رہتے تھے۔ کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا لیکن جو احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا اس سے خدا خود انتقام لیتا تھا (یعنی احکامِ خداوندی کے مطابق آپ اس کی سزا مقرر کرتے تھے) آپ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی اور کسی غلام یا لونڈی یا کسی عورت یا خادم یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ کسی کی درخواست رَد نہیں فرماتے تھے بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہو، آپ جب گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے دوستوں میں بھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے، باتیں اسطرح ٹھہر ٹھہر کر کرتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ سکے"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آغازِ نبوت سے لیکر وفات تک برابر آپ کے ساتھ رہے تھے ان سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا:

"آپ خندہ جبین و نرم خو تھے، سخت مزاج اور سنگدل نہ تھے، نہ شور و غوغا کرتے تھے نہ کوئی بُرا کلمہ منہ سے نکالتے نہ عیب جو اور سخت گیر تھے، کوئی بات ناپسند ہوتی تو اغماض فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے نفس سے یہ تین باتیں بالکل خارج کر دی تھیں۔ (۱) بحث و مباحثہ (۲) بے ضرورت باتیں کرنا (۳) بے مطلب کی بات میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ (۱) کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے (۲) کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے (۳) کسی کی ٹوہ میں نہیں لگتے تھے، دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سُننا پسند نہیں کرتے تھے۔ نہایت فیاض، راست گو، نرم طبع، اور خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعتہً سامنے آجاتا تو مرعوب ہو جاتا تھا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا تھا[1]"

ہند بن ابی ہالہ گویا آپ کے آغوش کے پروردہ تھے۔ ان کا بیان ہے کہ:

"آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہارِ شکر فرماتے تھے کسی چیز کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ اگر کوئی کسی امرِ حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آجاتا مگر اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی آپ کو غصہ نہیں آیا، نہ کسی سے انتقام لیا[2]"

---

[1] شمائل ترمذی [2] ایضاً

یہی وہ رسالہ ہے جس نے پہلی بار ہندوستان کیساتھ عالم عرب کا براہ راست رابطہ قائم کرایا اور عالم ندوی نیز ابوالحسن علی ندوی جیسے عربی کے ادیب پیدا کئے اور مقبول ترین اثاثہ بنا دیا۔ ابوالحسن علی ندوی کے عربی خطبات دنیائے عرب میں نشر ہوئے اور ان کے بعض مضامین سے اقبال کے کلام و پیام کی تفہیم کا بھی کچھ کام عربی زبان میں ہوا۔

سید صاحب فارسی ادب کا بھی نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے اور اس زبان کے محاورات پر ان کی نظر اتنی گہری اور وسیع تھی کہ بعض وقت علامہ اقبالؒ جیسے فارسی کے عظیم ترین شاعر کو انھوں نے زبان و بیان کے بعض امور کی طرف متوجہ کیا اور اقبالؒ نے بہت خوش دلی کے ساتھ اس سلسلہ میں سید صاحبؒ سے تبادلۂ خیال کیا جس کا ثبوت مکاتیبِ اقبالؒ میں موجود ہے۔

سب سے بڑھ کر "عمر خیام" پر سید صاحبؒ کی معرکۃ الآراء کتاب عصر حاضر کے ہندوستان میں شعر العجم کے بعد فارسی تنقید کا سب سے بڑا کارنامہ ہے اور اس کی بہت ہی شاندار پذیرائی ایران و افغانستان اور دوسرے ممالک کے فارسی دان طبقوں میں ہوئی۔ یہاں تک کہ علامہ اقبالؒ نے یہ داد دی کہ خیام پر سید صاحب نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ ماضی میں خیام پر کی ہوئی تمام تحقیق و تنقید میں زبردست اضافہ ہے، بلکہ آئندہ بھی کوئی اضافہ خیام کے متعلق سید صاحبؒ کی تصنیف پر متوقع نہیں ہے۔ یہ نادر کتاب اس مقالہ پر مبنی ہے جو سید صاحبؒ نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے اجلاس پٹنہ میں پیش کیا تھا۔ یہی وہ تصنیف ہے جس میں پہلی بار خیام کے بارے میں کم علم مستشرقین کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے قطعی طور پر ثابت کر دیا گیا ہے کہ فارسی کا یہ مشہور ترین رباعی گو کوئی رند شاہد باز نہیں، اپنے وقت کا ایک عظیم فلسفی اسکالر اور سائنس دان تھا۔

اردو زبان و ادب کے تو سید صاحبؒ ایک عظیم محقق، عالم، ادیب اور خطیب تھے ہی، زبان کے سلسلہ میں انکی تحقیق اور ادب پر ان کی تنقید کا اعلیٰ نمونہ ان کے مجموعہ مضامین "نقوش سلیمانی" میں موجود ہے۔

اور جس طرح صحیح تاریخ نویسی کے ذریعے سید صاحبؒ ماضی کا ریکارڈ درست کرانا چاہتے تھے تاکہ حال کی درستگی کا سامان ہو، اسی طرح نصابِ تعلیم کی اصلاح کر کے وہ مستقبل کے بہتری اور آئندہ نسلوں کی رہنمائی کا انتظام بھی کرانا چاہتے تھے اس سلسلہ میں مختلف مواقع پر انہوں نے متعدد اہم تجویزیں پیش کیں اور کثرت کے ساتھ تعلیمی اجتماعات سے خطاب کیا چنانچہ نہ صرف پورے ملک میں بلکہ بیرون ملک میں بھی انہیں مشرقی تعلیمات پر ایک سند تسلیم کیا گیا اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے درسیات کی ترتیب میں ان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس سلسلہ میں قدیم علماء کے ساتھ ساتھ جدید فضلاء کو بھی علوم شرقیہ میں ان کی مہارت پر کامل اعتماد تھا یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے بعض صوبوں کی حکومتوں سے لیکر حکومت افغانستان تک نے اپنی درسگاہوں کے نظام و نصاب تعلیم کی تشکیل جدید کے لئے سید صاحبؒ کو دعوت دی اور انہوں نے بڑی خوبی کے ساتھ یہ مشکل کام انجام دیا۔

تقسیم ہند سے قبل تقریباً نصف صدی تک علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ذات ہندوستان میں علوم مشرقی کا مرکز و مرجع

تھی اور ملک کے تمام علمی ادارے خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید' اپنے اہم ترین امور میں ان کی طرف رہنمائی کے لئے دیکھتے تھے
شاید ہی کوئی تعلیمی یا تہذیبی سرگرمی ہو جس میں حضرت سید صاحبؒ کے مشورے شامل نہ ہوں۔ مختلف مذہبی، سماجی اور
سیاسی تحریکوں میں بھی ان کی شمولیت اور ہدایت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ عالم اسلام کے مسائل میں بھی ہندوستانی مسلمانوں کی
جو اعلیٰ قیادت دلچسپی لیتی اور بین الاقوامی سطح پر کام کرتی تھی اس کے ایک اہم ترین رکن سید صاحبؒ بھی تھے۔ ان کے زیر
زیر ادارت دار المصنفین کا ترجمان ماہنامہ "معارف" ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے بڑا علمی ترجمان تھا اور اس دور ادارت
کا شاید ہی کوئی واقعہ، قومی یا بین الاقوامی دائرے میں ایسا ہو جس پر محکم اور مؤثر تبصرہ "معارف" میں نہ ہوتا ہو۔ ملک کی تحریک
آزادی ہو یا مشرق کی نشاۃ ثانیہ یا مغرب کی دو عظیم جنگوں کے اثرات، یا عالم اسلام کے واقعات، سبھی کے تاریخ ساز
پر مدیر معارف کی عالمانہ و عاقلانہ رائے کا وزن محسوس کیا جاتا تھا۔

لیکن اپنے تمام علمی کمالات اور عملی مجاہدات کے باوجود سید صاحبؒ نے عصر حاضر کے اجتماعی مسائل کے حل کے لئے
نہ تو کوئی باضابطہ تحریک چلائی نہ مستقل تنظیم قائم کی صرف ندوۃ العلماء کے تعلیمی دار المصنفین کے تصنیفی اور معارف کے علمی اداروں سے
کام لیتے رہے۔ ایسا اس لئے ہوا کہ وہ بڑے پیمانے پر منظم اقدام اور پیہم جد و جہد کے لئے آمادہ نہ تھے خاص کر کسی سیاسی
کشمکش کی قیادت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے ان کی شخصیت کا یہی وہ میلان تھا جو انہیں تصوف کی طرف لے گیا
اور وہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ (ملخص معارف)

زندگی کی شاہراہ مسافروں کے قدموں کا انتظار کر رہی ہے!

——— انتظار کس کا؟ اپنی موت کا؟ کسی عظیم شخصیت کی آمد کا؟
کسی امداد غیبی کا؟ انتظار کی یہ ساری راہیں بند ہیں۔ موجودہ طوفانی دنیا
میں انتظار؟ زندہ قومیں تو موت کا بھی انتظار نہیں کرتیں۔ ان کے لئے
انتظار کے کوئی معنیٰ نہیں!

——— یا تو فوری طور پر آزمائش کے میدان میں آؤ یا زندگی کے میدان
سے ہٹ جاؤ۔ زندہ قوموں کے لئے انتظار کی کوئی پگڈنڈی نہیں!
تگ و دو اور جد و جہد کی شاہراہیں کھلی ہوئی ہیں اور مسافروں کے قدموں کا
انتظار کر رہی ہیں ——— " (طنطاوی جوہری)

جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارِ خلافت اُٹھایا

از: توفیق الحکیم

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس کھلے میدان میں کھڑے ہوکر ایک آدمی خلیفۂ اوّل کی وفات کا اعلان اسطرح کرتا ہے:

"اے قوم! ابوبکر صدیقؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست اور خلیفہ کا انتقال ہوگیا ہے"!

دوسرا آدمی!

"خلیفۃ الرسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات پاگئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے"!

تیسرا آدمی! "اے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ ہماری طرف سے تمہیں بہتر بدلہ عطا کرے کیونکہ آپنے امت کی بھلائی کے لئے بہت کام کیا ہے":

چوتھا آدمی! اے مخاطب کیا آپ کو معلوم ہے کہ اب امت مسلمہ کے احوال کی تدبیر کون کرے گا! اور اس عظیم خلیفہ کے فوت ہوجانے کے بعد اب امت کی سربراہی کا حقدار کون ہوگا!

اسوقت دُور سے ایک آدمی آتا دکھائی دیتا ہے جس کے ہاتھ میں مرحوم خلیفہ کا آخری پیغام وصیت نامہ ہے اسے دیکھ کر ایک آدمی مجمع کو یوں خطاب کرتا ہے:

"اے دوستو! اس آدمی کے پیغام کو دھیان سے سنو، اس کے پاس خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کی وصیت ہے۔ دیکھو! وہ ہمارے پاس آگیا ہے اور وہ اپنے ہاتھ میں وصیت نامہ پکڑے ہوئے ہے۔

اب وہ آدمی ابوبکر صدیقؓ کی وصیت پڑھ کر سناتا ہے:

اے لوگو! یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آخری پیغام ہے جو انہوں نے تمہارے پاس ارسال کیا ہے اسے غور سے سنو!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! اے میری قوم میں نے تمہارے لئے ابوحفص عمر الفاروق کو خلیفہ بنایا ہے۔ میں ان کے بارے میں نیک خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ میں نے انہیں اس کام کا اہل سمجھا، اور وہ امت مسلمہ کی بہبود کے لئے کوشش کریں گے اگر وہ اس کے برعکس کام کریں اور میری توقع کے خلاف اگر وہ غلط کام کرنے لگ جائیں تو غیب کا مجھے علم نہیں ہے میں تو ظاہر پر فیصلے کرتا ہوں، اور اگر وہ ایسے کام کریں تو ان کا بوجھ انہی کے کاندھوں پر ہوگا۔ میں نے تو صرف خیر و بھلائی کا ہی ارادہ کیا ہے۔

اور سب امور اور چیزوں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

سب یک زبان ہو کر جواب دیتے ہیں ہم نے ان کا عہد اور ان کا حکم قبول کر لیا' ہم اس پر راضی ہیں اور ہم دوسرے خلیفہ کے حکم کی اطاعت کرتے رہیں گے جب تک وہ اس مقدس عہد کی حفاظت کریں گے اور اسلام کی تعلیمات پر چلتے رہیں گے ـــــــ حضرت عمر فاروقؓ اسرآتے دکھائی دیتے ہیں، ان میں سے ایک شخص یوں گویا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ تمہارے پاس آرہے ہیں' سب نعرہ لگاتے خلیفہ زندہ باد' سب نعرہ لگاتے ہیں خلیفہ زندہ باد۔

○ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: "سب تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں عزت بخشی' اسی ذات کے لئے سب ستائش ہے جس نے ہمیں ایمان کے ساتھ زندگی بخشی۔

○ اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہو جو سب مخلوق سے افضل ہیں اور جو دنیا و آخرت میں ہماری خوشبختی کا باعث ہیں'

○ اللہ تعالیٰ رسول اللہ کے یار غار اور سچے دوست ابو بکرؓ پر رحم فرمائے اور انہیں بخشش و رضامندی سے نوازے۔

○ اما بعد! اے معزز سامعین! میری بات کی طرف توجہ فرمائیے اور جس بات کو میں بیان کروں اسے ذہن نشین کر لیجئے۔

○ تمہیں میری طرف سے کچھ شدت و سختی پہنچتی رہی ہے کیونکہ حق کے معاملے میں کسی دن بھی کسی بڑے سے بڑے آدمی کا ڈر محسوس نہیں کرتا تھا۔

○ میں نے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں زندگی بسر کی ہے' ان کے ہم پر بڑے بڑے احسان ہیں۔

○ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے لئے میں سونتی ہوئی تلوار تھا۔ جب چاہتے وہ مجھے نیام میں ڈال دیتے اور جو آدمی آپ سے خیانت کرتا اس کی سرکوبی کے لئے مجھے مامور کرتے۔

○ چنانچہ میں آپ کی زندگی میں اسلام کا پیہم دفاع کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ہمارے رب نے انہیں اپنی رحمت میں چھپا لیا۔

○ اللہ کا شکر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اخلاق و اطوار سے پوری طرح خوش تھے چنانچہ اسی وجہ سے میں تمام انسانوں سے بڑھ کر خوش نصیب ہوں۔

○ مجمع کی طرف سے آوازیں! اللہ کا شکر ہے اور سب تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت تمہارے شامل حال رہی' آپ اس کی نعمت سے سرفراز ہوئے .... حضرت عمرؓ تقریر جاری رکھتے ہوئے:

○ "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد میرا طرز عمل اور کردار حضرت صدیق اکبرؓ کے دور میں ویسا ہی رہا اور اس میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ میں حضورؐ کے اس جلیل القدر صحابی کی خدمت کرتا رہا اور حوادث زمانہ میں ان سے بھرپور تعاون کرتا رہا میں نرمی کے ساتھ سختی برتتا رہا۔ چنانچہ میرے اخلاق میں سختی اور نرمی کا حسین امتزاج پیدا ہو گیا، میں اسی حالت میں رہا تا آنکہ حضرت صدیق اکبرؓ خوش و خرم و مطمئن ہو کر اللہ سے جا ملے۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ میرے اخلاق و اطوار سے عمر بھر راضی رہے اور میں سب انسانوں سے زیادہ خوش نصیب ہوں آج میں تمہارے معاملے کا مالک ہو گیا ہوں رسول خداؐ کے

سچے دوست نے مجھے آپ کا حاکم بنانے کا مشورہ دیا ہے۔ ان کی رائے سے آپ نے اتفاق کیا ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے مدد و قوت کی امید رکھتا ہوں کہ مجھے اس بارگراں کو اٹھانے کے قابل بنائے تاکہ میں باطل کو ختم کر کے اس کی جگہ عدل و انصاف قائم کروں اور اس کے دین کی کھلم کھلا امداد کروں۔

تم میں سے بعض کہیں گے کہ ماضی میں میں سختی سے پیش آتا رہا ہوں، اور میں اسوقت آپ کا حاکم نہیں تھا اور اب جو میرے ہاتھ میں زمامِ اقتدار آگئی ہے تو پھر میری سختی کا کیا حال ہوگا! اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ میری سختی ہر اس شخص کے لئے شدید ہو جائے گی جو راہِ راست سے ہٹ کر چلے اور ظلم و ستم کے درپے ہو۔ لیکن جو آدمی ٹھیک راہ پر چلے تو میں اس کے ساتھ انتہائی نرمی کا برتاؤ کروں گا۔" سب لوگ بلند آواز سے:

آپ عمرؓ آپ بہترین خلیفہ ہیں، ہمیں آپ سے خیر اور بہتری کی اُمید ہے۔

حضرت عمرؓ بیان جاری رکھتے ہوئے: تم میں سے جو کوئی یہ دیکھے کہ میں دینِ حنیف سے ہٹ رہا ہوں یا کجروی اختیار کر رہا ہوں تو تم میں سے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ مجھے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرے اور مجھے نصیحت کرے اسے میری طرف سے کوئی ضرر یا تکلیف نہیں پہنچے گی۔ میں تو محض کمزور انسان ہوں، کبھی درست فیصلہ کرتا ہوں اور گاہے مجھ سے خطاء بھی سرزد ہو جاتی ہے۔ اللہ کی شریعت کے سامنے ہم سب برابر ہیں اور چھوٹے بڑے میں کوئی فرق نہیں۔

ایک آدمی اُٹھ کر: "اے عمر! اگر تو جادۂ حق سے ہٹ جائے تو ہم بلا خوف و خطر تلوار کی دھار سے تمہیں سیدھا کر دیں گے اور کسی انسان سے نہیں ڈریں گے۔"

"آپ صاحبِ دانش انسان ہیں آپ کو دُور اندیشی کے ساتھ ساتھ حکمت سے بھی نوازا گیا ہے اور آپ کے دل میں نُور اور ھدایت جاگزیں ہے، ہم نے کسی ہدایت یافتہ انسان کو ٹھوکر اور لغزش کھاتے نہیں دیکھا" اے عمر! ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ آپ نیک اور شریف انسان ہیں اور آپ ہی سے لوگوں کی اُمیدیں وابستہ ہیں؛ یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ عمر فاروق انسانوں کی بھلائی، نصرت اور بہبودی کے لئے کام کرتے رہیں گے؛ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ انہیں جادۂ حق پر چلتے ہوئے مذکورہ امور کی انجام دہی کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم دنیا میں اسلام کی تحریک کو پھیلتے اور بڑھتے ہوئے دیکھ سکیں۔

حضرت عمرؓ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر! "اے پروردگار تیرا شکر ہے کہ تُو نے میرے دل اور سینے کو ٹھنڈا کیا، تُو نے میرے اہلِ کو ایسے لوگوں سے تقویت پہنچائی جو سب مخلوق سے افضل ہیں، اے اللہ! میں سخت ہوں مجھے نرم کر دے تاکہ میں لوگوں کو لئے محبوب ہو جاؤں، اے اللہ میں کمزور ہوں مجھے طاقتور بنا اور مجھے گناہوں سے بچائے رکھ، اے اللہ میں بخیل ہوں مجھے سخی کر دے۔"

پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر "اے بندگانِ خدا! ہر اچھے کام میں میری مدد کیجئے اور ہر بُرے کام سے مجھے روک دیجئے تاکہ ہم سب اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے بہرہ مند ہو سکیں۔"

(المنبر)

اسلام کی تسخیر کا منصوبہ

جناب احسان الحق رانا

خفیہ صلیبی جنگ

مغربی مسیحی حکومتوں اور اسرائیل کے گٹھ جوڑ اور اشتراکی روس کی آشیرباد سے ریاست اسرائیل کی توسیع کے لئے فلسطینی اور لبنانی مسلمانوں کا قتل عام موجودہ دور کا اہم مسئلہ ہے۔ اخبارات میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے لیکن اس مسئلہ کا مذہبی پہلو نظروں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ذیل میں اس پہلو پر بحث کی گئی ہے۔

ہمارے نزدیک اسلام کی تسخیر کے لئے یہ ایک خفیہ صلیبی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اس مذہبی جنگ کا مقصد مسلمانوں کو نابود کرنا اور اسرائیل کو وسعت دینا ہے۔ اس خفیہ منصوبے کا علم مسلمانوں کو اسی وقت ہونا چاہیئے تھا جب مسیحی یہودی اتحاد کو پختہ کرنے کے لئے مسیحیوں کے پیشوا پاپائے اعظم آنجہانی پوپ پال ششم نے یہودیوں کی گردنوں کو مصلوبیت مسیح کے خون سے اس فتوے کے ذریعے دھو کر پاک صاف کر دیا تھا جو انہوں نے ۲۱ نومبر ۱۹۶۴ء میں روم میں منعقدہ کلیسائی کونسل سے متفقہ طور پر پاس کرایا تھا حالانکہ اس فتوے سے مسیحی کتب مقدسہ جھوٹی ٹھہرتی ہیں۔

مسیحی یہود دشمنی

مسیحیت کی ابتداء سے یہودیوں کو مسیحی اپنا بدترین دشمن ٹھہراتے چلے آئے تھے کیونکہ مسیحیوں کی کتب مقدسہ اناجیل کی رو سے حضرت مسیح کو سزا دلوانے کے لئے یہودیوں نے حاکم یروشلم پیلاطس کی عدالت میں پیش کیا تھا۔ حاکم نے تفتیش کر کے یسوع کو بے قصور پا کر چھوڑنا چاہا تو یہودیوں نے متفقہ مانگ سے یسوع مسیح کو مصلوب کرانے کے لئے یہ کہا؛

"اس کا خون ہمارے اور ہماری اولاد کی گردن پر" یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی عیسوی میں مسیحی برسر اقتدار آئے تو اس وقت سے لیکر انیسویں صدی کے اختتام تک مسیحیت کے پیروکاروں کے ہاتھوں محکوم یہودی ہمیشہ ذلیل و خوار اور ظلم و ستم کا شکار رہے ان ایام میں امن و سکون یہودیوں کو صرف اسلامی حکومتوں میں ملتا تھا۔

مسیحی اسلام دشمنی

مسیحیت کے پیروکار مسلمانوں سے اس لئے خائف رہے ہیں کہ وہ یہودیوں کو پناہ دیتے تھے۔ تاہم مسیحیوں کی اسلام دشمنی کی انتہائی وجہ یہ ہے کہ ظہور اسلام کے بعد مسیحیت پر سب سے بڑی یہ افتاد آن پڑی تھی کہ مسیحیوں کو نہ صرف اپنے مشرقی مقبوضات سے ہاتھ دھونے پڑتے تھے بلکہ ان ممالک کی بیشتر مسیحی آبادی کا اسلام قبول کر لینے سے مسیحی اکثریت اقلیت بن گئی تھی۔ ابتداء اسلام یعنی حضرت عمرؓ کے عہد میں ارض فلسطین میں مقامات مقدسہ کا چھن جانا مسیحیوں کے لئے اندوہناک حادثہ تھا اور یروشلم کا مسلمانوں کے ہاتھوں آجانا گویا مسیحیت پر کوہ الم کا ٹوٹ پڑنا تھا۔

صلیبی جنگیں فلسطین میں مسیحی مقامات مقدسہ کو مسلمانوں سے چھین لینا مذہبی فریضہ قرار دیکر پاپائے روم نے مغربی مسیحی حکومتوں کو بھڑکایا اور انہوں نے متحدہ محاذ بناکر فلسطین کے حصول کے لئے مسلمانوں کے خلاف کئی مذہبی جنگیں لڑیں ان مذہبی جنگوں کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ مسیحیت کے پیروکار مسیحیوں نے یہ جنگیں اپنے کپڑوں پر صلیبی نشان لگاکر لڑیں تھیں اسی وجہ سے یہ صلیبی جنگیں کہلائیں۔

یہودی اور مسیحی دونوں بائبل کے پیروکار مذاہب ہیں اس لئے دونوں کے نزدیک فلسطین ارض مقدس ہے لیکن صلیبی جنگوں کے دوران میں بھی مسیحیوں نے یہودیوں پر ظلم و ستم جاری رکھا کہ جب مسیحی یورپ سے ارض فلسطین کا رُخ کرتے تھے تو راستے میں وہ یہودیوں کو یہ کہہ کر قتل کرتے جاتے تھے کہ "یہی خدا کی مرضی ہے"۔

مسیحیوں نے مسلمانوں کے خلاف یہ مذہبی صلیبی جنگیں ۱۰۹۶ تا ۱۲۰۷ کے دوران میں لڑی تھیں لیکن اسلام کے ہاتھوں مسیحیت کی ناکامی و شکست ان جنگوں کا انجام تھا۔ یہ ایک ایسا سانحہ تھا جسے مسیحیت کے پیروکار بھول نہیں سکتے اس لئے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا انتقام لینا مسیحیوں نے اپنا مذہبی فریضہ بنا رکھا ہے۔

صلیبی جنگوں سے مسیحیوں نے یہ سبق حاصل کیا تھا کہ متحدہ اُمت مسلمہ کو آسانی کے ساتھ تسخیر نہیں کیا جاسکتا اس لئے مسلم اُمّہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے منصوبہ سے خفیہ صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا۔ اس حیلہ سے مسیحیوں نے مسلمانوں کو سپین سے نابود کردیا اور عربوں میں وطنیت و قومیت کے جذبات ابھار کر ترکوں کے خلاف لڑایا اور خلافت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ پاکستان کو دولخت کرکے بنگلہ دیش بنانے میں بھی نفاق کی تدبیر کارگر تھی۔

یہودی مسیحی گٹھ جوڑ یہودیوں کے مقابلہ میں مسیحیت کے پیروکار اسلام کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہودیوں کے ساتھ ساز باز کرکے صیہونیت کی تحریک کی بنیاد رکھی اسکا مقصد یہودیوں کو فلسطین دلانا ہے اس مقصد کے حصول کے لئے پہلی عالمی جنگ کے دوران میں اتحادی مسیحیوں نے قومیت کا جذبہ اُبھار عربوں کو اسلامی وحدت سے برگشتہ کیا اور خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے کے لئے عربوں کو آزادی دلانے کا وعدہ کیا اور اسطرح انہیں ترکوں کے خلاف لڑایا۔

اتحادی مسیحیوں اور عربوں کے ہاتھوں ترکوں کو شکست کا سامنا ہوا اسپر مسیحیوں نے عربوں کو چھوٹی چھوٹی بے اثر ریاستوں میں بانٹ کر قوم پرست بن جانیوالے مسلمانوں میں وطنیت کا احساس پیدا کیا۔ پھر انہیں آزاد کردینے کی بجائے ان پر اپنا انتداب قائم کرلیا۔ یوں انہوں نے عربوں کو ذلت میں مستور کیا اور مسیحی برطانیہ نے اعلان بالفور کے ذریعے یہودیوں کا وطن قائم کرنے کے لئے صیہونیوں کو اطراف عالم سے فلسطین میں لا بسایا۔ ان صیہونی یہودیوں نے دہشت گردی کے ذریعے فلسطین کے اندر اسرائیل کی ریاست قائم کرلی۔

یہودی مسیحی اس گٹھ جوڑ کو ایک طرف پوپ پال ششم کے فتوے سے مستحکم کیا گیا تو دوسری طرف امریکہ کے سابق صدر جمی کارٹر

نے ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کیا کہ اسرائیل کی ریاست کے قیام و بقاء کا ذمہ لینا امریکی حکومت کا مذہبی فریضہ ہے۔ اس مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے لئے اب صدر ریگن کی مسیحی حکومت اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کے ہر اس ریزولیشن کو ویٹو کر دیتی ہے جس کی زد اسرائیل کی توسیع پر پڑتی ہے یا جس سے مسلمانوں کا قتل عام روکنا مقصود ہے۔

یہود کی اسلام دشمنی

سوال یہ ہے کہ سوا سو برس تک یہودیوں کو مسیحیوں کے ظلم و ستم سے اسلامی حکومتوں میں امان ملتی رہی ہے تو پھر کیوں مسلمانوں کے خلاف یہودیوں نے مسیحیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے احسان فراموشی کا ثبوت دیا ہے اس سوال کا جواب بھی مذہبی جذبے میں مضمر ہے۔

اسلام قبول کر لینے سے انسان کا دل مذہبی رواداری اور وسیع القلبی سے سرشار ہو جاتا ہے اس جذبے سے مسلمان اپنے دشمن یہودیوں کو اسلامی ممالک میں پناہ دیتے رہے ہیں لیکن اس حسن سلوک کو یہودیوں نے سیاسی طور پر تو قبول کئے رکھا لیکن اس حسن سلوک کو یہودیوں نے سیاسی طور پر لو

○ ظہور اسلام سے پیشتر یہودی قبائل جزیرہ نمائے عرب میں بسے ہوئے تھے یثرب یعنی مدینہ منوّرہ اور خیبر ان کے دو بڑے گڑھ تھے۔ سود در سود کی لعنت سے اقتصادی حالت بگاڑ کر اور جوڑ توڑ سے کمزور بنا کر یہودیوں نے عربوں میں بڑا اثر و رسوخ پیدا کر لیا، اس کے ختم ہو جانے سے انہیں جزیرہ نمائے عرب کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔

○ بائیبل کی رُو سے کنعان یعنی فلسطین یہودیوں کو خدا کی طرف سے دی گئی میراث ہے ظہورِ اسلام کے بعد سو سال کے عرصہ کے سوا مسلمان فلسطین پر قابض رہے ہیں اس لئے فلسطین کو مسلمانوں سے چھین کر وطن بنانا یہودی اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔

○ یہودی اور مسیحی اہل بائیبل مذاہب ہیں۔ دونوں بائیبل کو الہامی کتاب کے طور پر مانتے ہیں لیکن یہودیوں کو قاتلان مسیح ٹھہراتے ہوئے مسیحی یہودیوں کو الگ تھلگ رکھتے تھے۔ بائیبل کا مطالعہ جب عام ہوا تو دانشور مسیحیوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ کلام مقدس کی رُو سے فلسطین یہودیوں کا ملک موعود ہے۔ یہ اگر یہودیوں کو نہ مل سکا تو بائیبل کا کلام جھوٹا ٹھہرے گا چنانچہ بائیبل کے کلام کی صداقت قائم کرنے کے لئے یہودی مسیحی گٹھ جوڑ سے صیہونیت کی تحریک شروع کی گئی۔ روما کے پوپ نے یہودیوں کو قتل مسیح کے گناہ سے پاک کیا اور سابق صدر جمی کارٹر نے یہ اعلان کیا کہ اسرائیل کا تحفظ اس کا مذہبی فریضہ ہے۔ صدر ریگن اسی تحفظ میں پیش پیش ہے اور فلسطین کے حصول اور فلسطینیوں کو نابود کر دینے کے لئے بائیبل کے مندرجہ ذیل احکام پر عمل ہو رہا ہے۔

بائیبل کے جنگی احکام

"اور خدا نے موآب کے میدانوں میں جو یریحو کے مقابل یردن (دریائے اُردن) کے (مغربی) کنارے پر واقع ہیں، موسیٰ سے کہا: بنی اسرائیل سے کہہ دے کہ جب تم پار یردن کو عبور کر کے کنعان میں داخل ہو تو تم اس ملک کے سب باشندوں کو وہاں سے نکال دینا اور ان کے شبیہہ دار پتھروں کو اور ان کے

ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے سب اونچے مقاموں (عبادت گاہوں) کو مسمار کر دینا اور اس ملک میں قبضہ کر کے بسنا کیونکہ میں نے وہ ملک تم کو دیا ہے کہ تم اس کے مالک بنو۔" (گنتی باب ۳۳ : ۵۰ تا ۵۳ فقرات)

دشمن پر فتح پا لینے پر بائیبل کا حکم یہ ہے :

"جب خداوند تیرا ان کو تیرے آگے شکست دلائے اور تو اُن کو مارے تو ان کو بالکل نابود کر دینا، تو ان سے کوئی عہد باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا، تو ان سے بیاہ شادی نہ کرنا، نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا نہ اپنے بیٹوں کے لئے ان کی بیٹیاں لینا کیونکہ وہ تیرے بیٹوں کو میری پیروی سے برگشتہ کر دیں گے تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں، یوں خداوند کا غضب تجھ پر بھڑکے گا اور وہ تجھ کو جلد ہلاک کر دے گا۔" (استثنا ۷ : ۲-۵)

تاکیداً اسرائیلیوں کو حکم دیا گیا: "ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا۔" (استثنا ۲۰ : ۱۶)

بنی اسرائیل کا جنگی طرز عمل دریائے اُردن کو پار کر کے بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کے جانشین یشوع کے ہمراہ کنعان میں داخل ہوئے تو بائبلی جنگی قوانین کی پیروی میں جو کچھ انہوں نے کیا اس کی چند مثالیں بائیبل کی کتاب یشوع میں یوں ہیں ؛

○ "اور انہوں نے سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بڈھے کیا بیل کیا بھیڑ کیا گدھے سب کو تلوار کی دھار سے بالکل نیست و نابود کر دیا ہے پھر انہوں نے اس شہر کو اور جو کچھ اس میں تھا سب کو آگ سے پھونک دیا اور یشوع نے اسوقت ان کو قسم دے کر تاکید کی اور کہا کہ جو شخص اُٹھ کر اس شہر یریحو کو بنائے وہ خداوند کے حضور ملعون ہو۔"

(۶، ۲۱، ۲۴، ۲۶)

○ اور اسی دن یشوع نے مقیدہ کو سر کر کے اسے تہ تیغ کیا اور اس کے بادشاہ کو اور ان سب لوگوں کو بالکل ہلاک کر ڈالا اور ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا اور مقیدہ کے بادشاہ سے اُسنے وہی کیا جو یریحو کے بادشاہ سے کیا تھا۔" (۱۰ : ۲۸)

○ پھر یشوع اسوقت لوٹا اور اس نے حصور کو سر کر کے اس کے بادشاہ کو تلوار سے مارا کیونکہ اگلے وقت میں حصور ان سب سلطنتوں کا سردار تھا اور انہوں نے ان سب کو جو وہاں تھے تہ تیغ کر کے انکو بالکل ہلاک کر دیا، وہاں کوئی متنفس باقی نہ رہا پھر اس نے حصور کو آگ میں جلا دیا اور ان شہروں کے تمام مالِ غنیمت اور چوپایوں کو بنی اسرائیل نے اپنے واسطے لوٹ میں لے لیا لیکن ہر ایک آدمی کو تلوار کی دھار سے قتل کیا یہاں تک کہ انکو بالکل نابود کر دیا اور ایک متنفس کو بھی باقی نہ چھوڑا جیسا خداوند نے اپنے بندے موسیٰ کو حکم دیا تھا ویسا ہی موسیٰ نے یشوع کو حکم دیا اور یشوع نے ویسا ہی کیا اور جو جو حکم خداوند نے موسیٰ کو دیا تھا ان میں کسی کو اس نے پورا کئے بغیر نہ چھوڑا۔" (۱۱، ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۱۵)

جنگی احکام سے روگردانی کا نتیجہ بائیبل کی رُو سے دشمن کے کسی متنفس کو زندہ نہ چھوڑنے کا حکم اہلِ بائیبل کو خدا نے

اس سختی کے ساتھ دے رکھا ہے کہ اس میں تھوڑی سی کوتاہی کرنے پر خدا کے غضب میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اس کی ایک مثال بائبل میں اسرائیل کے پہلے بادشاہ ساؤل کا یہ قصہ ہے جو کتاب ا-سموئیل کے باب ۱۵ میں مرقوم ہے اس قصہ کی رُو سے سموئیل نبی نے ساؤل بادشاہ کو خدا کا یہ حکم سنایا:

"تو جا اور عمالیق کو مار اور جو کچھ ان کا ہے سب کو بالکل نابود کر دے اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد و عورت اور ننھے بچے اور شیر خوار، گائے، بیل اور بھیڑ بکریاں اونٹ اور گدھے سب کو قتل کر ڈال اور ساؤل نے عمالیقیوں کو حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے ہے مارا اور عمالیق کے بادشاہ اجاج کو جیتا پکڑا اور سب لوگوں کو تلوار کی دھار سے نیست و نابود کر دیا لیکن ساؤل نے ان بروں کو اور جو کچھ اچھا تھا اُسے جیتا رکھا اور انکو نیست کرنا نہ چاہا لیکن انہوں نے ہر ایک چیز کو جو ناقص اور نکمی تھی نیست کر دیا۔"

عمالیقیوں کے بادشاہ اجاج اور بروں کو اور جو کچھ اچھا تھا اسے نابود کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ خداوند پچھتایا کہ ساؤل کو اسرائیل پر بادشاہ بنایا اور اپنے کئے پر نادم ہو کر خدا نے ساؤل اور اس کے خاندان سے بادشاہت چھین کر بائبل کے اس بیان کے مطابق حضرت داؤد علیہ السلام کو دیدی:

"چونکہ تم نے (سب کچھ نابود نہ کر کے) خدا کے حکم کو رد کیا اس لئے اُس نے تجھے رد کیا ہے کہ بادشاہ نہ رہے" خدا کے غضب سے ڈر کر ساؤل نے معافی مانگی تو "سموئیل نے اس سے کہا، خداوند نے اسرائیل کی بادشاہی تجھ سے آج ہی چاک کر کے چھین لی اور تیرے ایک پڑوسی (حضرت داؤد) کو جو تجھ سے بہتر ہے دیدی ہے۔"

اہل بائبل کی تنگ نظری

بائبل کے احکام اہل بائبل کو اگر اسقدر تنگ نظر بنا دیں کہ جنگ کے دوران میں اور جنگ کے بعد وہ فریق مخالف کے جانوروں تک کو زندہ نہ رہنے دیں بلکہ ہر متنفس کو نیست و نابود کر کے دم لیں تو پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ یہودی اسرائیل یا مسیحی امریکہ سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ فلسطینیوں اور لبنانی مسلمانوں کو زندہ رہنے کا حق دیں گے۔ اہل بائبل فلسطینیوں کے مرد و زن، کیا جوان، کیا بوڑھے، کیا ننھے بچے اور شیر خوار سب کو ختم کر کے دم لیں گے، نہ وہ ان پر رحم کریں گے نہ ہی کوئی عہد ان سے باندھیں گے کہ اہل بائبل ہرگز یہ خطرہ مول نہیں لیں گے کہ وہ مسلمانوں کو زندہ چھوڑ کر خدا کے غضب میں مبتلا ہوں گے اور جلد ہلاک ہو جائیں۔ اسلامی ممالک کو یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ جرم ضعیفی کے مرض میں مبتلا ہو جانے سے انہیں مرگ مفاجات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

قتال کا حیلہ

بائبل نے یہ روا رکھا ہے کہ جوع الارض کی حرص پوری کرنے کے لئے ہر قسم کے حیلہ و بہانہ مکر و فریب اور جور و ظلم سے کام لیا جائے۔ اس کی مثال بائبل کی کتاب قضاۃ کے باب ۱۸ کا یہ قصہ ہے:

"ان دنوں اسرائیل کا کوئی بادشاہ نہ تھا اور ان ہی دنوں میں دان کا قبیلہ اپنے رہنے کے لئے میراث ڈھونڈتا تھا

کیونکہ ان کو اس دن تک اسرائیل کے قبیلوں میں میراث نہیں ملی تھی۔ سو بنی دان نے اپنے سارے شمار سے پانچ سورماؤں کو صرعہ اور استال سے روانہ کیا۔ سو وہ پانچ شخص نکلے اور لیس میں آئے۔ انہوں نے وہاں لوگوں کو دیکھا کہ صیدانیوں کی طرح کیسے اطمینان سے رہ رہے ہیں کیونکہ اس ملک میں کوئی حاکم نہ تھا جو ان کو کسی بات میں ذلیل کرتا۔ وہ صیدانیوں سے بہت دور تھے اور کسی سے انکو سروکار نہ تھا۔

"تب بنی دان کے چھ سو مرد جنگ کے ہتھیار باندھے ہوئے صرعہ اور استال سے روانہ ہوئے اور لیس میں ایسے لوگوں کے پاس پہنچے جو امن وچین سے رہتے تھے اور ان کو تہ تیغ کیا اور شہر کو جلا دیا اور بچانیوالا کوئی نہ تھا کیونکہ یہ شہر صیدا سے دور تھا اور یہ لوگ کسی آدمی سے سروکار نہیں رکھتے تھے اور وہ شہر بیت رحوب کے پاس وادی میں تھا پھر انہوں نے وہ شہر بسایا اور اس میں رہنے لگے اور اس شہر کا نام اپنے باپ دان کے نام پر جو اسرائیل کی اولاد تھا دان رکھا لیکن پہلے اس کا نام لیس تھا۔"

بائبل کے اس قصہ کی بطالت خود بائبل سے ہوتی ہے کہ دان کے قبیلہ کو اس دن تک بنی اسرائیل کے قبیلوں میں کوئی میراث نہیں ملی تھی۔ یہ محض ایک حیلہ تھا۔ امن وچین سے بسنے والے لوگوں کو قتل کرنے اور ان کے شہر پر قبضہ کرنیکا کیونکہ پیشتر ازیں حضرت موسیٰؑ کے جانشین یشوع کے عہد میں دان کے قبیلہ کو کنعان میں باقاعدہ طور پر میراث مل چکی تھی۔ جو شہر بنی دان کے حصہ میں آئے تھے ان کی تفصیل بائبل کی کتاب یشوع کے باب ۱۹، ۴۰ تا ۴۶ فقرات میں دی گئی ہے۔ یہی نہیں اس کے علاوہ یشوع ہی کے عہد میں بنی دان نے جا کر لشم سے جنگ کی اور اسے سر کر کے تلوار کی دھار سے مارا اور اس شہر پر قبضہ کر کے بسے اور اپنے باپ دان کے نام پر لشم کا نام دان رکھا۔ (یشوع ۱۹ : ۴۷)

مکر وقتال سے اسرائیل کا قیام

یہی وہ حیلہ ہے جس سے فلسطین پر قبضہ کرنے کے لئے اہل بائبل نے صیہونیت کی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اعلان بالفور کے ذریعہ صیہونی یہودیوں کو دیگر ممالک سے بلا کر فلسطین میں آباد کیا، انہوں نے ملک کی دیکھ بھال کرنے کے بعد دہشت گردی سے فلسطینیوں کو مارا، ان کی املاک کو جلایا اور شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس مقصد کے لئے جنگی مردانِ اشتراکی روس نے مہیا کئے کہ وہ بھی اہل بائبل کی اولاد ہیں اور اسلحہ مغربی مسیحی ممالک نے دیا۔

جن فلسطینیوں نے ادھر ادھر بھاگ کر جانیں بچائیں اب ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے تاکہ ان کو قتل کر کے بائبل کا حکم بجا لایا جائے۔ اس حکم کے مطابق نہ تو ان پر رحم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی عہد باندھا جا سکتا ہے بلکہ ہر متنفس کو ہلاک کر کے فلسطینیوں کو نابود کیا جانا مقصود ہے۔

عربوں کی سادہ لوحی

حیرت ہے کہ عرب ممالک ابھی تک اہل بائبل کی عیاری کو سمجھ نہیں پائے ہیں اپنے اسلامی تشخص کو کھو کر وہ عرب قومیت کے دعویدار ہیں لیکن وہ عرب بھی نہیں بن پاتے کیونکہ تہذیب تو

کے آذر وہ یعنی اہل بائبل کے ترشوائے ہوئے قومیت اور وطنیت کے بتوں کے پجاری بن کر مسلمان ممالک آپس میں جنگ وجدال کر رہے ہیں۔

لیبیا کا مردِ آہن برطانیہ کے خلاف آئرلینڈ کے گوریلوں کو اسلحہ تو دے سکتا ہے لیکن اہل بائبل کے خلاف فلسطینیوں کی مدد کرنے میں اس پر سکوتِ مرگ طاری ہے۔ دیگر ممالک خدا سے دعائیں مانگنے اور اشتراکی روس اور مسیحی امریکہ سے التجائیں کرنے میں مصروف ہیں اور فلسطینیوں اور لبنانی مسلمانوں کو اکیلے چھوڑ کر ان کی ہلاکت کا نظارہ دیکھ رہے ہیں۔

اہل بائبل کے بنائے ہوئے قومیت و وطنیت کے صنم عرب ممالک کے اتحاد میں مانع ہیں۔ لبنان میں مسلمانوں کی ہلاکت پر وہ یہ سمجھ کر خاموش ہیں کہ فلسطینیوں کے نابود کئے جانے سے ان کی ملوکیت پسند اور شخصی آمرانہ حکومتوں کو دوام ملیگا لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ آج فلسطین ختم ہوا تو کل لبنان و شام کی اور پرسوں عراق و مصر کی باری آئے گی اور پیچھے بعد دیگرے عرب اور مسلم ممالک تسخیر کر لئے جائیں گے۔

خفیہ صلیبی جنگ کے ذریعے پاکستان کو نابود کرنے کا منصوبہ مسیحی برطانیہ نے ابتداء ہی میں تیار کر لیا تھا۔ اس ناپاک مقصد کے حصول کے لئے مسلم کشمیر ہندوستان کے حوالے کیا گیا تاکہ کشمکش سے ہندو کو ہمیشہ کے لئے پاکستانی مسلمانوں کے سر پر سوار رکھا جائے۔ ہندوستان کے ذریعے پاکستان کو دولخت کر دینے کے بعد اب بقیہ پاکستان کے خلاف ایک طرف رُوس نبرد آزما ہے تو دوسری طرف ہندوستان اسلحہ کے انبار جمع کر رہا ہے۔

صلیبی اسرائیل کے ناپاک عزائم

خفیہ صلیبی جنگ کے منصوبے کا نظریہ کوئی ہماری اپج نہیں ہے۔ الجیریا کے سابق صدر احمد بن بلا بھی اہل بائبل اور اشتراکی رُوس کی ملی بھگت سے بنائے گئے خفیہ صلیبی جنگ کے منصوبہ کی نشاندہی کر چکے ہیں۔ یہ نشاندہی انہوں نے پچھلے برس حج سے فارغ ہو کر کی تھی۔

مسلمانوں کے خلاف خفیہ صلیبی جنگ کا مہلک ترین ہتھیار صیہونی اسرائیل ہے۔ اسرائیل دُنیا کا واحد ترین ملک ہے جس کی سرحدیں متعین نہیں کی گئیں اور نہ ہی اس نے اقوام متحدہ میں اسرائیلی سرحدوں کا کوئی نقشہ دے رکھا ہے بلکہ صیہونیوں نے اسرائیل کی پارلیمنٹ پر یہ الفاظ کندہ کر رکھے ہیں:

"اے اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں"

نیل سے فرات تک کی سرحدوں میں فلسطین، لبنان، شام، ایران، عراق اور مصر وغیرہ سبھی مسلم ممالک شامل ہیں۔

ایک خبر

خفیہ صلیبی جنگ کے ہمارے نظریہ کی تصدیق اس خبر سے ہو جاتی ہے جو روزنامہ جنگ لاہور کے ۹ راگست ۱۹۸۲ء کے شمارے میں نمایاں طور پر سرورق پر شائع ہوئی تھی یہ خبر اسطرح سے ہے:

"لندن ۸ راگست بین الاقوامی حج سیمینار نے مسلم اُمّہ کو خبردار کیا ہے اگر صیہونیت کا مقابلہ متحدہ ہو کر نہ کیا گیا تو عالمِ اسلام کو مسلسل خطرہ لاحق رہے گا۔ حج سیمینار نے عالمِ اسلام کی توجہ بین الاقوامی صیہونی تنظیم کے ترتیب کردہ اس

نقشے کی طرف مبذول کرائی ہے جس میں مدینہ منورہ کو وسیع تر اسرائیل کی ایک ریاست قرار دیا گیا ہے۔ چار روزہ سیمینار میں جو گذشتہ رات شروع ہوا سفارش کی گئی ہے کہ اسلام کے روایتی دشمنوں کے خلاف کوئی مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا جائے کیونکہ صیہونی سازشوں سے عالم اسلام کے مقدس مقامات کو شدید خطرہ لاحق ہے۔"

مسلمانوں کے خلاف جس عالمی خطرے کو حج سیمینار کے شرکاء نے اسلام کے روایتی دشمنوں (یہودیوں) کی سازش سے منسوب کیا ہے یہ درحقیقت یہودی مسیحی اشتراکی اور ہندو متحدہ محاذ کی مسلمانوں کے خلاف خفیہ صلیبی جنگ کی سازش ہے اکیلے صیہونیوں کی بساط ہی کیا ہے کہ اسرائیل کی ہلاکت خیز جنگی قوت بیروت کے چھ ہزار فلسطینی مجاہدین سے خوفزدہ ہے مسیحی حکومتیں اور اشتراکی روس صیہونیت کی پشت پناہ نہ ہوں تو صیہونیت کا وجود ختم ہونے میں دیر نہیں لگتی۔

فدائین کو سلام سلام ہو فلسطینی فدائین پر، اور ہم سلام بھیجتے ہیں مغربی بیروت کے نہتے امن پسند مسلمانوں کو کہ بے کس و بے بس ہونے پر بھی انہوں نے فلسطینی فدائین کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وہ اپنے ننھے منّے اور شیر خوار بچوں تک کو قربان گاہ پر چڑھا رہے ہیں اور کربلا کی یاد تازہ کر کے امریکہ جیسی سُپر پاور اور اسرائیل جیسی چنگیزی حکومت سے ہراساں نہیں جبکہ دنیا کی متمول ترین اسلامی حکومتیں ٹیلی فون پر مسیحی امریکہ کے صدر ریگن کی ان سُریلی دُھنوں سے لطف اندوز ہو رہی ہیں کہ نہ تو امریکہ اسرائیل سے ناراض ہے اور نہ اسرائیل کی فوجی و اقتصادی امداد بند کی گئی ہے اور امریکہ کا نمائندہ فلپ حبیب فدائین کو بیروت سے بھگانے کے لئے ہر قسم کی کوشش کر رہا ہے دوسری طرف اشتراکی روس ہمنوا عربوں کو تسلیاں دے رہا ہے کہ فدائین کو سولی پر چڑھ جانے دو، رام بھلی کرے گا۔

ادھر ہندوستان کا ہندو مفلوک الحال پاکستان کے خلاف تسلسل کیساتھ یہ رٹ لگا کر اپنے دانت تیز کئے جا رہا ہے کہ پاکستان کو ملنے والے امریکی اسلحہ سے ہندوؤں کی جانیں خطرہ میں ہیں۔

اندوہناک خبر یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ یہودیت و مسیحیت بائبل کے پیروکار مذاہب ہیں۔ بائبل کی پیروی میں یہودی مسیحی گٹھ جوڑ فلسطینیوں کو نیست و نابود کر دینے کے لئے بائبل کے اس حکم سے انحراف نہیں کریگا۔

"ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر دیتا ہے کسی متنفس کو جیتا نہ بچا رکھنا۔"

(استثناء ۲۰: ۱۶)

خواہ فلسطینی پاتال میں چلے جائیں، جہاں کہیں بھی وہ ہوں گے ان کے ہر متنفس کو ہلاک کر دینے کے لئے ڈھونڈ نکالا جائیگا۔ جیسے ہٹلر کے کارندوں کو لاطینی امریکہ تک سے ڈھونڈ کر اسرائیل نے تختۂ دار پر لٹکایا تھا۔ اس نظریے کی تصدیق ۱۱ راگست ۱۹۸۲ء (جنگ لاہور) کے سرورق پر چھ کالمی شہ سُرخی "اسرائیل نے فلسطینیوں کے انخلاء کا امریکی منصوبہ منظور کر لیا" کے تحت شائع ہونیوالی اس خبر سے ہوتی ہے۔

"بیروت ۱۰ راگست (ریڈیو رپورٹ، رائٹر، اے پ ا) اسرائیل کی کابینہ نے بیروت سے فلسطینیوں کے انخلاء کے

بارے میں امریکی ایلچی فلپ حبیب کے مجوزہ منصوبہ کی اصولی طور پر منظوری دے دی ہے لیکن ساتھ ہی کہا ہے کہ اسرائیلی حکومت اس میں کچھ تبدیلیاں چاہتی ہے اور اسے ہر عرب ملک میں بھیجے جانیوالے فدائین کی تعداد سے آگاہ کیا جانا چاہیئے "

ادھر اسرائیلی کابینہ نے فدائین کے بیروت سے انخلاء کے لئے امریکہ کے ایلچی فلپ حبیب کے مجوزہ منصوبہ کی اصولی طور پر منظوری دیدی ہے ۔ کابینہ کے سیکرٹری نے خصوصی اجلاس کے بعد بتایا کہ اسرائیلی حکومت اس منصوبے میں کچھ تبدیلیاں چاہتی ہے اسرائیل نے اس شرط پر منصوبہ سے اتفاق کرلیا ہے کہ اسے فدائین کے انخلاء کے بارے میں مکمل طور پر باخبر رکھا جائے کہ فدائین کس ملک میں بھیجے جائیں گے ۔

فدائین اور عرب ممالک کی موت کا پروانہ

فدائین کی صحیح تعداد اور انہیں بھیجے جانے والے عرب ممالک کے ناموں سے آگاہ کئے جانے کی اسرائیلی شرط مان لینا فلسطینی مجاہدین اور عرب ممالک کی موت کا پروانہ ہے ۔ کیونکہ ہر فلسطینی مجاہد کو گن گن کر قتل کرنا اور پناہ دینے والے ہر عرب ممالک کا بہانے سے تیاپانچا کرنا اس سے مقصود ہے ۔ امریکی اسرائیلی ملی بھگت سے مسلمان ہوشیار اور خواب خرگوش سے بیدار ہو جائیں ۔ وہ ملت واحد بن کر جہاد کا بندوبست کریں ۔

جب ختم ہوئی جنگ مجاہد نکل آیا

آج کل کے اخبارات میں یہ خبریں قابل ذکر ہیں :

○ لیبیا کے سربراہ کرنل قذافی نے خبردار کیا ہے کہ فلسطینی فدائین کو بیروت سے نکال کر جن عرب ملکوں میں بھیجا جائیگا وہاں بے چینی اور عدم استحکام پیدا ہوگا ۔ امریکی ہفت روزہ ٹائم کو ایک انٹرویو میں انہوں نے لبنان کے بحران کی ذمہ داری دائیں بازو کے فلسطینی لیڈروں اور دائیں بازو کے حامی عرب ممالک پر عائد کی ہے ۔ انہوں نے تنظیم فلسطین کے لیڈر یاسر عرفات اور دوسرے لیڈروں پر بھی تنقید کی اور کہا کہ ان کو اب فلسطینیوں کی قیادت کرنے کا کوئی حق نہیں رہا ۔ صدر قذافی نے دعویٰ کیا کہ لبنان کے بحران سے فلسطینیوں میں نئی قیادت ابھرے گی جو شکست خوردہ قیادت کی جگہ لیگی ۔

(نوائے وقت ۲۰ اگست لاہور)

آپس کے اختلافات نہ نپٹا سکنے والے ممالک کی افواج بھلا صیہونیوں سے کیا نپٹے گی ؟

○ بائیں بازو کے قائدین کا یہ کارنامہ ملاحظہ ہو جو جنگ ختم ہونے پر مجاہدین کا گھر سے باہر نکل آنے کے مصداق ہے یہ کارنامہ اسوقت انجام پارہا ہے جب فلسطینی فدائین کے ساتھ بیروت سے انخلاء کا معاہدہ طے پاگیا ہے ۔ خبر کے اہم حصے یہ ہیں :

" اس دوران میں جنوبی یمن کے ڈپٹی پرائم منسٹر میجر جنرل علی انتار نے شام کی خبر رساں ایجنسی " سنا " سے انٹرویو میں اعلان کیا ہے کہ لیبیا کے کرنل قذافی کی اپیل پر جنوبی اور شمالی یمنوں نے صیہونی حکومت سے لڑنے کیلئے فوج بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے " ۔ فلسطینی فدائین کو پناہ دینے والے ممالک یہ ہیں : شام : ۲۹۰۰ ، مصر : ۹۰۰ ، جنوبی یمن : ۵۰۰ ، الجیریا : ۳۰۰ ، ایران : ۲۵۰ ۔ (پاکستان ٹائم لاہور ۲۰ اگست) لیبیا کا نام ان ممالک میں شامل نہیں کیونکہ شکست خوردہ ٹھہرائی گئی دائیں بازو کی قیادت کو خطرہ دکھائی دیتا ہے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود غرض اور منافق قیادت سے مسلمانوں کو نجات دے آمین ۔ (ترجمان الحدیث)

وفیات

....ادارہ

آہ، ابوالاثر حفیظ جالندھری مرحوم و مغفور

ع۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

خاکپائے جالندھر نے ایسے علمی جواہر پارے پیدا کئے جنہوں نے حیات میں اور وفات کے بعد بھی قوم کو حیات کے ہی پیامات دیئے (مثلاً حضرت امام ناصرؒ، حکیم ملت سید نفضل محمدؒ، حاجی محمد صالح رح، مفتی فقیر اللہؒ (بانیان رشیدیہ) مولانا خیر محمدؒ، مولانا محمد علیؒ، چوہدری محمد علیؒ (وزیر اعظم پاکستان) چوہدری پیر محمد وکیلؒ، چوہدری عبدالرحمن خانؒ، چوہدری اسد اللہ خانؒ، حکیم احمد حسن شاہ، حکیم فقیر محمد، مولانا محمد کوٹری، منشی رحمت علی بہردی، مولانا عبدالحق عباس، حکیم عبدالمجید نابینا طبیب) مولانا مہر و سالک، مولانا عظامی، مرتضیٰ احمد خاں میکش، مولانا محمد انوری، قاری لطف اللہ شہید، مولانا محمد امین، میاں طفیل محمد نیز موجودہ مجاہد امیر حبیب اللہ سعدی اور ہمارے جرنیل سپہ سالار افواج صدر پاکستانؑ) اور شاعر اسلام حفیظ جالندھری جیسے اہل علم وقلم، دانشوران، رجال کار، مردان حُر سرزمین جالندھر کی پیداوار ہیں۔

بقول علامہ غنیمت (کہ در مدح جالندھر میگوید)

؎ چہ پنجاب انتخاب ہفت کشور — قسم خوردہ بخاکش آب کوثر

مرحوم حفیظ جالندھری جب "شاہنامہ اسلام" نظم کر رہے تھے تو جالندھر میں انجمن خادمان اسلام مدرسۃ البنات مدرسہ خیر المدارس کے اجتماعات میں اوّلاً اپنا کلام سُنایا کرتے تھے۔ راقم فاضل جالندھری کو خوب یاد ہے خیر المدارس کے اجلاس میں شیخ الاسلام پاکستان علامہ عثمانیؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حکیم الامت حضرۃ قاری محمد طیب مدظلہٗ اکابرین دار العلوم دیوبند تشریف فرما تھے۔ علامہ عثمانی رح کی تقریر سے پہلے جناب حفیظ مرحوم نے اوّلاً اپنا کلام "سلام بحضور خیر الانام علیہ السلام" پڑھ کر سُنایا۔ جب آخری شعر:

؎ ترا در ہو مرا سر ہو، ترا دل ہو مرا گھر ہو — تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

پڑھا تو علامہ عثمانیؒ بے خود ہو گئے اور ساری تقریر اسی پر مرکوز کر دی......

آخر میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا بیان تھا بخاری صاحبؒ کی تقریر سے پہلے

نوٹ "الرشید" کے ایک خصوصی نمبر کے لئے "جواہرات جالندھر" زیر ترتیب ہیں جن میں اکابرین جالندھر اور رجال جالندھر کی فہرست دی جا رہی ہے۔ جالندھری احباب توجہ سامی فرمائیں۔

حضرتِ حفیظ مرحوم نے اپنا کلام خاص حضرت شاہ صاحبؒ کو سنا کر اس شعر پر متاثر کر دیا :

نہ اُس مکتب میں جاتا میں نہ یوں مسرور ہو جاتا　　　جواب معلوم ہے کاش اُن دنوں معلوم ہو جاتا

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس شعر پر نصف رات تک تقریر جاری رکھی۔ حضرت شاہ صاحب اپنی تقریریں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے اس شعر کا حوالہ دیتے تھے :

اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم　　　ایک سازش ہے فقط دین و مروّت کے خلاف

گذشتہ سے پیوستہ سال راقم آثم نے "الرشید" کی خصوصی مطبوعات لاہور پہنچائیں تو جناب حفیظؒ جالندھری نے بنام فاضل جالندھری اپنی ایک غیر مطبوعہ نظم "پاکستان" کے عنوان پر بھجوائی اور ایک مکتوب مفتوح لکھا۔۔۔۔

بہرحال حفیظ جالندھری حیات ہے۔ اس کا اسلام زندہ ہے، اس کا کلام تابندہ ہے اس کا شاہنامہ درخشندہ ہے اور اس کا پیام زندہ جاوید ہے۔

حفیظ راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ بقول حضرت الاستاذ جالندھریؒ: "حفیظ کی نجات و شفاعت کے لئے صرف کارنامہ "شاہنامہ اسلام" اور حضور علیہ السلام کی سیرۃ منظوم اور صحابہؓ کے مجاہدانہ کارناموں کی اشاعت کافی ہے"۔

ادارہ "الرشید" ساہیوال جناب حفیظ مرحوم کی بیگم صاحبہ، صاحبزادی و جملہ پسماندگانِ خاندان سے تعزیت کرتا ہوا اظہار افسوس اور ادعیہ مغفرت و ایصال ثواب کرتا ہے۔

○ مجلس احرار و تحفظ ختم نبوت کے باقیات صالحات میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن میانویؒ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ع　　خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مولانا عبد الرحمٰن میانویؒ حضرت امیر شریعت کے خصوصی رفقا کاروں میں مرد مجاہد اور خطیب شعلہ بیان تھے اور ملک کی آزادی کے لئے لڑنے والے نڈر سپاہی تھے اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں۔

ع　　ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(فاضل جالندھری)

طبقاتِ دارالعلوم دیوبند

ہے دِل روشن مثالِ دیوبند　　　اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند (اکبر)

"دارالعلوم دیوبند نے ایشیا کے برصغیر میں ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں متعدد طبقات پیدا کئے ان طبقات کے لئے دارالعلوم دیوبند نمبر "الرشید" کی خصوصی اشاعت ملاحظہ فرمائیے۔"

("الرشید")

جامعہ رشیدیہ

میں

بحمد اللہ تعلیمات کے مسائل اور تبلیغی خدمات، تقریری و تحریری امور حسب دستور باضابطہ بطریق احسن سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ جملہ شعبہ جات اور درجات اور جماعتیں زیر تعلیم وتدریس نیز تربیت حاصل کر رہی ہیں۔ عملہ رشیدیہ اپنا مشن چلا رہا ہے!

جامعہ میں تعمیری کام ہمیشہ چلتا رہتا ہے۔ راشدات ہال مُصلّے النساء کی عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچا چاہتی ہے، اخراجات و مصارف ترقی پذیر ہیں۔ آمدن توکل بر خدا۔

گذشتہ سال سے چرمہائے قربانی اور بعض حضرات کے نام رقومات واجب الادا ہیں

راشدات ہال مقروض ہے!!

؎ ہوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہے ہیں

مخیّر اصحاب اور احباب توجہ سامی فرمائیں گے تو انشاء اللہ قافلہ چلتا رہے گا...

تاریخ دار العلوم دیوبند نمبر • مدنی و اقبال نمبر کی مجلدات باقیات صالحات ہیں

جملہ احباب جماعتی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیتے ہوئے خصوصی عنایت فرمائیں۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ!

(پیر جی) عبد العلیم ناظم جامعہ رشیدیہ

Phone
NO. 2356

جریدۃ اسلامیہ شہریۃ تصدرعن الجامعۃ الرشیدیۃ

REGD. L
NO. 8054

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE PAKISTAN

مساجد اہل حق، اہل سنت، مدارس اسلامیہ عربیہ دیوبندیہ پاکستان کے تحفظ و استحکام کے پیش نظر ایک جامع و مانع نظم ونسق کے ماتحت جماعتی وحدۃ، مسلکی تنظیم اور طبقاتی کشمکش کے فروعی اختلافات کو کم سے کم کرنیکے لئے ایک عظیم و دیع منظم و محکم

رَشِیدیہ کنونشن

بسرپرستی، اکابر حضرات علماءِ دیوبند، وفاق المدارس العربیہ، منتظمین جامعات و دار العلوم خطباءِ ملیہ، جمعیۃ طلباءِ اسلام قاسمی و رشیدی منعقد ہوگی۔ تاریخوں کا مستقبل قریب میں اعلان فرمائیے انشاء اللہ رشیدیہ کنونشن ملک و ملت کی نمائندہ کانفرنس ہوگی۔ اور اس اجتماع میں دیوبندی مکتب کو بڑھانے کے لئے خصوصی پروگرام ترتیب دیا جائے گا۔ اس خالص دینی اجتماع سے متعلق فاضل مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے رابطہ قائم فرمائیں اور اپنی آراء و تجاویز سے مطلع فرمائیں۔

؎ اٹھ کر اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

مدیر ... حبیب اللہ رشیدی

بادارت
فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ، ساہیوال پاکستان

خطاب بہ جامعہ رشیدیہ

حامدین طالب شریفی

یہ نظم حضرت مفتی فقیر اللہ رائپوریؒ و حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی موجودگی میں
آج سے بیس سال پیشتر جامعہ کے اجلاس میں قاری عبدالغنی زار خطیب جامع
غلہ منڈی نے پڑھ کر سنائی۔ اور "راشدات ہال" کی تقریب پر "قند مکرر" قاری صاحب
نے اپنے مخصوص انداز میں پڑھی۔ حضرت پیر جی صاحب کے ایماء سے حاضر خدمت ہے

○

اے کہ تجھ سے آج قائم دینِ قیم کا وقار
تیرے دم سے گلستانِ دین میں آئی بہار

ہیں منور تیری ضوپاشی سے ابنائے جہاں
نصرۃِ حق رہتی ہے ہر آن تیری سازگار

ہر صفِ باطل سے تُو ہے معرکہ آرا رہا
رہنا ناموسِ محمدؐ پر فدا تیرا شعار

تجھ کو نسبت ہے رشید احمدؒ سے جو بالاتفاق
تھے امام الاتقیاء اور دینِ قیم کے مدار

آج عظمت تیری قائم ہے فقیر اللہؒ سے
ذات عبداللہ سے ہے بڑھ گیا تیرا وقار

سربلندی کا تیری ضامن حبیب اللہ ہے
جس کی حق گوئی سے باطل آج ہے بامالِ زار

حضرت خیر محمد کا ہے یہ فیضان سب
ہے فضا جو آج تیری جامعہ یوں گلزار

ہے دُعائے حامدِ گم گشتہ روز و شب
تاقیامت جامعہ را اے خدا تابندہ دار

بیادگار: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

[ماہنامہ]

الرشید

جلد ۱۱ — مارچ ۸۳ء

شمارہ ۵ — جمادی الاول ۱۴۰۳ھ

مدیر اعلیٰ: فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر: عبدالرشید ارشد

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

مقام اشاعت: ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

خطاط: حزب اللہ خالد

پرنٹر: منہاج الدین اصلاحی
شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

آئینہ مضامین

فاضل حبیب اللہ رشیدی

راشدات ———— اِدارہ

مؤتمر رشیدیہ ساہیوال

ع آبرو باقی تیری ملت کی جمعیت سے ہے — جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

اخوان دارالعلوم و ابناء دیوبند ....

ع گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی — ثریا نے زمیں پر آسماں سے ہم کو دے مارا

گذشتہ راشدات "الرشید" میں جس وحدتِ عمل کی دعوت اتحاد دی تھی اس کی صدائے بازگشت باقی ہے۔
تادم تحریر مندرجہ ذیل اخوان و برادران دارالعلوم کی طرف سے خیر مقدم، حوصلہ افزائی، راہنمائی کی تجاویز موصول ہو رہی ہیں۔

- دارالعلوم حقانیہ — اکوڑہ خٹک — پشاور
- انجمن ربانیہ و جامعہ مدنیہ ——— اٹک
- مولانا محمد رمضان علوی ——— راولپنڈی
- مولانا قاضی شمس الدین شیخ الحدیث جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ
- مولانا ظفر احمد قاسم جامعہ عثمانیہ — شورکوٹ شہر
- عملہ دارالعلوم ——— کبیروالہ
- مجلس ارشاد المسلمین ——— لاہور
- مولانا محمد عبداللہ خطیب ——— اسلام آباد
- صاحبزادہ حضرۃ مولانا حسین علیؒ ——— واں بھچراں
- ادارہ خدام الدین —— نوشہرہ چھاؤنی — پشاور
- مولانا عبدالحکیم مدیر جامعہ فرقانیہ ——— راولپنڈی
- مولانا محمد ضیاء القاسمی ——— سواد اعظم اہلسنت پاکستان
- مولانا سرفراز احمد خاں صاحب صفدر شیخ الحدیث گکھڑ
- مولانا فداء الرحمٰن درخواستی ——— کراچی
- مدرسہ جامعہ رحمانیہ ——— جہانیاں
- علمائے بہاول پور ———
- مدیر محترم ادارہ خدام الدین ——— لاہور
- جامعہ حسینیہ پنو عاقل ——— سندھ

اب جبکہ ہمارے ملک میں چند ایام سے مولانا عبدالستار نیازی کا چار نکاتی فارمولا "دعوتِ اتحاد" کے عنوان سے چل رہا ہے اس مذہبی و دینی دعوتِ اتحاد کے ساتھ ملک کے بعض دیگر سیاسی ادارے بھی اتحادی دعوت لے رہے ہیں۔
اندریں حالات! أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ الخ

ع چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما.......

کیا اس خارجی دعوت سے پہلے داخلی اتحاد اور اندرونی وحدتِ عمل کے فارمولے پر غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں؟ مقام مسرت ہے کہ جامعہ اشرفیہ اور علمائے لاہور جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ اور نظام العلماء کے اکابر اس مسئلہ

پر سنجیدگی سے غور و خوض فرمانے لگے ۔ ولیس علی اللہ بمستنکر۔ ان یجمع العالم فی واحد ۔

ابناءِ دار العلوم !

آپ حضرات کی تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر میں تراجم و تفاسیر قرآن اور علوم احادیث ولی اللٰہی سادات کے ذریعہ آئے اور پہلے اور ان کے وارث علماء دیوبند ہوئے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علوم احادیث اور تراجم و تفاسیر اور فقہ حنفی کی نشر و اشاعت، درس و تدریس، تعلیم و تعلم اور تربیت، فتاویٰ اور عربی تعلیمات کا کام پورے ایشیاء میں دار العلوم دیوبند کے ذریعے شروع ہوا ۔ اس واسطے ہم کہتے ہیں کہ دار العلوم صرف ایک مدرسہ ہی نہیں بلکہ ثمرۃ التربیت ایک عظیم تحریک اور جامع مکتب فکر و نظر ہے ۔ دار العلوم کے پھیلاؤ کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہ سکی ۔ دار العلوم کے اثرات عالم میں موجود اور عالمِ اسلام اس سے مستفیض ہے ۔

الرشید کے دار العلوم دیوبند نمبر میں راقم نے اٹھارہ طبقات کی نشاندہی کی تھی جو ہمارے محدود علم میں آئے ۔ انہی طبقات میں مجاہدین کا طبقہ عظیم و کبیر طبقہ ہے جنہوں نے انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا کہ " انگریزو! ہندوستان سے نکل جاؤ " بالآخر انگریز کا انخلاء ہوا ۔ دار العلوم کا یہ بھی ایک عظیم کارنامہ ہے ۔

اور اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پورے ہندوستان میں جب بھی کسی فتنے، ضالہ فرقہ، گمراہ طبقہ نے سر اٹھایا تو اس کی سرکوبی کے لئے علماء دیوبند نے ہراول دستہ کا کام کیا ۔

ذرا غور فرمائیے ! عیسائیت کے شیوع فروغ کو حضرت بانیٔ دار العلوم نے روکا ۔ آریہ مت کے فتنۂ ارتداد کا مقابلہ حضرت تھانویؒ اور جمعیۃ علماءِ ہند نے کیا ۔ قدیم فتنہ رفض و تشیع کا قلع قمع حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ نے کیا، جدید فتنہ مرزائیت کا سدباب حضرت علامہ انور شاہ کشمیری محدث دار العلوم کا رہینِ منت ہے ۔ شرک کی تردید، بدعات کا رد مولانا سید مرتضیٰ حسنؒ مبلغ و مناظر دار العلوم کے علم و قلم سے ہوا ۔ پنجاب میں توحید و سنت کی دعوت و فکر، تفسیر قرآن کی روشنی میں حضرت مولانا حسین علیؒ، حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نے پھیلائی اور فتنہ مرزائیت میں آخری کیل حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہٗ نے گاڑی، اور اس کی تکمیل ملک میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے اور اسمبلی میں مفتی محمودؒ نے کر کے دکھا دی اور آج بھی لادین و بے دین عناصر کی سرکوبی علماءِ دیوبند ہی کر رہے ہیں ۔

میرے بزرگو ! ——— علماءِ دار العلوم دیوبند کے تحقیقی مسائل آپ کے سامنے ہوں گے ۔ تفاسیر، تراجم، تشریحات احادیث ۔ تفقہ فی الدین ۔ علوم عقلیہ ۔ فنون نقلیہ ۔ تصنیفات و تالیفات کے میدان میں علماءِ دیوبند کا مقابلہ کون کر سکتا ہے ۔

دار العلوم کی تعلیمات اقتصادی عالم میں مسلّم نیز دار العلوم کے فتاویٰ عالم اسلام میں مستند اور ان کی تحقیقات دنیا بھر میں معتبر ہیں۔
حضرات! بانیانِ دار العلوم کا جہاد حریت ۱۸۵۷ء، حضرت نانوتویؒ کا فلسفۂ علم وکلام، حضرت گنگوہیؒ کا تفقہ فی الدین، حضرت اسیر مالٹا شیخ الہندؒ کا جہادِ عظیم، حضرت مرشدی سید مدنیؒ کے مجاہدات کبیرہ، علامہ سید انور شاہؒ کی حدیث دانی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا علم بیان وکلام، مولانا خلیل احمدؒ کی تصنیفات، حضرت شیخ الحدیث کے فضائل وکمالات اور اس دور میں حضرت تھانویؒ کی سینکڑوں تصانیف وتالیفات اس کے بین ثبوت ہیں۔

اُولئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

میرے قابلِ احترام بھائیو!
اب مجھے صاف صاف باتیں کہنے کی اجازت دیجئے اور ناراضگی معاف فرما دیجئے۔
جب تک آپ کی جمعیۃ کی وحدت تھی آپ کا قدم ترقی کی طرف تھا۔ جب جمعیتیں مختلف، جماعتیں متعدد، طبقات غیر منظم اور حلقے منتشر ہوئے تو آپ کے اختلافات وسیع ہو گئے اور اضمحلال آنے لگا۔ اب تعمیری کام کی بجائے تنقیدات شروع ہو گئیں۔ غیروں میں تبلیغ کا کام چھوڑ کر آپس میں الجھنے لگے ایک دوسرے کی مخالفت کے پروگرام بنائے گئے۔
ہم کسی جدید تنظیم یا جمعیۃ بنانے کے حق میں نہیں۔ ہماری دعوت مبنی بر خلوص ہے۔ ہم بزرگوں کی منت سماجت کرتے ہوئے جملہ طبقات کی خدمات میں عرض معروض کرتے ہیں اور بانیان جماعت سے استدعا کرتے ہیں، احباب ورفقاء سے اپیل کرتے ہیں اور اصحابِ خیر کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں کہ خدارا علماءِ دیوبند پر رحم کرو۔ ہمارے نظریۂ عدم مخالفت کے اصول کو سمجھو! اختلافات کے باوجود وحدتِ عمل کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنے پر حلف اٹھاؤ خلوۃ وجلوۃ میں اپنے اعضاء، دست وبازو پر شفقت برتو اور اپنے بھائیوں کے حال زار پر خدا ترسی کرتے ہوئے اپنے تحفظ واستحکام کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاؤ اور اپنی گمشدہ روایاتِ عزت وعظمت کو بحال کرو۔
یہ دکھ بھری داستان لکھی جا رہی تھی کہ خانقاہ عالیہ دین پور شریف سے مجھے سہارا ملا۔ سراج ملت حضرت مولانا میاں سراج احمد صاحب دامت برکاتہم کے ایک مکتوبِ محبوب نے میری رہنمائی وترجمانی فرمائی اور مجھے حوصلہ ہوا حضرت دین پوری نے لکھا:

"اور دیوبند فکر کی تمام تنظیموں کے احباب وارباب حل وعقد سے درخواست کرتا ہوں کہ وقت کی نزاکت کے پیش نظر اپنے تمام تر اختلافات کو نظر انداز فرمائیں۔ فقیر کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعتِ حقہ وعلماءِ دیوبند کو متحد ہو کر دینی کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔
سراج احمد عفی عنہ دین پوری
۱۲-۵-۱۴۰۳ھ

باقی بر صفحہ ۲۶

خدام الدین لاہور نے لکھا

ایک "مسرت زا خبر"

◉

ملک کی معروف دینی درسگاہ جامعہ رشیدیہ کی طرف سے اہلسنت والجماعت (دیوبندی حنفی) کا اجتماع بلانے کی خبر سامنے آئی ہے جس کا مقصد بالکل واضح ہے کہ اس طبقہ کو اکٹھا کر کے اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے۔

ظاہر ہے کہ خبر بڑی مسرت زا اور خوش کن ہے اور اسکا خیر مقدم ہر وہ شخص کرے گا جس کے دل میں ملک و ملت کے لئے صحیح درد اور تڑپ ہے۔ اس وسیع و عریض خطہ میں جس طبقہ نے ملک و ملت کی بے لوث خدمت کی اس کا علمی و فکری رشتہ حضرت الامام ولی اللہ شاہ محدث دہلوی قدس سرہما تک پہنچتا ہے جبکہ اس سے اوپر نسبت علمی و فکری شائع اور واضح ہے۔ چونکہ آئندہ چل کر اس طبقہ کی علمی درسگاہ دیوبند نامی قصبہ میں قائم ہوئی ہے اس لئے عرف عام میں دیوبندی کہا جانے لگا یہ نسبت ایسی ہی تھی اور ہے جیسے ازہری، ندوی، علیگ کی نسبتیں ہیں لیکن خوف خدا سے عاری بعض لوگوں نے اسے ایک مکتب فکر کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر نا شروع کر دیا ہے جو ہر طور غلط تھا اور ہے کیونکہ مادر علمی دیوبند سے وابستہ حضرات اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی ہیں جو اسلام کے صدر اولین سے اب تک مسلسل چلی آرہی ہے۔

۱۸۵۷ء کے خونی حادثہ کے بعد اس ادارہ سے متعلق حضرات نے مختلف محاذوں پر جو خدمات سرانجام دیں ان کا ایک زمانہ معترف ہے گو کہ آج کل تاریخ سازی کے چکر میں جھوٹ کی مہم جاری ہے لیکن سچ سچ ہے اسے دبانا بڑا مشکل ہے اور ہمیں یقین ہے کہ امتِ مسلمہ کی تکفیر و تفسیق کا گمراہ کن مشغلہ اپنانے والے بزعم خود غلط عناصر اور سنتِ نبوی کے برعکس بدعت و گمراہی سے مناسبت رکھنے والے افراد بہت جلد اپنے اس مکروہ مشغلہ میں ناکام ہو کر منہ کی کھائیں گے۔

اصل المیہ ہمارا اپنا ہے کہ ہم "پدرم سلطان بود" کے رسیا ہو کر رہ گئے ہیں۔ عمل و کردار رخصت ہو چکا ہے اور باہمی انتشار نے اور ہی زیادہ مصیبت کھڑی کر دی ہے اس ماحول و پس منظر میں جامعہ رشیدیہ اور اس کے فعال، متحرک مخلص اور درویش، خدامست ناظم مولانا فاضل حبیب اللہ جالندھری کا یہ اقدام پوری جماعت کی طرف سے تبریک و تحسین کا مستحق ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ مادر علمی دیوبند سے وابستہ تمام افراد اور جماعتیں اس صدائے رشیدی پر کھلے دل سے لبیک کہہ کر اپنی صفوں کو مستحکم کریں گی اور ایک بار پھر اپنے اسلاف کے کردار کی طرح حُسنِ عمل کا مظاہرہ کر کے کفر و الحاد پر چھا جائیں گی۔

؎ ایں دعا از من و از جملہ آمین باد

۱۵ / فروری ۱۹۸۳ء

○

اِتّحاد و اِتفاق

مولانا محمد عابد حسین، مدرسہ قادریہ، شکری، مدھوبنی (انڈیا)

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و لا تنازعوا۔ الخ۔

"اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت کرو اور آپس میں مت جھگڑو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔"

آیت مذکورہ میں خدا نے اپنے بندوں کو اطاعت و فرمانبرداری اور اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے اور باہمی نفاق و انشقاق سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ کیونکہ یہ وہ بری شے ہے جو انسان کو نہ صرف بزدل اور پست ہمت بنا دیتی ہے بلکہ ہلاکت و بربادی، ذلت و رسوائی کے عمیق غار میں ہمیشہ کے لئے دفن کر دیتی ہے۔

اتحاد و اتفاق کی افادیت و اہمیت سے دنیا کے کسی بھی باشعور انسان کو انکار نہیں۔ اس کے بغیر دُنیا میں کوئی بھی قوم عزت و آبرو کی زندگی بسر نہیں کر سکتی اور نہ ہی ترقی و کامیابی کی راہ پر گامزن ہو سکتی ہے۔ اتحاد و اتفاق کی راہ ایک ایسی راہ ہے جس پر گامزن ہو کر کوئی بھی قوم بڑی سے بڑی دشواریوں کا مقابلہ جوانمردی کیساتھ کر سکتی ہے اور اپنے اعلیٰ مقاصد کے سامنے آنے والی ساری رکاوٹوں کو نہایت آسانی کے ساتھ دُور کر سکتی ہے۔ یہی وہ دولت تھی جسے اپنا کر ہمارے اسلاف دنیا کے سامنے ایک عظیم طاقت کی شکل میں نمودار ہوئے جن کا مقابلہ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کر سکی، جو بھی طاقت ان سے ٹکرائی پاش پاش ہو کر رہ گئی۔ بڑے بڑے ظالم و سرکش بادشاہوں کے سروں کو ہمارے اسلاف نے اپنے پاؤں تلے روندا قیصر و کسریٰ کی حکومت ان کے زیر نگیں ہوئی۔ جہاں جہاں بھی گئے رحمت خداوندی ان پر نچھاور ہوتی رہی۔

فتح و ظفر نے ان کی قدم بوسی کی، عزت و اقبال نے پیشوائی کی۔ کامیابی و کامرانی نے ان کے قدم چومے۔ اور یہ سب ثمرہ تھا ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور باہمی اتحاد کا۔

تاریخ اسلام ہماری عظمتِ ماضیہ کی گواہ ہے کہ جبتک ہمارے دلوں میں اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ موجزن رہا اور ہم اتحاد و اتفاق کا دامن تھامے رہے تو ہم نے نہایت ہی آبرومندانہ زندگی بسر کی اور بڑی سرعت کیساتھ ترقی کے منازل طے کرتے رہے ہماری رفتار ترقی کو دیکھ کر دنیا کی دوسری قومیں متحیر اور انگشت بدنداں تھیں۔ دنیا کی نگاہوں میں ہمارا ایک خاص مقام تھا۔ رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ وقت کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہمارے خوف سے لرزہ بر اندام تھی۔

لیکن آج حالات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ ہمارا دین، ہمارا ایمان، عزت و ناموس، مقابر و مساجد، مراکز علمی سبھی کو مختلف خطرات سے دوچار ہیں اور ہم خاموش تماشائی کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ کچھ کر نہیں سکتے، بےبس و مجبور

ہو کر رہ گئے ہیں۔ ذلت و رسوائی ہم پر مسلط ہو چکی ہے۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے، اس کے اسباب کیا ہیں؟

کاش ہم مسلمان مل جل کر اس بات پر غور کرتے تو یہ بات واضح ہو جاتی کہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم نے احکام خداوندی سے نہ صرف یہ کہ غفلت برتی بلکہ باغیانہ روش اختیار کی، اطاعت رسول سے انحراف کیا، تشتت اور تفرق کا شکار ہو کر رہ گئے۔ ہم نے اپنی ساری خوبیاں گزار دیں اور دنیا کی تمام برائیاں سیکھ لیں۔

ہم اپنے لوگوں کے سامنے بزدل بن گئے، ہم نے اپنا جماعتی شیرازہ بکھیر دیا، مختلف ٹولیوں اور طبقوں میں بٹ گئے کہیں ذات پات کے جھگڑے ہیں تو کہیں مذہب کے نام پر لڑائی، کہیں حسب و نسب پر فخر اور غرور کا اظہار۔

جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی قرآن بھی اللہ بھی ایک کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

مسلمانو! حد ہوئی ہماری ذلت و رسوائی کی۔ خدارا اب بھی ہوش میں آؤ اور اپنے حالات سنوارنے کی کوشش کرو ہمارے باہمی نزاع و اختلاف سے اغیار کو موقع ملا۔ ان کی ہر شیطانی کوشش کامیاب ہونے لگی، واقعات ماضیہ سے سبق حاصل کرو، مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ باہمی نفاق و انتشار سے متاثر ہے، بغداد کی تباہی، سلطنت مغلیہ کا انحطاط یہ سب مسلمانوں کے باہمی نزاع اور خانہ جنگی کا ہی نتیجہ ہے۔ ہم ان حالات سے دوچار ہیں جو سخت المناک اور تکلیف دہ ہیں۔ سوائے خدا کے ہمارا کوئی پشت پناہ اور فریاد رس نہیں۔ اس لئے اللہ اور رسول سے اپنا تعلق پھر سے استوار کرو اور فرمان خداوندی پر عمل پیرا ہو جاؤ یعنی "سب متحد ہو کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ مت پیدا کرو، اپنے اندر مومنات وصف پیدا کرو اور حکم خداوندی کے مطابق ہر مومن اور مسلم کو اپنا بھائی سمجھو، بغض و عناد، حسد، کینہ، چغل خوری تجسس و قطع رحمی خود رائی و خود فریبی سے باز آ جاؤ۔ یہ مہلک جرائم ہیں جو باہمی نفاق و انتشار کا سبب بنتے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا ولا تقاطعوا وکونوا عباد اللہ اخواناً۔

"آپس میں بغض و حسد نہ کرو ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی مت کرو اور ایک دوسرے سے قطع تعلق مت کرو اے اللہ کے بندو آپس میں سب بھائی بھائی بن جاؤ۔"

جتنے عبادات اسلامیہ ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب ہمیں مساوات و برابری کی تعلیم دیتے ہیں۔ اگر ہم نے اسکو اپنی زندگی میں عملی شکل دینے کی کوشش نہیں کی تو ہماری تمام عبادات بے سود ہیں۔ دعا ہے کہ خدا ہم مسلمانوں کو ایک اور نیک بنائے آمین۔

(النقیب الہند)

مولانا تھانوی ـــ
جامعہ اشرفیہ سکھر

ان فی ذالک لعبرۃ

حضرات علماء کرام و مشائخ عظام سے درخواست

اسوقت پاکستان جن مسائل سے دوچار ہے اور جن حالات میں گھرا ہوا ہے اس سے کوئی محب وطن پاکستانی نابلد نہیں ہے اسوقت جس معاشرہ میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں اسے شرعاً مہذب و بہترین نہیں کہا جا سکتا اس وقت ہم اس زمرہ میں داخل نہیں ہیں جس کی نوید اللہ رب العزت نے سید الملائکہ جبریلؑ امین کے ذریعے سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الخ

کیونکہ ہم اس معیار پر پورے نہیں اُتر رہے ہیں۔ معاشرہ میں فحاشی، عریانی، بے دینی، بے حیائی اور بے شرمی کا زور ہے۔ خوفِ خدا نام کی کوئی چیز ہم میں موجود نہیں ہے۔ اتباعِ سُنتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عملاً ہم تیار نہیں صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظامؒ کے نقش قدم پر چلنا ہمارے لئے باعث شرم ہے۔ غیر مسلموں کو اچھا سمجھنا ان کے ہر کام کی نقل کرنا ہمارا فریضہ ہے۔

وحدہٗ لاشریک کی ذات پر نہ اعتماد نہ بھروسہ، غیر اللہ پر تکیہ و اعتماد ہمارا اولین فریضہ ہے۔ امریکہ، چین، روس اور دیگر غیر مسلم ممالک کی مثالیں دینا باعثِ افتخار، اسوۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتباعِ صحابہؓ کی مثالیں دقیانوسیت شمار ہوتی ہیں۔

جو چیزیں شریعت مطہرہ میں محاسن ہیں انہیں ہم معیوب سمجھتے ہیں، مثلاً سچ، ایمانداری، امانت، دیانت، حلال روزی، نماز، روزہ، پردہ، شرم و حیا اور جو چیزیں شریعت میں معیوب ہیں وہ ہمارے ہاں محاسن ہیں اور وجہ افتخار جیسے جھوٹ، بے ایمانی، بد دیانتی، دھوکہ، حرام کمائی، بے پردگی، بے شرمی، بے حیائی، رشوت، ناانصافی، حق تلفی۔

اس دور میں علماء کرام کا یہ فرض ہے کہ سب مل کر لادینی قوتوں، اشتراکی طاقتوں کا مقابلہ کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو:

؎ تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

اگر آپ حضرات نے دین کی سربلندی کے لئے اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے باہم شیر و شکر ہو کر کام نہ کیا تو یاد رکھیئے کہ یہ قوم آپ کو ہرگز ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ بہرحال اگر آپ اس قوم کے غیض و غضب سے بچ بھی گئے تو ربِ کریم کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ آپس میں فرقہ بندیاں، پھر ان فرقوں میں بھی کئی کئی جماعتیں۔ "الامان والحفیظ"

مثلاً جمعیت علماء اسلام مفتی محمودؒ گروپ، مولانا درخواستی گروپ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ گروپ بنانے کی تمنا۔

کیا یہی اسلاف کا طریقہ ہے کیا یہی دین محمدی ہے کیا یہی اتباع سُنت ہے اور کیا یہی صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے؟

باقی بر صفحہ ۳۹

گذرے ہوئے لمحے اور آنیوالے دن

سیکنڈوں سے منٹ، منٹوں سے گھنٹے، گھنٹوں سے دن اور دنوں سے ماہ وسال بنتے جاتے ہیں!
وقت کا یہ سفر ابتداء آفرینش سے جاری ہے اور عالم ناسوت کے ختم تک جاری رہے گا۔ جگر مراد آبادی نے
کیا اچھی بات کہی تھی ؎ کس کا خیال کونسی منزل نظر میں ہے
صدیاں گذر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے

شارع علیہ السلام نے وقت کی بڑی قدر کی اور اسے بہت قیمتی بنایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وقت کو برا نہ کہو کہ وقت کو برا کہنا مجھے برا کہنا ہے۔ گویا یہ شب و روز یہ ماہ وسال اور یہ قرن وصدیاں خدائے ذوالجلال کی قدرت کاملہ اور قوت تخلیق کے مظہر اتم ہیں اور ان کے دامن میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کردہ ہے۔ وقت کی ایک حیثیت تو یہ ہے اور دوسری حیثیت یہ کہ وقت عزیز کا جو لمحہ بھی ہمارے ہاتھ سے نکلا وہ صرف وقت نہ تھا بلکہ قدرت کی بخشی ہوئی ایک لازوال نعمت تھی جنہیں ہمیں اچھے کام نہ کرنیکا افسوس اور آنیوالے لمحات زندگی میں اپنے کردار کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے!

ایک اور حدیث میں ہے کہ اہل قبور زندہ لوگوں کو جب عبادت کرتے دیکھتے ہیں تو حسرت کرتے ہیں کہ کاش ہمیں پھر یہ ناسوتی زندگی ملے اور ہم اسی طرح پھر عبادت کا فرض انجام دیکر اپنے نامۂ اعمال کو روشن کرسکیں۔
ہر دانشمند کی نظر میں ہر لمحۂ زندگی فانی زندگانی کا ایک حصہ ہے وہ گذرے ہوئے لمحوں میں اپنی غفلت کوشی پر ندامت محسوس کرتا ہے اور آنیوالے سال میں اپنی ہمت کو اچھے کاموں کے لئے تیار کرتا ہے۔

(دیوبند ٹائمز)

حضرت مولانا عبید اللہ انور

۸ جنوری ۱۹۸۳ء لاہور کی فکری نشست میں پڑھا گیا

امامِ انقلاب

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا آخری سفرِ دیوبند

۲۴ سالہ جلا وطنی کے بعد حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب وطن واپس تشریف لائے تو سفر و حضر میں مجھے خادمانہ حیثیت سے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ ان دنوں حجۃ اللہ البالغہ اور درس قرآن ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ ان کی عمر کا آخری اور میری عمر کا ابتدائی دور تھا۔ پھر بھی حسبِ استطاعت میں نے اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ کم علمی کی وجہ سے جب کوئی بات میری سمجھ میں نہ آتی تو میں سوال کی جرأت کرتا اور مولانا انتہائی شفقت سے دل کھول کر بات سمجھاتے اور پوری طرح مطمئن فرماتے۔ یہ سطور میری اُن سے آخری ملاقات کی یادداشت ہیں۔ اس کے بعد مرض الوفات میں مجھے کچھ خدمت کا موقع ضرور ملا لیکن کسی علمی گفتگو کی نوبت نہیں آئی۔ مولانا مرحوم ان دنوں مختلف امراض کے نرغے میں تھے ان پر تکالیف کی یورش تھی لیکن زبان سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرماتے تھے ان کی قوتِ برداشت پر معالج بھی حیران تھے بس ایک ہی لگن تھی جو بھی عیادت کیلئے آتا اسے قرآن میں غور و تدبر اور تفکر و تفحص کی نصیحت فرماتے۔ ان دنوں ان کا ایک ہی پیغام تھا کہ دنیا کے تمام روگوں، دکھوں اور مصائب و مشکلات کا حل صرف قرآن میں موجود ہے۔ قرآن کو پڑھو، سمجھو اور اس پر عمل کرو اور اپنی زندگی قرآنی تعلیمات کو عام کرنے میں کھپا دو۔

؎ قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں   اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

یہ اوائل ۱۹۴۴ء کی بات ہے میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف کا سبق پڑھ کر اپنے کمرہ باب الظاہر کی طرف آرہا تھا، ایک طالب علم تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا قریب آیا کہ حضرت مدنیؒ یاد فرما رہے ہیں، فوراً حاضر ہوا۔ جب مہمان خانہ میں میری اُن پر نگاہ پڑی ہنس کے فرمایا لیجئے آپ کا وہ چہیتا آگیا۔ آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں تو مولانا سندھیؒ کو حضرتؒ ناشتہ کرا رہے تھے مجھے فرمایا یہ دہلی سے لاہور کا قصد فرما چکے تھے میں نے دیوبند کی دعوت دی انہوں نے فرمایا کہ اس شرط پر کہ میاں اصغر حسین صاحب سے ملاقات کرائیں، میں نے وعدہ کر لیا۔ اب انہیں محلہ قلعہ پر میاں صاحب کے ہاں لے جائیں۔ تعمیل ارشاد میں چل تو پڑا ادب کی وجہ سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی ورنہ میں تو ۱۹۴۱ء سے دیوبند میں مقیم ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ میاں صاحب عصر کے بعد ہی ملاقات کرتے ہیں اور اس وقت وہاں تعویذ لینے والے اور ملاقات کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوتا ہے میاں صاحب

اپنے معمول کے خلاف کبھی کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ ہم دار العلوم روڈ پر چلے آرہے تھے کہ راستہ میں لو ہچی سی منڈیر کا ایک ٹوٹا کنواں پڑتا ہے کنویں سے اسطرف ایک صاحب خاصا بڑا رومال چہرہ پر ڈالے ادھر آتے ہوئے دکھائی دیئے لیکن ذہن اسطرف متوجہ نہ ہوا خیال ہوا کوئی بھی لیکن میاں صاحب کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسوقت سڑک پر خوب چہل پہل تھی وقت کوئی دس گیارہ کا ہوگا۔ میں اس سوچ میں گم تھا کہ میاں صاحب کے ہاں تو اسوقت کوئی بڑے سے بڑا آدمی دستک نہیں دے سکتا میں کس طرح انہیں اطلاع کروں گا لیکن خدا کی شان، جونہی پلٹ کر دیکھتا ہوں کہ دونوں بزرگ گرم جوشی سے معانقہ فرمارہے ہیں۔

اللہ اکبر، تو یہ گویا میاں صاحب ہی تھے اور فرماتے ہیں کہ میں تو صبح سے آپ کے باٹ دیکھ رہا تھا (انتظار کر رہا تھا)
اب مجبوراً چلا کہ دیکھوں کہاں رہ گئے۔ اسوقت مسرت وانبساط سے دونوں بزرگوں کے چہرے دمک رہے تھے اور پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے خراماں خراماں قیام گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے یہ ایک شیخ الحدیث مادر زاد ولی اللہ کا کشف تھا اور دیوبند والے تو ان کے کشف وکرامات دیکھنے کے عادی ہیں۔ مکان پر آکر ایک اور حیران کن بات دیکھی کہ تین پیالوں میں گنے کے رس کی عمدہ کھیر رکھی ہے قریب میں گرم دودھ پڑا ہے اور ہم تین افراد کے سوا وہاں اور کوئی موجود نہیں۔ میاں صاحب نے اپنے دستِ مبارک سے ان میں دودھ ڈالا ایک ایک پیالہ ہمیں عنایت فرمایا اور ایک پیالہ خود لے لیا ارشاد ہوا نوش جاں فرمائیں ——— پھر برسوں کے بچھڑے دوست راز و نیاز کی باتوں میں مشغول ہو گئے اور ساتھ لذیذ و عمدہ کھیر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مجھے تو رہ رہ کر مائدہ سماوی یاد آتا رہا جیسے ابھی ابھی ہم پر نازل ہوا ہو۔ ان دونوں بزرگوں میں قدرِ مشترک حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات اقدس اور ان سے عقیدت ومحبت تھی اور زیادہ تر ان ہی کے کمالات ان کی علمی و دینی اور سیاسی خدمات، ان کے احساسات ورجحانات پر گفتگو جاری رہی۔ بالخصوص قرآن حکیم سے ان کا شغف اور بے پناہ محبت اور انگریزوں اور ان کے گماشتوں سے اظہار نفرت وبے زاری کا بار بار ذکر آتا رہا۔ ضمناً شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ اور خاص طور پر جنگِ آزادی میں علماء کا جرأت مندانہ کردار اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی حریت فکر جہاد شاملی و تھانہ بھون اور رفض و بدعات کے خلاف ان کے کارنامے بیان کرتے ہوئے مولانا سندھیؒ نے فرمایا حضرت شیخ الہندؒ کو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے تواضع اور انکسار کی نسبت تھی۔ اس نسبت کو امام ولی اللہ اپنی کتابوں میں نسبت اہل بیت کا نام دیتے ہیں اور یہی نسبت اہل بیت حضرت شیخ الہندؒ سے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو حاصل تھی۔
پھر دونوں بزرگوں نے شریف حسین والی مکہ کی ترکوں سے غداری اور حجاز مقدس میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کی گرفتاری پر رنج وقلق کا اظہار کیا اور اسارتِ مالٹا کے دوران سنگدلانہ اذیتوں کو جس صبر وتحمل سے برداشت کیا ہے اُس پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ ادھر مولانا سندھیؒ دنیا کے مختلف گوشوں بالخصوص دیارِ حرم میں بکھری اپنی خوشبو صورت یادوں کو سمیٹ رہے تھے اور میاں صاحب کے منہ سے بے اختیار دعاؤں کے پھول جھڑ رہے تھے۔ نہ معلوم یہ پاکیزہ محفل کب تک جاری رہتی کہ مجھے کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ حضرت مدنیؒ کا خادم پیغام لایا ہے کہ مولانا سندھیؒ کے لئے دوپہر کا کھانا

تیار ہوچکا ہے اور حضرت مدنیؒ مہمانوں سمیت انتظار میں ہیں۔ اُٹھتے ہوئے مولانا سندھیؒ نے فرمائش کر دی میاں صاحب حج کے موقع پر آپ نے حرم کعبہ میں جو بات ہمیں سنائی تھی وہ ایک بار پھر سنا دیں۔ ایک لمحہ تامل کئے بغیر حضرت میاں صاحب نے فرمایا، مالٹا سے واپسی پر حضرت شیخ الہندؒ کی صحت روز بروز گرتی جارہی تھی ان کا مرض بواسیر اور وجع المفاصل ہی کچھ کم تکلیف دہ نہ تھا کہ دیوبند تشریف لاتے ہی جاڑے بخار کا حملہ ہوگیا اور اسی حالت مرض میں متعدد سفر پیش آگئے اور خاص طور پر علی گڑھ جانا پڑا۔ جب علالت تشویشناک صورت حال اختیار کر گئی تو علاج کے لئے دہلی تشریف لے گئے وہاں حکیم عبدالرزاق اور حکیم اجمل خاں نے ایسی قیمتی اور نایاب ادویہ استعمال کیں جو بادشاہوں کو میسر نہیں لیکن مالٹا میں جن شدائد سے واسطہ پڑا تھا اس کا علاج دواؤں سے ممکن نہ تھا بالآخر ڈاکٹر انصاری کے مکان پر حضرت کا وصال ہوگیا۔ اس سے کچھ ہی دیر پہلے حضرت پر گریہ طاری ہوگیا۔ خدام نے وجہ دریافت کرنا چاہی کہ علاج معالجہ ہوسکے لیکن حضرت جواب میں کچھ ارشاد نہیں فرماتے بار بار کے استفسار پر فرمایا "میری تمنا اور زندگی بھر کی دعا یہ تھی کہ اسلام کے لئے جہاد کرتا ہوا مارا جاؤں اور میری ہڈی پسلی گھوڑوں کی ٹاپوں میں پس جائے اور صبح قیامت سرخ رو ہو کر اٹھوں، اور اب جبکہ میرا آخری وقت آپہنچا ہے دعا کے قبول نہ ہونے کا غم ستا رہا ہے" یہ فرما کر کلمہ طیبہ پڑھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اب ہم یتیم ہوچکے تھے ہماری دنیا اندھیر ہوگئی تھی۔ اس سے چند روز بعد حضرت کی قیامگاہ پر جواب سونی ہوچکی تھی ایک دن علماء کرام کا بہت بڑا مجمع تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک آزادی کا ذکر چھڑ گیا ہر شخص دکھ اور دل سوزی سے اس کا ذکر اپنے اپنے انداز میں کر رہا تھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا، "ہم نہ کہتے تھے کہ انگریزوں کے خلاف تحریک کامیاب نہ ہوسکے گی" یہ بات سن کر مجھے بہت صدمہ ہوا میں نے کہا "حضرت جی! یہ تو اپنوں کی وجہ سے ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا (اس سلسلہ میں عبدالحق اور ملتان کے خان بہادر رب نواز خاں کا نام لیا جاسکتا ہے) اب آپ اس پیشگوئی پر فخر فرما رہے ہیں"۔

یہ سن کر مولانا سندھیؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا میاں صاحب آپ نے کلمۂ حق کہہ کر ہمارا دل ٹھنڈا کر دیا ہے خدا آپ کو اور مولانا حسین احمد مدنی کو اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے۔ یہ بزرگ ایک بار پھر بغل گیر ہوئے اسوقت ہر دو کی آنکھوں سے حسرت و یاس ٹپک رہی تھی۔ سلام اور دعا کے بعد کچھ غمگین سے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

میاں صاحب اور حضرت مدنی کے گھر کے درمیان کچھ فاصلہ ہے۔ واپسی میں ذرا تیز قدموں سے چل رہے تھے کچھ دیر تو مولانا بالکل گم سم رہے پھر خود ہی مہر سکوت توڑی اور فرمایا "انور! تمہارے اور تمہاری عمر کے نوجوانوں کے لئے ہماری یہ نصیحت ہے کہ دورہ حدیث شریف کے بعد بی اے کے سٹینڈرڈ تک انگریزی زبان میں استعداد جب تک بہم نہ پہنچا لو عملی زندگی میں قدم نہ رکھنا۔ پھر فرمایا ہمارا تجربہ ہے کہ دارالعلوم کا نصاب پڑھنے کے بعد نوجوانوں میں بے پناہ صلاحیتیں پیدا ہوجاتی ہیں اور کسی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ فضلاء سے ان کا ذہنی ارتقاء کسی طرح کم نہیں ہوتا بلکہ ہم تو تجربہ کے بعد انہیں فائق سمجھتے ہیں یہ علمی مرتبہ فنون کی کتابیں اور درجہ تکمیل جس میں حجۃ اللہ البالغہ کبھی کبھی پڑھی گئی ہو تب نصیب ہوتا ہے۔ اب صرف انگریزی

زبان کا پردہ بیچ میں حائل رہتا ہے اور ڈائریکٹ میتھڈ کے اصول پر عمل کیا جائے تو یہ چند ماہ کی بات ہے۔ اگر ہمارے طلبہ ذراسی ہمت کرکے اسے بھی چاک کر ڈالیں تو پھر یہ آج بھی ہر میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا سکتے ہیں، پھر ذرا بلند آواز میں فرمایا سنو انور! دارالعلوم دیوبند جو حضرت نانوتویؒ اور شیخ الہندؒ کی بے مثال قربانیوں کا ثمرۂ شیریں ہے اگر دارالعلوم کے طلبہ نے ہماری اس تجویز پر عمل کیا تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ مستقبل کے آزاد ہندوستان میں ایک فاضل دیوبند صدر جمہوریہ اور ایک وزیر اعظم کے عہدہ تک ضرور پہنچے گا اور مسلم ممالک بالخصوص عرب ریاستوں میں سفراء تو صرف ہمارے علماء ہی جانے چاہئیں

خیال ایک بیج ہی تو ہوتا ہے خواہ یہ بیج کسی درخت کا ہو، کسی شہر، کسی جامعہ یا کسی تحریک کا کیوں نہ ہو۔ پہلے دماغ میں جنم لیتا ہے، پھر زمین میں جڑیں پکڑتا ہے اور آسمانی رفعتوں کو چھونے لگتا ہے اور اب جبکہ آستانہ مدنی چند قدم پر تھا تو مولانا سندھی نے فرمایا اور ہماری دوسری نصیحت بلکہ وصیت یہ ہے کہ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ یا اپنے والد (مولانا احمد علی لاہوریؒ) سے ذکر قلبی کرنے کا طریقہ معلوم کرلو پھر تمام عمر تم اور تمہاری عمر کے نوجوان کم از کم ایک گھنٹہ یومیہ ضرور لطیفہ قلبی کا ذکر کریں اس کی برکت سے انشاء اللہ کسی رجل اور دجال کا کبھی اثر نہیں ہوگا۔

جب ہم آستانہ عالیہ پر پہنچے تو یہاں تو خوب گہما گہمی تھی مہمان خانہ میں دستر خوان چنا جا رہا تھا اور حضرت مدنیؒ آیا ہی چاہتے تھے کہ مولانا سندھیؒ نے بیان کو مختصر کرتے ہوئے فرمایا: دیکھو انور! اسم ذات "اللہ" کا خوب دل لگا کر ذکر کرنا جس کثرت سے ذکر الٰہی کرو گے خدا نے چاہا اسی نسبت سے اعتماد علی اللہ پھر اس کے نتیجہ میں اعتماد علی النفس پیدا ہوگا۔ لیکن طبیعت میں اس درجہ خود اعتمادی کے باوصف جب بھی کسی کام کی ابتداء کرو تو پہلے اسے عقل و خرد کے ترازو میں خوب تول لو جذبات اور محض ظن و تخمین کی بناء پر کوئی فیصلہ ہرگز نہ کرو جب خوب سمجھ سوچ اور چھان پھٹک کر کوئی فیصلہ کرلو تو پھر اس وقت تک اس پر قائم رہو جب تک حقائق اس کی غلطی ثابت نہ کردیں اِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ

اس کے بعد تناول ماحضر نماز اور عرب فنجانوں میں سبز چائے کا دور چلا۔ فارغ ہوتے ہی استراحت کے لئے مولانا سندھیؒ باب الظاہر میرے کمرے میں تشریف لائے ساتھ ہی طلبہ اور کچھ اساتذہ کرام بھی چلے آئے مولانا سندھیؒ نے اپنے ذوق کے مطابق پہلے حجۃ اللہ البالغہ کا درس دیا اور پھر محبت و شفقت کے نرالے انداز سے سب کو مصافحہ کرکے رخصت کیا۔ ابھی میرے چند دوست باقی تھے کہ مولانا نے فرمایا انور! تم سے جو بات چل رہی تھی اس کے چند اختتامی جملے اور سن لو، خدا معلوم آئندہ کب موقع ملے۔ پھر فرمایا:

"انسان کی زندگی اس کے مقاصد جلیلہ کی زندگی سے ہمیشہ کم ہوتی ہے وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پالے بالآخر اسے اس دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کی ایک عمر طبعی ہوتی ہے اسی طرح بڑے مقاصد کی بھی ایک زندگی ہوتی ہے لیکن یہ ہماری زندگی سے علیحدہ ہوتی ہے جس پر موت طاری نہیں ہوتی مگر ایک مخصوص زمانے کے بعد اس کی وقعت کم ہوکر بالکل ختم ہو جاتی ہے اور ہوتا یہ ہے کہ عظیم تر مقاصد کے لئے کچھ لوگوں کی قدرت اعلیٰ استعداد اور غیر معمولی صلاحیت

باقی بر صفحہ ۲۹

ڈاکٹر مغل کا عظیم کارنامہ

مولانا سندھی علیہ الرحمۃ اور اُن کی تفسیر

اسلام دین توحید ہے جو پیدا کرنیوالے کو ایک قرار دیتا ہے —— اور معبود کی یکتائی کا تصور پیش کرتا ہے۔
اسلام میں نہ تو شرک ہے نہ اشتراک، اسی طرح اسلام میں اشتراکیت ان معنوں میں نہیں ہے جیساکہ لوگ مفہوم لیتے ہیں اموال میں اشتراک ایک باطل اُمید ہے جس میں بنی نوع انسان کے لئے کوئی بھلائی موجود نہیں ہے اور نہ ہی اسپر کاربند ہونیوالوں کیلئے کوئی بہتری ہے۔ ملکیت کا انکار اور معمولات میں حقِ ملکیت کا انکار کسی ایک کے لئے بھی سُودمند نہیں، اور جو فائدہ کارکن اپنے کام کی بدولت معاشرے کو پہنچاتا ہے وہ اس اجتماعی منفعت کے مقابلہ پر ایک حقیر چیز کی حیثیت رکھتا ہے جو اسکو معاشرے کی طرف سے دستیاب ہوتی ہے۔ یہ وہ عظیم اصول ہے جس سے کارل مارکس کے گروہ کے دیوانہ اشتراکی غافل ہیں اور خیر کی بہترین عملی شکل سارے معاشرے کی سعادت ہے اور فرد کی سعادت معاشرے کی سعادت ہی میں ہوتی ہے۔ اشتغاع اور حقوق کی جملہ اقسام جو معاشرے میں پائی جاتی ہیں اسلام انہیں معاشرے کے مختلف گروہوں اور اس کے افراد کے مابین مشترک قرار دیتا ہے۔

یہ اقتباس کتاب حروف اوائل السور صـ۲۰۸ تا صـ۲۳۳ کے طویل ترین اقتباس کا محض ایک حصہ ہے آگے چل کر علامہ ان بعض آیاتِ قرآنی مثلاً سورۂ آیۃ ۳۲، اور سورۂ شوریٰ آیت ۲۷ وغیرہ کے متعلق مولانا کے افادات کی روشنی میں صحیح مطالب بیان کرتے ہیں اور بعض برخود غلط عناصر جو کھینچا تانی کرتے ہیں ان کو جادہ قدیم و صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔
مولانا سندھیؒ کے نام پر بعض نادان دوست اپنی مرعوبانہ ذہنیت کی جو دکان چمکاتے ہیں ان کے لئے اسمیں سرمۂ بصیرت ہے۔ اے کاش! وہ ایسی حرکات سے اجتناب کر کے روحِ سندھیؒ سے معذرت خواہ ہوں۔ اور قرآن کو سمجھنے کی ایسی ہی سعی کریں جس طرح مولانا کا اصول تھا —— انہی نادان دوستوں کے سبب مولانا نشانۂ ستم بنے —— ان میں ایک صاحب ملتان کے ایک قصبے سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے "الہام الرحمٰن" کی دو ابتدائی جلدیں اسطرح چھاپی ہیں کہ مظلوم سندھی روح تڑپ اُٹھی ہوگی۔ بہرحال دشمنوں اور نادان دوستوں کے سامنے سندھی کا صحیح رُخ پیش کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ نے ہمارے محترم دوست ڈاکٹر منیر احمد مُغل کو بخشی جو پاکستان عدلیہ کے اہم فرد ہیں۔ لیکن انہوں نے توفیق الٰہی سے سندھ یونیورسٹی میں اپنا مقالہ پیش کیا جو مولانا کی تفسیر "المقام المحمود" پر ان کا ڈاکٹریٹ مقالہ ہے۔
اس مقالہ کا میٹریل مولانا سندھی کے دیرینہ رفیق و شاگرد مولانا عبداللہ لغاری مرحوم کے اشارات پر مشتمل ہے جو ان کے

محرم راز اور ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد کے سربراہ ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ (جو منیر مغل صاحب کے استاد نگران بھی ہیں) کی توسط سے انہیں ملا اور انہوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرکے اسکو مرتب کر دیا۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

مولانا سندھی کے خادم و عزیز مولانا عبید اللہ انور مدظلہ نے اس مقالہ کے متعلق یہ سطور قلمبند کی ہیں:

"میں نے جناب منیر احمد مغل کے پی ایچ ڈی کے مقالہ کو ذوق و شوق کیساتھ پڑھا —— ان کی محنت کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ درحقیقت ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ کے نگرانی میں ڈاکٹر منیر احمد مغل کی کاوش فکر نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ مستقبل میں مولانا سندھی پر مزید کام کی پوری توقع کی جاسکتی ہے۔ اسوقت مقالہ ماخذ اور کتاب حوالہ کا کام دے گی۔

بہرحال میں تو اسکے ایک ایک لفظ کو دل کی گہرائیوں سے سراہتا ہوں۔ خود حضرت سندھی نے فرمایا تھا کہ نوجوان جب اسطرف متوجہ ہوں گے تو ہمارے اس فکر کی بنیاد پر ایک ہسٹاریکل لاج قائم کر دیں گے مجھے تو اس مقالے کی صورت میں حضرت مولانا سندھی کی دعا کی قبولیت آنکھوں سے نظر آرہی ہے۔ کچھ مقامات پر میں نے الفاظ درست کئے جو ضروری تھے اور مولانا سندھی کے وقتِ وفات پر ایک نوٹ بھی لکھا ہے کیونکہ میں عینی شاہد تھا۔ میری دعا ہے کہ جن جن حضرات نے اس اہم مقالہ کی تیاری میں حصہ لیا ہے اللہ تعالیٰ انہیں دین و آخرت کے بہترین اجر سے سرفراز فرمائے انہوں نے واقعۃً اپنی آخرت سنواری ہے ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مولانا محمد عبداللہ لغاری مرحوم جن کے اشارات کی بنیاد پر یہ عظیم الشان مقالہ مرتب ہوا وہ ۱۸۷۱ء میں دادلغاری نامی گاؤں میں پیدا ہوئے جو تحصیل میرپور ماتھیلو میں واقع ہے ان کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہندؒ کے مجاہد شاگرد مولانا محمد صادق کراچوی کے والد مولانا محمد عبداللہ اور ملتان کے مشہور محدث مولانا سلطان محمود بھی تھے۔ ۱۸۹۰ء میں ان کی شادی ہوئی اور اس سے متصل ہی امروٹ شریف ضلع سکھر میں مولانا سندھی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ امروٹ اعلیٰ حضرت بھرچونڈی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت الشیخ تاج محمود قدس سرہٗ کا مسکن تھا جو شیخ الہندؒ کی تحریک آزادی کے اہم ترین قائدین میں سے تھے اور حضرت بھرچونڈی کے بعد مولانا سندھی کے مربی و سرپرست —— حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کو انہی سے پہلے اجازت ہوئی۔ ان کے سوانح نگار کہتے ہیں کہ اسی ملاقات میں وہ مولانا سندھی کے ہمدم و رفیق بن گئے اور مرتے وقت تک یہ تعلق نبھایا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

امروٹ شریف کا مدرسہ وہاں پریس کا اہتمام اور ہدایت الاخوان کا اجراء اس کے بعد گوٹھ پیر جھنڈا میں دارالرشاد کے نام سے مدرسہ بنایا جس میں وہاں کے شیوخ کی سرپرستی شامل تھی۔ ان تمام معاملات میں وہ مولانا سندھی کے دستِ راست تھے بلکہ گوٹھ کے مدرسہ کے مہتمم وہی تھے۔ سات سال تک اس مدرسہ میں خدمت کے بعد حضرت شیخ الہند کے طلب کرنے پر جب مولانا سندھی اور مولانا محمد صادق (مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی) دیوبند گئے تو یہ بھی ساتھ تھے اور پوری طرح متاثر ہوکر پلٹے۔ ۱۹۱۵ء میں یہ بھی کابل تشریف لے گئے اور مولانا سندھی کے دست و بازو بنے دو سال بعد

مولانا سندھی نے ان کے ذریعے خطوط ہندوستان بھجوائے۔ یہ خطوط مولانا کے اپنے تھے اور بعض راجہ مہندر پرتاپ کے۔ انہیں ہندوستان میں مولانا محمد علی جوہر، ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں وغیرہ کو پہنچانا تھا۔ نیز ایک عبارت ان کے سپرد کردی جس کا مقصد جہاد کی اجازت تھا اور اس پر دین پور شریف، امروٹ شریف اور پیر جھنڈا کے مشائخ سے دستخط لینا تھے مولانا لغاری نے کمال درجہ محنت و دیانت سے دونوں کام کئے اور ان مشائخ کی اجازت لیکر وہ تحریر سردار عبدالرزاق کو کابل روانہ کردی۔ ریشمی خطوط کے قصہ میں دوسرے اکابر واعیان کے ساتھ یہ بھی اپنے چند رفقاء سمیت گرفتار ہوگئے باقی رفقاء ان کے بیان کے سبب رہا ہوئے لیکن مولانا دو سال تک لاہور، بھٹانکوٹ، دین پور اور کراچی وغیرہ نظر بند رہے۔ پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر انہیں رہائی ملی۔ اور جب امیر امان اللہ خاں انگریز سے بھڑ گئے تو یہ مولانا سندھی کے تعلق کے سبب جو اس لڑائی کے محرک تھے نظر بند کردیئے گئے ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء میں مولانا سندھی مکہ معظمہ تشریف لے گئے چند بعد مولانا لغاری وہاں پہنچے۔ تفسیر قرآن، علوم اسلامیہ اور فلسفہ ولی اللٰہی پر امام سندھی کی جملہ تقریریں مولانا نے نوٹ کیں۔ پختہ کار عالم تھے مولانا کے زندگی بھر کے رفیق تھے۔ مزاج شناس تھے اس لئے ان کی لکھی ہوئی تقریریں ہر طرح معتبر اور مستند قرار پائیں۔ آپ کے سوانح نگاروں کا کہنا ہے کہ اب تک مولانا سندھی کے افکار اور شاہ صاحب کے فلسفہ کے متعلق مستند کتابیں جو شائع ہوئی ہیں تو ان کا مواد مرحوم لغاری کا ہی فراہم کردہ ہے۔

۱۹۳۹ء میں مولانا سندھی کی واپسی سے کچھ قبل انتظامات کی خاطر واپس آئے اور آخر تک مولانا سندھی کے ساتھ رہے مولانا سندھی کی وفات کے بعد چھ سال تک سندھ یونیورسٹی کے بعض اساتذہ اور شاگردوں کو قرآن کی تفسیر و حکمت پڑھانے کی غرض سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ڈائریکٹر قومی ادارہ برائے تحقیق و تاریخ ثقافت اسلام آباد (حالاً) اور ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتہ ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد (حالاً) کے یہاں مقیم رہے۔ آخر میں علامہ آئی۔ آئی قاضی صاحب کی علم و معارف پروری کے سبب اعزازی وظیفہ پر سندھ یونیورسٹی کے ایم اے کے طلبہ کو تفسیر قرآن پڑھانے پر مقرر ہوئے ۱۲ ستمبر ۵۸ء کو اچانک پیشاب کی تکلیف ہوئی۔ ۱۵ ستمبر کو سول ہسپتال حیدرآباد میں داخل ہوئے۔ ۱۷ ستمبر کو آپریشن ہوا اس دن حافظ محمد صاحب سے فرمایا: "دمے چند خوردیم وگفتیم وبس"۔

اور اسی سے متصل رات گیارہ بجے اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کے عزیز فیض یافتہ اور میزبان ڈاکٹر ہالے پوتہ جاپان کے سفر پر تھے۔ ان کی بیگم صاحبہ نے غسل وغیرہ کا اہتمام کیا اور علم و حریت کا یہ گوہر شب چراغ سانگھڑ میں دفن کردیا گیا ——— رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (بحوالہ سرگزشت کابل ۱۹۲/۹۴ تلخیص و مقالہ علمی ڈاکٹر مغل صاحب)

ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتہ جو اس مقالہ میں مسٹر مغل صاحب کے سرپرست و نگران تھے اُن کے بقول مولانا سندھی نے ابتدائے قیام دہلی کے دوران پہلی جنگ عظیم سے قبل جو تفسیر مرتب کی تھی اس کی نقل سندھ یونیورسٹی وغیرہ میں موجود ہے لیکن یہ تفسیر جو اب سامنے ہے یہ اس سے بہت بعد کا ہے جب مولانا کا علم، مشاہدہ، تجربہ سب کچھ حد کمال کو پہنچ چکا تھا

اور پھر "البلد الامین" کا قیام اس پر مستزاد، جو سرزمین وحی ہونے کے ناطہ سے قدرت کی جلوہ آفرینیوں کی آماجگاہ ہے۔ بحمد للہ
ڈاکٹر صاحب مولانا نے زندگی کے ادق ترین اور جدید ترین مسائل کے حل کے لئے قرآن عزیز کا سہارا لیا اور حکمت ولی اللہی
کو بنیاد بنایا اور بحمد اللہ وہ اس میں خوب کامیاب ہوئے۔

(تفصیلات پیش لفظ المقام المحمود پارہ عم ۱۹۵۹ء مطبوعہ حیدر آباد (سندھ))

مولانا سندھی قرآن عزیز کا جس طرح تعارف کراتے ہیں اس کی تفصیلات تو اصل مقالہ میں ملیں گی۔ نمونہ کے طور پر دیکھیں
کہ مولانا اسے انقلابی کتاب فرماتے ہیں جس پر عمل کا نتیجہ تقویٰ ہے ——— یہی متقی دنیا میں نظام سلطنت کے وارث
ہوتے ہیں۔ ——— اور اس سے انکار کا نتیجہ دنیا میں ذلت اور آخرت میں نارِ جہنم ہے اس کی مثل کوئی پروگرام
نہیں اور نہ کوئی اس کی مثال لانے میں کامیاب ہو سکتا ہے ——— الغرض ایک ایک لفظ قرآن عزیز کی آیات کی ترجمانی
کرتا نظر آئے گا۔ اور شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے اندازہ کے مطابق یہاں نفس قرآن سمجھانے کی کوشش ہوگی جسے افسوس کہ نظر انداز
کر کے تفسیری مباحث کو اہمیت دے دی گئی ہے ——— حالانکہ اہمیت متن نفس قرآن کو ہے اور تفسیری مباحث
ثانوی حیثیت رکھتے ہیں ——— فاضل مقالہ نگار نے ص۷۱۱ (غیر مطبوعہ) سے چند صفحات پر سندھی مرحوم کے حوالے سے
قرآن کا تعارف کرایا ہے جس کی چند سطور ہم نے محض تمثیلات عرض کر دیں اور پھر ص۷۱۱ پر ممتاز تفسیری نکات کا ایک
نمونہ دکھایا گیا ہے مثلاً عبادت و استعانت کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ہم نے تمام کائنات کو دیکھا اور اس سے اندازہ لگایا کہ اس تمام نظام عالم کے اوپر ایک ذات ہے ہم اپنا
سرِ نیاز اس کے آگے خم کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارا مالک اور کارساز ہے اور اسی سے ہم مدد مانگتے ہیں۔ یہ بڑی بڑی
قومیں جس قدر دنیا میں ہیں انہوں نے انسان پر ظلم و تشدد کر کے انسانی حقوق کو غصب کر لیا۔ اور انسان سے اپنی بندگی کرانے
لگے ——— اے اللہ! ہم ان سے بیزار ہیں اور اب تجھ سے مدد مانگتے ہیں"

فاضل مقالہ نگار نے ص۷۱۱ سے ص۷۱۷ (چار صفحات) تک میں یہ بتلایا ہے کہ مولانا لغاری کا مسودہ
ڈاکٹر ہالے پوتہ صاحب کے پاس ہے اس کی مائیکرو فلم اور فوٹو سٹیٹ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد عکسیات نمبر ۲۴۷
پر موجود ہے۔ سات جلدیں ۹۷۵ عام رجسٹر سائز کے اوراق پر مشتمل ہیں۔

جلد اول بنام المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود الملقب ——— بموافقت المسترشدین ہے جس کے
۱۲۲ اوراق ہیں الفاتحہ، البقرہ، آل عمران، النساء اور المائدہ اس میں شامل ہیں۔ الفاتحہ کی تفسیر ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ
مطابق ۱۶ فروری ۱۹۳۵ء کو ختم کی۔ البقرہ سے توبہ کے اختتام تک تفصیل نہیں لکھی لیکن یونس سے الناس تک
مولانا سندھی کا سننا ثابت ہے اور البقرہ سے توبہ تک فیروز نامی ایک صاحب نے تفسیر مولانا سندھی سے سن کر لکھی
تھی مولانا لغاری نے استاذ المحترم کے حکم سے اس سے نقل کرلی۔

دوسری جلد کا نام "المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود الملقب بہ سبیل الرشاد" ہے اس کے ۲۹۶ اوراق ہیں سورۃ انعام سے توبہ تک یہ مشتمل ہے ——— جلد سوم کا الگ کوئی لقب نہیں۔ اس کے محض ۳۶ اوراق ہیں اور اس میں محض سورہ یونس ہے۔ ۱۲ رشعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۳۳ء کی تاریخ اس پر درج ہے ——— جلد چہارم کا بھی کوئی لقب نہیں۔ اس کے ۱۵۵ اوراق ہیں۔ سورہ ہود سے طٰہٰ تک کی سورتیں اس میں ہیں ——— جلد پنجم بھی بغیر لقب کے ہے اس کے اوراق ۱۵۶ سے شروع ہو کر ۲۵۹ تک جاتے ہیں اور یہ الاحزاب پر ختم ہوتی ہے ——— جلد ششم کا نام المقام المحمود فی تفسیر کتاب اللہ الودود الملقب بالبینات ہے ۱۹۹ اوراق ہیں الحجرات تک چلی گئی ہے۔ ——— جلد ہفتم کا لقب نہیں لکھا صفحات ۱۲۰ سے شروع ہوتے ہیں اور ۲۶۲ تک جاتے ہیں۔ اس میں سورہ ق سے الناس تک کی تفسیر ہے ——— اصل سورہ کے لئے مقالہ نگار نے "م م" کا اشارہ دیا ہے یعنی المقام المحمود اور جہاں مولانا سندھی نے حدیث کے حوالے دیئے تھے پورا حوالہ تلاش کے بعد درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح تاریخی کتب وغیرہ کے حوالے نقل ہو گئے ہیں۔ علامہ موسیٰ جار اللہ کو املاء کرائی جانیوالی تفسیر الہام الرحمٰن سے تقابلی مطالعہ کے ساتھ اگر کہیں دوسری جگہ کوئی تائیدی چیز ملی ہے تو اسے بھی مقالہ نگار نے درج کر دیا ہے۔ اور شاہ ولی اللہ کی کتب سے بطور خاص تائیدی کلمات نقل کئے گئے ہیں ——— بقول فاضل مقالہ نگار مولانا سندھی کے سیکرٹری مولانا بشیر احمد لدھیانوی کے پاس جو امالی کے ذخیرے تھے وہ ان کے بعد مولانا مقبول عالم مرحوم سیکرٹری شاہ ولی اللہ سوسائٹی لاہور کے پاس منتقل ہوئے۔ انہیں نہ صرف امالی پر عبور تھا بلکہ وہ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مخصوص شاگرد تھے۔ ایک ابتدائی حصہ حرف بحرف انہوں نے شائع کیا پھر ان کا انتقال ہو گیا ——— رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

انگریزی ترجمہ کی ضرورت مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے ترجمہ سے اور اردو ترجمہ کی ضرورت حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ سے پوری کی گئی ——— یہ تفصیلات کا خلاصہ ہے جس سے فاضل مقالہ نگار کی محنت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں بھی کہیں عرض کیا۔ مولانا سندھی کے پیش نظر قوم کے نوجوان طبقہ کو قرآن سے روشناس کرانا تھا۔ یہ بات شاہ ولی اللہ کے افکار سے انہوں نے سیکھی تھی ——— بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی مرحوم

"ہندوستان میں یہ قرآن فہمی کا چرچا آج جو کچھ نظر آتا ہے اور یہ اردو، انگریزی اور دوسری زبانوں میں جو بیسیوں ترجمے شائع ہو چکے ہیں، شائع ہو رہے ہیں یا آئندہ شائع ہوں گے ان کے اجر کا جزو اعظم حضرت شاہ صاحب کے حسنات میں لکھا جائے گا۔ یہ سارے چراغ اسی چراغ سے روشن ہوئے۔" (الفرقان ص ۳۳)

مولانا سندھی یہی کچھ کرنا چاہتے تھے اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں ابتدائی قیام دہلی سے لیکر قیام مکہ معظمہ سے واپسی کے بعد تک سودا برابر سمایا رہا بلکہ اس میں اضافہ ہوا ——— واپسی کے بعد کی ایک تحریر ملاحظہ ہو۔

"ان حالات میں قرآن کے لئے ضروری تھا کہ اپنے بین الاقوامی انقلاب کو روشناس کرانے کے لئے کسی ایسے فکر کو عنوان بناتا جو تمام اقوام میں معروف ہوتا ـــــ اور پھر بقول مولانا سندھی یہ فکر، فکرِ قیامت تھا جس کا مطلب کائنات کا ایک روز منتشر ہونا اور انسانی اعمال کی باز پرس ہونا ہے اس لئے اس مسلّم اور معروف عنوان کا قرآن نے سہارا لیا"

(دستور انقلاب ص۲۹ مطبوعہ لاہور)

پھر مولانا خاص واقعات کے حوالے سے قرآن کی تفسیر کو نادرست سمجھتے ہیں اور اس معاملہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کی "الفوز الکبیر" کو بنیاد بناتے ہیں اور زور دیتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر اسطرح کرو کہ اس کی آیات کسی خاص فرد یا واقعہ سے متعلق ہوکر نہ رہ جائیں ورنہ اس سے اس کی عالمگیریت اور جامعیت متاثر ہوگی" (دستور ص۳۱) (اس کی مزید تفصیلات مولانا سندھی کے مطبوعہ مقالہ الفرقان ص۲۵۹-۲۶۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

مولانا مرحوم جیسا کہ پہلے اشارہ ہوا قرآن کو انقلابی کتاب کہہ کر اس پر عمل کا نتیجہ تقویٰ قرار دیتے ہوئے ان متقین کو وارث ارضی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ النور اور الانبیاء میں ہے اور اس کے لئے وہ لوگوں کو توجہ دلاتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان اور ازالۃ الخفاء میں آیۃ کریمہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق کی تفسیر پڑھی جائے۔ (الفرقان ص۲۷۳)

محمودیہ کے صفحہ ۱۳، ۱۴۱ کے مطابق مولانا نے حجاز مقدس سے واپسی پر اپنا محبوب علمی مشغلہ فلسفہ ولی اللّٰہی کی تعلیم قرار دیا اور ۱۹۳۹ء کے ایک خطبہ صدارت (اجلاس جمعیۃ علماء ہند بنگال) میں اس پر پورے شد و مد سے زور دیا۔

شاہ صاحب سے مولانا کی دلچسپی کا راز کوئی راز نہیں ایک حقیقت ہے اور اس کا سبب محض یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ممالک ہند میں لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع کی دعوت دی اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں گویا فرمایا:

"بھٹکنے سے کیا فائدہ؟ اصلاح مطلوب ہے تو قرآن کی طرف آؤ" (مفہوم ـــ التوطا)

اس دلچسپی نے مولانا کو اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ بقول مولانا نور الحق العلوی مرحوم (جو مولانا کے بہت عزیز شاگرد تھے) مولانا سندھی کو شاہ صاحب کی کتابیں ازبر ہو چکی تھیں اور پھر قوت مدرس نے ایسی ترقی کرلی تھی کہ ان کے لئے شاہ صاحب سے اخذ کرنا مشکل نہ تھا۔

فاضل مقالہ نگار نے چند صفحات میں جن کی ابتداء ص ۔ سے ہوتی ہے حکومت اور اس کے متعلقہ مسائل پر مولانا کے افکار قلمبند کر دیئے ہیں جن کو پڑھ کر آج کی الجھنوں کا حل آسان ہو جاتا ہے ـــــ آج دنیا کے نظام حکومت اس کے معاملات اور حالات کی اصلاح کے معاملہ میں از حد پریشان ہے اور حبیب و داماں اس طرح الجھ کر رہ گئے ہیں کہ بات بنتی ہی نہیں۔ مولانا نے قرآن کی روشنی میں گھر کے نظام سے چلتے ہیں اور عالمگیر انسانیت تک پہنچ کر دم لیتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے درجہ بدرجہ انسان کو حکومتِ عادلہ کا ڈھنگ سکھلایا ہے ـــــ انشاء اللہ تعالیٰ چندے بعد یہ تفسیر چھپ کر

سامنے آئے گی تو ایک دنیا کو اندازہ ہو سکے گا کہ ایک بوریہ نشین نے کیا کام کیا ——— بلاشبہ اس سعادت کا سہرا ڈاکٹر الٰہی پوتہ اور ان کے شاگرد عزیز جناب منیر احمد مغل صاحب کے سر ہے جنہوں نے اسکو ایڈٹ کیا۔ سالوں کی محنت اور اس طرح کہ بقول منیر صاحب ایک ایک آیت پر بسا اوقات کئی کئی راتیں سوچنا پڑا اور استاذ محترم الٰہی پوتہ صاحب اکثر اوقات اشکال کا حل یوں تلاش کرتے کہ دو نفل پڑھواتے اور روح سندھی کو ہدیہ کرواتے پھر قرآن لیکر بیٹھ جاتے اور الحمدللہ معاملہ صاف ہو جاتا۔

اس تمامتر محنت کے باوجود اختلاف کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے اور یہ فطری امر ہے اور بقول نبی اکرم علیہ السلام ——— رحمت ——— لیکن ضروری یہ ہے کہ پوری طرح اس نسخہ کیمیا کو پڑھا جائے۔

مولانا منظور احمد نعمانی الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا سندھی کے مقالہ کی تمہید میں فرماتے ہیں اور علماء کو توجہ دلاتے ہیں کہ حوصلہ سے سنبھل کر بار بار پڑھیں پھر فیصلہ کریں ——— اپنا کہتے ہیں کہ بعض مقامات مجھے بار بار پڑھنا پڑے (ص ۲۹) مطالعہ سے قبل ہی کسی ذہنی یا جماعتی سانچہ میں مولانا کو فٹ کر کے ان کے افکار کا مطالعہ ان کے ساتھ انصاف نہیں، وہ اول و آخر مسلمان تھے ایک مخلص اکل کھرے اور سچے مسلمان ——— اس اعتبار سے انہیں پڑھیں اور مواقع اختلاف میں حکیم دہلوی قدس سرہٗ کا ذوق و مسلک اپنائیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کے لئے اختلاف کی حدود پر بحث میں فرماتے ہیں؛

"جو باتیں کتاب اللہ کی کسی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ قائمہ یا قرونِ مشہود لہا بالخیر کے اجماع یا جمہور مجتہدین اور معظم سوادِ مسلمین کے مسلک مختار کے خلاف ہوں میں اس سے بری اور بیزار ہوں۔ پس اگر کوئی ایسی بات نکل جائے تو یقیناً وہ خطاء اور چوک کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اس پر جو ہم کو خبردار اور غفلت سے متنبہ کرے لیکن یہ بعد کے مصنفین جن کا کام ائمہ متقدمین کے کلام سے تخریج اور استنباط ہے اور بحث و مجادلہ جن کا شیوہ ہے ضروری نہیں کہ ان کی تمام باتوں سے ہم اتفاق ہی کریں ——— وہ بھی انسان ہیں اور ہم بھی انسان اور ہمارا ان کا معاملہ قریباً برابر سرابر ہی ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ (عربی)، ص ۹)

گویا فلاں اور فلاں کے حوالے سے امام سندھی پر تنقید مناسب نہیں۔ انہیں اور ان کے افکار کو قرآن و سنت کی کسوٹی پر پرکھیں ——— رہ گئے فلاں اور فلاں تو وہ بھی مولانا سندھی کی طرح انسان تھے اور بس۔ اگر ان کی علمی تحقیقات میں غلطی کا احتمال ہے تو ان کی تحقیقات بھی منزہ عن الخطا نہیں۔

اسی طرح شاہ صاحب اپنے مکتوبات میں ص ۲۸-۲۷ پر شیخ ابن عربی اور حضرت مجدد سرہندی قدس سرہما کے متعلق لکھتے ہیں کہ؛

"ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ دونوں خدا کے برگزیدہ بندوں میں ہیں۔ اور ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ہم ان

طرف سے کوئی التفات نہیں کرتے اور یہی حال ہمارے نزدیک علامہ ابن تیمیہ کا ہے۔"

شیخ ابن عربی اور حضرت مجدد "وحدۃ الوجود" اور "وحدۃ الشہود" کے معاملہ میں جس طرح مختلف الرائے ہیں اس کا اہل علم کو پتہ ہے ـــــ لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ علمی اختلافات کی بنیاد پر کسی پر کیچڑ اچھالا جائے ـــــ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں بچائے۔

اور پھر بقول حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہٗ یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ مولانا سندھی جیسا ذہین و متین انسان جو کفر کی گود سے نکل کر اسلام کی آغوش میں آیا اور ساری عمر حضور نبی کریم علیہ السلام کے حوالہ سے آنیوالی سچائی اور کلمۂ حق کی بلندی کے لئے سرگرم عمل رہے۔ انہیں اس راستہ میں کن کن مصائب سے دوچار نہیں ہونا پڑا۔ ان صدمات کے نتیجہ میں تو انسان کی دماغی شریان پھٹ جائے تو تعجب نہیں اور وہ اپنے عقیدہ و مسلک سے منحرف ہو کر کسی دوسرے راستہ پر چل نکلے تو تعجب نہ ہو لیکن مرحوم سندھی نے اپنا سب کچھ قربان کرکے جس اسلام کو سینہ سے لگایا تھا دم واپسیں تک اسے سینہ سے لگائے رہے اور الاحادیث یار کہ تکرار می کنیم کے مصداق قرآن و سنت نبوی کے مبلغ و داعی کی حیثیت سے عمر عزیز بسر کردی ـــــ ذہنی صدمات کے سبب ان کے خیالات میں کسی وقت بے ترتیبی کا امکان موجود ہے جس کا اعتراف اس عبقری اور شہ دماغ نے خود کیا ـــــ ملفوظات ص ۳۲۹ پر ہے:

"میں مانتا ہوں کہ بعض اوقات میں اپنے مطلب کی صاف تعبیر نہیں کر پاتا اور اس سے سننے والوں کو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں میں اس معاملہ میں معذور ہوں ـــــ آپ نے خاص طور پر ذاکر صاحب (ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ دہلی بعدہٗ صدر ہند) کو خطاب کیا اور کہا:

"ڈاکٹر صاحب! میں جن ناکامیوں اور مایوسیوں سے گذرا ہوں اور اس یقین تک کہ ہندوستانی مسلمان اس ملک میں سربلند کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس یقین تک پہنچنے میں مجھے جن مصائب سے سابقہ پڑا ہے میں ان کا خیال کرتا ہوں تو مجھے تعجب ہوتا ہے کہ میں کس طرح اس یقین تک پہنچا۔ میں اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے جامعہ میں جگہ مل گئی اور آپ جیسے سننے اور سمجھنے والے حضرات میسر آگئے۔"

ان صدمات، مایوسیوں اور مشکلات کے باوجود وہ کفر زار روس سے سلامتی سے واپس نکلا تو وہ اسے شاہ ولی اللہ کی تجدید کی برکت سمجھتا ہے اور ہمارے خیال میں اس نے اس سب کے باوجود قرآن فہمی کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی تو یہ قرآن کی برکت اور صاحب وحی کا زندہ معجزہ ہے ورنہ بقول مولانا مدنی مرحوم اس مقام پر تو سنبھلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ (اس ضمن میں حضرت مدنی کے ارشادات ذاتی ڈائری ص ۱۴۱ تا ۱۵۰ تک کی تفصیلات بڑی نفع بخش ہیں)

ہمارے بعض کرم فرما قادیانیوں کے مسئلہ میں بھی انہیں متہم گردانتے ہیں کہ وہ نرم گوشہ رکھتے تھے ان اکابر اور عزیزوں کو ملفوظات کا ص ۲۹۰ دیکھنا ضروری ہے جہاں حاشیہ پر حضرت شیخ الہند کے شاگرد علامہ شہاب الدین کے حوالہ سے

ایک روایت نقل ہے کہ مولانا سندھی کا ایک شاگرد بدقسمتی سے قادیانی ہوگیا۔ مولانا اس سے قادیان میں ملے۔ بات ہوئی تو وہ واہی تباہی بکنے لگا۔ مولانا نے اس سے کہا کہ تم آگے تک ہمیں پہنچا آؤ وہ ساتھ ہولیا۔ گاؤں سے باہر نکلے تو مولانا نے مجھے الگ کرکے اس سے بات کی، حتیٰ کہ وہ قادیانیت سے تائب ہوگیا اور درخواست کی کہ مجھے اجازت دیں تاکہ میں سامان لاسکوں اور آپ کے ہمراہ چلوں۔ مولانا نے اسے سامان چھوڑ دینے پر راضی کرلیا اور اسے قادیان سے نکال لائے ایسے بیدار مغز اور بہی خواہ اسلام کی تفسیر کا مطالعہ ٹھنڈے دل و دماغ سے کرنا ضروری ہے تاکہ قرآنی حکمت سے صحیح آگاہی ہوسکے۔

ہمارا خیال تھا کہ اس مقالہ میں مولانا کی سیاسی سوچ وافکار مولانا کی حریت مآلی کا بھی کسی قدر تفصیل سے ذکر کردیں لیکن طوالت کے سبب اس قصہ کو دوسرے موقع پر اٹھا رکھتے ہیں اور محض اتنے اشارات پر اکتفا کرتے ہیں کہ جس افغانستان کا مسلمان آج آپس میں دست وگریباں ہے اور جن کی ہجرت وجہاد پر کئی سیاسی بدذوق مال بٹور رہے ہیں اس افغانستان کے استحکام کا سہرا مولانا کے سر ہے ——— جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ مزید یہ ذہن میں رکھیں کہ روسی حملہ سے افغانستان کو بچانا مولانا کا کارنامہ ہے (دیکھیں مقالہ منیر مغل ص۱۱۲ اور آپ بیتی ظفر حسن حصہ اوّل)

دوسرے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ مولانا المحترم نے ۱۹۲۵ء میں ترکی وفاقی ہند کا دستور تیار کیا اور استنبول سے اسے شائع بھی کیا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے لئے سیکرٹری آف سٹیٹ مسٹر لارڈ ہیڈ برکن کو ڈرامائی طور پر برطانوی پالیسی کا اعلان کرنا پڑا۔ (مقالہ منیر صاحب ص۱۱۲)

اس سلسلہ کی مزید تفصیلات ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی کے حصہ دوم کے باب ۱۱ میں بطور خاص موجود ہیں۔

اس پروگرام میں ہندوستان کی آزادی اور آزادی کے بعد اس میں وفاقی حکومت کے قیام (جس کو آج ہمارے ہاں کامیاب ترین حکومت سمجھا جارہا ہے ——— یہ ایک بورژیئن کی سوچ ہے) مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کے حقوق کی محافظت، اکثریت رکھنے والے محنت کش طبقہ کی حکومت کا قیام اور امپیریلزم کے توڑ کے لئے ایشیائی فیڈریشن کا قیام شامل تھا۔ (آپ بیتی ص۱۰۲-۱۰۱ جلد دوم)

محنت کش طبقہ کی حکومت کے ضمن میں مولانا نے لکھا کہ:

"زمینداری اور سرمایہ داری کو ختم کرنا تاکہ لوگ کمیونزم کے سبز باغ دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں۔"

اگر یہ بات تسلیم ہوجاتی تو آج روس کا خوف ہمارے سر پر مسلط نہ ہوتا۔ اور ایشیائی سوسائٹی بن جانے سے ہم برطانوی امپیریلزم کے بعد امریکی سامراج کی گود میں نہ ہوتے اور روس وچین کی بالادستی کی بجائے قیادت ہمارے ہاتھ میں ہوتی۔

یہ دستور ہندوستان بھی آیا لیکن ضبط ہوگیا ——— اس دستور میں مولانا نے کمال درجہ حکمت عملی اور حزم واحتیاط سے

ہندوستان کے تین قدرتی خطوں کی بات کہہ کر علاقائی آزادی لیکن وفاقی حیثیت کا تحفظ کیا۔ (آپ بیتی ص۱۰۵ ج ۲)

یہ پروگرام یہاں آتے ہی ضبط ہوگیا جس کی ضبطی کی خبر روزنامہ زمیندار ۸ ارمئی ۱۹۲۵ء اور سیاست ۸ ارمئی ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی (آپ بیتی ص۱۱۴ ج ۲) ——— رہ گیا مسئلہ تحریک ریشمی رومال کا تو اس میں مولانا کا جو بنیادی رول ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ انگریز سرکار کا قائم کردہ کمیشن مولانا سے ایسا خوفزدہ تھا کہ اس نے مولانا کو محرک اصلی اور حضرت شیخ الہند کو ان کا مؤید ثابت کیا (جو بہر طور غلط ہے) (ذاتی ڈائری ص۵۳)

اس تحریک کے ضمن میں تفصیلی حالات انڈیا آفس لائبریری لندن کے ریکارڈ کی بنیاد پر مولانا سید اسعد مدنی نے مرتب کرائے جو پاکستان میں مکتبہ رشیدیہ لاہور اور مکتبہ محمودیہ لاہور کے اشتراک سے شائع ہو چکے ہیں ——— مولانا کی ذاتی ڈائری کے ص۶۰ پر ترکی وزیر جنگ غالب پاشا کی تحریر کا اقتباس بھی موجود ہے جو حضرت شیخ الہند اور غالب پاشا کے تعلقات کی عکاسی کرتا ہے ——— اور اس تحریک کے ضمن میں اہم دستاویز ہے۔

رہ گیا مسئلہ ہندو دوستی کا تو جو بیچارے قوم اور ملت کے فرق کو نہیں سمجھتے اور قرآن و سنت سے بے نیاز ہو کر اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے صنموں کو پوج رہے ہیں ان سے کوئی غرض ہماری نہیں ——— رہ گئے انصاف پسند حضرات تو وہ مولانا کی ذاتی ڈائری کا ص۹۱ اور سرگزشت کابل ص۹ دیکھ لیں کہ کس طرح مولانا ہندو کے لتے لیتے ہیں اور اس کے دماغ کی خرابی کا علاج کرتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ اس سرزمین پر جتنا تمہارا حق ہے اس سے زیادہ نہیں تو تمہارے برابر ہمارا ضرور حق ہے ——— کم کسی شکل نہیں۔

رہ گیا پاکستان کا مسئلہ تو ظاہر ہے کہ مولانا اس سے قبل انتقال فرما گئے تھے لیکن مسلم قوم کے اکثریتی طبقہ نے جسطرح پنجاب کی اکثریتی آبادی کا خون کیا اور پست اقوام کے معاملہ میں بے اعتنائی برتی اس کا ماتم قومی ادارے بھی کر رہے ہیں لیکن اب شور مچانے سے فائدہ؟ (سرگزشت کابل ص۱۳۱)

ہم اس خطۂ ارضی کی صلاح و بقاء اور اس کو نمونہ کی مملکت بنا کر سارے عالم اسلام اور بالآخر انسانیت کو فلاح کا پیغام دینے کی غرض سے اس مقالہ کے مطالعہ کی سفارش پر ان سطور کو ختم کرتے ہوئے فاضل نامہ نگار، ان کے استاذ دوسرے معاونین، صاحب املاء و تفسیر سب کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے ساتھ اپنے خصوصی کرم کا معاملہ فرمائے۔ ع این دعا از من و از جملہ آمین باد (بشکریہ خدام الدین لاہور)

بقیہ: قادیانی جماعت

کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے ہمارے نزدیک یہ داستان بڑی الم انگیز ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ سازش جب آشکار ہوگی تو خود مخلص قادیانیوں میں سے ایک اہم تعداد اس کے خلاف شاید ہم سے بھی زیادہ پر جوش ہوا (المنبر)

مقالۂ اشرف

قادیانی جماعت

دو باتیں تو بہت اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ دین کے نام پر جو جماعت گروہ اور فرد کام کرتا ہے اسکے عقیدہ، فکر، عمل کی غلطی اور صحت کے بارے میں کسی کی کوئی بھی رائے ہو اسے یہ تو حق پہنچتا ہے کہ وہ اسکی مخالفت یا تائید کرے لیکن کسی بھی ایسے شخص کو جو خدائے ذوالجلال اور قیامت کے یوم جزا و سزا پر یقین رکھتا ہے اسکو اسکی اجازت نہیں دیجا سکتی کہ اپنے خلاف رائے رکھنے والے یا مخالف پر کوئی تہمت تراشے، جھوٹ بولے اور اختلاف کی وجہ سے اس کی جان، مال اور عزت پر ناروا حملہ کرے۔

یہ اصول ہر انسان کیلئے یکساں ہے۔ اور ادھر ہم نے "دین کے نام پر" کی جو قید لگائی ہے اس کا تعلق بھی اس موضوع میں زیر بحث قادیانی جماعت سے بطور واقعہ کے ہے۔ اصولاً افترا پردازی، تہمت تراشی، غلط بات کی نسبت کی اجازت ایک لامذہب دہریہ کے بارے میں بھی نہیں دیجا سکتی۔ خدائے احکم الحاکمین کی آخری کتاب برملا فرماتی ہے:

لا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ۔

"کسی قوم کی مخالفت، تمہیں خلاف عدل اقدام پر برانگیختہ نہ کرنے پائے، عدل کرو یہی بات تقویٰ کے قریب تر ہے۔"

اس قرآنی حکم کے مطابق ہمارے نزدیک جھوٹی تہمت حرام ہے اور اس کی سزا بہرحال تہمت لگانے والے کو ملے گی۔ خواہ یہ تہمت کسی دہریہ، اشتراکی، کمیونسٹ اور قادیانی پر لگائی جائے یا کسی مسلمان پر۔ تہمت بہرحال تہمت ہے اور شرعاً حرام و مستوجب سزا۔

دوسری اصولی بات یہ ہے کہ ہر شریف انسان بالخصوص مذہب سے وابستہ فرد اور جماعت کی شرافت اور صداقت اور مذہب سے اس کی نسبت کے درست قرار پانے (خواہ یہ مذہب بجائے خود غلط اور باطل ہی کیوں نہ ہو) کے لئے ازبس ضروری ہے کہ یہ شخص اور جماعت جھوٹ، فریب، بددیانتی، سازش اور منافقت کا مرتکب نہ ہو۔ اگر ایک شخص صحیح العقیدہ بھی ہے، مذہبی فرائض بھی انجام دیتا ہے، عبادات اور دوسری حسنات میں نمایاں مقام بھی رکھتا ہے مگر اس کا ظاہر و باطن ایک دوسرے سے متضاد ہے اس کے عمل اور اظہار میں نفاق ہے، اس کی بات میں وفاداری اور عمل میں غداری ثابت ہو جاتی ہے،

تو یہ شخص اور جماعت بے دین اشخاص اور جماعتوں سے بھی زیادہ مخدوش اور قابلِ نفرت اور لائق حذر و اجتناب ہوگی جو خدائے ذوالجلال کو نہیں مانتیں اور جن کا رشتہ مذہب سے منقطع ہے۔

پہلے اصول کے مطابق ہم قادیانیوں کے بارے میں کسی ایسے الزام کے عائد کرنے کو شرعاً جائز تصور نہیں کرتے جو ہمارے علم و تحقیق کی حد تک درست اور مدلل نہ ہو۔ اور اسی بناء پر ہم شروع سے اب تک اس کے مؤید رہے ہیں کہ اگر قادیانی ہمارے کسی بھی الزام کو مدلل طریق پر غلط ثابت کر دیں تو ہمیں نہ صرف اسے واپس لینے میں کوئی تامل نہیں ہوگا بلکہ ہم برملا اسپر اظہارِ معذرت کو بھی ضروری خیال کریں گے۔

والوں اور بشارتوں کا سلسلہ کئی برس تک جاری رہا جس میں قادیان کی واپسی کا "خدائی دعویٰ" دہرایا جاتا رہا۔ (د) تمام قادیانیوں بشمول پاکستان کے اس وقت کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ کے، سب نے یہ حلف اٹھایا کہ وہ قادیان کی واپسی کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کریں گے۔ (ہ) جتنے مردے ربوہ کے بہشتی مقبرہ میں دفن کئے گئے انہیں بطور امانت ہی دفن کیا گیا اور ان میں سے جو زیادہ اہم تھے (مثلاً مرزا غلام احمد کے خاندان کے افراد) اُن کی قبروں پر اب تک ایسے کتبے لگے ہوئے ہیں کہ انہیں امانتاً دفن کیا گیا ہے حصولِ قادیان کے بعد میت قادیان کے بہشتی مقبرہ میں دفن ہوگی۔

ہم ان الزامات میں سے ہر ایک الزام کی قابلِ اعتماد شہادت اپنے ہاں رکھتے ہیں اور پوری تفصیل سے ان شہادتوں کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

مخلص قادیانیوں سے ایک گذارش

لیکن قبل اس کے کہ ہم اس سلسلے کو شروع کریں۔ مرحلۂ آغاز ہی میں ہم ایک درخواست مخلص قادیانی حضرات کی خدمت میں پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں:

بلاشبہ ان حضرات کو اپنے اخلاص کی بناء پر اس نوع کے مباحث سے اختلاف ہی نہیں، کہنے والے کے خلاف غصے نفرت، عناد کی زحمت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ جو الزامات ان کی جماعت پر عائد کئے جارہے ہیں اور جو مقاصد ان کے سلسلہ کے بیان کئے جاتے ہیں ان کی معلومات اور ذاتی رجحانات و سرگرمیوں کے مطابق وہ درست نہیں ہیں تو وہ کہنے والے کے خلاف شدید غم و غصہ کی حالت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ہم ان اصحاب سے گذارش کریں گے کہ بجائے اس حالت میں مبتلا ہونے کے آپ اس عنوان پر ذمہ داری اور فکرمندی سے حالات پر ناقدانہ غور کریں! یہ درست کہ آپ نے اس مذہب کو اخلاص سے قبول کیا اور آپ کے سامنے کوئی سیاسی اور معاشی مقصد نہیں ہے لیکن کیا فی الواقع ایسا ہی ہے: اس ضمن میں آپ کم از کم اتنا تو کریں کہ جو حوالہ جات پیش کئے جارہے ہیں اور جن واقعات پر گفتگو کی جارہی ہے نیز جو شہادتیں آپ کے سامنے لائی جارہی ہیں ان پر غور تو کریں۔ ممکن ہے آپ کے قائدین جنہیں آپ اخلاص و عقیدت کے باعث بہت ہی اونچے روحانی رہنما تسلیم کرتے ہیں وہ، وہ کچھ نہ ہوں جو آپ نے سمجھے ہیں اور وہ ان سب باتوں میں ملوث ہوں جو پیش کی جارہی ہیں۔ علاوہ ازیں اس پہلو کو بھی فیصلے تک پہنچنے سے قبل سامنے رکھئے کہ ایک قوم کسی ایک گروہ سے، اپنے وطن، اپنی قومی حیثیت اپنی عزت اور حد یہ کہ اپنی جان تک کو خطرے میں محسوس کررہی ہو

اور واقعات کا تسلسل اس کے اس احساس کی ناقابل تردید کر رہا ہو ۔ کیا اس قوم کو اتنا بھی حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے اس خطرے سے اپنے احباب واخوان اور ذمہ داروں کو آگاہ کر سکے ۔

سوچئے اگر آپ اس حالت میں ہوں کہ آپ ملک کی اکثریت یا اس کے کسی ایک گروہ سے بعینہٖ وہ خطرات محسوس کر رہے ہوں جن کا احساس اس قوم کو ہے تو آپ کیا طرز عمل اختیار کریں گے ..... کریں گے کیا ؟ آپ نے اب تک ایسے عناصر کے متعلق کیا طرز عمل اختیار کیا ہے ؟ اور تو اور قادیان سے ربوہ تک اور مرزا محمود احمد سے مرزا ناصر احمد تک نے جماعت اور اس سے زیادہ اپنی خلافتوں اور اپنی اپنی ذات کے سلسلے میں نہ صرف دشمنوں اور بیرون جماعت اغیار کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا ہے ؟ بلکہ اپنے مریدوں میں سے ناقدین سے کیا برتاؤ کیا ؟ تو کیا پاکستان کے مسلمانوں کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اپنے وجود ملی اور اپنے عزیز ملک کے بارے میں جن لوگوں سے شدید خطرہ محسوس کر رہے ہوں کے اعمال و کردار کو زیر بحث لائیں ۔

ہم نے یہ گزارش ، ان حضرات کی آزردگی خاطر کو ملحوظ رکھ کر کی ہے اور اس سے زائد ہم ان کی خاصی تعداد کو مظلوم تصور کرتے ہیں ، انہیں جس دھوکے میں رکھا گیا ہے اور جس بے رحمی کیساتھ ان کی توانائیوں ان کے ذرائع و وسائل اور ان کی صلاحیتوں

باقی بر صفحہ ۲۳

بقیہ : راشدات

انہی اغراض ومقاصد کے لئے مؤتمر رشیدیہ ساہیوال کی تجویز ہے :

رشیدیہ کونشن کے مقاصد ثلاثہ بالکل ظاہر اور واضح ہیں ۔

(۱) دارالعلوم کے جملہ طبقات خصوصاً پاکستان کے حلقوں میں دعوت اتحاد بصورۃ وحدۃ عمل و عدم مخالفت ۔

(۲) ہمارے مدارس ، جامعات ، دارالعلوم ، جملہ مکاتیب فکر کی حیات وبقا کے لئے کوئی مستحکم اور مجاہدانہ منصوبہ !

(۳) ہماری مساجد کے مستقبل ، ائمہ وخطباء کے تحفظ کے لئے خاص نظام اور لائحہ عمل ۔

رشیدیہ کونشن کے لئے اکابر واصحاب واحباب کے مشورہ سے اچھے موسم اور مناسب تاریخ کا تعین اور نظام الاوقات بنایا جا رہا ہے تاکہ جملہ جواہرات یکجا جمع کر دہ بکھرے موتیوں کو جوڑا جائے اور سب کو حبل اللہ المتین میں پرو دیا جائے ۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ۔

—— خادم فاضل رشیدی

منہاج سابق ڈیوڈ منہاس کی زیر طبع کتاب "تاریخ تورات" کا ایک عنوان

تورات کی تعریف

عبدالرحیم منہاج (جڑانوالہ روڈ) فیصل آباد

کتاب مقدس بائبل کی پہلی پانچ کتابیں :

(۱) پیدائش (۲) خروج (۳) احبار (۴) گنتی

(۵) استثناء ۔ تورات ۔ توریت ۔ توراۃ کے نام سے مشہور ہیں ۔ (کلام مقدس پرانا عہدنامہ ص۱)

تورات کی اقسام

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ تورات صرف ایک ہی کتاب ہے جسے یہودی اور عیسائی دونوں خدا کا کلام مانتے ہیں لیکن درحقیقت ایسا ہرگز نہیں ہے۔

دنیا کے چار مذاہب کے پیروکاروں نے اپنے اپنے مذہب کے مطابق الہامی مانی گئی کتابوں کو تورات کا نام دے رکھا ہے اور ہر ایک مذہب والے دوسرے مذاہب کی توراتوں کو جعلی بناوٹی اور مصنوعی گردانتے ہیں اور فی الحقیقت چاروں توراتوں کے مضامین الگ الگ باہم مخالف ومتضاد ہیں، وہ چاروں توراتیں یہ ہیں ؛

۱ یہودی تورات ـــــــ جو یہودیوں کے پاس ہے۔

۲ عیسائی تورات ـــــــ جو عیسائیوں کے پاس ہے۔

۳ رومن تورات ـــــــ جو رومن کیتھولک عیسائی فرقہ کے پاس ہے۔

۴ سامری تورات ـــــــ جو سامری اسرائیلیوں کے پاس ہے۔

"تاریخ تورات" ان ہی چاروں توراتوں کے وجود میں آنے کی روئیداد اور ہم تک پہنچنے کی کہانی ہے۔ اب ان چاروں توراتوں کی الگ الگ تفصیل ملاحظہ ہو۔

یہودی تورات

یہودیوں کے عقیدہ کے مطابق تورات خدا کا کلام ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ یہودیوں کی ایک کتاب "مشنہ" میں کلام کے نازل ہونے کی صورت اسطرح بیان کی گئی ہے کہ :

"خدا نے کوہ سینا پر تورات کی کتاب لکھی لکھائی حضرت موسیٰؑ کو دی۔ حضرت موسیٰؑ نے تورات اپنے جانشین یشوع بن نون کو دی۔ یشوع نے اسے انبیاء کے سپرد کیا اور انبیاء کے بعد یہ عبادت خانہ عظیم کے ارکان (جن کی تعداد ۸۵ سے ۱۲۰ تک بتائی جاتی ہے) کی تحویل میں آئی اور اسطرح تورات بغیر کسی

ترمیم و اضافہ کے پشت در پشت ہم تک پہنچی۔ (مشنہ بحوالہ صحت کتب مقدسہ ص ۹۴)

عیسائیوں کی تورات

عیسائی حضرات تورات کو اگرچہ خدا کا کلام اور کتاب موسیٰؑ ہی مانتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ تورات نہ حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی اور نہ ہی آپ کو الہام ہوئی بلکہ حضرت موسیٰؑ نے خود تورات کو لکھا اور تصنیف کیا۔ فاضل عیسائی عالم جناب پادری جی ٹی مینلی صاحب اسکی وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مصنف اور تصنیف کی اصطلاحات استعمال کرتے وقت یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ تصنیف کے صرف یہ معنی ہیں کہ تورات کی پانچوں کتابیں موسیٰؑ نے خود لکھی تھیں نہ کہ خدا نے خود املا لکھوانے والے کی طرح اس کو لکھوائیں۔ (ہماری کتب مقدسہ ص ۱۳۳)

تورات کا قدیم نظریہ

تورات کی تصنیف کے متعلق عیسائیوں کا نظریہ کبھی بھی ایک نہیں رہا۔ گذرے زمانے میں بتایا گیا تھا کہ تورات کی کتاب جناب مسیح علیہ السلام سے پندرہ سو سال پہلے حضرت موسیٰؑ نے عبرانی زبان میں لکھی تھی اور اس کی صرف ایک جلد تھی۔ جناب مسیحؑ سے ۲۷۲ سال پہلے ۷۲ یہودی عالموں نے اس کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ کیا اور اس کی الگ الگ پانچ جلدیں بنائیں۔ (میزان الحق ص ۱۸۴ مصنف پادری فانڈر)

تورات کا جدید نظریہ

بیسویں صدی آدھی گذرنے کے بعد محکمہ آثار قدیمہ کی دریافتوں کے نتیجہ میں بائبل مقدس کی کتابوں کے قدیم نسخہ جات کی دستیابی کی وجہ سے عیسائیوں کو اپنے عقائد میں زبردست ترامیم کرنا پڑی جس کے زیر اثر بائبل کے وجود میں آنے کے متعلق لاتعداد نظریئے قائم ہوئے جو ایک دوسرے کے قطعی مخالف اور باہم متضاد ہیں۔ بالخصوص تورات کی تصنیف کے متعلق تو اسقدر مختلف نظریات پائے جاتے ہیں کہ اگر محض ان کی فہرست مرتب کی جائے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت لاحق ہوگی۔

ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ امریکہ میں مختلف ممالک اور فرقوں کے ۲۶ پادریوں نے جدید معلومات اور دریافتوں کی روشنی میں بائبل کے وجود میں آنے کے متعلق ایک تحقیقی کتاب "دی نیو بائبل ہینڈ بک" کے نام سے لکھی تھی۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پور روڈ لاہور نے "ہماری کتب مقدسہ" کے نام سے شائع کیا۔ اس کے مصنفین کے سربراہ جناب پادری جی ٹی مینلی صاحب ہیں۔ آپ اس کتاب میں تورات کی تصنیف کے متعلق بحث کا آغاز کرتے ہوئے "تورات کا مصنف کون ہے؟" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"تورات کا مصنف کون ہے؟ اس کے متعلق دو خیال ہیں۔ اول یہ کہ جس طرح عام لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا اکثر حصہ موسیٰؑ کی تصنیف ہے۔

دوم یہ کہ تورات ان تمام دستاویزوں کا مجموعہ ہے جن کی تصنیف موسیٰؑ کے زمانہ سے پہلے شروع ہوئی اور ۴۰۰ سنہ قبل از مسیح تک جاری رہی۔

باقی آئندہ

تحریف القرآن

یہ پرویزی اسلام ہے!

چند قرآنی اصطلاحات کے پرویزی معنی

غلام احمد پرویز صاحب نے جدید اسلام کی جو خود ساختہ مادی تشریح کی ہے اس کے چند نمونے ذیل میں ملاحظہ ہوں انکے مادی فکر کے سانچے میں جاکر سارے اسلامی الفاظ کے معنی بالکل بدل گئے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ دعوت وہ اسلام کا نام لیکر کیوں لے رہے ہیں۔ ایک نئے پرویزی مذہب کے طور پر بھی وہ اسے شروع کرسکتے تھے۔

○ رَبّ : کے معنی خدا کا قانون ربوبیت جو تمام کائنات میں جاری وساری ہے۔

○ ربوبیت : کے معنی کسی شے کا کامل نشوونما پاکر اپنی تکمیل کو پہنچ جانا۔ یعنی اسکی مضمر صلاحیتوں کا پورے طور پر نشوونما پانا۔

○ حق : کے معنی کسی عمل کا تعمیری پہلو جو ٹھوس نتائج کی شکل میں سامنے آئے۔ اور اپنی جگہ پر اٹل رہے۔

○ باطل : کے معنی کسی عمل کا تخریبی پہلو جو منفی نتائج پیدا کرے۔

○ اَرض : کے معنی انسان کی معاشی زندگی، وسائل پیداوار۔

○ سماء : کے معنی خدا کا کائناتی قانون جو از خود جاری وساری ہے۔

○ طیبات : کے معنی زندگی کی خوشگواریاں۔　　○ فضل : کے معنی سہولتیں۔

○ حسنات : انسانی ذات اور معاشرہ میں ٹھیک تناسب قائم رکھنے والا پروگرام۔

○ سیئات : کے معنی انسانی ذات اور معاشرہ کا توازن بگاڑنے والا پروگرام۔

○ اعمال صالحہ : کے معنی انسانی ذات اور معاشرہ میں ہمواریاں پیدا کرنیوالا پروگرام

○ فساد : کے معنی وہ پروگرام جو انسانی ذات اور معاشرہ میں ناہمواریاں پیدا کرے۔

○ عدل : کے معنی ہر شے کو صحیح حالتِ اعتدال پر رکھنا۔

○ احسان : کے معنی جہاں کسی فرد یا معاشرہ کی کسی قوت میں کمی آجائے اُسے پُورا کرکے معاشرے کے توازن کو قائم رکھنا۔

○ تقویٰ : کے معنی معاشی پروگرام کو مستقل اقدار کے ساتھ ہم آہنگ رکھنا اور اسطرح فرد اور معاشرہ کو خوف اور حزن سے محفوظ کرلینا۔

○ اقام الصلوٰۃ : کے معنی معاشرہ کو ان بنیادوں پر قائم کرنا جن پر ربوبیت نوع انسانی (رب العالمین) کی عمارت استوار ہونی چاہیئے۔ قلب ونظر کا وہ انقلاب جو اس معاشرہ کی رُوح ہے۔　○ ایتاء الزکوٰۃ : نوع انسانی کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا۔

باقی صفحہ ۳۶ پر

م۔ش کی ڈائری

عیسائیت کے پرچار کے پردے میں اسرائیل کی ناپاک حمایت

ٹائم میگزین کے تازہ شمارہ (۲۷ دسمبر ۱۹۸۲ء) کے مطابق اسوقت دولاکھ بیس ہزار عیسائی مشنری دنیا کے کونے کونے میں عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ ان کا مشن یہ ہے کہ ۲۰۰۰ء تک ایشیا، افریقہ اور رومن امریکہ میں ہر پانچ آدمیوں (عورتوں) میں سے تین کو عیسائیت کی آغوش میں لاکر بپتسمہ دیا جائے۔ ان دولاکھ بیس ہزار عیسائی مشنریوں میں پاکستان کے حصہ میں آنیوالی غیر ملکی عیسائی مشنری خواتین اور حضرات دن رات اپنے کام میں مصروف ہیں۔ شروع شروع میں جب ان غیر ملکی عیسائی مشنریوں نے پاکستان کا رُخ اختیار کیا تھا تو انہوں نے چند سال کام کرنے کے بعد اپنے ہیڈ کوارٹروں میں یہ اطلاعات بھجوائیں کہ "یہ سخت ملک ہے۔"

لیکن کلیسا کے پاس دولت کے بے پناہ ذخائر ہیں اور ان کے پاس لگن سے کام کرنیوالے لوگ موجود ہیں اس لئے کلیسا نے سختی کی شکایت کے باوجود اپنے مشنریوں کو اپنا کام جاری رکھنے کے لئے ان کی بھرپور مدد کی۔ چنانچہ فیصل آباد سے شائع ہونیوالے وقیع ہفت روزہ رسالہ "المنبر" کی اطلاع کے مطابق (جو کینیڈا سے شائع ہونیوالے عیسائی مشن کے فراہم کردہ اعداد و شمار پر مشتمل ہے) پاکستان میں صرف ایک سال میں دولاکھ پچاس ہزار لوگوں نے عیسائیت قبول کر کے بپتسمہ لیا۔

یہ اعداد کار ۱۹۵۸ء سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد بھی اسی رفتار سے عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے اس بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ عیسائی پاکستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ عیسائیت کے اس پرچار کا ایک خوفناک سیاسی پہلو یہ ہے کہ عیسائی مشنری جو عہد نامہ عتیق کو بائبل کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اپنے پروپیگنڈہ میں نہ صرف توریت اور زبور سے اپنے مذہب کی سچائی کی دلیل ڈھونڈتے ہیں اور اسے پیش کرتے ہیں بلکہ وہ اسرائیل کی مملکت کو بھی عیسائیت کی صداقت کی دلیل بناکر پیش کر رہے ہیں۔ اسوقت میرے سامنے لاہور کے ایک عیسائی مرکز سے تقسیم کئے جانیوالے ایک پمفلٹ موسوم بہ "ڈیلی بریڈ" برائے اکتوبر و دسمبر ۱۹۸۲ء کی کاپی ہے اس میں صفحہ ۴۵ پر جو تحریر مرقوم ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ:

"اسرائیل کی چھوٹی سی قوم جو مخالفتوں، دشمنیوں، معاندت میں گھری ہونے کے باوجود اب تک صحیح سلامت دنیا کے نقشے پر موجود ہے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ خدا اپنے مشن میں مصروف ہے۔"

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان جو اسرائیل کی مخالفت میں پیش پیش ہے خدا کی مخالفت کا

نشان ہے۔ چنانچہ پاکستان میں اس تبلیغ سے متاثر ہوکر بعض لوگوں نے جو عیسائی مشنریوں کو اپنے گھروں میں بلاکر بائبل پڑھتے ہیں دل و زبان سے اسرائیل کی حمایت میں اپنی آوازیں بلند کرنا شروع کی ہے۔

ان عیسائی مشنریوں کو اس قسم کی تبلیغ کرتے وقت شاید یہ بھی بھول جاتا ہے کہ اس "ننھے منے" اسرائیل کے اسوقت کے یہودی فرمانرواؤں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی مقدس والدہ کے متعلق جو کچھ الزامات لگائے تھے اُسے کوئی سچا مسلمان دُہرا بھی نہیں سکتا۔ انہیں یہ بھی بھول جاتا ہے کہ بیگن اور شیرون کے بزرگوں نے عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ان کے خدا کے اکلوتے بیٹے" کو پھانسی پر لٹکایا تھا، یہ اسلام تھا جس نے یہودیوں کی ان ناپاک افتراء پردازیوں کی تردید کرتے ہوئے حضرت مریم کو تمام دنیا کی عورتوں میں فضیلت کے درجہ پر فائز کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ناپاک حملوں سے محفوظ کرتے ہوئے انہیں خدا کا ایک برگزیدہ پیغمبر بناکر روح اللہ کے خطاب سے نوازا تھا۔ لیکن اسلام دشمن یہ غیر ملکی مشنری تاریخ کو بھول بھلاکر آج اسرائیل کو "خدا کے مشن کے ظہور" کا نشان بتانے سے نہیں شرماتے اور پاکستان میں بیٹھ کر اس عقیدہ کے سیاسی منطقی نتائج سے لاپرواہ ہوکر عالم اسلام کے زخموں پر نمک چھڑکنے میں مصروف ہیں۔ اسلام کے قلعہ پاکستان میں بیٹھ کر ہی اس قسم کے کاروبار کی اجازت ہوسکتی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام دوسرے مذہب کے ساتھ بقائے باہمی میں یقین رکھتا ہے بلکہ بعض معاملات میں ان سے سوالات کا بھی حامی ہے۔ آج تک پاکستان میں مسلمان اور عیسائی کسی قسم کی باہمی خلش کے بغیر اپنے اپنے دائرۂ عمل میں مصروف رہے ہیں لیکن غیر ملکی عیسائی مشنریوں کی مسلمان گھرانوں میں نقب لگانے اور اسرائیل کی حمایت میں فضا تیار کرنے سے مسلمانوں اور عیسائیوں میں خلفشار پیدا کرنے کی ناپاک سازشیں جاری ہیں۔ رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ چرچوں میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے کسی مسلمان کو کوئی تعرض نہیں ہوسکتا۔ لیکن میں علماءِ کرام کو ان کا فرض یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وہ از برائے خُدا اپنے فروعی اختلاف کو بھلا کر عیسائیت کی تبلیغ کے پردے میں اسرائیل کی حمایت میں غیر ملکی عیسائی مشنریوں کی پاکستان دشمن اور عرب دشمن سرگرمیوں کا نوٹس لیں۔

اس کے ساتھ ساتھ انہیں مسلم معاشرہ کی تطہیر کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ عیسائی مشنری ہمارے قومی، اخلاقی کو نشانہ بناکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور خدا کو تین ٹکڑوں میں بانٹ کر پاکستان میں توحید اور رسالت کے لئے ایک کھُلا چیلنج نہ بن جائیں۔ پاکستان کے عیسائیوں کو بھی غیر ملکی عیسائی مشنریوں کو مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر نقب لگانے سے باز رکھنے کی مصلحت پر غور کرنا چاہیئے۔ جوشوا فضل دین مرحوم تو غیر ملکی عیسائی مشنریوں کے ایسے حربوں کی کھُلم کھُلا ڈٹ کر مخالفت کیا کرتے تھے۔ ـــــــــــ (نوائے وقت)

اطلاع

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ملحقہ مدارس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وفاق کا مرکزی دفتر قاسم العلوم ملا کچہری روڈ ملتان میں ہی واقع ہے۔

مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان جامعہ قاسم العلوم نمبر(۱) کچہری روڈ — ملتان

انقلابِ ایران
اور
ایران کی سنّی اقلیّت

○ انٹرویو : شیخ محمد بن صالح ضیائی، ایرانی ——— انٹرویو نگار : ہفت روزہ "المجتمع" کویت

○ ترجمہ : آفتاب عالم، بشکریہ ○ "تعمیر حیات" ○ ماہنامہ "الحق" ○ بخاری اکیڈمی ملتان -

---

بعض حقائق ایران کے ایک سُنّی عالم کیساتھ دیا گیا یہ انٹرویو ہم کویت کے ہفت روزہ "المجتمع" سے نقل کر رہے ہیں۔ پیش نظر انٹرویو میں جنوبی ایران میں بسنے والے سُنّی عربوں کے شاہنشاہی عہد اور انقلابی ایران کے زمانہ کے حالات وکیفیات کی نقاب کشائی کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ یہ انٹرویو شیخ محمد بن صالح ضیائی سے لیا گیا ہے جن کا شمار ایران کے ممتاز سُنّی علماء میں ہوتا ہے۔ موصوف شیخ بن باز کے ایک سعادتمند شاگرد شہر "بندر عباس" کی جامع مسجد کے خطیب، اور تیرہ سال سے ایک معہد میں عربی اور اسلامی علوم کے اُستاذ ہیں۔ ابتدائی دینی تعلیم کے حصول کے لئے سب سے پہلے شہر "عوض" کے ایک سُنّی دینی مدرسہ میں "احمد فقہی" کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، پھر دینی تعلیم کی تکمیل کے لئے ۱۹۶۰ء میں مدینہ منورہ چلے گئے اور ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ کا افتتاح ہوا تو انہوں نے جامعہ اسلامیہ میں داخلہ لیا۔ ۶۸ء میں فراغت حاصل کی اور اس کے بعد ہی سے ایران میں سُنّی مسلمانوں کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

یہ گفتگو جنوبی ایران کے ایک شہر "عوض" میں ایک نہایت سادہ سی عمارت میں ہوئی۔ جنوبی ایران میں بسنے والے سُنّی مسلمان دراصل عرب ہیں۔ بلوچی سُنّیوں کا قیام پاکستان کی سرحد پر بلوچستان کے علاقہ میں ہے۔ کردوں کا شمال مغربی ایران میں کردستان کے علاقہ میں، خراسانیوں کا روس وافغانستان کی سرحد پر، اور ترکوں کا شمال ایران میں۔ یہ پانچوں سُنّی قومیں ایران کے چاروں کونوں پر آباد ہیں۔

○

شاہی دَور کے سُنّی طلبہ

المجتمع : ہم شاہی دور کے ایرانی اہلِ سُنّت وجماعت مسلمانوں کے حالات جاننا چاہتے ہیں؟

شیخ ضیائی : اسلامی انقلاب سے پیشتر سُنّی مسلمان واقعتاً لادینی زندگی گذارتے تھے۔ معاشرہ میں فساد وگمراہی کا دور دورہ تھا۔ شیعہ ہو یا سُنّی کوئی بھی شخص شاہ کی توجہ وعنایت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا تھا شاہ کی ساری

توجہات و عنایات فرقہ "بہائیہ" کے ساتھ مخصوص تھیں جس کی وجہ سے سُنیوں کو گذشتہ پچاس سالوں میں (خصوصاً رضا شاہ پہلوی کے دور میں) عظیم نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ مثال کے طور پر "رفع حجاب" ہی کو لے لیجئے۔ غور فرمائیے کہ اس کی پاداش میں کتنے سُنی خاندانوں کو اپنا محبوب وطن خیر باد کہہ کر خلیج کے مختلف دُور دراز شہروں کی راہ دیکھنی پڑی۔ اس پر طُرّہ یہ کہ شاہی دور میں سُنیوں کو کسی طرح کے اجتماعی حقوق حاصل نہ تھے۔ ان کے مدرسے برائے نام تھے۔ اس ستم ظریفی کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ "بندر لنجہ" جیسے ۹۹ فیصد سُنی شہریوں پر مشتمل شہر میں محض ایک دینی درسگاہ تھی جس میں ائمہ مساجد وغیرہ تربیت حاصل کرتے تھے۔ مزید برآں اس مدرسہ کی کوئی سرکاری ضمانت بھی نہ تھی۔ اور شہر "معوض" میں بھی صرف ایک دینی مدرسہ ہے جس کے مالیات کی فراہمی کی ذمہ داری کویت اور دیگر عربی ممالک کے محسن و مخلص کارکنوں کے سر ہے۔ شاہی حکومت نے جنوبی ایران کی ایک ہزار سُنی مسجدوں میں سے کسی ایک مسجد کے بھی اخراجات کی ذمہ داری نہیں لی۔

سُنیوں کو تعلیمی و تربیتی پہلو سے بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ یونیورسٹیاں قائم تو ضرور تھیں لیکن ایسے شہروں میں جن کے رنگ ڈھنگ اور وضع قطع پر شیعی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ شیعی طالب علم والے دل کی آواز کچھ وقت کے سانچے میں ڈھل جاتا تھا لیکن سُنی طالب علم کو دو صبر آزما مراحل میں سے ایک کو طے کرنا پڑتا تھا۔ یا پھر اشتراکیت کے مادی نقطہ نظر کو اپنائے "سوشلزم" کا علمبردار بن جائے (جیسا کہ آج کی صورتحال ہے) اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے مناسب تھا کہ ہر یونیورسٹی میں سُنیوں کا کم سے کم چھوٹا سا کلب تو ہوتا۔ اسطرح یونیورسٹی کے طلبہ کا رجحان کسی قیمت پر اشتراکیت کی طرف مائل نہ ہوتا لیکن یہ کمی ہمیشہ محسوس کی گئی اور اس کمی کے نتیجہ میں یونیورسٹی کے اکثر و بیشتر سُنی طلبہ اشتراکی نظریات کے حامل ہوگئے۔ یہ وہ سب سے بڑا نقصان ہے جو ایرانی انقلاب سے پہلے سُنی مسلمانوں کو پہنچا۔

مذہب اہلسنت کی تائید و حمایت کے سلسلہ میں انقلاب نے کسی قسم کا اقدام نہیں کیا

مجتمع: انقلاب کے بعد اہلسنت کے حالات میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی؟

شیخ ضیائی: بعض جہالت سے تبدیلی ہوئی۔ مثلاً سُنی شہروں کی اجتماعی و اخلاقی خرابیوں کے اثرات پوری طرح سے زائل کئے گئے جس سے سُنی مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا۔ لیکن جیسا کہ معلوم ہے کہ حکومت کا سرکاری مذہب شیعیت ہے اس لئے لازماً ذمہ داران حکومت اہل سُنت و جماعت کے مذہب کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ دونوں فرقے اس شان سے رہیں کہ ایک قوم معلوم ہوں اور ان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہ ہو لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کا شمار اسلام کی مایہ ناز اور مخلص شخصیتوں میں ہے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دخول جنت سے شرفیاب ہوں گے۔ اس کے برخلاف شیعہ (معاذ اللہ) انہیں جہنمی قرار دیتے ہیں۔ سنیوں کا عقیدہ ہے کہ علماء اسلام کا منصب و مقام اقتدار وقت کی رہنمائی ہے اور شیعوں کا خیال خام ہے کہ علماء دین کو نبیوں کا درجہ حاصل ہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی

طرح ان کا فیصلہ بھی قطعی اور آخری ہے۔ سنی و شیعہ کے مابین اسی طرح اور بہت سے اختلافات ہیں تو پھر اتفاق و اتحاد کہاں ممکن ہے؟

اہلسنت کی کتابوں کی طباعت میں حکومت کی ہمت افزائی کا فقدان

مجتمع: کیا انقلابی حکومت بذاتِ خود سنیوں کے لئے دینی مدارس کے قیام اور تعمیر مساجد کا کام انجام دیتی ہے اور سنیوں کی دینی کتابوں کی نشر و اشاعت کا موقع فراہم کرتی ہے؟

شیخ ضیائی: حکومت نے سنیوں کے لئے ایک مدرسہ بھی نہیں کھولا۔ ہم نے "بندر عباس" میں خود ایک غیر سرکاری دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی لیکن حکومت نے اسمیں کسی قسم کی دخل اندازی نہیں کی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان اندرونی اور بیرونی خانہ جنگیوں کی وجہ سے دینی مدارس کے ساتھ حکومت کا موقف و رویّہ ابھی تک کچھ واضح ہو کر سامنے نہیں آسکا لیکن اہل سنت کی دینی کتابوں کی حد تک تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان کی اشاعت کے سلسلے میں حکومت نے کسی طرح کی ہمت افزائی نہیں کی جبکہ حکومت ان شیعی کتابوں کی نشر و اشاعت میں بھرپور تعاون کر رہی ہے جن میں خلفاء راشدین اور صحابہ کرام پر سب و شتم اور اہلسنت کی مخالفت کی گئی ہے یہ چیز ہمیں مجبور کرتی ہے کہ حکومت اہلسنت کی فلاح و بہبود میں کسی طرح کا حصہ لینا نہیں چاہتی۔

تفرق امتی الی ثلاث و سبعین فرقۃ واحدۃ منها ناجیۃ والباقی فی النار

یعنی: "میری امت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہوگی جس میں صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا بقیہ سب کے سب ناری"

شیعہ مذہب کی بنیادی کتابیں اس کی پوری تائید کرتی ہیں اور اس قسم کی کتابوں کی نشر و اشاعت میں بھرپور تعاون کیا جاتا ہے۔

ایرانی دستور اور اہلسنت کے حقوق

مجتمع: جناب عالی! ہماری خواہش ہے کہ آپ اس پر روشنی ڈالیں کہ جدید ایرانی دستور کے سلسلہ میں اہلسنت کے احساسات کیا ہیں جس میں اہل سنت کو دسویں کا سا درجہ دیا گیا ہے اور ان کو صدارت، وزارتِ عظمیٰ، خمینی کی قائم مقامی کرنیوالی مجلس کی ممبری اور افواج کی سربراہی جیسے کلیدی عہدوں سے محروم کر دیا گیا ہے؟

شیخ ضیائی: جدید دستور کی رُو سے بعض حقوق کی محرومی کی وجہ سے اکثریت "احساس کمتری" کا شکار ہے۔ وہاں کی اقلیت کا تو یہ خیال ہے (اور میں بھی انہی میں سے ہوں) کہ جدید دستور میں جو بات پیدا ہوگئی ہے وہ بالکل فطری ہے چنانچہ اکثریت کبھی اقلیت کو پورے حقوق نہیں دیتی۔ میرے خیال میں اگر ایرانی دستور میں شیعی مذہب کی توضیح و تصریح کر دی جائے تو مسلمانوں کے مستقبل کے لئے ایک بہترین اقدام ہوگا

ایران میں حکومت اہلسنت کے اتحاد و اتفاق کو پسند نہیں کرتی

مجتمع: عرب، کرد، ترک، بلوچ اور بعض ایرانی اہلسنت کے درمیان کوئی متحدہ پلیٹ فارم بنانے کے سلسلہ میں کہاں تک اتحاد و تعاون پایا جاتا ہے؟

شیخ ضیائی: افسوس ہے کہ اہل سُنّت میں کوئی اتحاد نہیں جو ان کے مشترکہ مسائل و مطالبات کے لئے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکے اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ اہل سُنّت جغرافیائی حیثیت سے ایران کے مختلف حصّوں میں بٹے ہوئے ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے سے ہزاروں کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے جس کی وجہ سے ان کا آپس میں ملنا جُلنا بہت مشکل ہے

اور اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ان مختلف خطّوں میں زبان اور مسائل کا بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ کردستان تقریباً پچاس سال سے آزادی کا مطالبہ کر رہا ہے جبکہ ایران کے سنیوں کا اس قسم کا کوئی مطالبہ نہیں۔ بلوچستان میں اردو سے ملتی جُلتی اپنی خاص زبان ہے۔ ترکوں کی ترکی سے ملتی جلتی اپنی الگ زبان ہے۔ جنوب کے سُنّی اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کا کام فارسی زبان سے لیتے ہیں۔ یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مذہب اہل سُنّت کو نصف صدی سے حکومت کی تائید و حمایت نہ ملنے کی وجہ سے شریعت سے جہالت و ناواقفیت عام ہے۔ اگر بعض قدیم مذہبی کتابیں ہیں بھی تو زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ ادھر ایرانی قافلہ تمدّن سے پیچھے رہ جانے کا احساس سنّیوں میں تیزی سے تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس تلخ حقیقت کا مشاہدہ سُنّیوں کے شہر "عوض" تک قریب ہونیوالے دو شیعہ شہر "جہرم" اور "لار" میں کیا جا سکتا ہے۔ اہالیان جہرم و لار اپنے نونہالوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے "قم" و "مشہد" بھیجتے ہیں۔ یہ نونہالان شیعہ وہاں سے حجۃ الاسلام بن کر نکلتے ہیں اور شیعہ مذہب کے دقائق و غوامض کی تشریح اور اس کے معارف و حقائق کی گرہ کشائی کرتے ہیں اور ہماری پوزیشن یہ ہے کہ ہمارے پاس نہ تو دینی ادارے ہیں نہ علمی مراکز۔ ہم نے اپنے طلبہ کو "عوض" سے مدینہ یونیورسٹی بھیجنے کا ارادہ کیا بھی تو نہایت تاخیر سے۔ ان سب باتوں کی وجہ سے سنیوں میں یک جہتی مفقود ہے ویسے یوں بھی حکومت سنیوں سے اتحاد و اتفاق کا خیر مقدم نہیں کرتی اسکی سب سے واضح مثال یہ ہے کہ:

> "محمد علی رجائی کی وزارتِ عظمیٰ اور بنی صدر کی صدارت کے عہد میں ایران کے تمام علماءِ سنت کو تہران میں ایک علمی کانفرنس کے انعقاد کی دعوت دی گئی۔ اس کانفرنس میں علماءِ سُنّت کی ایک ایسی خاص مجلس کی تشکیل کا حکومت سے مطالبہ کرنے کے لئے قرار داد بھی پاس کی جو کہ حکومت کے تمام شعبہ ہائے وزارت کے دینی امور کی سرپرستی کا کام انجام دے اور ہر نشیب و فراز میں سنیوں کا مرجع ہو لیکن ان تمام کوششوں پر رجائی نے یہ کہہ کر پانی پھیر دیا کہ "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ مجلس حکومت کی ترقیوں کی راہ میں سنگ گراں ثابت ہوگی۔" اسطرح کانفرنس کی یہ پاس شدہ قرارداد تشنۂ تعمیل رہ گئی۔ کیونکہ رجائی کی نظر میں یہ مجلس خرمن امن و اماں کے لئے برق بے اماں کے مترادف تھی۔"

سنّیوں کی اقتصادی ناکہ بندی

کیا حکومت سُنّی اور شیعی علاقوں کی خدمت میں کسی طرح کا فرق و امتیاز برتتی ہے؟

شیخ ضیائی: حکومت کا دامن اس ناانصافی سے پاک ہے یا نہیں! یہ تو ہمیں معلوم نہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض ذمہ داران حکومت محض اپنی غرض کی خاطر اس سلسلہ میں بدعملی سے کام لیتے

ہیں جیسا کہ یہ بات جزیرہ "قشم" اور بعض ان سنی جزیروں میں دیکھنے میں آئی ہے جن میں بعض سنیوں کی حکومت نے جنوبی اور شمال خلیج کے سارے تجارتی روابط ختم کر کے "اقتصادی ناکہ بندی" شروع کر دی ہے محض یہ جان کر کہ ان جزیروں میں بسنے والے فیصد سنی ہیں اور بعض اشخاص پر کچھ سنی مسلمانوں کو دوبئی سے "بندر عباس" منتقل کرنے کے ۲۰ سالہ قبل جرم پر ابھی تک مقدمہ چل رہا ہے لیکن ان سارے اقدامات کے پس پردہ مفاد پرست اور نفع خور ذمہ داران حکومت کا ہاتھ ہے حکومت کا اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔

خرافات کا مقابلہ اور قبّوں کا منہدم کرنا ممکن نہیں

مجتمع: بدعات وخرافات، اولیاء وصالحین کے مزارات اور سنی مسلمانوں کی قبروں پر قبّوں کی تعمیر کا مقابلہ کرنے میں سنی مسلمان علماء کا کیا کردار ہے؟

شیخ ضیائی: بدعات وخرافات اور وہم وگمان کے ماحول سے پنجہ آزمائی بالکل ممکن نہیں۔ ثانیاً شیعی مذہب کو حکومت کی ہے بدعات وخرافات کے خلاف آواز اٹھانا دراصل حکومت سے عداوت مول لینے کے مترادف ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ سعودیہ میں قبوں کو کس نے منہدم کیا؟ اور قانون کون نافذ کرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ حکومت۔ اس لئے میری سمجھ سے سنی علماء جنوبی ایران میں قبّوں کی تعمیر اور بدعات وخرافات کے مقابلہ سے قاصر ہیں البتہ حکومت اس کام کو تنہا انجام دے سکتی ہے اس سلسلہ میں باہمی تفاہم بھی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

سنی مسلمانوں کا سوشلسٹ ہو جانا ان کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہے

مجتمع: کیا سنیوں کی کوئی اسلامی تحریک مغربی واشتراکی رجحانات سے محفوظ رکھنے اور اسلام اختیار کرنے کی دعوت کا کام انجام دے رہی ہے؟

شیخ ضیائی: الحمدللہ ہمارے سنی معاشرہ کی فضا دینی ہے اور نوجوانوں کے رجحانات وخیالات اسلامی ہیں۔ البتہ ہمارے سنی مسلمان بائیں بازو کی اشتراکی جماعت کے نظریات سے متاثر ہیں اور یہ سب کچھ شاہ کے دور کی ایرانی یونیورسٹی کا کرشمہ ہے افسوس اس بات کا ہے کہ اسوقت وہ مخلص داعی نہیں جو اس طوفان کو روکنے کے لئے ایک آہنی محاذ بنائیں۔ کتنے عار کی بات ہے کہ ہمارا نوجوان طبقہ "سرخ اشتراکیت" کا علمبردار اور روسی بالشویک تحریک کا حامی ہو جس کی افغانستان میں خون آشامیوں اور زہر چکانیوں سے کوئی ناواقف نہیں۔ (بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم ملتان)

بقیہ: پرویزی اسلام

○ فی سبیل اللہ: کے معنی نوع انسانی کی ربوبیت کے حصول کی راہیں۔ ○ بُخل: کے معنی "انفاق" کے مقابلہ میں اجتماعی مفاد کی بجائے انفرادی مفاد کا نظریہ۔ ○ انفاق: کے معنی ایسا نظام جس میں ایک طرف سے افراد کی محنت کا ماحصل آتا جائے اور دوسری طرف سے "مفاد عامہ" کے لئے نکلتا جائے۔ ○ ربانیون: نظام ربوبیت کی حامل جماعت۔

○ ایمان بالغیب: کے معنی خدا کے نظام ربوبیت کے ان دیکھے نتائج وغیرہ پر یقین رکھنا۔ (ماخوذ "المنبر")

مادرِ علم دارالعلوم دیوبند

از : مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

مادرِ علم تیرے سپوتوں کا فن
علم کی تازگی، دل کا پاکیزہ پن

تیرے عرقِ جبیں سے گل و یاسمن
تیرے اشکِ رواں سے ہیں گنگ و جمن

تیرے افکار عالی سے رنگِ چمن
جذب کردار سے آبروئے سخن

عالمی مؤتمر، علم کی انجمن
شوکت اہل دیں، عظمتِ اہلِ فن

اہل حق کو دیا زورِ باطل شکن
اہل باطل کو پہنا دیا ہے کفن

دونوں عالم گلے مل گئے ہیں یہاں
حسن کی چاندنی، عشق کا بانکپن

تو نے تاریکیوں کو اجالا دیا
اور اجالے کو روحانیت کی کرن

مشعلِ اہلِ حق، نورِ اہل یقیں
ناز روحانیاں تاج اہلِ وطن

ہر قدم پر جلائی ہے شمع حرم
رہنما بن گئی ہے ہماری لگن

مرکزِ جستجو ، محورِ آرزو
مجمع علم و فن روح کی انجمن

عقل کی پاسباں، دین کی ترجماں
مادرِ علم کی یادگارِ کہن

امتحانات سالانہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

معلوم رہے کہ مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ملتان کے فیصلوں کی روشنی میں امتحانی کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ، ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ بمقام ذیل دفتر وفاق کراچی کے طے کردہ اصول کے مطابق درج ذیل طریق پر درجہ ثانویہ خاصہ (درجہ رابعہ) کا امتحان منعقد ہوگا۔ اس امتحان کے مذکورہ ذیل چھ پرچے ہوں گے :

پرچہ	مضمون	کتاب	تاریخ	دن
پہلا پرچہ	تفسیر	ترجمۃ القرآن سورۂ یونس تا سورۂ قصص	یکم شعبان ۱۴۰۳ھ	ہفتہ
دوسرا پرچہ	فقہ	شرح وقایہ اولین یا آخرین یا الاختیار ج ۳،۴	۲ "	اتوار
تیسرا پرچہ	اصول فقہ	نورالانوار تا قیاس	۳ "	سوموار
چوتھا پرچہ	نحو	شرح جامی تا مبنیات	۴ "	منگل
پانچواں پرچہ	منطق	قطبی تصورات	۵ "	بدھ
چھٹا پرچہ	ادب	مقامات ۱۰ مقالے	۶ "	جمعرات

سوالات کی تفصیل :- فقہ کے علاوہ باقی پرچوں میں سے ہر کتاب کے ۳ سوال ہونگے لیکن ہر سوال 'یا' کی تردید کیساتھ ۲ سوالوں پر مشتمل ہوگا۔ طالبعلم کو اختیار ہوگا کہ ان ۲ میں سے جسکا چاہے جواب لکھے دونوں کا جواب ہرگز نہ لکھے۔ فقہ کے پرچہ کے تین حصے ہونگے ایک حصہ شرح وقایہ اولین کا جسمیں مذکورہ بالا طریق پر ۳ سوال ہوں گے یعنی 'یا' کی تردید کیساتھ ہر ایک سوال دو سوالوں پر مشتمل ہوگا اسطرح شرح وقایہ آخرین اور الاختیار ج ۳،۴ ہر ایک کتاب کے تین تین سوال ہر سوال 'یا' کی تردید کیساتھ ۲ سوالوں پر مشتمل ہوگا طالبعلم کو اختیار ہوگا کہ ان ۳ حصوں میں سے کسی ایک حصہ کا جواب لکھے۔ وقت تین گھنٹے ہوگا۔ معیار کامیابی :- ہر پرچے کے نمبر ۱۰۰ ہوں گے جبکہ ۴۰ فیصد نمبر حاصل کرنے ضروری ہوں گے کسی پرچے میں ناکامی کی صورت میں اس پرچے کا امتحان دوبارہ دینا ہوگا۔ ۲ پرچوں میں فیل ہونیوالا طالب علم اگلے درجہ میں داخلہ لے سکیگا۔ لیکن ۳ پرچوں میں فیل شدہ اسی درجہ کا اعادہ کرے گا۔ سند :- تمام پرچوں میں کامیاب طلبہ کو وفاق سند جاری کریگا فیس داخلہ ۱۵ روپے ہر طالب علم کو ادا کرنا ہوگی لہٰذا گذارش ہے کہ آپ اپنے مدرسہ کے درجہ ثانویہ (درجہ رابعہ) کے طلبہ کی فہرست مع فیس داخلہ مطبوعہ فارم پُر کرکے ۱۰ جمادی الاولیٰ تک لازماً دفتر وفاق کو بھیجدیں۔ درجہ حفظ و ناظرہ کا امتحان بھی وفاق کے تحت ہوگا اس لئے کامل الحفظ طلبہ کی فہرست مع فیس امتحان ۱۵ روپے بھیجدیں اور ناظرہ وغیر کامل الحفظ طلبہ کا الگ ایک فہرست بناکر بھیجدیں اس درجہ کی کوئی فیس نہیں۔

والسلام

ناظم امتحانات وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔

بقیہ : مولانا سندھیؒ کا آخری سفر دیوبند

ودیعت فرما دیتا ہے جو اس مہم کو سر کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرتے اور پھر دوسروں کے لئے جگہ خالی کر دیتے ہیں اسی کو ہم تقدیر اور مشیت الٰہی قرار دیتے ہیں بیشک انسان اپنی عمر طبعی گزار کر رخصت ہو جاتا ہے لیکن ہر شخص اپنے عمل کے خیر و شر میں ہمیشہ زندہ رہتا ہے (مادے کی طرح عمل بھی لازوال ہے کہ شکل بدلتا ہے مگر فنا نہیں) ایک طبعی دنیا میں دوسرا روحانی واخلاقی زندگی میں اس فرق کے ساتھ کہ خیر و شر کتنے ہی اضافی کیوں نہ قرار دیئے جائیں لیکن اپنے خواص و نتائج کے اعتبار سے ایک بہرحال خیر اور دوسرا بہرطور شر ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (خدام الدین)

بقیہ : علماء و مشائخ سے درخواست

آپ حضرات دینی راہنما ہیں آپ کا فرض ہے کہ قوم کو صحیح راستہ پر گامزن کریں نہ کہ خود دست و گریباں ہوں، قوم کا کوئی قصور نہیں ہے تحریک پاکستان سے آج تک کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی عوام کو اسلام کے نام پر آپ نے بلایا قوم نے سر بکف ہو کر لبیک کہا اور قربانیاں دیں۔ ________ کیا ان قربانیوں کا یہی صلہ ہے کہ آج آپ حضرات آپس میں دست و گریبان ہیں؟ جتنی قوت اور زور آپس میں اختلافات پر آپ حضرات صرف فرما رہے ہیں اگر اسی قوت و زور کو دشمنوں کے لئے استعمال فرمائیں اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے خرچ کریں تو عوام میں بھی بلند مرتبہ حاصل ہوگا اور پروردگار کے دربار میں بھی سرخروئی ہوگی۔

مجھے امید ہے کہ میری اس مخلصانہ اور مؤدبانہ گذارش پر ضرور نظر عنایت ہوگی۔

اختلافات کس طرح ختم ہوں؟

کونج اور کوے میں ایک پانی کے چشمے پر اختلاف ہوا۔ دونوں اس پر اپنی ملکیت کے دعویدار تھے بالآخر دونوں نے پرندوں کے قاضی کے پاس اپنا مقدمہ دائر کیا۔ قاضی نے گواہ طلب کیا، دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھا، آخر کار قاضی نے کونج کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

کونج نے پوچھا کہ جب ہم میں سے کسی کے پاس گواہ نہیں تھا تو آخر کوے پر مجھے ترجیح دینے کی کیا وجہ ہے؟

قاضی نے کہا کہ تمہاری صداقتِ کردار ضرب المثل ہے اسی پر اعتماد کر کے میں نے یہ فیصلہ دیا ہے۔

یہ سن کر کونج نے کہا اگر بات یہی ہے تو میرا فیصلہ یہ ہے کہ چشمہ کوے کا ہے میرا نہیں! قاضی نے جرح کی کہ اگر اسی سچائی کا اظہار کرنا تھا تو میرے پاس مقدمہ لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کونج نے کہا چونکہ کوے نے مجھے چشمہ پر جانے سے روک دیا تھا اس پر مجھے ضد پیدا ہو گئی اور غصے میں میں نے مقدمہ دائر کر دیا۔ اب جبکہ میری سچائی کی شہرت عام ہے تو میرے لئے اپنی اس معروف صداقت کو برقرار رکھنا ایک ہزار چشموں سے زیادہ ضروری ہے۔

حقیقت میں اختلاف ہمیشہ ضد اور جذباتِ غضب کا نتیجہ ہوتا ہے اور جب کسی ایک فریق سے یہی چیز نکل جائے تو اختلاف خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

اس چھوٹے سے حیوانی واقعے میں انسانی زندگیوں کے لئے کتنا بڑا سبق ہے مگر کون ہے جو ضد کے مقام سے ہٹ کر اختلاف ختم کرنے کے لئے آمادہ ہو!

اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَھُوَ شَھِیْد۔

مکتوب دارالعلوم حقانیہ

از بقیۃ السلف حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ شیخ الحدیث حقانیہ

مکرمی ومحترمی حضرت العلامہ مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی زید مجدکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

دارالعلوم جامعہ رشیدیہ کے حالیہ حادثہ کی خبر سے حد درجہ رنج ہوا۔ مہمانانِ رسول طالبانِ علوم نبوت پر ایسا ظلم وہی کرسکتے ہیں جن کے دل عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی اور کورے ہوں۔

جامعہ رشیدیہ اس سے قبل بھی کچھ ایسے ہی لوگوں کا مشقِ ستم رہا ہے۔ مگر جامعہ کے بانیؒ اور منتظمین کا خلوص ہے کہ اس چراغ کو گل نہیں ہونے دیتا۔ آپ حضرات نے جس قدر صبر واستقلال اور للہیت وخلوص سے علوم نبوت کی اس شمع کو فروزاں رکھا ہے اُسی کی برکتیں ہیں۔ یہ چراغ پھونکوں سے نہیں بجھایا جاسکا۔ اور انشاء اللہ جب تک خلوص وللہیت رہے گی نہیں بجھایا جاسکتا۔

میں خود حاضری سے معذور ہوں، کمزوری اور ضعف زیادہ ہے، دو آدمی اُٹھاتے بٹھاتے ہیں۔ ورنہ جی چاہتا ہے کہ حاضر خدمت ہوتا اور آپ حضرات اور طلباء (جو ہسپتال میں پڑے ہیں) کی ملاقات کرتا۔ بہرحال مجھ ناتواں کے لائق اس سلسلہ میں جو حکم بھی ہو حتی المقدور خدمت کے لئے تیار سمجھیں۔ انشاء اللہ باری تعالیٰ آپ کو اسقدر عظیم قربانی کے عوض اجر عظیم سے نوازے اور دارالعلوم جامعہ رشیدیہ کو باری تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے۔

ہمیں حادثہ کی صحیح خبر اور اصل صورتحال ابھی تک معلوم نہ ہوسکی اور جتنا کچھ معلوم ہوا ہے یہ بھی ایک صاحب کی خبر سے معلوم ہوا ہے

والسلام

عبدالحق غفرلہٗ مہتمم

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

(پشاور)

Phone
No. 2356

جریدہ اسلامیہ شہریۃ تصدر عن الجامعۃ الرشیدیۃ

REGD. L
No. 8054

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE PAKISTAN

رَشِیدیّہ کنونشن

دارالعلوم دیوبند کے سو اصد سالہ اجلاس میں قائد ملت حضرت مولانا مفتی محمود نور اللہ مرقدہٗ نے پاکستان میں دارالعلوم کے لئے ایک اجتماع عظیم کی تجویز پیش فرمائی تھی......

راقم، آثم، خادم، ناظم نے بھی آخری اجلاس دارالعلوم میں مختصر خطاب کے دوران دارالعلوم کے لئے اپنا سب کچھ تن، من، دھن کی قربانی کا اعلان کرتے ہوئے خود بھی حلف اُٹھایا تھا اور جملہ فضلاء وشرکاء مؤتمر نے بھی دارالعلوم دیوبند کے مشن کے تحفظ اور اس کے مقاصد کی تکمیل واستحکام کے لئے ہاتھ کھڑے کرکے وعدہ کیا تھا کہ ہم دارالعلوم کی تعلیمات اور اکابر کی مجاہدانہ قربانیوں کو زندہ و تابندہ رکھیں گے۔"

اگرچہ اس درجہ کا اجلاس تو متعذر ہے کہ حضرت مفتی محمودؒ مرحوم ہوگئے۔ تاہم اس مقصد کے لئے رشیدیہ کنونشن ایک سعی ناتمام ہوگی۔ مالا یدرک کلّہ۔ لا یترک بعضہ کے پیش نظر رشیدیہ کنونشن میں اس پر غور و فکر اور اس کی تکمیل کے لئے سوچ بچار کیا جائے گا۔

آخر پاکستان میں ایسے عظیم اجتماع کی ضرورت بہر حال موجود و موعود ہے۔ اس لئے جملہ متعلقین حضرات واصحاب و احباب توجہ سامی فرمائیں اور رشیدیہ کنونشن کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے عملی تعاون و نصرت سے مطلع ومطمئن فرمائیں۔

مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ
جامعہ رشیدیہ ساہیوال

بادارت

فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند

مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال پاکستان
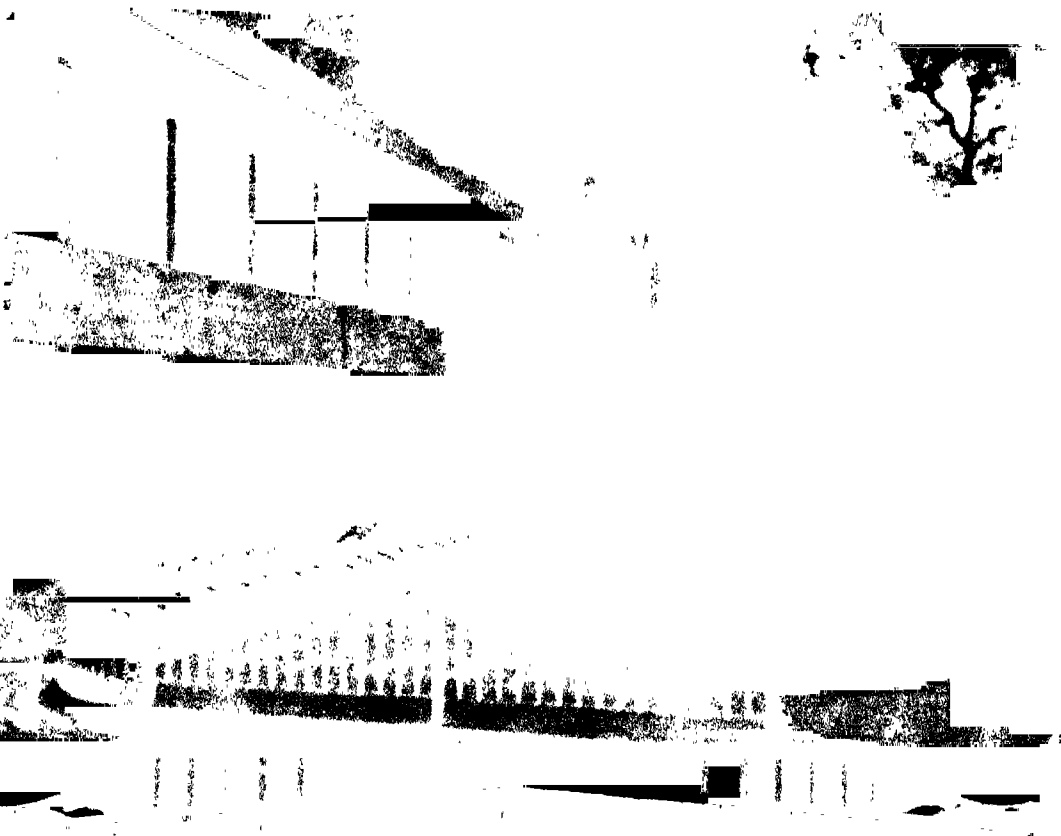
اَلرَّشِید

مسلکِ اسلام روشن، حق رسا و حق تائید
سُو بسُو احساسِ حق، تبلیغ روشن الرشید

جلوتِ اسلامِ ہند از دیوبند دارالعلوم
سرزمینِ پاک میں احساس دیوبند الرشید

مرکزِ اسلام برحق، روز و شب تعمیرِ حق
جلوتِ اسلام روشن صبح و شام از الرشید

منبعِ توحیدِ حق، توقیرِ حق، تحریرِ حق
جامعِ تہذیب روشن، مرکزِ ادب الرشید

محور بزمِ ادب، بزمِ مسلماں، بزمِ دین
پاک و شُستہ ادب نظمِ پاک رفعت الرشید

چارسُو احساسِ حق روشن بجا حق دوڑ دھوپ
مسلکِ اسلام پر راوی بجا حق الرشید

چارسُو احساسِ مغرب آج کل دنیا میں خوب
اندروں احساسِ تُو احساسِ مُسلم الرشید

اندرونِ پاک جذبِ مسلماں برحق یقیں
شیوۂ جذبِ مسلماں نظمِ تدریس الرشید

جلوتِ اسلام برحق، جمؔ بجا آئینِ حق
یا خدا آئینِ پاک ہو حسبِ تائید الرشید

رانا جمشید علی جمؔ ایم۔اے، بی۔ایڈ رراجن پور

سلرکار: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

ماہنامہ

الرشید

جلد ۱۱ — جمادی الاخری ۱۴۰۳ھ

شمارہ ۶ — اپریل ۱۹۸۳ء

مدیر اعلیٰ: فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر: عبدالرشید ارشد

بنظامت: (پیر جی) عبد العلیم رائپوری

مقام اشاعت: ۳۲-اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

خطاط: حزب اللہ خالد

پرنٹر: منہاج الدین اصلاحی — شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

سالانہ چندہ: -/۲۰ روپے
فی شمارہ: -/۲ روپیہ

آئینہ مضامین

الرشید
فاضل حبیب اللہ رشیدی
جامعہ رشیدیہ

ادارہ

راشدات

مؤتمر رشیدیہ اور دعوۃ اتحاد

ابناء دار العلوم و فرزندان دیوبند کے نام

دیوبندی حضرات، ملک و ملت کے مختلف محاذات و متعدد حلقہ جات میں دینی و تعلیمی و مذہبی کام کر رہے ہیں اور دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہر باطل قوت کے مقابلہ پر علماءِ دیوبند کے جملہ طبقات مصروف جہاد ہیں اور مذہب کا دفاع کر رہے ہیں۔ دیگر جماعتوں اور فرقوں کے راہنما بیک وقت اتنے مقامات پر کام نہیں کر سکتے۔

مؤتمر رشیدیہ کا مقصد یہ ہے کہ جملہ اہل حق، تبلیغی و دینی کام کرتے ہوئے آپس میں اتحادِ عمل، وحدۃ ملت کی کوئی ایسی صورت اختیار فرمائیں کہ آپس کے اختلافات و مخالفت و شماتتِ اعداء سے جماعت کو بچائیں اور تمام تر اکابر، اصاغر، امراء، نظماء، خطباء، علماء، اراکین، عہدیداران مؤتمر میں جمع ہو کر عدم مخالفت کے اصول پر متحد العمل ہو جائیں اور ایسا حلف اٹھائیں کہ تقریر و تحریر، خلوۃ و جلوت میں اپنے بھائیوں کا گوشت نہ کھائیں گے اور غیبت و افتراء و الزام سے باز رہیں گے اور دین کا کام مل جل کر کریں گے۔

دیوبندی ادارے :-

① تبلیغی جماعت

دیکھنا تبلیغ کی لذت جو اس نے کہا
میں نے سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ایسی مرنجاں مرنج جماعت جس میں سوائے امیر کے کوئی عہدہ یا اقتدار ندارد، اور جو بقول "انٹیلی جنس بیورو" کے زمین کے اوپر کی بجائے زیر زمین کی بات کرتے ہیں۔ اس دنیا کے بجائے عالم آخرت کی مثالیں دیتے ہیں اور صرف تعلیم اور تبلیغ کی بات کرتے ہیں اور کسی سے الجھاؤ، اختلاف یا تردید کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہونے دیتے اور کیسے سنہری الفاظ سے بات کا آغاز کرتے ہیں کہ :

"دوستو، بزرگو، بھائیو! ہماری تمہاری، سارے مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کا دارومدار صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والے اعمال کی اتباع میں ہے۔ حضور علیہ السلام کے اعمال اور سنتوں کو زندہ کرنے کی بات کریں گے، انشاء اللہ بہت ہی نفع ہوگا۔ دوستو! جڑ جاؤ، اور قریب قریب ہو جاؤ۔

② مجلس تحفظ ختم نبوت یہ مجلس بھی ناقابل تردید حقیقت ہے اور بنیادی اصولوں پر کام کرنیوالی ہے۔ اور یہ جماعت مسلمانوں کو اتحاد و وحدت کی دعوت دیتے ہوئے اسلام کے بنیادی عقائد کا تحفظ اور مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچانے کا جہاد کرتی ہے۔

③ جمعیتہ علماءِ اسلام جس کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا کہ اسکو اپنے اور پرائے لوگوں نے کالعدم قرار دے دیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالانکہ علماءِ دیوبند کی یہ سیاسی قوت اور مضبوط طاقت تھی اور جامع پروگرام کی حامل تھی۔ جمعیتہ علماء کی تاریخ میں انگریز کی مخالفت تھی اور بس۔ آپس کی مخالفت اور باہمی نزاع اس کے اصولوں کے خلاف تھا۔ اب اسلامی نظام کے قیام کا کام تو کالعدم ہے لیکن ایک دوسرے دیوبندیوں کے خلاف بیان بازی' الزام تراشی جاری و ساری ہے۔ یہ ہماری انتہائی بدقسمتی یا کم بختی تو ضرور ہے جس جماعت کو شیخ الہندؒ نے جنم دیا شیخ العرب والعجمؒ نے چار چاند لگائے۔ شیخ الاسلامؒ نے پروان چڑھایا۔ مفتی محمودؒ نے قومی اسمبلی تک پہنچایا۔ افسوس کہ حیاتِ محمودؒ کے بعد کالعدم ہوگئی۔　　ع　وائے گر درپسِ امروز بود فردائے۔

جمعیتہ کو عصرِ حاضر میں' حادثہ ایسے پیش آیا کہ لاہور سے کراچی یا سندھ سے پنجاب آتے ہوئے خانپور جنکشن پر دو انجن آپس میں ٹکرا گئے اور پاش پاش ہوگئے اور جو لوگ ان گاڑیوں کے ڈبوں میں سوار تھے ان کے دست و بازو ٹوٹ گئے۔ آہ

ع　مرا اے کاش کے مادر نہ زاد

④ مجالسِ احرار اسلام ع　بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں
اور ع　کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی فوج کے سپاہی اور مجاہدینِ احرار کشمیر و کپورتھلہ وغیرہ ریاستوں میں ہندو سکھوں کے خلاف صف آراء انگریز کے اعداء فوجی بھرتی کے خلاف جہاد کرنیوالے احرار۔ جنہوں نے اسٹیج پر اسلامیانِ ہند و مسلمانانِ پاکستان کو اپنی سحر آفرینیوں سے جمع کر دیا تھا ایسے رہنما کارروں' مجاہدوں کو ہم ایک ہی صف میں کھڑے دیکھنا چاہتے ہیں وما ذالک علی اللہ بعزیز　　ع　ناتوانی با جماعت یار باش　　رونق ہنگامۂ احرار باش

⑤ تنظیم اہلسنت فتنۂ رفض کے مقابلہ کے لئے　سردار احمد خاں صاحب　پتافیؒ علامہ دوست محمد قریشی مرحوم و مغفور قاری لطف اللہ شہید فی سبیل اللہ مغفور لہ، سید نور الحسن مدظلہ، مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہ نے ایک بڑی ضرورت کے لئے تنظیم قائم فرمائی۔ بڑی حد تک تنظیم نے اپنا نظام چلایا اور قدیم فتنہ کے مقابلہ میں اتمام حجت ادا کر دی تنظیم کے اسٹیج پر شیخ العرب والعجم حضرت مرشد سید مدنی نور اللہ مرقدہ' مفتی اعظم کفایت اللہؒ اور مولانا عبدالشکور لکھنویؒ سید داؤد غزنوی جیسے اکابر جمع تھے۔

؎ الٰہی وہ بستیاں کس دیس بستیاں ہیں　　کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

⑥ **سوادِ اعظم اہلسنت** | سوادِ اعظم کا جنم شرب، اور اس کی ابتداء وسیع تر نظام کی حامل تھی کہ جملہ اہلِ حق کی نمائندگی سے اہلِ بدعت کو شکست دی جائے۔ تحفظِ سواد کی یہی صورت مفید ترین تھی لیکن بعد کے حالات و کوائف نے اسکو محدود کر دیا اس کے مراکز جامعہ قاسمیہ فیصل آباد، ملتان، کراچی وغیرہ سوادِ اعظم کے عظیم الشان اجتماعات ہوتے ہیں۔ پنجاب میں اس کا سہرا حضرت مولانا ضیاء القاسمی کے سر ہے۔ کراچی میں اہلسنت کے ترجمانوں نے کفن بر داشت مجاہدانہ شان سے اہلِ سنت کی جو ترجمانی کی وہ سوادِ اعظم کا ہی حق ہے۔ کراچی کے "دفاع اہلسنت" میں مولانا سلیم اللہ خاں مجاہد ملت مولانا محمد زکریا و غیرہم علماء دیوبند کا کردار اظہرمن الشمس ہے۔

⑦ **مجلس تحفظ حقوق اہلسنت پاکستان** | جسکو ہمارے رفیقین، صاحبین، شخین نے اپنے خلوص وقوتِ بیانہ و خطابت سے روشناس کرایا۔ جو حقوقِ اہلسنت کے لئے برسر پیکار ہے اور جہاں کہیں ایسے فتنے ہوں وہاں اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور کسی صورت اہلِ سنت کے حقوق کو پامال و نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ گویا جہاں اہلسنت ہیں وہاں ان کے حقوق کے تحفظ کی ضرورت ہے۔ ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔
تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی مولانا عبد الشکور دینپوری، حضرۃ سید نذیر امید کہ توجہ سامی فرمائینگے۔

⑧ **اشاعۃ التوحید والسنۃ** | توحید و سنت کا داعی حلقہ، شرک و بدعت کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔ اور ایسا طبقہ جس کی توحید کی للکار سے قصرِ بدعت میں زلزلہ آگیا اور مبتدعین لرزہ براندام ہوگئے اگر امتہ وسطہ کے اعتدال پسندانہ دعوت و طریق نیز علماءِ حقہ کے طرز پر کام کیا جائے تو انشاء اللہ یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی....

⑨ **خدام اہلسنت خدام صحابہؓ** | نام و کام سے یہ ادارے ظاہر و باہر ہیں۔ ضرورت کہ ان حلقوں اور طبقوں کی توسیع کی جائے اور پورے ملک میں اس کی نمائندگی ہو۔ ان کا ایمان ہے:

ع ہم ایمان سے کہتے ہیں ہمارے ہیں صحابہؓ　　واللہ دل و جان سے پیارے ہیں صحابہؓ
اور ع راہ ملتی ہے شب کو تاروں سے　　اور ھدایت نبیؐ کے یاروں سے

⑩ **تحریک احیاء سنت** | پنجاب و بلوچستان میں اس کی شاخیں وعملہ اور کارکن ہیں۔ دیوبندیوں کی خصوصیت احیاءِ سنت واتباعِ سنت ہے۔ سنتوں کے احیاء سے بدعتوں کے ظلمات نور سے بدل جائینگے اور اہلسنت کا یہی کام کہ امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال پر جوڑ دیں اور حضورؐ کی سنتوں پر پوری ملت کو جمع کر دیں۔

⑪ **وفاق المدارس العربیہ پاکستان** | مدارس عربیہ دیوبندیہ کی عظیم تعلیمی تنظیم ہے جو تقریباً ایک ہزار مدارس پر مشتمل ہے ضرورت کہ بقایا دیوبندی مدارس وفاق میں شامل ہو کر وفاق کی قوت اور تنظیم کو مضبوط بنائیں اور جملہ مدارس الحاق کر کے یک جان ہو جائیں۔ وفاق المدارس کا نصابِ تعلیم و نظامِ تعلیم دار العلوم دیوبند سے متعلق ہے اور دار العلوم سے منسلک سے یہی عربی مدارس اسلام کے قلعے ہیں جو دار العلوم دیوبند نے پیدا کئے اس لئے

جملہ مدارس عربیہ اسلامیہ کو ملحق و متحد ہونا چاہیئے۔ اور کوئی دیوبندی مدرسہ وفاق سے الگ اور باہر نہ رہنا چاہیئے۔

(۱۲) نظام العلماء یا علاقائی ادارے

نظام العلماء آزاد ادارہ ہے جو مشکل وقت کام آتا ہے اسلامی نظام کا کام نظام العلماء ہی کر رہا ہے ورنہ اکثر اصحاب تو مخالفت و مخاصمت میں مبتلا ہو رہے ہیں اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ سوچ عطا فرمائے۔

؎ اندکے باتو گفتم و بدل ترسیدم کہ آزردہ خاطر نشوی ورنہ سخن بسیار است

یہ دیوبندی طبقات ہیں اور مختلف حلقے۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنے اختلافات کو بھلا کر ایک دوسرے کی عدم مخالفت کے اصول پر جمع ہو جائیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ لا تنازعوا فتفشلوا تذھب ریحکم ان ارید الا الاصلاح ما استطعت

میرے دیوبندی بزرگو اور دوستو!

ہم کسی جماعت کے مخالف اور کسی کے رقیب یا حریف نہیں۔ نہ کسی جماعت کو توڑنے کے حق میں ہیں اور نہ کسی جدید جماعت سازی کا شوق رکھتے ہیں۔ ہمارے مقاصد ثلاثہ :

اوّل :۔ دیوبندی طبقات کی وحدۃِ عمل، ثانی :۔ مدارس عربیہ اسلامیہ کا وفاق و تنظیم۔ ثالث :۔ جامع مساجد کا تحفظ و بقا۔

ان اغراض و مقاصد کے لئے ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ رشیدیہ کنونشن کا انتظار فرمائیے اور رشیدیہ کنونشن کو ہر طرح سے کامیاب فرمائیے۔ ہم کسی چندے کی اپیل کے حق میں بھی نہیں بلکہ حضرات و اصحاب و احباب کے قیام و طعام و آرام کے لئے مستعد و چشم براہ ہوں گے۔ حضرات جو ارشادات فرمائیں گے ہم اس کی تعمیل کے لئے رضا کار ہوں گے۔

؎ من آنچہ شرط است باتو میگویم تو خواہ از سخن من رنج گیر یا ملال

داعی مؤتمر رشیدیہ :

○ فاضل رشیدی، مدیر "الرشید" جامعہ رشیدیہ ساہیوال

اِنتخاب

اگر آخر میں مذہبی طبقہ بھی خاموش ہو گیا اور اپنا فرض نہیں پہچان رہا ہے اور حق نہیں ادا کر رہا ہے خواہ وہ کتنے ہی ذاتی عبادتوں میں مشغول اور علم و تفسیر اور تحقیق کا دریا بہا رہا ہو لیکن اس کے گرد جو فساد کا چشمہ بہہ رہا ہے اور جو سموم ہوائیں اور آندھیاں چل رہی ہیں اگر اس کے خلاف اس کی پیشانی پر کوئی شکن نمودار نہیں ہوتی اور اسکے دل پر چوٹ بھی نہیں لگتی تو سمجھئے کہ نہ اس کے ملک کی خیر ہے نہ اس معاشرہ کی اور نہ تمدن کی خیر ہے۔ (سید علی میاں ندوی)

خیر مقدم		از مسلمانانِ گوجرانوالہ

سپاس عقیدت

بخدمت عالی مرتبت مجاہد جلیل فخر العلماء حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی پرنسپل جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

سلام مسنون!

ہم اراکین "شیخ الہند سوسائٹی" گوجرانوالہ آنجناب کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے ہماری دعوت کو شرفِ قبولیت بخشا اور گوجرانوالہ میں تشریف لا کر ہماری متعدد تقریبات کو رونق بخشی۔

جناب والا۔ آپ کے گرامی قدر والد محترم حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ رائپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (تلمیذ و مجاز حضرت شیخ الہندؒ) برصغیر کے ممتاز علماء اور روحانی پیشواؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے عظیم اکابر و اسلاف کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے تعلیمی و تبلیغی اور روحانی محاذ پر خدمتِ دین کے جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا اس کے ثمرات و انوار برصغیر کے کونے کونے میں پھیلے اور ملت اسلامیہ کے ایک بڑے طبقے نے ان سے استفادہ کیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دینی، علمی اور روحانی خدمات کی قبولیت کی علامت ہے کہ خالق کائنات نے ان کی اولاد کو اپنے باپ کے مشن کی تکمیل کے لئے منتخب فرمایا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبد اللہ صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا قاری لطف اللہ شہید فی سبیل اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور آنجناب نے پوری استقامت اور حوصلہ کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ کی جدوجہد اور خدمات کے تسلسل کو قائم رکھا اور آج اپنی خدمات اور جدوجہد کے نتیجہ میں جامعہ رشیدیہ ملک کے اہم مرکزی اداروں میں شمار ہو کر دینی حقہ اور مسلک علماءِ دیوبند کی اشاعت و تبلیغ و ترویج کے جہاد میں مصروف ہے۔

عالی مرتبت۔ جامعہ رشیدیہ نے تعلیمی و تدریسی محاذ کے ساتھ ملک بھر میں باطل فتنوں کے تعاقب اور ظلم و جبر کا مقابلہ کرنے کے لئے تبلیغی و اشاعتی محاذ پر بھی قابل قدر خدمات سرانجام دی ہیں اور اہلسنت والجماعت حنفی دیوبندی مسلک اور اکابر علماءِ دیوبند کی خدمات و جدوجہد اور قربانیوں کی اشاعت کو اس ادارہ نے اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دے رکھا ہے۔

مہمانانِ گرامی قدر! آج جب پورے ملک میں اہلِ حق کی صفوں میں افتراق کے آثار نمایاں ہیں اور باطل قوتیں اہل حق کو پارہ پارہ کرنے اور انہیں ان کے اصل مشن سے ہٹا کر بے مقصد کاموں میں الجھانے کی مسلسل کوشش کر رہی ہیں حق پرست کارکنوں کی امیدیں آپ جیسے بزرگوں سے وابستہ ہیں کہ آپ جیسے مخلص کا تدبر و تجربہ وجدوجہد اور ایثار ہی حق پرستوں کے قافلہ کو موجودہ بحران سے نکال کر اتحاد و اتفاق اور بامقصد جدوجہد کی شاہراہ پر گامزن کر سکتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ آنجناب اس مبارک مقصد کی تکمیل کے لئے اپنی پوری توانائیوں اور وسائل کو بروئے کار لائیں گے۔

منجانب:۔ حافظ گلزار احمد آزاد صدر و اراکین شیخ الہند سوسائٹی ——— گوجرانوالہ

از: حضرۃ مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

وحدۃِ اُمّت

اقتباسات ایک صبح نمازِ فجر کے وقت حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صدر المدرسین و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا حضرت مزاج کیسا ہے؟ کہا، ہاں ٹھیک ہی ہے۔ میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کردی۔ میں نے عرض کیا حضرت آپکی ساری عمر علم کی خدمت میں اور دین کی اشاعت میں گذری ہے اگر آپ کی عمر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟

حضرت نے فرمایا ہماری عمر کا ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدّ و کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو "صواب محتمل الخطاء" ثابت کریں یعنی درست مسلک جس میں خطاء کا احتمال موجود ہے اور دوسرے مسلک کو "خطاء محتمل الصواب" کہیں یعنی غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں ان تمام بحثوں اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں ——— پھر فرمایا اے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں راز نہیں کھلے گا کہ کونسا مسلک صواب تھا اور کونسا خطاء۔ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دُنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہو سکتا بلکہ قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترکِ رفع یدین حق تھا۔ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی۔ برزخ میں اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو رسوا کرے گا نہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو، نہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو نہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو۔ جن کو اللہ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا جنہوں نے نورِ ہدایت چار سو پھیلایا، جن کی زندگیاں سُنّت کا نُور پھیلانے میں گزریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدان حشر میں کھڑا کر کے معلوم کرے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا تھا یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں ہوگا۔

تو جس کو نہ دُنیا میں نکھرنا ہے نہ برزخ میں، نہ محشر میں اس کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائلِ متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوۃ انبیاء کرام لیکر آئے تھے جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا۔ آج یہ دعوت تو نہیں دی جارہی ہے۔ وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی آج وہی منکرات پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے

الحاد آرہا ہے، شرک و بُت پرستی چل رہی ہے حلال و حرام کا امتیاز اُٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا اس لئے غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے عہد میں امور انتظامیہ کے علاوہ جب نئے نئے حوادث اور شرعی مسائل پیش آئے جن کا قرآن و حدیث میں صراحۃً ذکر نہ تھا تو صحابہ و تابعین کو قرآن و سنت کی نصوص میں غور کر کے تعارض کو رفع کر کے اور شرعی مسائل کے استخراج میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لینا پڑا تو ان میں اختلاف رائے ہوا جس کا ہونا عقل و دیانت کی بناء پر ناگزیر تھا۔

پھر صحابہ کرام کے شاگرد حضرات کا یہ عمل بھی ہر اہل علم کو معلوم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت کسی صحابی کی رائے کو اختیار کر لیتی تھی لیکن اس پورے خیر القرون میں کہیں ایک واقعہ بھی ایسا سننے میں نہیں آیا کہ دوسرے کو فاسق کہتے ہوں یا کوئی مخالف فرقہ سمجھ کر ایک دوسرے کے پیچھے اقتداء کرنے سے رد کتے ہوں ان اختلاف آراء کی بناء پر ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدل، سب و شتم، توہین و استہزاء یا فقرہ بازی کا تو ان مقدس زبانوں میں کوئی تصور ہی نہ ہوا۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اسیر مالٹا نے رہائی کے بعد علماء سے فرمایا:

"میں نے جیل کی تنہائیوں میں غور کیا کہ پوری دنیائے اسلام دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہی ہے تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑنا، دوسرے آپس میں اختلاف اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے عزم لیکر آیا ہوں کہ قرآن کریم کی تعلیمات اور اس پر عمل کو عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً وّلا تفرّقوا

آپ غور فرمائیں کیا آپ اس پر عمل کر رہے ہیں؟

اس دور کے بعض علماء فروعی اختلافات پر اکثر تقریریں کر کے یہ تاثر دیتے ہیں کہ دین اسلام میں کئی فرقے ہیں اور مسلمانوں میں شدید تعصب اور نفرت کی فضا پھیلاتے ہیں۔ حقیقت میں اسلام کے بنیادی احکام اور اصولوں پر کوئی بھی اختلاف نہیں ہے۔ مسلمانوں میں موجودہ فرقہ بندی دیوبندی بریلوی اہل حدیث تو صرف ستر اسّی سال سے شروع ہوئی ہے فرقہ واریت نے وحدتِ ملت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔

مسلمانو! فرقہ بندی ختم کرو

پیرانِ پیر سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام احمد بن حنبل کے معتقد تھے۔ آمین بلند آواز سے کہتے تھے اور رفع یدین کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا بلند مرتبہ دیا کہ تمام مسالک کے اکابر ان سے عقیدت رکھتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ دین اسلام میں مسلک سے زیادہ تقویٰ عبادت اور اعمال صالحہ کی اہمیت ہے۔

ع۔ اتحاد و اتحاد و اتحاد

دعوتِ اتحاد

مولانا حکیم انیس احمد صدیقی مجددی فاضل دیوبند

مسلمانوں میں اتفاق واتحاد کی ضرورت پر تمام علماء، زعماء اور مشاہیر متفق ہیں۔ قرآن حکیم میں نص صریح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد فرامین وارشادات میں اس کی ضرورت وفضیلت کا ذکر ہے۔

پاکستان کا حصول بھی مسلمانوں کے اتحاد واتفاق کا مرہون ہے۔ پاکستان کا دولخت اور مشرقی بازو کا جدا ہونا ہمارے اختلافات اور تفرق کا انجام ہے۔ اتحادِ ملت ایک ایسی ضرورت ہے جس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ ناچیز اور بہت سے دردمند بھائی اس سلسلہ میں حتی المقدور کوشاں ہیں۔

میں اپنے بزرگوں علماء کرام، مشائخ عظام اور دردمند بھائیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ مسلمانوں میں جو فرقہ بندی اور اختلافات موجود ہیں وہ حقیقت میں نزاع لفظی یا فروعی اختلافات ہیں جن کو عوام الناس اور خواص نے اصولی اختلاف سمجھ کر اختلاف کی خلیج کو وسیع کر دیا ہے۔ ناچیز نے اپنی کتابوں میں اس بات کو دلائل وبراہین کے ساتھ پیش کیا ہے اور مسلمہ بزرگوں کے ارشادات نقل کئے ہیں۔ اگر کوئی صاحب ایسا اختلاف پیش فرمائیں جو اصولی اختلاف قرار دیا جاسکے تو انشاء اللہ اس کے سلسلہ میں بھی ناچیز بزرگوں کی تحقیق کی روشنی میں اپنے خیالات پیش کرے گا اور ثابت کرے گا کہ نزاع لفظی کو حقیقی نزاع سمجھ لیا گیا ہے۔

میری دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں اہل سُنّت والجماعت حنفی مسلمانوں کی کثرت ہے اور یہ سوادِ اعظم دو حصوں میں منقسم ہے ایک جماعت مسلک علماء حقہ دیوبند کی اور دوسری جماعت مسلک احمد رضا خان بریلوی کی ہے۔ دونوں جماعتیں اہل سُنّت والجماعت، دونوں کے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

بقول مولانا ابوالحسنات مرحوم کہ دونوں جماعتوں میں کوئی اصولی اختلاف نہیں ہے نزاعِ لفظی اور فروعی اختلافات ہیں بعض عبارتوں کے مطلب اور مفہوم کا اختلاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی دونوں کے نزدیک کفر ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی مسلک اہل حدیث کے علماء کے نزدیک بھی کفر ہے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی مرحوم مشہور اہل حدیث عالم نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ روضۂ اطہر میں استراحت فرما رہے ہیں اور فرش زمین کا جو حصہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر والورسے لگا ہوا ہے وہ عرش بریں سے افضل ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان جو زندہ ہے یا وفات پاچکا ہے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کا الزام نہ لگایا جائے اور اگر کسی کو

کسی قسم کا مسئلہ درپیش ہو تو وہ تنظیم اتحاد العلماء کو پیش کیا جائے تاکہ دونوں جماعتوں سے اس کی تنقیح اور تحقیق کی جائے۔
کسی مسلمان کو کافر کہنا اسکو قتل کرنے کی مانند ہے۔ اہل حدیث حضرات بھی کتاب و سنت کو اہل سنت والجماعت کیطرح دین کی اصل سمجھتے ہیں ان سے بھی میری استدعا ہے کہ وہ اہل سنت کے بارے میں سخت اور تعصب کا طریقہ اختیار نہ کریں۔ اور ہم اہل سنت والجماعت اہل حدیث حضرات کو اہل سنت سے خارج کرنے کی کوشش نہ کریں اور وہ ہمیں مشرک و ملحد کے خطاب سے نہ نوازیں۔

بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر پاکستان جناب محمد ضیاء الحق صاحب کہ :
"اپنے عقائد نہ چھوڑو، لیکن دوسروں کو نہ چھیڑو"۔ البتہ اس کی تحقیق و جستجو میں رہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا اسوۂ حسنہ کیا ہے اپنے ہر عمل کو اسوۂ حسنہ کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے رہو۔

جن مساجد میں ایسے امام اور خطیب ہیں جن کو سوائے بریلوی، دیوبندی اختلافات کے اور کوئی مسئلہ نظر نہیں آتا ان کو محلہ کے معزز و باثر لوگ سمجھائیں کہ مسلمانوں کے تعمیری متفق علیہ مسائل بیان فرماکر مسلمانوں کی رہنمائی فرمائیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے واعظوں کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

گنہگار بندوں کی تحقیر کرنا — مسلمان بھائی کی تکفیر کرنا
یہ ہے واعظوں کا ہمارے طریقہ — یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

اس قسم کے مسائل بے ضرورت جو عوام کے فہم سے بالا ہوں، عوام میں بیان نہ کئے جائیں۔ آج صورت حال یہ ہے لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ یہ مسجد دیوبندیوں کی ہے اور یہ مسجد بریلویوں کی ہے لیکن فرائض غسل اور مسائل طہارت سے ناواقف ہیں اس صورت حال کی سب کو مل کر اصلاح کرنی چاہیئے۔

آپ کو غالباً معلوم ہوگا کہ مولانا احمد رضا خاں مرحوم نے حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی پہلی تکفیر کی لیکن آخری فتویٰ میں آپ نے تحریر کیا : "علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے۔ وھو الجواب و بہ یفتیٰ وعلیہ الفتویٰ وھو المذہب علیہ الاعتماد وفیہ السداد۔ یہی جواب ہے اسی پر فتویٰ ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامت و استقامت ہے۔ (سبحان السبوح ص ۹۰)

دیکھئے اگر یہ کفر سازی کا سلسلہ اسی طرح تعلیم کیا جائے تو مصور پاکستان علامہ اقبال مرحوم پر کفر کا فتویٰ دیا گیا۔
(ذکر اقبال ص ۱۲۹، سرگزشت اقبال ص ۱۹۱)

العیاذ باللہ معمار پاکستان محمد علی جناح مرحوم پر کفر کا فتویٰ دیا گیا۔ (تجانب اہلسنۃ ص ۱۲۲)
مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا الطاف حسین حالیؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ پر کفر کا فتویٰ صادر ہوا۔ (تجانب اہل سنۃ ص ۸۶، ۸۸)
مولانا شوکت علیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ وغیرہ میں سے کوئی شخص بھی ہے جس پر کفر کا الزام عائد نہ کیا ہو (الدولۃ القاہرۃ ص ۳)۔

اور نعوذ باللہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں بلکہ کافر ہیں تو پھر مسلمان کہاں اور کون ہیں۔ لہٰذا اب ہمیں عہد کرنا چاہیئے کہ مرحومین کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کریں گے۔

کسی نے مولانا احمد رضا خاں مرحوم کے انتقال کی خبر مولانا تھانوی مرحوم کو سنائی آپ نے انتقال کی خبر سن کر فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا نے میرے اور میرے بعض بزرگوں کے بارے میں کفر کا فتویٰ دیا لیکن میں الحمدللہ ان کے متعلق سوءِ ظن نہیں رکھتا ان کو جن عبارات پر اعتراض تھا ان کو ان عبارات کا مطلب نیک نیتی سے قابل اعتراض نظر آیا اور ہم نیک نیتی کے ساتھ اس مفہوم کا انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مولانا کی مغفرت فرمائیں۔

بہرکیف صورت کفرسازی اور سب وشتم کا سلسلہ بند ہونا چاہیئے اور مثبت انداز میں وعظ ونصیحت کی جائے۔

میں مکرر علماءِ کرام سے مؤدبانہ عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں جو اختلافات اور فرقہ بندی نظر آرہی ہے اس کی ذمہ داری آپ حضرات پر ہے۔ حقیقت میں ملتِ اسلامیہ متحد اور متفق ہے جس کا ثبوت نظامِ مصطفےٰ کی تحریک کے وقت مسلمان دے چکے ہیں۔ تمام قابل ذکر لیڈر اور علماء جیلوں میں بند تھے لیکن فرزندانِ اسلام ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک مستحکم اور منظم قوم ہونے کا ثبوت پیش کر رہے تھے اور تحریک کو کامیاب کیا۔

جب حق تعالیٰ نے اتحاد کی برکت سے کامیابی عطا فرمائی تو ہمارے قائدین، ہمارے علماء اور زعماء ایک دوسرے پر الزام لگا کر علیحدہ ہوتے گئے۔ قومی اتحاد کو جو نقصان ہمارے قائدین اور زعماء نے پہنچایا وہ ناقابلِ تلافی ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کیا خوب فرمایا:

> غضب ہے یہ مرشدانِ خود بین خدا تری قوم کو بچائے
> بگاڑ کر ترے مسلموں کو یہ عزت اپنی بڑھا رہے ہیں

میری معروضات سے اگر کسی صاحب کو تکلیف پہنچے یا ناگوار گذرے تو میں اُن سے معذرت خواہ ہوں اس لئے کہ مجھے اتحاد کی دعوت میں اس قسم کے اُمور کا پیش کرنا ضروری تھا ورنہ ذاتی طور پر کسی رہنما یا لیڈر پر تنقید کرنا مقصود نہیں۔

درحقیقت ہم اس تنظیم کو خالص اصلاحی، تبلیغی امور کے لئے منظم کرنا چاہتے ہیں۔ آج کل مغربی سیاست کا مقصود ممبری کا حصول اور عہدہ ومنصب کی طلب وزارت کی کرسی تک رسائی کے سوا کچھ نہیں۔ ہم ایسی سیاست سے بیزار ہیں۔ البتہ تعاونوا علی البرّ والتقویٰ کے مطابق نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں اعانت کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

مسلمانوں کو نااتفاقی سے بچنے کا حکم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ایاکم و فساد ذات البین فانها هی الحالقة لا اقول تحلق الشعر بل تحلق الدین۔

"خبردار مسلمانوں میں نااتفاقی سے بچو اس لئے کہ یہ مونڈنے والی چیز ہے پھر فرمایا اس سے سر کے بال نہیں مونڈے جاتے بلکہ اس سے دین منڈ جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

یعنی مسلمانوں کا باہمی نزاع اور فساد ان کے دین کو مونڈ دیتا ہے جس طرح کہ استرا سر کے بال مونڈ دیتا ہے اور سر

بغیر بالوں کے صاف شفاف خربوزہ نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو اس شعر میں یوں بیان فرمایا ہے :

؎ دین مُلّا فی سبیل اللہ فساد دین مومن فی سبیل اللہ جہاد

میں نے عرض کیا ہے کہ

خدا کے نام سے اُلفت خدا کے دین سے ان کو عداوت ہے

خدا کے دین میں دست دگر یباں ہیں یہی انکی عبادت ہے (یعنی علماءِ سوء)

کسی مسلمان کا اس سے زیادہ کیا نقصان متصور ہو سکتا ہے کہ اس کے دین کا صفایا ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مسلمانوں کا آپس میں نااتفاقی اور فساد کرنا کس قدر ناپسندیدہ اور مبغوض ہے اور امت کو آپ نے اس سے بچنے اور دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اس تنبیہ میں بھی ایک شفقت اور رحمت کا پہلو موجود ہے۔

آپ نے فساد ذات البین کو حالقہ فرمایا، قالعہ یا قاطعہ نہیں فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے جھگڑوں سے دین مونڈ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگر احتیاط کی جائے تو پھر سر پر بال پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس طرح دینداری پیدا ہو جاتی ہے یہ نہیں فرمایا کہ دین کو جڑ سے اکھاڑ کر ختم کر دیتی ہے۔ اور آپ کے اس ارشاد میں رحمت اور شفقت کا پہلو یہ ہے کہ اگر غلطی سے کوئی نزاع و فساد کی صورت پیدا ہو جائے تو آئندہ اس کی تلافی کی جائے تاکہ دین سلامت رہے۔ اگر آپ کے ارشاد میں صرف زجر و تنبیہ ہوتی تو وہ بھی ہمارے لئے نعمت تھی۔

؎ بدم گفتی عفاک اللہ خوش گفتی نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ دین کی جڑ باقی رہتی ہے۔ اگر تم نے احتیاط کی تو جڑ سے شاخیں پیدا ہو جائیں گی اور شاخوں پر برگ و بار بھی لگ جائیں گے۔ اس طرح سے اس زجر و توبیخ میں بشارت موجود ہے۔ فداہ روحی وابی وامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل لوگ اتفاق واتحاد پر زور تو دیتے ہیں لیکن اتفاق کی جڑ کو نہیں دیکھتے۔ فرمایا اتفاق کی جڑ تواضع، اور تواضع پیدا ہوتی ہے اصلاحِ نفس سے۔ اصلاح نفس کیلئے شیخ کامل کی صحبت اور اس کی تعلیم سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

؎ قال را بگزار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

یہ ایک حجرہ نشین صوفی کی تحقیق انیق ہے جس کے سامنے تمام تحقیقاتِ فلسفہ گرد ہیں۔ خود حاجی صاحبؒ کی ذات گرامی اس تحقیق کا عملی نمونہ تھی۔ آپ کے حلقہ ارادت میں عرب و عجم، مصر و شام اور اکابر علماءِ دیوبند اور بریلوی حضرات بھی شامل تھے۔

درحقیقت علم کا خاصہ علو ہے اور جب دونوں طرف علم ہو اور علم کا علم سے یا علم کا جہل سے تقابل ہو تو نزاع اور اختلاف کی صورت پیدا ہوگی اور جب علم کیساتھ تزکیہ نفس سے تواضع پیدا ہو جائے تو نزاع خود بخود ختم ہو جائے گا جیسا کہ حضرت

حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زندگی کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔

اس حدیث پاک کو پوری طرح سمجھنے کے لئے اور اس کی اہمیت وعظمت کو دل میں بٹھانے کے لئے ایک دوسری حدیث پیش کرنا ضروری ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو نماز ، روزہ اور صدقہ (عبادات معروفہ) سے بڑھ کر اور بہتر عبادت نہ بتاؤں۔ اصحابؓ نے عرض کیا فرمائیے وہ کونسی عبادت ہے۔ آپ نے فرمایا اصلاح ذات البین لوگوں میں اتفاق واتحاد پیدا کرنا ، اختلاف کو دُور کرنا ، فساد کو روکنا ایسی عبادت ہے جو نماز روزہ اور صدقہ وخیرات سے بڑھ کر اور بہتر ہے (مشکوٰۃ شریف)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے حماد کو وصیت فرمائی :

" بیٹا مناظرہ سے احتراز کرنا" صاحبزادے نے عرض کیا ابا جان آپ کو میں مناظرہ کرتے ہوئے دیکھتا ہوں آپ مجھے کس مصلحت سے منع فرماتے ہیں ؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔

" ہمارے مناظرہ میں ہماری دل خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے مقابل کے منہ سے حق بات نکلے اور ہم اسکو تسلیم کریں اور اب مناظرہ کی یہ صورت ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے مقابل کے منہ سے غلط بات نکلے اور میں اسکو خوب مغلوب کردوں۔ ہم مخالف سے بھی ہدایت کے طالب تھے اور آج یہ حالت ہے کہ مخالف کی ضلالت (گمراہی) اور بے راہروی کے طالب ہیں "

دیکھئے حضرت امام صاحبؒ اور آپ کے صاحبزادے کے زمانہ میں کتنا فرق پیدا ہوگیا اور آج غور کریں تو مناظرہ کی یہ صورت ہے کہ خواہ مخالف کے منہ سے حق نکلے یا باطل ہر صورت میں اس کی تردید ضروری ہے۔ اس صورت میں بزرگان دین نے مناظرہ سے قطعی طور پر منع فرمایا ہے البتہ کسی مسئلہ کی افہام وتفہیم مناسب طریقہ پر کی جاسکتی ہے۔

(مجلس اشاعت اسلام پاکستان)

بقیہ : مکتوب گرامی

دن یہاں سے چل پڑوں گا اور انشاءاللہ ۔ ، کو آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا تاکہ جلد از جلد حجاز کو روانگی ہوجائے اگر خدانخواستہ کوئی واقعی رکاوٹ پیدا ہوگئی تو تقدیر الٰہی ہے۔ اگر مولوی منظور احمد میری تنخواہ ماہ رمضان کے متعلق کوئی عرض میری لائیں تو اسکو جاری فرمادیجئے گا۔ کاغذ میں دوسری طرف نہ لکھنا ، روشنائی سرایت کرکے پڑھنے سے روکدیتی ہے امیدوار ہوں کہ دعوات صالحہ سے یاد فرمائیں گے۔ ۱۵ ر شوال سے اسباق جاری ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر حضرات کی رائے ہے تو بسم اللہ اقدام فرمائیں مجھ کو کوئی کلام نہیں ۔

والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۴ رمضان ۱۳۴۹ھ

(دبلکریہ القاسم دیوبند)

"اور اللہ نے ان کے دلوں میں باہمی محبت پیدا کر دی ہے۔ اگر تم دنیا کے تمام خزانے بھی خرچ کرتے پھر بھی ان کے دلوں میں محبت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے مسلمانوں میں باہمی محبت پیدا کی" (انفال)

ہمیں اتحاد امت کی عظمت کو دلوں میں نقش کرنا چاہیئے، ہمیں جہالت کی ذہنیت کو ختم کرنا چاہیئے، ہمیں حسد، بغض، کینہ، خودغرضی اور خودپسندی کو ترک کرنا چاہیئے۔ ہمیں مادہ پرستی اور مذہبی تعصب کے پیدا کردہ انتشار کا سدباب پورے غور و فکر اور عزم سے کرنا چاہیئے، اس انتشار سے بے پرواہی خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ انتشار مسلمانوں کے ایمان کو مفلوج کر رہا ہے مغربی تہذیب کے پروردہ دین سے بے بہرہ مسلمان اس انتشار کے سبب ذہنی، فکری اور تہذیبی ارتداد کا شکار ہو رہے ہیں اسطرح نورِ ھدایت کی بجائے گمراہی پھیل رہی ہے کیا یہ عظیم المیہ نہیں ہے؟

عوام میں عظیم جذبۂ ایمان و اتحاد پایا جاتا ہے اسکو صرف بیدار کرنے کی ضرورت ہے ہر اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ قومی اتحاد کے لئے دُور رس منصوبہ بندی اور تمام مؤثر ذرائع اختیار کرے قرآنی احکام کی تعمیل کے لئے سپریم کورٹ کے جج کی صدارت میں مشائخ اور علماء کے بورڈ کی تشکیل ضروری ہے جو تفصیلی غور و فکر کے بعد لائحہ عمل تجویز کرے اس کے علاوہ تمام اسلامی حکومتیں اتحاد و اشتراک کے لئے سرگرم جد و جہد کریں کیونکہ یہ تقاضا وقتی نہیں دائمی ہے۔ قلب سلیم کے حامل مشائخ عظام، علماء کرام اور سیاستدان اسمیں پیش رفت کریں اور وسعتِ قلب اعلیٰ ظرف، مومن کی فراست و حکمتِ عملی اور درگذر کے جذبہ سے سرشار ہو کر ملک و ملت میں اخوت پیدا کریں۔

مشترکہ خاندانی نظام ہو یا سرکاری شعبے، تبلیغ دین ہو یا سیاست، اسلامی ملک ہو یا دُنیائے اسلام کا استحکام ان سب میں اسلامی اقدار اپنانے سے ہی اتحاد، خوشحالی اور کامیابی ہوگی یہ اتحاد قوت کا سرچشمہ ہے یہی آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے، مسلمانوں، نوجوانوں! اُمت مسلمہ کی وحدت کے لئے اسلامی نظر و فکر اور عمل پیدا کرو۔ (ادارہ خدام اسلام پاکستان)

ارشادات
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب
نوّر اللہ مرقدہٗ

مسلمان کے لئے صلاح و فلاح صرف اتباع مذہب، اسوۂ رسول اور سلف صالحین کے طریقے میں منحصر ہے۔ یہی آخرت میں کام آنیوالی چیز ہے اور یہی دنیا میں ترقیات کا سبب ہے اسپر عمل کر کے پہلے لوگ بام ترقی پر پہنچے تھے جن کے احوال و واقعات آنکھوں کے سامنے ہیں اور کوئی تاریخ سے واقف شخص اس چیز سے انکار نہیں کر سکتا اس کے خلاف میں مسلمانوں کے لئے ھلاکت ہے، بربادی ہے، آخرت کا خسارہ ہے، دنیا کا نقصان ہے۔ تجویزیں چاہے جتنی کر لی جائیں ریزولیشن چاہے جتنے پاس کر لئے جائیں اخبارات کے مقالے جتنے چاہے لکھ لئے جائیں سب بے سُود ہیں، بیکار ہیں مسلمان کی ترقی و فلاح کا واحد راستہ معاصی سے پرہیز ہے اور اسلامیات کا اہتمام ہے اس کے سوا دوسرا راستہ منزل مقصود کی طرف ہے ہی نہیں۔ (سوانح حیات شیخ الحدیث)

خطبہ حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہ

مرتبہ: قاری محمد ادریس ہوشیارپوری

بعد از خطبۂ مسنونہ: اما بعد، فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

واذ قالت الملٰئکۃ یٰمریم ان اللہ اصطفٰک و طہرک واصطفٰک علیٰ نسآء العٰلمین

یٰمریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین۔ ذالک من انباء الغیب نوحیہ الیک وما کنت

لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم وما کنت لدیھم اذ یختصمون۔

بزرگان محترم! قرآن شریف میں سورۃ النساء کی تین آیتیں اسوقت میں نے تلاوت کی ہیں۔ اس میں حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت مریم علیہا السلام کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے جس میں ملائکہ علیہم السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کو خطاب فرمایا ہے۔ اس جلسہ کے منعقد کرنے کی غرض و غایت چونکہ عورتوں کو خطاب ہے اس لئے میں نے اس آیت کو اختیار کیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کے بھی وہی حقوق ہیں جو مردوں کے ہیں۔ بلکہ بعض امور میں مردوں سے عورتوں کا حق زیادہ ہے اس لئے کہ بچوں کی تربیت میں سب سے پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے اسی سے بچہ تربیت پاتا ہے، سب سے پہلے اسی سے سیکھتا ہے باپ کی تربیت کا زمانہ شعور کے بعد آتا ہے لیکن ہوش سنبھالتے ہی بلکہ بے ہوشی کے زمانہ میں بھی ماں ہی اس کی تربیت کرتی ہے۔ گویا اس کی تربیت گاہ ماں کی گود ہے۔ اگر ماں کی گود علم، نیکی، تقویٰ جیسی صلاحیتوں سے بھری ہوئی ہے تو وہی اثر بچے میں آئے گا اور اگر خدانخواستہ ماں کی گود ہی ان نعمتوں سے خالی ہے تو بچہ بھی خالی رہ جائے گا۔

؎ خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

کسی فارسی شاعر نے کہا ہے کہ جب عمارت کی پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی رکھدی جائے تو آخر تک عمارت ٹیڑھی ہوتی چلی جاتی ہے۔ شروع کی اینٹ اگر درست رکھدی جائے تو اخیر تک عمارت سیدھی چلی جاتی ہے۔

جس چیز کا آغاز اور ابتداء درست ہو جائے اس کی انتہاء بھی درست ہو جاتی ہے اس واسطے عورتوں کا مردوں سے زیادہ حق ہے اور ہم اسی حق کو زیادہ پامال کر رہے ہیں۔ مرد تو ہر جگہ موجود ہے مگر عورتوں کو سنانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اگر عورتیں مردوں کے حکم سے آتی ہیں تو مردوں کا شکریہ۔ اور اگر از خود آتی ہیں، پھر ان کے دینی جذبے کی داد دینی چاہیے کہ ان کے اندر بھی از خود ایک جوش و جذبہ ہے کہ دین کی باتیں سیکھیں۔ بہرحال سب سے زیادہ خوشی یہ ہے کہ ان کے اندر دین

کی طلب ہے۔ اگر از خود پیدا ہوئی تو وہ شکریے کی مستحق ہیں اور اگر طلب پیدا کی گئی تو اس طلب پیدا کرنیوالے بھی اور جنہوں نے اس کو قبول کیا وہ بھی شکریے کی مستحق ہیں۔ اس واسطے میں نے کہا مردوں سے عورتوں کا حق زیادہ ہے اس لئے کہ زندگی کی ابتداء یہیں سے بھی ہوتی ہے۔

عورتوں کی قوتِ عقل:

بچوں کا تو قصہ بعد میں آتا ہے، خود خاوند بھی عورتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ عورتیں جب کسی چیز کو منوانا چاہتی ہیں تو منوا لیتی ہیں۔ اگر وہ ضد کریں، ہٹ دھرمی کریں تو خاوند کو مجبور کر دیتی ہیں اس میں ایک پہلو جہاں عورتوں کے لئے عمدہ نکلتا ہے وہاں ایک بات کمزوری کی بھی نکلتی ہے وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ما رایت من ناقصات عقل و دین اذھب للب الرجل الحازم من احداکن"

یہ عورتیں ہیں تو ناقص العقل، ان کی عقل کم ہے مگر بڑے بڑے کامل العقل مردوں کی عقلیں اُچک کر لیجاتی ہیں۔ اچھے خاصے عقلمند بھی ان کے سامنے پاگل بن جاتے ہیں، جب وہ چاہتی ہیں کہ یہ کام ہو تو مرد ان کے سامنے مجبور ہو جاتے ہیں، ہمارے ہاں اور آپ کے ہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہوگا اس لئے کہ عورتوں کا مزاج سب جگہ ایک ہی ہے اور مردوں کی ذہنیت بھی ایک ہے البتہ تمدن کا فرق ہے۔

شادی بیاہ وغیرہ میں جو اکثر رسمیں ہوتی ہیں وہ تباہ کن ہوتی ہیں، دولت اور دین کو بھی برباد کرتی ہیں۔ جب مردوں سے پوچھا جاتا ہے کہ بھئی کیوں ان خرافات میں پڑے ہوئے ہو، تم تو سمجھدار اور عقلمند آدمی ہو، اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دولت اور دین دونوں برباد ہو رہے ہیں تو کیوں ایسا کر رہے ہو؟ کہ جی عورتیں نہیں مانتیں کیا کریں، گویا عورتیں حکام ہیں وہاں سے آرڈر جاری ہوتا ہے اور یہ غلام و رعایا ہیں، ان کا فرض ہے کہ اطاعت کریں۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہیں تو یہ ناقصات العقل، مگر اچھے بڑے عقل والوں کی عقلیں اُچک کر لے جاتی ہیں اور انہیں بے وقوف بنا دیتی ہے"۔

تو جب عورت میں یہ قوت موجود ہے کہ عقلمندوں کو بھی بے وقوف بنا دیتی ہے اور اچھے بھلے مرد کو مجبور بنا دے اگر وہ اسی قوت سے کسی اچھی چیز کے لئے مرد کو مجبور کریں تو مرد کیونکر مجبور نہیں ہوگا!

اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے یوں کہدے کہ جناب سیدھی بات ہے آپ کا حکم واجب الاطاعت، آپ خدا کی طرف سے میرے مربی، سب کچھ لیکن آپ نماز نہیں پڑھتے، جب تک آپ نماز نہیں پڑھیں گے میں آپ کے حکم کی پابند نہیں ہوں ——— وہ جھک مارے گا ضرور پڑھے گا۔ چاہے خدا کی نہ پڑھے، بیوی کی ضرور پڑھے گا۔ جب عورتیں ضد کر کے دُنیا کی بات منوا لیتی ہیں، کوئی وجہ نہیں کہ دین کی بات نہ منوالیں۔ عورتوں کی بدولت بہت سے خاندانوں کی اصلاح ہو گئی ——— عورتوں نے ضد کی مرد مجبور ہو گئے۔

ہمارے ہاں بعض خاندان ایسے تھے جو کچھ خرافات میں مبتلا تھے۔ اسواسطے کہ گھر میں دولت تھی، کہیں سینما، کہیں تھیٹر وغیرہ

نماز کا تو کہیں سوال ہی نہیں۔ اتفاق سے عورت دیندار گھرانے کی آگئی، چند دن تو اس نے صبر کیا، بعد میں اس نے کہا کہ صاحب یہ نبھاؤ بڑا مشکل ہے اسواسطے کہ رمضان المبارک آئے گا میں تو روزے سے رہوں گی اور تم بیٹھ کے کھانا کھاؤ گے اور پکانے پر مجھے مجبور کرو گے، میں پکانے کے لئے مجبور نہیں ہوں جہاں چاہو پکواؤ، اس گھر میں یہ نہیں ہوگا ——— اس واسطے کہ اس بدتمیزی میں میں تمہاری اعانت نہ کرسکوں یہ خود گناہ کی بات ہے لہٰذا یا تو اپنا بندوبست کرو یا پھر ان خرافات کو چھوڑ دو، آخر مرد مجبور ہوئے، نماز روزے کے پابند ہوگئے اور ان میں بہت سی اچھی خصلتیں پیدا ہوگئیں۔ اس لئے سب سے بڑا مربّی تو عورت ہے جو گھر کے اندر موجود ہے اس کی تربیت سے آدمی کام لے۔

اس لئے دینی بہنوں سے یہ خطاب ہے کہ جب وہ ایسا دباؤ ڈال سکتی ہیں کہ مرد ان کے سامنے مجبور ہیں تو جہاں دُنیا کے لئے زیور کپڑے لانے کے لئے، برتن لانے کے لئے، گھر بنانے کے لئے دباؤ ڈالتی ہیں اگر دیندار گھر بنانے کے لئے دباؤ ڈالیں تو یقیناً وہ دیندار بنیں اور اپنے خاوند کے لئے اصلاح کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اس لئے ان کے دل میں نیکی، تقویٰ اور بھلائی کا جذبہ ہونا چاہیئے تاکہ خاوند پر بھی اس کا اثر پڑے تو ایک عورت بچوں پر، خاوند پر اور کنبہ والوں پر بھی بہتر اثر ڈال سکتی ہے۔

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ خاندانوں میں جو جھگڑے اور تفریقیں پیدا ہوتی ہیں عورتوں کی بدولت پیدا ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کو اُتار چڑھاؤ کرکے بدظن بنا دیتی ہیں، دو حقیقی بھائیوں میں لڑائی پیدا کر دیتی ہیں حتیٰ کہ خاندانوں میں نزاع اور جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر عورت نیک نہاد نیک طینت ہے تو بڑے بڑے جھگڑے ختم کرا دیتی ہے، خاندان مل جاتے ہیں۔ اپنی اس طاقت کو آخر نیکی میں کیوں نہ خرچ کیا جائے بُرائی اور بدی میں کیوں خرچ کیا جائے جب اللہ تعالیٰ نے ایک طاقت دی ہے تو اسکو صحیح راستہ پر خرچ کیا جائے۔

دینی ترقی کے لئے مرد عورت کیلئے ایک ہی راستہ ہے

اسواسطے میں نے یہ آیت تلاوت کی تھی۔ اس میں خصوصیت سے عورتوں ہی کے واقعات کا ذکر ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک بزرگ ترین بی بی کا ذکر فرمایا ہے اور اس وجہ سے بھی اس آیت کو پڑھنے کی نوبت آئی کہ عورتوں کو یہ شکایت پیدا نہ ہو اور ان کی یہ غلط فہمی رفع ہو جائے کہ جب بھی خطاب کیا جاتا ہے مردوں ہی کو کیا جاتا ہے قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں ہی کو خطاب کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جیسے مردوں کو خطاب کیا ہے عورتوں کو بھی کیا ہے کہیں مرد و عورت دونوں کو ملا کر خطاب کیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو دین کی ترقی کا راستہ مرد کے لئے ہے وہی عورت کے لئے ہے جیسے کہ فرمایا:

ان المسلمین والمسلمٰت والمؤمنین والمؤمنات والقٰنتین والقٰنتٰت والصٰدقین والصّٰدقٰت
والصّٰبرین والصّٰبرٰت والخاشعین والخاشعات والمتصدقین والمتصدّقٰت والصّآئمین
والصّٰئمٰت والحافظین والحٰفظٰت والذّاکرین اللہ کثیراً والذّٰکرٰت اعد اللہ لہم مغفرۃً

واجراً عظیماً۔ (سورۃ الاحزاب ع ۵ پ ۲۲)

مسلم مرد مسلم عورت، مومن مرد اور مومن عورت، عبادت گذار مرد اور عبادت گذار عورت، سچا مرد اور سچی عورت، صدقہ دینے والا مرد اور صدقہ دینے والی عورت، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورت، حیا کا حفاظت کرنیوالا مرد اور حیا کی حفاظت کرنیوالی عورت، اللہ کا کثرت سے ذکر کرنیوالا مرد اور کثرت سے ذکر کرنیوالی عورت۔ ان کے لئے وعدہ دیا گیا ہے کہ اللہ نے ان کے لئے مغفرت، اجر عظیم اور آخرت کے درجات تیار کئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین کے راستہ پر چل کر جتنی ترقی مرد کر سکتا ہے وہی بعینہٖ عورت بھی کر سکتی ہے۔ اگر ایک مرد ولیٔ کامل بن سکتا ہے تو عورت بھی ولی کامل بن سکتی ہے ——— اسلام میں جیسے مردوں میں اولیاء اللہ کی کمی نہیں ویسے ہی عورتوں میں بھی اولیائے اللہ کی کمی نہیں ہے اس بارے میں بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ان عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ولایت کے مقام کو پہنچیں اور ولی کامل گزری ہیں، ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ کہیں حضرت رابعہ بصری ہیں، رابعہ عدویہ ہیں اور پھر صحابیات جتنی ہیں وہ تو ساری کی ساری اولیاءِ کاملین میں سے ہیں۔ تو تابعین تبع تابعین اور بعد کے لوگوں میں بڑی بڑی کامل عورتیں پیدا ہوئی ہیں، پھر ہر فن کے اندر پیدا ہوئیں۔ محدث، مفسر، ادیب شاعر، مؤرخ بھی گذری ہیں، ان کی تصنیفات ہیں اور ہزاروں مرد ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اگر عورت دینی ترقی نہ کر سکتی تو یہ عورتیں کہاں سے پیدا ہو گئیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں۔ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری وحی کا آدھا علم میرے سارے صحابہؓ سے حاصل کرو اور آدھا علم تنہا عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کرو گویا صدیقہ عائشہؓ اتنی زبردست عالمہ ہیں گویا نبوت کا آدھا علم عائشہ صدیقہؓ کے پاس اور آدھا علم سارے صحابہؓ کے پاس ہے۔ عائشہ صدیقہؓ ایک عورت ہی تو ہیں۔ تو عورت کو اللہ تعالیٰ نے وہ رُتبہ دیا ہے کہ ہزارہا صحابہ ایک طرف اور ایک عورت ایک طرف ——— اس سے معلوم ہوا کہ عورت جب ترقی کرنے پر آمادہ ہوتی ہے تو اتنی ترقی کر جاتی ہے کہ بہت سے مرد بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ تو اللہ کی طرف سے عورتوں کی ترقی میں رکاوٹ نہیں ہے چاہے دنیا میں ترقی کریں یا دین میں، علم و عقل میں بھی برابر چل سکتی ہیں۔

آپ نے امام جعفر ابی صادقؒ کا نام سنا ہوگا جن کی کتاب طحاوی شریف (جو حدیث کی کتاب ہے مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ یہ عورت کا طفیل ہے۔ امام طحاویؒ کی بیٹی نے حدیث کی کتابیں املاء کی ہیں۔ باپ حدیث اور اس کے مطالب بیان کرتے تھے بیٹی لکھتی جاتی تھی اسطرح کتاب مرتب ہو گئی۔ گویا جتنے علماء اور محدث گزرے ہیں یہ سب امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کی بیٹی کے شاگرد اور احسان مند ہیں۔ یہ بھی تو ایک عورت ہی تھی اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ امام طحاویؒ کی بیٹی تو محدثہ بن سکے مگر ہماری کوئی بہو، بیٹی نہ بن سکے؟ وہی نسل وہی چیز، وہی ایمان وہی دین وہی علم آج بھی موجود ہے مگر توجہ

اور بے توجہی کا فرق ہے۔ ان لوگوں نے توجہ دی تو عورتیں بھی ایسی بنیں کہ بڑے بڑے مرد بھی ان کے شاگرد بن گئے آج توجہ نہیں کرتیں تو کمال بھی پیدا نہیں ہوتا مگر صلاحیتیں آج بھی موجود ہیں ـــــ عورت میں غیر معمولی ترقی کی صلاحیت موجود ہے۔

بہر حال علماءِ اسلام نے ان بڑی بڑی عورتوں کا ذکر کیا ہے جو ولایت کے مقام تک پہنچیں اور کامل ہوئی ہیں۔

ہاں البتہ کچھ عہدے اسلام نے ایسے رکھے ہیں جو عورتوں کو نہیں دیئے گئے۔ اس بناء پر کہ عورت کا مقام حرمت وعزت کا ہے ایسا نہیں کہ وہ اجنبی مردوں میں خلط ملط اور مل جُل پھرے۔ اس سے فتنے بھی پیدا ہوتے ہیں، بُرائیوں کا بھی اندیشہ ہے اس لئے عورتوں کو ایسے عہدے نہیں دیئے گئے جن سے فتنوں کے دروازے کھلیں۔ جیسے شریعتِ اسلام کا مسئلہ ہے کہ عورت قاضی، جج اور چیف جسٹس نہیں بنائی جائے گی کہ وہ فیصلہ کرنے لگے۔ اس لئے کہ جب وہ فیصلہ کرنے بیٹھی تو مدعی اور مدعا علیہ اس کے سامنے آئیں گے۔ اسکو حق ہے کہ جرح کرے۔ گواہوں کی حالت کو دیکھے۔ سب اس کے آمنے سامنے ہوں گے اس میں پھر فتنے کے دروازے کھلنے کا اندیشہ ہے۔ اس واسطے اس مقام پر عورت کو نہیں لایا گیا۔ حاصل یہ ہے کہ اگر عورت محنت وتوجہ کرے تو کوئی مقام بزرگی اور علم وفضل کا ایسا نہیں جو عورت کو حاصل نہ ہو۔

امام طحاویؒ کی بیٹی، حضرت رابعہ بصریہؒ، حضرت رابعہ عدویہؒ ہزاروں لاکھوں کے قریب صحابہ کرامؓ کی عورتیں، تابعین کی بیویاں، بیٹیاں یہ بڑی بڑی عالم اور فاضل گذری ہیں۔

عورت اولیاء کاملین کے لئے مربی بھی بن سکتی ہے

حضرت رابعہ بصریہؒ کے واقعات میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت حسن بصریؒ کو ایک بار نصیحت فرمائی کہ اے حسن بصری

؎ بر آب روی خسے باشی، بر ہوا پری مگسے باشی   دل بدست آر کہ کسے باشی

اے حسن بصری اگر تم پانی پر تیرو گے تو کوڑا کچرا بھی پانی کے اوپر تیرتا ہے یہ کوئی کمال کی بات نہیں ایسے ہی اگر رابعہ ہوا میں اڑتی ہے تو مکھیاں بھی ہوا میں اڑتی ہیں یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے اپنے نفس کو تابع کرو اسپر کنٹرول حاصل کرو تاکہ صحیح معنیٰ میں انسان بنو۔ انسان بننا کمال ہے مکھی بننا کمال نہیں، آدمی بننا کمال ہے کوڑا کچرا بننا کمال نہیں۔

ہم اگر ہوائی جہاز سے پچاس ہزار فٹ بلندی پر اُڑ جائیں۔ بیشک یہ بڑے کمال کی بات ہے مگر یہ حیوانیت کا کمال ہے انسانیت کا کمال نہیں۔ اگر ہم ڈبکی کشتی کے ذریعے سمندر کی تہہ تک پہنچ جائیں یہ بھی حیوانیت کا کمال ہے اس لئے کہ مچھلیاں بھی تو پہنچتی ہیں۔ آدمی سے اگر ہم مچھلی بن گئے تو کونسا کمال کیا۔ اسی طرح اگر ہم ہوا میں اُڑے تو یہ کمال نہیں ہوا میں کرگسیں اڑتی ہیں اگر آدمی سے کرگس بن گئے تو کون کمال ہوا۔ یہ حیوانیت کا کمال ہے انسانیت کا کمال نہیں۔ انسانیت کا کمال یہ ہے کہ گھر میں بیٹھا ہوا ہو اور عرش بریں کی باتیں کرے، اپنے مصلّٰی کے اوپر ہو اور خدا سے لے نیاز حاصل ہو۔ فرش پر بیٹھے ہوئے عرش کے اوپر مقام ہو (اللہ کے نزدیک مقبول ہو) یہ ہے انسانیت کا سب سے بڑا کمال جس کو انبیاء کرام علیہم السلام نے سکھلایا۔ حضرت حسن بصریؒ خوش ہوگئے اور فرمانے لگے آپ نے مجھے

سچی ہدایت کی میرے دل کو راستہ دکھلایا۔

دیکھئے رابعہ بصریہ عورت ہے اور حسن بصریؒ مردوں کے امام ہیں۔ یہ ایک عورت ایک مرد کامل کو ہدایت کر رہی ہے اور اسے راستہ ہاتھ آجاتا ہے۔ اس لئے عورت اگر کمال پیدا کرنا چاہے تو وہ بڑے بڑے مردوں کی مربی بن سکتی ہے۔

حضرتِ عائشہ صدیقہؓ پوری اُمت کی استاد ہیں

ابن عباسؓ بڑے جلیل القدر صحابی گذرے ہیں۔ امت میں سب سے بڑے مفسرِ قرآن ہیں لیکن حضرت عائشہؓ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے علم زیادہ تر انہیں سے سیکھا ہے۔ اگر کبھی فتویٰ کی ضرورت پیش آجاتی تو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رجوع فرماتے۔ (افریقہ ۱۹۶۳ء میں حضرت قاری صاحب کا خطاب، بشکریہ بیّنات)

افاداتِ اکابر

حضرت شیخ و مرشد سید مدنی نور اللہ مرقدہٗ

کا

مکتوبؒ گرامی

بنام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

محترم المقام زید مجدکم ——— السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

والا نامہ بہت انتظار کے بعد ملا۔ اگرچہ ۱۴ رمضان المبارک کا تحریر کیا ہوا ہے مگر ۲۰ رمضان کو مجھ کو ملا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے میرے اس عریضہ کے جواب میں جس میں رخصت کی درخواست کی تھی، کوئی والا نامہ ارسال فرمایا تھا افسوس کہ وہ مجھ تک نہیں پہنچا۔ ہاں ایک والا نامہ ملا تھا جو کہ میرے پہلے عریضہ کا جواب تھا جس میں ساؤتھ افریقہ کے سفر وغیرہ کے متعلق تذکرہ تھا۔ اس جدید سوال نامہ کو دیکھ کر حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مجھ کو اپنی رخصت کے بارے میں آپ سے قوی اُمید تھی۔

۱: آپ کو بخوبی یاد ہوگا کہ ماہ شعبان کے نصف سے قبل میں نے ایک مجلس میں کوٹھی[1] میں آپ سے اپنے سفر کے متعلق زبانی عرض کیا تھا آپ نے کوئی امر اس سے رُکنے کے متعلق تذکرہ نہیں فرمایا بلکہ ایسے الفاظ ضرور ذکر فرمائے جن سے اجازت سمجھی جاتی تھی، اس کے بعد دوسری مجلس میں آپ نے فرمایا کہ میں خود اپنے سفر کا انتظام کر رہا ہوں کہ تیری معیت ہو، اس پر میں نے آپ کو روکا اور کچھ وجوہ بیان کیں۔ آپ نے اس مجلس میں بھی کوئی لفظ رکاوٹ کا ذکر نہیں فرمایا۔

۲: آپ کے پاس براہِ راست بھائی[2] صاحب کے متعدد خطوط میری اجازتِ سفر کے آچکے تھے جن کا ذکر آپ نے مجھ سے اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ میں نے خود تذکرہ نہیں کر لیا اور حاجی احمد علی خاں سے معلوم ہوا تھا کہ آپ ان کے تذکرہ سے اس وجہ سے گریز فرماتے تھے کہ مبادا حسین احمد یہ خیال کریں گے کہ میں اس کا رہنا پسند نہیں کرتا۔ بہرحال بھائی صاحب نے خود آپ سے زبانی اور تحریری دونوں طریقوں سے میری حاضری کا مطالبہ پُر زور طریقہ پر کر رکھا ہے اور یہ مطالبہ آج کا نہیں ہے۔

---

[1] کوٹھی: دارالعلوم دیوبند کا دارالاہتمام جس کی عمارت کوٹھی کے نام سے مشہور تھی۔

[2] بھائی صاحب: حضرت شیخ قدس سرہٗ کے منجھلے بھائی مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنی بانی مدرسۃ الشریعۃ مدینہ منورہ المتوفی ۱۳۵۹ھ

۲: بھائی صاحب کا مطالبہ اصلی یہ ہے کہ ہندوستان میں قیام ہی نہ کیا جائے بلکہ مدینہ منورہ میں قیام ہو اور یہاں کے مشاغل علمیہ پر وہاں کے مشاغل علمیہ کو ترجیح دیتے ہیں مگر میں یہاں کے مشاغل علمیہ کو خصوصاً دیوبند کی ضرورت کو وہاں کی ضرورت پر ترجیح دیتا ہوں جبکہ میں نے دیوبند میں اپنی ٹوٹی پھوٹی خدمات اشد ضروری سمجھیں جن کا مبنیٰ فتنہ[1] واقعہ تھا۔ تو ان کو اس سے مایوسی ہوئی، اس کے بعد ان کی مساعی وحید[2] کے متعلق جاری ہوئیں مگر وہ کمبخت باوجود ہر قسم کے سامان مہیا کر دینے کے اب تک تیار نہ ہوا جس کی بناء پر میرا بوجھ اور زیادہ ہوگیا، اس کے بعد انہوں نے مطالبہ کیا کہ صرف ایک سال کے لئے مدینہ منورہ رخصت لیکر آجاؤں، اس پر بھی میں نے دارالعلوم سے علیحدگی کی مشکلات کی بناء پر انکار کیا، اب آخری ان کا یہ حکم تھا کہ تو دیوبند سے اواخر شعبان میں روانہ ہوجا بلکہ وہ تو یہ لکھتے ہیں کہ امتحان شروع ہونے پر روانہ ہو اور اوائل رمضان تک مدینہ پہنچ جا تاکہ چند روز یہاں کے قیام کے باآسانی میسر ہوجائیں مگر چونکہ خود کتابوں کے ختم کرنے سے میں ۱۵ شعبان کو فارغ ہوا اس لئے اوائل شعبان میں سفر کرنا ممکن نہ تھا اس لئے اوائل شوال میں ارادہ کیا۔

۴: آپ کو معلوم ہے کہ ۱۳۳۴ھ[3] کے بعد سے جب سے میں بھائیوں اور والد مرحوم سے جدا ہوا ہوں ایک دوسرے

---

[1] فتنہ واقعہ: اس اسٹرائیک کی طرف اشارہ ہے جس کا سلسلہ ۱۳۴۴ھ سے شروع ہوکر تقریباً ۱۳۴۷ھ تک جاری رہا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم جیسے اساطین علم احتجاجاً دارالعلوم سے علیحدہ ہوگئے تھے اور بظاہر اسباب ایسی صورتحال پیدا ہوگئی تھی کہ دارالعلوم کا وجود خطرہ میں پڑ گیا تھا اس نازک موقع پر حضرت شیخ الاسلام نے دارالعلوم کی بقاء و تحفظ کے لئے قدم آگے بڑھایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول و منظور فرمایا اور آپ کے وجود بابرکت سے دارالعلوم نہ صرف بچ گیا بلکہ اس نے ترقیات کے مراحل بھی طے کئے۔

[2] وحید: مولانا وحید احمد صاحب المتوفی ۱۹۳۵ء حضرت شیخ الاسلام کے بڑے بھائی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے صاحبزادے جن کی وفات کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے یتیم بچے کی پرورش اور تربیت فرمائی۔ حضرت شیخ کو مولانا وحید احمد صاحب سے بے حد تعلق تھا خط کے جملے سے بھی اس کا اظہار ہو رہا ہے۔

[3] حضرت شیخ الہند اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الاسلام کے میزبان تھے۔ ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ کو حضرت شیخ الہند مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کا سفر فرمایا تو حضرت شیخ الاسلام اپنے اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر خدمت کی غرض سے حضرت شیخ الہند کے ساتھ ہو لئے قیام مکہ ہی کے دوران اولاً حضرت شیخ الاسلام پھر حضرت شیخ الہند دیگر رفقاء سمیت گرفتار کر لئے گئے اور تقریباً ساڑھے تین برس جدہ، مصر اور مالٹا میں قید و بند کی زندگی گزار کر ۲۲ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الہند کے ہمراہ عازم ہندوستان ہوئے پھر یہاں کی ملی مصروفیات اور دارالعلوم کے تدریسی مشاغل نے فرصت ہی نہ دی کہ مدینہ منورہ حاضر ہوسکیں۔ تقریباً پندرہ سال کے بعد اپنے برادر بزرگ

باقی اگلے صفحہ پر

نہیں مل سکا، اور اس درمیان میں ان پر سخت سے سخت مصائب[1] پیش آئے۔ ان کے دل زمانہ کے مصائب سے انتہائی مجروحیت میں ہیں۔ ہم بھائیوں کے تعلقات بحمداللہ اس محبت آمیز اور ہمدردانہ طریقہ پر ہمیشہ سے آج تک چلے آتے ہیں کہ شاید زمانہ میں بہت کم ان کی نظیر ملے گی، خصوصاً بھائی سید احمد صاحب کی شفقتیں ہر بھائی کے ساتھ بالکل مادرانہ کہ تھیں اسی بنا پر ان کے مکاتیب میں ایسے درد انگیز الفاظ ہوا کرتے ہیں کہ سخت سے سخت دل بھی پانی ہو جاتا ہے اور خصوصاً میں باوجود اپنی اس سنگدلی کے ہوتے ہوئے بہت بیتاب ہو جاتا ہوں کیونکہ ان کے مصائب اور ان کی بے نہایت شفقتیں آج تک میرے سامنے موجود ہیں۔ میرا اسقدر سنگدل ہو جانا کہ ان کو بار بار اصرار فرماتے ہوئے دیکھوں، ان کے مصائب کے پہاڑ سے واقف رہوں اور پھر برائے چندے بھی حاضر نہ ہوں نہایت ہی غیر محمود ہے۔

۵: ہر چند مجھ کو دارالعلوم بڑی تنخواہ دیتا ہے اس کی سابقہ زندگی اور اس کی مالی حالت غالباً اسکو بہت زیادہ کہے گی۔ مگر بڑوں کی جوتیوں کے طفیل سے مجھکو اس سے زیادہ کی ملازمتیں مل رہی ہیں اور خصوصاً مدینہ منورہ میں بلکہ بھائی صاحب ہی کے مدرسہ میں معقول تنخواہ حاصل کر سکتا ہوں جو کہ دوسروں کو آج وہ دے رہے ہیں اور موجودہ دور میں وہاں بڑے بڑے وظائف بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ مگر مدینہ منورہ میں اپنے مکان اور اپنے اعزہ واقارب کے درمیان قلیل مقدار بھی باہر کی کثیر سے زیادہ ہے بالخصوص مدینہ منورہ کی ذاتی شرافتیں اس کے لئے بہت زیادہ مہیج ہو سکتی ہیں۔

بایں ہمہ دارالعلوم میں اپنی خدمات بہت زیادہ اہم اور ضروری سمجھتا ہوں اور سمجھتا رہا ہوں، بلکہ یہاں تک ضروری سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم مجھ کو ایک پیسہ بھی نہ دے جب بھی حتی الوسع خدمت انجام دینا چاہیئے۔ نہ میں ان کے لئے صدارت تدریس ہی کو ضروری خیال کرتا ہوں اور نہ مقدار موجودہ کو۔ غالباً آپ کو معلوم نہ ہوگا کہ میں نے آج تک حضرات مہتممین مرحومین[2] یا کسی ذمہ دار سے تنخواہ کی مقدار وغیرہ میں ایک مرتبہ بھی اشارۃً یا صراحۃً گفتگو نہیں کی اور نہ بوقت ترقی اس کا خواستگار ہوا۔

میری دلی تمنا تو یہ تھی اور آج تک ہے کہ میں اس خدمت کو لوجہ اللہ انجام دوں جس طرح میں نے مدینہ منورہ میں بارہ برس کام کیا ہے۔ اسوقت میں جسقدر کام کرتا تھا[3] آج معاوضہ کے وقت میں نہیں کر سکتا۔ مجھ کو مولانا محمد زکریا صاحب

کی تحریک وطلب پر دارالعلوم سے تین ماہ کی رخصت لیکر مدینہ منورہ جانا چاہتے ہیں اسی سلسلہ میں یہ خط تحریر فرمایا گیا۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو "نقش حیات" ج ۲ خود نوشت سوانح حیات حضرت شیخ الاسلامؒ واسیران مالٹا مولانا محمد میاں صاحب۔

[1] ان مصائب وآلام کی تفصیلات نقش حیات ص ۱۴۰ ج ۱ اور اسیران مالٹا از ص ۹۳ تا ص ۹۸ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

[2] حضرت مولانا محمد احمد المتوفیٰ ۱۳۴۷ھ مہتمم دارالعلوم اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی المتوفیٰ ۱۳۴۸ھ مہتمم دارالعلوم مرادآباد

[3] حضرت شیخ الاسلامؒ نے نقش حیات ج ۱ ص ۹۶ پر مدینہ میں تدریسی جدوجہد کی قدرے تفصیل درج فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ مختلف فنون کی چودہ چودہ کتابوں کا درس ہوتا تھا اور اس درس ومطالعہ میں اس درجہ مشغولیت بڑھی ہوئی تھی کہ دن رات میں تین ساڑھے تین گھنٹے آرام ملتا تھا۔

کا مذ ملوحیٰ انور اللہ مرقدہٗ) پر غبطہ آتا ہے۔ مجھ کو دارالعلوم کی خدمت صرف عالم اسلامی کی خدمت نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کے ضمن میں بہت سے فرائض انجام دے رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے بہت سی اُمیدیں رکھتا ہوں، نالائق اور نا کارہ ہوں مگر اپنے بزرگوں کا نام لیوا ہوں یہی وجہ ہے کہ دیوبند میں باوجودیکہ بالکل بے سرو سامانی ہے کوئی رشتہ دار یہاں نہیں، ایک گز زمین کا ٹکڑا بھی نہیں، ایک ٹوٹا چھپر بھی نہیں۔ بیوی کہتی ہے کہ اگر مدرسہ والوں نے نکال دیا تو ہمارے پاس ایک جھونپڑی بھی نہیں ہے کہ اس میں سر چھپا سکیں، وہ کہتی ہیں کہ تیرے بعد ہمارے لئے بیٹھنے کا بھی ٹھکانا نہیں ہے یہ تو مکان ہمارے پاس اُس وقت تک ہے جب تک تُو زندہ ہے اور مدرسہ میں ملازم ہے وہ تقاضا پر تقاضا کرتی ہے کہ مجھ کو مدینہ منورہ چل پڑنا چاہئے وہاں اپنا ملک مکان تو ہے، وہاں تیرے بھائی بھتیجے تو ہیں وغیرہ وغیرہ مگر آج تک میں نے ان اوہام اور خیالات کو گوزِ شتر ہی سمجھ رکھا ہے۔

کیوں؟ صرف دارالعلوم کی خدمت کی بناء پر اور یہ کلمات واللہ بناوٹ کے نہیں ہیں یہی آج تک صمیم قلب میں رکھتا ہوں اس میں شک نہیں کہ سخت روسیاہ اور نالائق ہوں مگر اپنا خیال یہی ہے۔

بناء پر تمام جماعت حضرت شاہ صاحبؒ[2] اور ان کے موافقین کی مجھ سے خلاف کرانے کی کوشاں رہی۔ سبکو میں نے چھوڑ دیا اور اپنے گھر در ہاتھ، پیر، دل اور دماغ کو اس خدمت میں صرف کرتا رہا اور کرتا رہوں گا۔ انشاء اللہ۔

واللہ میرا کسی شخص یا خاندان یا دارالعلوم پر احسان نہیں، جو کچھ میں نے کیا اور کر رہا ہوں اپنا فریضہ سمجھتا رہا اور سمجھ رہا ہوں آئندہ جو کچھ ہو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔

ہاں! دارالعلوم مجھ سے مستغنی ہو جائے تو البتہ میں بوریا باندھنا باندھ لوں گا اور انشاء اللہ ایک کلمہ بھی خلاف میں نہ نکالوں گا اور مجھے قوی اُمید ہے کہ اہلِ تجربہ اگر تجربہ کی ضرورت ہو تو اس تجربہ میں مجھ کو جھوٹا نہ پائیں گے۔

غرضیکہ دارالعلوم کی خدمات کی بناء پر جس کو میں اللہ اور رسُول اور اسلام اور اپنے اسلاف کی خدمت سمجھتا ہوں میں ہر قسم کی قربانی کر رہا ہوں اور انشاء اللہ کروں گا (حتی الوسع) مجھ کو شخصی خدمات سے ملی خدمات زیادہ عزیز ہیں اللہ مجھ کو توفیق عطا فرمائے

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی المتوفیٰ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کی جانب اشارہ ہے جنہوں نے ابتدائی چند سالوں کے علاوہ پوری زندگی مظاہر علوم سہارنپور میں بلا تنخواہ درس دیا (لوجہ اللہ) اور آخر میں چند سالوں کی لی ہوئی تنخواہ کی رقم بھی واپس کر دی تھی۔

[2] حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند دورِ حاضر کے اساطین علم میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ بالخصوص علم حدیث کے بحرِ ذخّار تھے۔ ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم کے حضرات انتظام سے ناخوش ہو کر مستعفی ہو گئے تھے جس کی تفصیل قدرے حاشیہ میں گذر چکی ہے۔

الحاصل مجھکو دارالعلوم سب سے زیادہ عزیز اور اس کی خدمت سب سے زیادہ پیاری ہے اور میں کسی وقت بھی اس میں کوتاہی کرنا نہیں چاہتا۔ مگر یہ سخت ضرورت درپیش ہے جس کو آپ بھی جانتے ہیں اور احساس کرتے ہوں گے۔ میری غیوبت محض دو تین مہینہ کے لئے ہے۔ میں ان شاء اللہ ابتدائے محرم میں واپس آجاؤں گا کوئی غیر مطمئن کرنیوالا مسئلہ سامنے نہیں ہے اور اگر کچھ ہے تو ماشاء اللہ آنجناب اور پوری جماعت موجود ہے میری ہمدردی ساتھ ساتھ ہے میں اسی وقت سے جب سے آپ سے تذکرہ کیا تھا اس کی فکر میں لگا ہوا ہوں، ایک حج بدل کی صورت ہو گئی میں نے وعدہ کر لیا اور ان صاحب نے مجھ پر اطمینان کر کے دوسروں سے صرف نظر کر لی اور اسی بناء پر وہ رک گئے کہ کسی اور کو دیں۔

میں نے روپیوں کی اور صورتیں بھی پیدا کیں، بھائی صاحب کو بھی لکھدیا، لوگوں کو بھی اطلاع دیدی ہے۔ اب آنجناب حضرات موجودین کے مشورہ کو اہمیت دیتے ہیں اور اپنی رائے بھی اس معاملہ میں بدل دیتے ہیں۔ مجھ کو تو قوی اُمید تھی کہ مذکورہ بالا اُمور پُر زور طریقہ پر میری تائید کریں گے اور میری عرضی قبول کروا کر رہیں گے، آپ خود اُلٹے مدعی بن گئے۔ مہربانی فرمائیے۔ حضرات موجودین تو اوہام پرست ہیں ان کے کمزور اور گھبرا جانے والے قلوب کا مشورہ مت دیکھئے اللہ کا نام لیکر میری رخصت کو منظور کر لیجئے اور ارباب شوریٰ سے منظور کرا دیجئے اور روپیوں کے متعلق اگر مدرسہ کوئی امداد اضافہ تنخواہ اور اجرائے تنخواہ ایام رخصت نہیں کر سکتا نہ کرے میں اس کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ ان شاء اللہ کروں گا۔ اگر آپ کا عملدرآمد مدرسہ کا نظام ایام رخصت حج میں اعطاء تنخواہ کا ہو بھی تو میں بخوشی اس کے مطالبہ کے دفع کرنے کو تیار ہوں۔ اور ان شاء اللہ نام بھی نہ لوں گا۔ اب جبکہ میں نے اس سلسلہ کے ۱/۲ حصہ کو انجام دے لیا ہے تو مہربانی فرما کر رکاوٹ نہ ڈالیئے۔ حکیم مسعود احمد صاحب[1] کے پاس بھی بھائی صاحب نے لکھا تھا وہ راضی ہو گئے اسی طرح حکیم جمیل الدین صاحب[2] بھی راضی ہو گئے ہیں چونکہ وقت زیادہ نہیں ہے ورنہ ہر ممبر کے پاس باقاعدہ طور پر بھی لکھ کر اجازت لے لیتا۔

کیا جبکہ میں تمام ضروریات اور تعلقات کو خاک میں ڈال کر آپ کے قدموں میں آپڑا ہوں، آپ دو تین مہینہ کی غیوبت کی بھی اجازت نہیں دیں گے؟ اگر خدانخواستہ کوئی واقعہ سنگین خدشہ سامنے ہوتا تو میں خود ہمتِ گفتگو نہ کرتا میں اُمیدوار ہوں کہ میری عرضی کو وقعت دی جائے گی اور ضرور میری عرضی کو قبولیت دیجائے گی۔ میں عید ہی کے

باقی ص ۱۳

---

[1] حضرت حکیم مسعود احمد صاحب صاحبزادہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ آپ اس زمانہ میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے۔ اور مجلس میں آپ کی رائے کی بطور خاص اہمیت تھی۔

[2] مولانا حکیم جمیل الدین نگینوی المتوفی ۱۳۵۹ھ دہلی کے مشہور اطباء میں تھے ایک عرصہ تک دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ فن طب کیساتھ علوم دینیہ میں بھی علم نہایت راسخ اور پختہ تھا۔ دہلی کے مشہور حکیم جناب مولانا حکیم عبدالجلیل صاحب صدر عالمی موتمر صوبہ دہلی آپ ہی کے فرزند رشید ہیں۔

محترم محمد انور قریشی صاحب

دینی جماعت ہو یا سیاسی پارٹی یا کوئی اسلامی ملک، مسلمانوں میں اتحاد مفقود نہیں تو کم ضرور ہے اور انتشار ہے کہ بڑھتا جارہا ہے۔ مسلمانوں میں انتشار کی وبا کفر کی طرح خطرناک ہے اس سے کفر کو تقویت مل رہی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اسلام پسند ہوں اور اس کے ساتھ اسلام کش بھی، ہم شریعت پسند ہوں اور مادیت پرست بھی، ہم خدا پرست ہوں اور نفس پرست بھی۔ یقین جانو جو فرد یا جماعت بھی مسلمانوں میں انتشار اور نفرت کی فضا پیدا کرتی ہے وہ مخلص نہیں ہے۔ خواہ وہ توحید، رسالت اور اسلام کی سربلندی کا علم بلند کرتی ہو یا جمہوریت اور ملک کے استحکام کی دعویدار بنتی ہو۔ حقیقتاً ان لوگوں میں ذاتی و جماعتی مفاد، انا اور حکومت گیری کی ہوس ہے اور وہ زمانۂ جاہلیت کے خصائل بغض، حسد اور کینہ سے مُبرّا نہیں ہیں جو اسلام میں حرام ہیں۔ کیا ہم اسلامی اقدار کو ترک کرکے پھر زمانۂ جاہلیت میں داخل ہونا چاہتے ہیں؟ کیونکہ جاہلیت مادیت اور لادینیت سے ہی انتشار پیدا ہوتا ہے۔

اس انتشار کے واضح اسباب ہیں کہ ان سے لوگوں میں رنجش اور عداوت پیدا ہوتی ہے فساد برپا ہوتے ہیں ملک و ملت کا استحکام متاثر ہوتا ہے، پارٹی بازی کو فروغ ملتا ہے، فرقہ پروری اُبھرتی ہے، سرکاری محکموں میں عدم تعاون ہوتا ہے ملکی سیاست پراگندہ ہوتی ہے یہاں تک کہ تفکرات سے ذہنی اور جسمانی بیماریاں جڑ پکڑتی ہیں۔ انسان نروس، ٹینشن، ہائی بلڈ پریشر، بدہضمی، تشنج، دل کا دورہ وغیرہ امراض کا شکار ہوتا ہے مگر افسوس ہمیں ان کا علم اور احساس نہیں ہے۔

اسلامی نظام کے عملاً نفاذ اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے حکام، رہنما اور پوری قوم میں اسلامی اقدار کا اپنانا ناگزیر ہے تاکہ اتحاد، اخوت اور اشتراک سے اُمتِ مسلمہ کی وحدت قائم رہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں مصالحت اور مفاہمت کا حکم دیا ہے۔ انتشار، خاندانی عداوت یا دینی اختلاف کی وجہ سے ہو، یا سیاسی اغراض کے حصول کے لئے، انتہائی خطرناک ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ سے ڈرو، ورنہ انتشار کے سبب تم اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاؤ گے۔

ظاہر ہے جو اللہ کی رحمت سے محروم ہوا وہ اس کی نعمتوں سے بھی محروم ہوا، اور ناکامی و نامرادی سے ہمکنار ہوا

وہ جماعت اور ملک کبھی سرفراز اور سربلند نہ ہوگا جو انتشار کا شکار ہوگا۔ قرآنِ حکیم کی سورۂ حجرات میں مسلمانوں میں انتشار کے مختلف اسباب کا ذکر ہے جو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی وحدت کو توڑتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے :

○ "یقیناً تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں میں صلح کرادو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔" (حجرات)

مذاق اڑانا علامت کبر ہے

لوگوں میں انتشار کی ایک بڑی وجہ دوسروں کا مذاق اڑانا اور اپنی برتری جمانا ہے اسلام میں دوسروں سے تمسخر کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس کی اصل وجہ خود کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو کم تر سمجھنا اور ذلیل کرنا ہے اس سے دوسروں کی دل آزاری، ذہنی پریشانی اور رنجش پیدا ہوتی ہے آپس میں محبت کی بجائے نفرت، قرابت کی بجائے دوری اور اخوت کی بجائے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ سورہ حجرات میں ارشادِ رب العزت ہے :

○ "اے ایمان والو ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے کیا عجب ہے کہ (جن کا مذاق اڑاتے ہیں) وہ خدا کے نزدیک ان سے بہتر ہو۔"

○ "اور نہ ہی عورتوں کو دوسری عورتوں کا مذاق اڑانا چاہیئے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔"

کبر صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور بندہ کی شان تو عجز ہے خود پسندی نہیں ہے۔ بادشاہ ہو یا صدر وزیر ہو یا کوئی اعلیٰ افسر کسی کو ذرہ بھر تکبر کی اجازت نہیں ہے۔ بڑا وہ ہے جو اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا ہے اور کوئی نہیں جانتا ہے کہ خدا کے نزدیک کون بہتر ہے۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جس میں رائی بھر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ آخرت میں ایسے شخص کے تکبر کی بیخ کنی دوزخ کی بھڑکتی آگ سے کی جائے گی۔ اسلام میں کسی کو شیخیاں مارنے کی بھی اجازت نہیں ہے ارشادِ رب العزت ہے :

○ "زمین پر اکڑ کر مت چلو کیونکہ تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے اور نہ ہی (لمبا ہو کر) پہاڑ کی چوٹی تک پہنچ سکتے ہو۔"

○ "یہ سب برائیاں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔" (بنی اسرائیل)

○ "یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنیوالے شیخی خور کو پسند نہیں کرتے ہیں۔" (النساء)

عیب جوئی اور طعنہ بازی ظلم ہے

عیب جوئی اور طعنہ بازی کم ظرفی کی نشانی ہے جس سے اُمتِ محمدیہ میں پھوٹ پڑتی ہے۔ اس لئے اسلام میں دوسروں کو طعنہ دینا، عیب جوئی کرنا اور چڑانے کے لئے بُرے القاب اور ناموں سے بلانا ممنوع اور حرام ہے۔ خواہ یہ حرکات زبان سے آنکھ کے اشارے سے یا ہاتھ سے کی جائیں اس میں اپنی بڑائی اور دوسروں کی تذلیل و تحقیر مقصود ہوتی ہے۔ دوسروں کی خطاؤں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا

ان کو دل میں یاد کرنا اور وقتاً فوقتاً طعنہ دینا مومن کی شان کے شایان نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایمان لانے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ایسی حرکات کو فسق یعنی اس قدر برا قرار دیا ہے جیسے کہ کسی کو بدمعاش کے لقب سے پکارا جائے اللہ تعالیٰ نے ایسی ملعون خصلتوں کو ترک کرنے اور توبہ کرنے کا حکم دیا ہے اور تنبیہہ فرمائی ہے کہ اگر وہ لوگ باز نہ آئیں تو وہ ظالم ہیں اور ظلم کا انجام ہمیشہ ذلت آمیز بربادی ہی ہوتا ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

○ "ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور ایک دوسرے کو برے لقب سے نہ پکارو ایمان لانے کے بعد فاسق کہلانا بہت برا ہے۔"

○ "اور جو لوگ ان گناہوں سے باز نہ آئیں پس وہ لوگ ظالم ہیں۔" (حجرات)

○ "ہر طعنہ باز عیب جو کے لئے بربادی ہے جو دولت جمع کرتا ہے اور اسکو گنتا رہتا ہے۔" (همزہ)

بدگمانی بہت بڑا جھوٹ ہے

مسلمانوں میں انتشار کی ایک بڑی وجہ بدگمانی بھی ہے۔ حکام، علماء اور لیڈروں کو بڑا محتاط رہنا چاہئے۔ ارشاد رب العزت ہے:

○ "اے ایمان والو بدگمانیوں سے احتراز کرو، یقین کرلو کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ (حجرات)

○ "اور جس بات کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے نہ پڑو یقیناً کان، آنکھ اور دل ان سب کی بازپرس ہوگی۔" (بنی اسرائیل)

دوسرے مسلمانوں کے متعلق دل میں شکوک و شبہات رکھنا جس کی کوئی بنیاد نہ ہو بدگمانی ہے۔ بدگمانی سے دل میں تشویش پیدا ہوتی ہے میل جول ترک ہوتا ہے اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اکثر مغربی ممالک کے مصنف اور اخبار اسلامی ممالک کے متعلق بدگمانیاں پھیلاتے ہیں ہمیں ان کی تردید ضرور کرنی چاہئے مگر تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

○ "بدگمانی سے اجتناب کرو۔ یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔" (بخاری)

○ آپ نے امت میں تین بدخصلتوں کا ذکر کیا ہے "فال لینا، حسد کرنا، بدگمانی کرنا۔" (طبرانی)
کسی نے دریافت کیا کہ اس کا تدارک کیا ہو؟ آپ نے فرمایا:

○ "جب کسی سے حسد کرو تو استغفار کرلو، جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دو اور گمان پر یقین کرو، جب شگون لو خواہ نیک ہو یا بدشگون اپنے کام سے نہ رکو اور اسے پورا کرو۔" (ابن کثیر)

مومن کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں سے عموماً حسن ظن یعنی اچھا گمان رکھے یا بدگمانی کو ترک کردے اور بیجا پریشان نہ ہو اللہ تعالیٰ پر کامل توکل رکھے کیونکہ اس کے حکم کے بغیر کوئی ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت عالی سے کوئی نعمت عطا کرنا چاہیں تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔

بری شہرت و برے کردار والے فرد یا جماعت سے محفوظ رہنے کے لئے احتیاط ضروری ہے مگر صرف بدگمانی کی بناء پر

اس کے خلاف محاذ آرائی درست نہیں۔ اسی نقطۂ نظر سے ارشاد ربانی ہے کہ اگر کوئی فاسق خبر لیکر آئے تو بغیر تحقیق کے اس پر عمل نہ کرو۔

○ "اے ایمان والو اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لیکر آئے تو تحقیق کر لو تاکہ تم کسی کو غلطی سے نقصان نہ پہنچاؤ اور پھر اپنے فعل پر نادم نہ ہونا پڑے۔" (حجرات)

تجسس کمزور ایمان کی علامت ہے

دوسروں کی برائیوں کو تلاش کرنا، حالات کو کریدنا اور جاسوسی کرنا تجسس ہے۔ لوگوں کے عیب ٹٹول کر ان کو اپنے زیر کرنا اور اسطرح سیاسی برتری حاصل کرنا بلیک میل کر کے بڑی رقوم وصول کرنا اور ناجائز کام اور جرائم کرانا نہایت مذموم افعال ہیں۔ غیر مسلم ممالک اس حربے کو اکثر استعمال کرتے ہیں اس سے عداوت پیدا ہوتی ہے فتنے رونما ہوتے ہیں اور پھر قوم میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ عموماً جو فرد یا جماعت اعلیٰ کردار اور بہتر صلاحیتوں کی بناء پر معاشرے میں شہرت اور اعلیٰ مقام نہیں حاصل کرسکتی وہ دوسروں کی کمزوریاں اور خامیوں پر تکیہ کرنے کیلئے جاسوسی کرتی ہے اور افواہیں پھیلاتی ہے۔ اسلام میں یہ ملعون خصلت حرام ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

○ "ایک دوسرے کی جاسوسی مت کرو۔" (حجرات)

رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار فرمایا ہے کہ تجسس کرنا مسلمان کے کمزور ایمان کی علامت ہے اور ایمان اس کے دل کی گہرائیوں میں نقش نہیں ہوا جس سے اعلیٰ کردار کی تخلیق ہو:

○ "اے وہ لوگو جو زبان سے ایمان لائے ہو مگر ایمان تمہارے دلوں میں نہیں اترا ہے تم دوسرے مسلمانوں کے عیبوں کو نہ کریدو۔ کیونکہ اگر تم ان کے عیب ٹٹولو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے پوشیدہ عیوب کو ظاہر کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ جس کی باز پرس کریں گے وہ اپنوں میں ضرور رسوا ہوگا۔" (ابوداؤد)

مومن کی شان یہ ہے کہ وہ دوسروں کی پردہ داری کرے اور لوگوں کے عیوب کی تشہیر کر کے انہیں بدنام نہ کرے اور نہ ہی اسطرح اپنی فوقیت جتلائے۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

○ "جس شخص نے مسلمان کا عیب دیکھا اور اس کی پردہ داری کی تو اسے اتنا صلہ ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور لڑکی کو موت سے بچالیا۔" (الجصاص)

حکومت کا جرائم کی تفتیش اور روک تھام کے لئے باغی عناصر کی سرکوبی اور امن و امان برقرار رکھنے کے لئے جاسوسی کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں قوم اور ملک کا مفاد مقصود ہو۔

غیبت گناہ کبیرہ ہے

اسلام میں غیبت ایک بدترین خصلت ہے جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو پارہ پارہ کرتی ہے سیاستدان ہو، دیندار ہو یا حاکم سب ہی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ غیبت ایک زہریلی گیس جو نظر نہیں آتی ہے مگر اس کے مہلک اثرات تیزی سے پھیلتے ہیں۔ لوگوں میں نفرت، کشیدگی، تعصب، بداعتمادی اور ذہنی انتشار پیدا ہوتا ہے۔ مظلوم اس سے مردہ انسان کی طرح بے خبر رہتا ہے۔ اس لئے نہ ہی وہ اپنا دفاع کر سکتا ہے اور نہ اپنی

اصلاح کی طرف راغب ہوتا ہے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زنا سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں غیبت کے متعلق سخت الفاظ میں تنبیہہ فرمائی ہے اور نفرت دلانے کے لئے اسکو مُردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہہ دی ہے ارشاد رب العزت ہے:

○ "ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ یقیناً تم اس سے نفرت کرتے ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنیوالے اور مہربان ہیں۔" (حجرات)

غیبت یہ ہے کہ مسلمان بھائی کی غیر موجودگی میں اس کے عیب کا ذکر کیا جائے جو وہ اگر خود سُنے تو اُسے ناگوار گذرے گا۔ تاکہ وہ دوسروں کی نظر میں گر جائے اور اس کی تذلیل ہو اور یہ عیب اس میں پایا جاتا ہے۔ اگر اس میں یہ بُرائی نہیں پائی جاتی تو ایسا کرنا تہمت ہے جو غیبت سے بھی بدتر فعل ہے۔ اگر لوگوں میں عداوت ڈالنے کے لئے ایک دوسرے کی بدگوئی کی جائے تو یہ چغلی ہے یہ تینوں مذموم عادات حرام ہیں۔

دوسرے مسلمان کو جانی و مالی یا کسی نقصان سے بچانے کے لئے کسی مکار، بد دیانت یا جھوٹے شخص کی خصلتوں سے آگاہ کرنا غیبت نہیں ہے۔ اگر کوئی مظلوم صاحب اختیار سے مدد یا دادرسی کے لئے ظلم کے خلاف فریاد کرے تو یہ غیبت نہیں ہے۔

غیبت کی تلافی اسلام میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر کسی مسلمان کی غیبت اور تذلیل کی جا رہی ہو تو اس کی تردید کرے اور دوسرں کو غیبت سے اجتناب کرنے کی تلقین کرے خواہ یہ چھوٹی بُرائی کا ذکر ہو یا بڑی کا۔ غیبت کرنیوالا اور سُننے والا دونوں گنہگار ہیں۔ اگر کسی شخص سے غیبت کا گناہ سرزد ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے اور اس شخص کے لئے دُعا کرے آئندہ محتاط رہے اور اسی سوسائٹی میں مناسب طریقہ سے اس کی تردید کرے یا اسطرح دوسرے شخص کی تعریف کرے کہ غیبت کی تلافی ہو جائے۔

معاف کرنیوالا اللہ کا محبوب ہے مومن وسیع القلب ہے، وہ صاحب حکمت ہے، وہ غصّہ کو ضبط کرتا ہے۔ لوگوں کے قصور سے درگذر کرتا ہے اور رنجشوں کو بُھلا دیتا ہے۔ اسلام میں معاف اور درگذر کرنا مسلمان کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔ مومن جاہل اور شر پسند لوگوں کی باتوں کا نوٹس ہی نہیں لیتا اور اپنی شرافت سے ان کو ٹال دیتا ہے اسطرح ابتداء میں شر رُک جاتا ہے۔ تنازعے پنپنے نہیں پاتے اور لوگوں میں انتشار کی نوبت ہی نہیں آتی۔

ان اعلیٰ اوصاف اپنانے والے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتے ہیں سبحان اللہ یہ کیا ہی عظیم انعام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

○ "جو لوگ آسودگی اور تنگی میں بھی خیرات کرتے ہیں اور غصّے کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کو محبوب رکھتے ہیں۔" (آل عمران)

○ "آپ ان سے درگذر کریں اور نیک کاموں کا حکم کرتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کریں۔" (اعراف)

صد افسوس اس کوتاہ ذہنیت پر جو کسی فرد یا جماعت کی اصلاح کے باوجود اس کی گذشتہ غلطیوں پر تنقید برائے تذلیل کرتی ہو۔ بعض اوقات کسی جماعت کے قائد کے خیالات، تقریر یا تحریر پر اس کی وفات کے بعد بھی تنقید کو ختم نہیں کیا جاتا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں سیاق وسباق کی بے علمی کی وجہ سے غلط فہمی ہو یا بعد ازاں اس کے نظریے میں تبدیلی ہو گئی ہو یا اس نے نادم ہو کر اللہ سے رجوع کر لیا ہو اور اس کی توبہ کو شہنشاہِ کائنات نے شرف قبولیت بخشا ہو۔ قرآن حکیم میں مومن کے مثالی کردار کا ان زریں الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ بدی کے بدلے میں بھی نیکی کرتا ہے اس لئے اُسے عظیم صاحب نصیب کہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

○ "نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی آپ نیکی (یعنی نیک قول وفعل) سے بدی کو دفع کر دیں پھر آپ کا دشمن بھی قریبی دوست بن جائے گا"

○ "اور یہ بات ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں (یعنی مستقل مزاج اور پختہ) اور ان کو نصیب ہوتی ہے جو عظیم صاحب نصیب ہیں"۔ (حٰم سجدہ)

اِسلامی اقتدار کا تارک ناکام ہوگا

سوال یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اوپر بیان کردہ احکام کی صریحاً نافرمانی اور اسلامی اقدار کو ترک کر کے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور توکل اسی یقین کی بنیاد پر لائے ہیں کہ اسلامی اصولوں کی اطاعت میں ہی کامیابی اور سربلندی ہے۔ عموماً کمزور ایمان کے حامل، خداخوفی سے محروم خودغرض اور کم ظرف لوگ جو دنیوی مفاد کے جلد حصول کے متمنی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جہالت کے ان ہتھکنڈوں اور خودغرضی کے غیر اسلامی خصائل سے عارضی اور وقتی دھوکا تو ہو سکتا ہے مگر حقیقت چھپی نہیں رہتی۔ باطل کا پردہ جلد فاش ہو جاتا ہے اور رحمت الٰہی اور نصرۃ سے محرومی کے سبب نافرمان کا انجام ہمیشہ ناکامی ہوتا ہے اسی لئے اسلام نے ان سب بدخصائل کو حرام قرار دیا ہے مگر موجودہ سیاست تو ان سب برائیوں کا مجموعہ ہے۔ سیاسی راہنما اور کئی علماء بھی ان مذموم افعال میں ملوث ہیں اور وہ ان حرکات کو برائی نہیں سمجھتے ہیں۔

مذہبی تعصب کا کوئی جواز نہیں ہے

مسلمانوں میں تفسیر، تعبیر، توضیح اور تدبیر میں اختلافِ رائے تو ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا ہے خواہ یہ دینی مسائل پر ہو یا سیاسی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے مگر اس سے قوم میں ایسی گروہ بندی کا جواز نہیں ہے جس سے ملک وملت میں انتشار پیدا ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے کئی امور میں اختلاف کے باوجود اور چاروں امام عالی مقام فقہی مسائل اور مسلک کے اختلاف کے باوجود دوسروں کے لئے احترام اور اکرام کے جذبہ سے سرشار تھے اور ملت میں ہرگز مذہبی تعصب کی فضا نہ پھیلاتے تھے وہ وحدتِ اسلامی کو پارہ پارہ نہیں کرتے تھے وہ امتِ محمدی کو جوڑتے تھے توڑتے نہیں تھے وہ اپنی جماعت کی برتری کا ڈھنڈورا نہ پیٹتے تھے، وہ دوسروں کی عیب جوئی اور طعنہ بازی نہ کرتے تھے، ان میں انانہ تھی، وہ بدگمانی نہیں پھیلاتے تھے اور نہ ہی تجسس اور غیبت کرتے تھے کیونکہ ان میں وسعت قلب، اعلیٰ ظرف، مصالحت اور ایثار کا اعلیٰ جذبہ پایا جاتا تھا۔ اگر ہم اپنے مسلک کو عزیز رکھتے

ہیں تو ائمہ عظام کی طرح دوسروں کے مسالک کا بھی ضرور احترام کریں۔

یقیناً محتسبِ کائنات باز پرس کریں گے

دنیا کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ دین ہو یا سیاست ہمارا خدا ایک ہے رسول ایک ہے، کعبہ ایک، اصول وارکانِ دین ونماز، روزہ، حج زکوٰۃ ایک، مقصودِ زندگی ایک، اللہ کی رضا اور اطاعت، منزلِ آخرت ایک، منزل ایک، ملت ایک، اُمت ایک۔

پاکستان ہو یا عرب ممالک مسلمانوں میں انتشار کیوں ہو؟ کیا ہم نے اس عظیم وحدت کی نسبت کو نظر انداز کر دیا ہے؟ اور مقصود ومنزل کو ترک کر دیا ہے کیا اسلام نے چودہ سو سال قبل رنگ، نسل، زبان، قوم یا جماعت کی برتری اور وطن، صوبہ یا ملک کی تمیز وتفریق کو ختم نہ کر دیا تھا؟ لازم ہے کہ ہم اللہ کو محتسبِ کائنات سمجھیں اور اپنے اعمال اور کردار کا احتساب کریں۔ ہم جلد ہی اللہ کے دربار میں پیش ہونے والے ہیں پھر ہم آقائے دوجہاں سلطان الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا جواب دیں گے؟

ہمارے رہنمایانِ اسلام کے علمبردار ہوں اور علمائے ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کی نفی کریں، رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضل ترین امت کے ٹکڑے ٹکڑے کریں۔ آخر کیوں؟ ارشاد رب العزت ہے:

○ "تم دنیا میں بہترین امت ہو جسے انسانوں کی ھدایت کے لئے لایا گیا ہے تاکہ تم نیکی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو اور اللہ پر ایمان رکھو۔" (آل عمران)

اسی لئے عام مسلمان کے ذہن میں اکثر یہ شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جن پر غور وفکر ضروری ہے۔

علماء فروعی اختلافات پر اکثر تقریریں کر کے یہ تاثر کیوں دیتے ہیں کہ اسلام میں کئی دین یا فرقے ہیں اور وہ مسلمانوں میں شدید تفرقہ اور تعصب کی فضا کیوں پھیلاتے ہیں۔ کیا ہندو مذہب کی طرح مسلمانوں میں بھی اچھوت ہیں؟ کیا ہم دنیا کے سامنے اسلام کو فرقوں کا مجموعہ اور مجسمہ کا تصور دے کر پیش کر سکتے ہیں؟ اس تفرقہ کو دیکھ کر کیا غیر مسلم اسلام میں داخل ہوں گے؟ پندرھویں صدی میں تو ہمیں کرۂ ارض پر امن کے لئے تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دینی ہے۔

اگر تمام دین پسند سیاسی جماعتیں اسلامی نظام کے قیام کی دل سے حامی ہیں اور ملکی مسائل کے حل کا کوئی ایسا پروگرام انہیں درپیش نہیں ہے جس کے بارے میں شدید اختلاف ہو تو پھر یہ جماعتی انتشار کیوں ہے؟

ہمارے بزرگ لیڈر صاحبان بانیٔ پاکستان کے نقشِ قدم پر چل کر پوری قوم کو ایک نیک اور متحد کیوں نہیں کر سکتے جب کہ ماسوائے چند کے سبھی کا نظریہ ایک ہے اور وہ سب نظریۂ اسلام اور نظریۂ پاکستان کے داعی اور حامی ہیں۔

کیا یہ بات مصدقہ نہیں ہے کہ پاکستان اور دنیائے اسلام میں لیڈروں کے خود پسند کردار اور ملت میں انتشار سے فتنے برپا ہوتے ہیں، ملکی استحکام کمزور ہوگا اور غیر مسلم ممالک میں ساکھ جاتی رہے گی؟ آخر ہمارے رہنما کفار کے پیدا کردہ سنگین خطرات سے غافل اور بے پرواہ کیوں ہیں؟

یہ حقیقت ہے کہ ہم میں اکثر صرف زبان سے ہی ایمان لائے ہیں اور ایمان ہمارے دلوں میں نہیں اُترا ہے۔ اگر اسلام

اور اسلامی اقدار کی محبت غالب ہے اور رضائے الٰہی اور آخرت کی منزل سے ہم منحرف نہیں ہوئے تو فروعی، دینی اور سیاسی اختلافات کی کوئی اہمیت نہیں ہے جیسے کہ سورج کی چمک دمک میں ستاروں کی روشنی ماند ہے اگر ہم دین میں مخلص ہیں تو لازماً ہم اتحاد و اتفاق کے حامل ہوں گے۔ اگر ہم اسلامی نصب العین اور منزل آخرت کو ترک کر چکے ہیں جو مسلمان کے ایمان کی شرط اولین ہے اور ذاتی و جماعتی مفاد اور اقتدار پرست ہیں تو یہ انتشار رہے گا اور ملک و قوم دردناک انجام سے ہمکنار ہوگی۔ خدا نخواستہ۔

مسلمان ہمارا حریف نہیں ہے

سیاسی پارٹی کا مقصود حصول حکومت ہوتا ہے جس کے لئے موجودہ دور میں ہر قسم کے جائز اور ناجائز حربے استعمال کئے جاتے ہیں اور دوسری پارٹیوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے جب سے علماء اور دیندار صاحبان نے سیاسی پارٹیوں کی تشکیل کی ہے وہ بھی حصول اقتدار کے لئے مغرب کے نقش قدم پر چل کر دوسرے راہنما اور علماء کے یا ان کے عقیدہ اور مسلک کے خلاف جذبات ابھارتے ہیں اور اپنی دینی برتری کا اظہار کرتے ہیں جس سے دین میں تفرقہ بڑھتا ہے اور فرقہ بازی کو فروغ ملتا ہے۔ آخر دین اسلام میں تفرقہ بازی سے مسلمانوں میں اتحاد کیسے ہوگا؟ اولیاء اللہ ہرگز برتری نہیں جتلاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کا ثبوت اس کی مخلوق کو ایک اور نیک بنانے میں ہے۔ امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ثبوت ان کی اُمت کو جوڑنے میں ہے۔ آپ کی اُمت کو جوڑنے کا نام اسلام ہے۔ امت کو توڑنا اور پھاڑنا نفاق اور شقاق پھیلانا تو کافرانہ فعل ہے۔

ہمارا حریف تو کافر اور کمیونسٹ ہے جو ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹانا چاہتا ہے وہ کبھی دوست کے روپ میں اور کبھی دشمن بن کر، کبھی چور اور کبھی ڈاکو بن کر غیر ممالک میں گھس جاتا ہے اور وہاں کے مذہب و تہذیب اور تمدن کو نیست و نابود کر دیتا ہے ہمارا حریف مسلمان نہیں ہے جو کسی مسلک سے تعلق رکھتا ہو یا سیدھا سادہ مسلمان ہے ہمارا محاذ تو "ظالم غیر مسلم" کے خلاف ہے نہ کہ دین پسند مسلمان کے خلاف۔ ہم ذرا غور کریں کیا ہماری نظر و فکر اور عمل اس جاہل کی طرح ہے جو دوسروں سے عداوت کے سبب اسی کشتی میں سوراخ کرے جس میں وہ خود سوار ہے کیا وہ خود بچ جائے گا؟

مسلمانوں میں تفرقہ عذاب الٰہی ہے

قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے مسلمانوں کو اتحاد کا حکم دیا ہے اور ارشاد ربّی ہے کہ سلطان الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا اتحاد اور محبت اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام اور احسان ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں میں پارٹی بازی محاذ آرائی اور انتشار اس دنیا میں عذاب الٰہی ہے۔ قرآن کی رُو سے کفار اپنے کفر اور افتراق کے سبب آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے مسلمانوں میں تفرقہ بھی اسی طرح خطرناک ہے جس کا انجام دُنیا میں رسوائی اور بربادی ہو سکتا ہے۔ کیا ہم کرۂ ارض پر جنون جنگ اور ایٹمی آگ کے شعلوں اور تباہیوں سے واقف نہیں ہیں؟ ارشادِ رب العزت ہے:

"اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے (یعنی آسمان سے)، یا زمین میں سے بھیجیں یا تم کو پارٹیوں میں بانٹ

دیں اور ایک دوسرے سے لڑادیں۔" (الانعام)

"اور سب کے سب مل کر (یعنی اُمّتِ واحد بن کر) اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط پکڑلو اور ملت میں انتشار پیدا نہ کرو۔"

"اور اللہ کے انعام کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں کو محبت سے جوڑ دیا پس تم اللہ کے انعام سے بھائی بھائی یعنی واحد اُمّت بن گئے۔ اور تم لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے پس اللہ نے تمہیں بچالیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے احکام واضح کرتے ہیں تاکہ تم راہ ھدایت پاؤ۔" (آل عمران)

تفرقہ بازوں کا منہ کالا ہوگا

اللہ تعالیٰ نے علماء کی جماعت اور مبلغوں کو خصوصی طور پر مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ وہ واضح احکام اور ھدایت پہنچنے کے بعد تفرقہ اور اختلافات میں مبتلا نہ ہوں۔ تفرقہ کفار کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے بعد انتشار کو کافرانہ فعل قرار دیا ہے اور قیامت کے روز ایسے لوگوں کا منہ کالا ہوگا اور وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے ہم غور وفکر کریں کیا اس دنیا میں اور آخرت میں ہم عذاب کے متحمل ہوسکتے ہیں؟ پھر کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، کوئی فرد ہو یا جماعت کسی کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب اُمّت کو پارہ پارہ کرنے کا ہرگز جواز نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور تم میں ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بُلائے، نیک کاموں کا حکم دے اور بُرائیوں سے روکے اور ایسے ہی لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔" (آل عمران)

"اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو واضح احکام ملنے کے باوجود فرقوں میں بٹ گئے اور آپس میں انتشار پیدا کرلیا اور جو لوگ یہ تفرقہ بازی کریں گے ان کو عذابِ عظیم ہوگا۔" (آل عمران)

"اس روز کچھ لوگوں کے چہرے نورانی ہوں گے اور کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے پس جن کے منہ کالے ہوں گے (ان سے کہا جائیگا) کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کافرانہ فعل اختیار کیا تھا پس تم اس کفرانِ نعمت کے سبب عذاب چکھو۔ (آل عمران)

تفرقہ بازی مشرکوں کا فعل ہے

مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا اور جماعتوں میں بٹنا شرک کی طرح مذموم فعل ہے ہم مسلمان کہلائیں ہمارے اعمال مشرکوں کی طرح ہوں اور ہم اسے خدمتِ دین سمجھیں اس سے بڑی نافرمانی کیا ہوگی! ارشاد ربانی ہے:

"اللہ کی طرف رجوع کرو اس سے ڈرو، نماز کی پابندی کرو اور تم مشرکوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور پارٹیوں میں بٹ گئے اور ہر جماعت اپنے طریقہ پر خوش ہو رہی ہے۔ (الروم)

"یقیناً جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور جماعتوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" (الانعام)

اتحاد خاتم الانبیاء کا ورثہ ہے

مسلمانوں میں اتحاد تو خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ہے جس کی قدر وقیمت از روئے قرآن حکیم تمام دُنیا کی دولت سے بھی زیادہ ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

باقی ص ۱۴ پر

محمود الازہار ندوی

اسلامی تشخص برقرار رکھنے میں دینی مدارس کا کردار

مسلم قوم اس کرۂ ارض پر چودہ سو سال سے جادواں ہے۔ اس کے سفر کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں ہوا اور طاقت و توانائی خلفاءِ راشدین، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، علمائے کرام، مصلحینِ اُمت اور صوفیائے عظام سے حاصل ہوتی رہی۔ جب پرچم اسلام کو بنو اُمیہ نے اپنے ہاتھوں میں لیا تو انہوں نے اسکوچین اور اسپین تک لہرایا۔ فرانس (کوہ پارنیز) کی سرحدوں کو عبور کیا۔ کرۂ ارض کے مکینوں کو حیاتِ نَو کا پیغام دیا اور علوم و فنون کی سرپرستی کی اور خلفائے بنو اُمیہ کا اسپینی دور علمی و سیاسی دونوں اعتبار سے زرّیں عہد کہلایا۔ جب یہ شمع فروزاں بنو عباس کے ہاتھ میں آئی تو علوم و فنون کو جلا ملی، نئی نئی ایجادات ہوئیں، جدید اصول مرتب ہوئے تجربہ گاہیں اور رصد گاہیں تعمیر ہوئیں۔ بیت الحکمت کی بنیاد پڑی، دارالترجمہ قائم ہوا اور جو علوم و فنون سربستہ راز تھے اور جسے عیسائی دنیا گمراہی اور ضلالت کا پلندہ تصور کرتی تھی اسے مسلمانوں نے نسخۂ کیمیاء بنا کر پیش کیا جس سے خود عیسائیوں نے استفادہ کیا۔ بنو عباس نے اپنے دَورِ عروج میں خود علمی، دینی، تمدنی اور ثقافتی ہر میدان میں دُنیا کی رہنمائی کی اور دورِ زوال جس میں طاقت و قوت کے محور ترک دیالمہ اور سلجوقی ترک بن گئے تھے شمع کو روشن رکھا، علوم و فنون کو عام کیا دینی احساس کو بیدار کیا۔ خاص طور سے ساحقہ، ملک شاہ سلجوقی اور اس کا وزیر نظام الملک طوسی اس میدان میں فائق اور عظیم صلاحیتوں کے مالک ثابت ہوئے۔ علم کی شمع روشن رکھنے کے لئے درس گاہیں بنوائیں، فضلاء اور ماہرین کے لئے مسندِ درس قائم کیا، طلبہ کے لئے جدید طرز کی سہولتیں قیام و طعام فراہم کئے۔ ان کے لئے وظائف مقرر کر دیئے اور مدارس کا جال بچھا دیا۔

الحاکم بامر اللہ نے سب سے پہلا مدرسہ قائم کیا پھر استاذ ابو بکر فورک کے لئے نیشاپور میں ایک مدرسہ تعمیر ہوا اور دوسرا مدرسہ بیہقیہ کے نام سے تعمیر ہوا جس کے مدرسِ اعظم ابوالقاسم اسفرائنی تھے اور اس میں امام الحرمین امام غزالی کے استاذ اپنے والد کے انتقال کے بعد داخل ہوئے۔ محمود غزنوی نے دارالسلطنت غزنین میں مدرسہ قائم کیا اور فتوحاتِ ہند کا ایک قیمتی حصہ اس پر صرف کر دیا۔ جاگیریں وقف کیں غزنوی کے بھائی امیر نصر بن سبکتگین نے بھی نیشاپور میں مدرسہ بنایا جس کا نام سعیدیہ رکھا اس کے بعد ہی نظام الملک نے مدارس کا جال بچھایا اور انہیں نظامیہ بغداد کے ماتحت رکھا۔ ابو النصر صباغ، صاحب الشامل والکامل شیخ جمال الدین شیرازی، علی بن مظفر، امام عبداللہ الحسین طبری اور قاضی ابو محمد شیرازی، امام ابو حامد غزالی اور ان کے چھوٹے بھائی احمد غزالی جیسے حکماءِ اسلام اور ماہرین اس مدرسہ میں تدریس کے فرائض پر فائز رہے۔ اس کے ماتحت نظامیہ

کا ایک طویل جال بچھایا گیا۔ نیشاپور، اصفہان، مرو، خوزستان، موصل، جزیرہ ابن عمر، آمُل، بصرہ، ہرات، بلخ اور طوس قابلِ ذکر ہیں جس میں ابوالمعالی امام الحرمین ابوحامد غزالی، ابوالمعالی نیشاپوری وغیرہ مسندِ درس پر سرفراز ہوئے جامعہ ازہر کی تعمیر ہوئی، جامعہ قیروان کی اساس پڑی، جامعہ زیتونہ نے نہ مٹنے والے نقوش ثبت کئے۔ ان میں تفسیر حدیث فقہ ادب، طب، فلسفہ، کیمیا، علمِ نجوم ریاضی اور جغرافیہ کی تعلیم ہوتی تھی مگر صلیبی حملوں نے اس تسلسل کو ناقابلِ ذکر نقصان پہنچا دیا اور ان مدارس کا رُخ مغرب میں ترکی اور مشرق میں برصغیر کی طرف ہوا اور اس میں ملوک، خلجی، تغلق، پٹھان اور مغلوں نے ایک جوش و ولولہ اور حمیت دی اور علوم و فنون کی آبیاری کی۔ ان مدارس کی سرپرستی سیاسی تفوق رکھنے والے افراد کرتے تھے۔ مگر جب مسلمان سیاسی طور پر کمزور ہوئے تو یہ نظام اُن اللہ کے مخلص بندوں کے ہاتھ میں آیا جنہوں نے اس کی سرپرستی علمی اور مالی دونوں طرح سے کی اور دینی مدارس کے نظام کی داغ بیل ڈالی اور نہ ختم ہونیوالا سلسلہ قائم کیا۔ دینی تعلیم کا رواج ہوا، زبان کو استحکام حاصل ہوا اسلامی ثقافت و دین کی حفاظت کرنے میں بڑی مدد ملی اور یہ بات مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مدارس کا نظام غیر مربوط اور ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں رہا وہاں کے مسلمان کو اپنا تشخص برقرار رکھنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا بلکہ وہ اپنی انفرادیت کے احساس تک کو کھو بیٹھے اور اسطرح کے حالات جنوب مشرقی ایشیاء کے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔

ان مدارس اور درسگاہوں نے مسلمانوں کے نشوونما اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے اور قوم کو طاقت و توانائی دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور جب تک ان مدارس کو طاقت و توانائی ملتی رہے گی اور یہ پودا برگ و بار لاتا رہے گا مسلمانوں کو اپنا تشخص اور اپنی سالمیت برقرار رکھنے میں مدد ملے گی اور ان مدارس ہی کے استحکام میں ان کا وجود تشخص اور سالمیت مضمر ہے۔

؎ خودی میں ڈوب جا غافل یہ سرِ زندگانی ہے نکل کر حلقۂ شام و سحر سے جاوداں ہو جا۔

(نقیب الہند)

ابوالکلام آزاد

کیا اُن کو اس آگ کے شعلوں کا ڈر ہے، جو دجّال کی حکومت اپنے ساتھ سلگاتی آئی ہے؟

لیکن کیا ان کو معلوم نہیں کہ ان کا مورثِ اعلیٰ کون تھا ــــــ؟

دین حنیف کے اوّلین داعی نے بابل کی ایک ایسی ہی سرکش حکومت کے مقابلے میں خدا کی حکومت کو ترجیح دی اور اسے آگ میں ڈالنے کے لئے شعلے بھڑکائے گئے!!

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

عربی مدارس کے طلبہ کے لئے

جامعۃ الرشاد کے طلبہ کے سامنے کی گئی تقریر کا خلاصہ

میرے عزیز طالب علموں!

ایک بات خوب ذہن نشین کرلو کہ اسوقت جدید تعلیم حاصل کرنے کے لئے جتنی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں اتنی اس سے پہلے نہیں تھیں اسوقت ہندوپاک کی کوئی بستی ایسی نہیں جس کے قریب کوئی ہائی سکول یا کالج موجود نہ ہو۔ تمہارے والدین غریب ہیں۔ جب بھی وہ چاہتے تو تم کو ان درسگاہوں میں بھیج کر کھانے کمانے کے بقدر تعلیم تو دلا ہی سکتے تھے مگر انہوں نے اس سہولت سے فائدہ نہ اٹھا کر تم کو گھر سے اتنی دور تعلیم کے لئے بھیجا ہے اس تعلیم سے ان کو توقع نہ ہوگی کہ ہمارا لڑکا اس کی تکمیل کرکے کسی بڑے عہدہ پر پہنچ جائے گا بلکہ ان کا جذبہ صرف یہ ہوگا کہ ہمارا بچہ دینی تعلیم اور حسن سیرت سے آراستہ ہو جائے۔ اس صورت میں تم سوچو کہ اگر تم نے ان کی توقع پوری نہ کی تو ان کو کتنی مایوسی ہوگی اور کتنی شرمندگی ہوگی۔ کتنے لوگ ان پر طعن و تعریض کا جو کسیں گے کہ فلاں کا بیٹا نہ دین کا ہوا نہ دُنیا کا۔ اس لئے تم طالب علم طالب دنیا بن کر ان درسگاہوں میں نہ رہو بلکہ طالب آخرت بن کر رہو۔ اگر تم طالب دنیا بن کر دین کی تعلیم حاصل کروگے تو ممکن ہے کہ تم کو کچھ عارضی دنیاوی وجاہت حاصل ہو جائے مگر اس سے نہ تمہارے والدین کی توقع پُوری ہوگی اور نہ قوم وملت کی اور نہ علم دین کا حق ادا ہو سکے گا اور نہ تمہارا علم علم نافع بن سکے گا۔ اتنا سب نقصان کرکے اگر تم کو تھوڑی سی راحت مل گئی تو تم میں اور اسکول وکالج میں پڑھنے والے طلبہ میں کیا فرق ہوگا۔

عزیز طلبہ! یہ بات بھی یاد رکھو کہ تم نے جو راہ اختیار کی ہے وہ عیش وعشرت اور دنیاوی عزت وجاہت کی راہ نہیں ہے بلکہ اس راستہ پر چل کر تمہیں اس دنیا کی زندگی میں کھونا زیادہ اور پانا کم ہے۔ یہ انبیاء علیہ السلام کی راہ ہے جس راہ میں پھول نہیں بلکہ قدم قدم پر کانٹے روڑے اور پتھر ملیں گے۔ اس لئے میں عرض کئے دیتا ہوں کہ جن کے قلب وجگر میں ان شدائد کے سامنے کی طاقت نہ ہو وہ ابھی سے اپنی راہ بدل لیں ورنہ وہ آگے چل کر اپنے آپ کو ایک عجیب مخمصہ میں پائیں گے اس راہ میں چلنے کے لئے تو جان و دل کھو دینا ہوگا۔

وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

یہ بات میں نے اس لئے عرض کر دی کہ تم اگر بے جا توقعات اور امیدوں کے ساتھ اس راہ کو اختیار کروگے تو اپنے لئے بھی غیر مفید ہوگے اور ملت کے لئے بھی ایک بوجھ بنوگے یا پھر کافی عمر گنوانے کے بعد تم کو اسکول وکالج یا کسی یونیورسٹی

کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا اور اس دروازہ میں داخل ہونے کے لئے ممکن ہے کہ تم کو دین و اخلاق کو بھی بالائے طاق رکھ دینا پڑے گا جیسا کہ عام طور پر دیکھا جا رہا ہے اس لئے اپنے عزم و ارادہ کا جائزہ لے لو۔ اپنے اندر اس تعلیم کا اہل ہونا پاتے ہو تو اپنے دل و دماغ کی پوری یکسوئی کے ساتھ اس میں لگ جاؤ۔ انتشار ذہن کے ساتھ کوئی کام انجام نہیں پا سکتا۔ زیادہ تر طلبہ اسی انتشار ذہن کی بناء پر ناکام ہوتے ہیں تم رزق کی طرف سے بے پرواہ رہو جو علیم و خبیر کیڑوں مکوڑوں کو پالتا ہے اور جانوروں کو رزق دیتا ہے وہ تم کو ضائع نہ کرے گا۔ تمہارے لئے تو اس نے رزقِ عام اور رزقِ مقسوم کے ساتھ ایک رزق موعود کا بھی وعدہ کیا ہے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب۔ (الطلاق)

ترجمہ: جو پرہیزگاری اختیار کرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ پیدا کر دے گا اور ایسی جگہ اور ایسے طریقہ سے رزق دے گا جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔

تم قومی ملکیت ہو! قومی ملکیت کا تصور معاشیات میں بڑی حد تک غیر اسلامی ہے مگر تمہارے بارے میں یہ تصور بالکل صحیح ہے کہ تم قومی ملکیت ہو، تم قوم و ملت کی امانت ہو۔ ہم نے قوم سے یہ کہہ کر چندہ لیا ہے کہ ہم علمِ دین کے خادم اللہ کے سپاہی اور داعی پیدا کر رہے ہیں۔ ہم جدید تعلیم پانے والے طلبہ کے لئے کوئی سہولت پیدا نہیں کرتے وہ سب کچھ خود کرتے ہیں یا ان کے والدین کرتے ہیں، وہ کھانے پر خرچ کرتے ہیں تعلیمی فیس ادا کر کے پڑھتے ہیں۔ مگر ہر مدرسہ میں عربی طلبہ وحفاظ کے رہنے سہنے کھانے پینے کے ساتھ ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ تم دین اور قوم و ملت کی خدمت کے لئے تیار ہو رہے ہو۔ اس لئے قوم کا غریب سے غریب فرد بھی تم کو راحت پہنچانے میں حصہ لیتا ہے تم بتاؤ کہ وہ تم کو قومی ملکیت سمجھنے میں حق بجانب ہیں یا نہیں؟

تمہارے قومی ملکیت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا علم تمہاری صلاحیت اور تمہارے دل و دماغ کی ساری قوت تمہاری اپنی ذات سے زیادہ خاندان کے لئے، بستی کے لئے، دین و ملت کے لئے مفید ہونی چاہئے۔ اگر تمہاری یہ تعلیم تمہاری ذات کے لئے کچھ مفید ہو گئی مگر دین و ملت کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا تو سمجھو کہ تعلیم دین کا مقصد فوت ہو گیا اور مدرسہ کی تعلیم اور اسکول و کالج کی تعلیم میں کوئی فرق نہیں رہا۔ یاد رکھو!

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

عقیدت بحضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

عشق ہے مردِ مجاہد کے لئے رُوحِ حیات — علم بے عشق کی اسلام میں قیمت کیا ہے
عشق کا مرکز تکمیل وفا ہے دراصل — سید احمدؒ کی زمانہ میں شہادت کیا ہے

— انور صابری

نامے میرے نام

بحمداللہ وبفضلہ تعالیٰ ملک بھر کے متعدد مدارس اور مختلف طبقات اور بعض علاقائی حلقوں سے جامعہ رشیدیہ کے نام، رشیدیہ کنونشن اور اس کے مقاصد حسنہ کے بارے میں تاثرات خیر مقدم اور ادعیہ صالحہ اور نیک تمناؤں کے بے شمار مکاتیب کے مراسلات مسلسل موصول ہو رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "رشیدیہ کی دعوت" پوری دیوبندی برادری کی دل آواز ہے ———

دیکھنا تحریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ یہ ہی میرے دل میں ہے

بالخصوص نوجوان طبقہ بے حد متاثر ہے اور اہل حق کے "جوڑ" کا بہت بے تاب اور شدت سے منتظر ہے۔ کسی فرد یا جماعت کو مایوسی نہیں، بلکہ اصحاب پرخلوص و پُرامید، اور رشیدیہ کنونشن کی تواریخ کے شائع و سالِ ہیں اکثر دینی جماعتوں کے راہنما نیک فال خیال کرتے ہیں۔ تفصیلات کی اشاعت ممکن نہیں۔ چند اہم اداروں کے نام درج ذیل ہیں:

- ناظم اعلیٰ سواد اعظم اہل سنت و تنظیم اہل سنت پاکستان
- صدر محترم و جنرل سیکرٹری مجلس تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان
- مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی ——— رحیم یار خان ——— (ترجمان علماء لدھیانہ)
- مولانا سعید الرحمٰن علوی مدیر خدام الدین لاہور
- مولانا فضل حق خطیب پشاور (سرحد
- مولانا محمد یونس جلال خطیب پونچھ ——— آزاد کشمیر
- سید محمد گوہر شاہ حقانی ——— دارالعلوم چارسدہ
- جناب ظفر اقبال سیال و مولانا عطاء اللہ رحمانی ——— ڈیرہ اسماعیل خان
- مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل ——— رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
- مولانا غلام مصطفےٰ بہاولپور ———
- علماء ضلع بہاولنگر ———
- جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان
- جامعۃ العلوم الاسلامیہ زرگری کوہاٹ
- گوجرانوالہ کی متعدد مختلف جماعتوں کی طرف سے خیر مقدم

وفیات

آہ! مفتی ضیاء الحسن لدھیانوی مرحوم و مغفور

علماء لدھیانہ، پنجاب کے مجاہدین کی جماعت کا نام ہے۔ ان مجاہد علماء لدھیانہ نے سب سے پہلے انگریز کے خلاف فتویٰ صادر کیا۔ علماء لدھیانہ کے اولیات میں متنبی، کذاب و مسیلمۂ پنجاب کی تکفیر کا فتویٰ سرفہرست ہے :

عالموں کا خاندان ہے لدھیانہ میں مقیم
فخر جن کا ہے حبیب اور ناز جن کا ہے نعیم

دینِ حق کو عام کرنا ان کا نصب العین ہے
مصطفیٰ کا نام نامی ان کے دل کا چین ہے

لرزہ براندام ہے ہر وقت ان سے قادیاں
یہ اُڑا دیتے ہیں ہر جھوٹے نبی کی دھجیاں

راہنمایانِ لدھیانہ میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ، حضرت مولانا مفتی محمد نعیمؒ کا خاندان معروف ہے۔ اس خاندان کے چشم و چراغ مفتی ضیاء الحسنؒ مقیم ساہیوال تھے ...... ؎ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا ....

مفتی ضیاء الحسنؒ فاضل دیوبند اور دینی و سماجی کارکن تھے۔ آپ نے متعدد اداروں اور مختلف مدارس کی سرپرستی فرمائی مدرسۃ البنات، محمودیہ ہائی سکول، جامعہ رشیدیہ کی راہنمائی فرمائی۔ آپ کی بصیرت و کارکردگی کے تمام حلقے معترف تھے۔

آپ نے استخلاصِ وطن، جنگِ آزادی میں حصہ لیتے ہوئے انگریز کے خلاف اقدامات کئے۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں راقم آثم، ناظم منٹگمری جیل سے ملتان تک ان کے ساتھ نظر بند رہا۔ انجمن فلاح مریضاں و اسیراں کے بھی سرپرست تھے۔ آخری ادواروں میں مارکیٹ کمیٹی ساہیوال کے صدر رہتے اور کاشتکاروں، مزارعین اور زمینداروں کے مسائل اور ان کے حل کرنے میں دلچسپی لیتے تھے۔ آخری ایام زکوٰۃ و عشر کمیٹیوں کے انتخابات میں بھی حصہ لیا۔ بہرحال آپ گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے۔

منٹگمری کو ساہیوال بنانے تک آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کی ذات سے ایک خلا پیدا ہو گیا ہے ؎ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں ..... ادارہ ہذا اور رشیدی خاندان علماء لدھیانہ مفتی صاحب کے پسماندگان، برادران سے تعزیت کرتے ہوئے اور مفتی صاحبؒ کے لئے قرآن خوانی، ایصالِ ثواب، ادعیۂ مغفرۃ کرتے ہوئے لدھیانوی خاندان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اللّٰھم اغفر لھم وارحمھم وادخلھم فی جنٰۃ النعیم فاضل رشیدی جالندھری

اخبار الجامعہ

جامعہ کے محسنین، معاون اصحاب، جماعتی احباب، مکتوبات کے ذریعہ استفسارات کرتے ہیں۔ خصوصاً جب سے ماہ ربیع الاوّل کے ایک بے ہنگم، مفسدین، مبتدعین کے جلوس نے بیرونی جامعہ رشیدیہ نمبر۲ پر حملہ کرکے مدرسہ کی عمارات کو نقصان پہنچانے اور طلباء کو زخمی کرنے کی ناپاک سعی کی تھی۔ فرداً فرداً جوابات کی بجائے رفقاء کی خدمت میں سلام تشکر کے ساتھ عرض ہے کہ

اصحاب و احباب مطمئن رہیں۔ بحمداللہ جامعہ میں سب اچھا۔ تعلیمات جاری، ششماہی امتحانات اختتام پذیر ہوگئے۔ باضابطہ حسبِ سابق تعلیمی و تبلیغی امور بطریق احسن سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ جملہ درجات اپنا کام نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ و طلبہ بعافیت ہیں۔ خود شیخ الحدیث مدظلہ کو نسبتاً افاقہ ہے۔ مدارس کے امتحانات لے رہے ہیں۔

راقم آثم خادم ناظم و مدیر الجامعہ نے سندھ کا تبلیغی دورہ کیا۔ اور گذشتہ ایام گوجرانوالہ، لاہور، اوکاڑہ میں تبلیغی اجتماعات میں تقاریر سیرۃ و مواعظ حسنہ بیانات کیے۔ بفضلہٖ تعالیٰ تبلیغی بیانات خوب کامیاب رہے ابھی ساہیوال ضلع کی پابندی ختم ہوئی تھی کہ اوکاڑہ میں ہمارے داخلہ پر پابندی عائد کر دی اور بعد میں گوجرانوالہ میں کوئی مقدمہ قائم کر دیا گیا...... بوقت تحریر ایک پولیس افسر نے ایک ایسے نوٹس کی تعمیل کرائی جس کا سرے سے وجود نہ دار دلیکن ناظم و مدیر الجامعہ کو بلا جواز پابند کیا گیا

؎ ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں چالان ــ وہ قتل بھی کرتے ہیں تو پرچہ نہیں ہوتا

یہ اور اس قسم کے واقعات اور مصائب و ابتلاء پیش آئے اور آتے رہیں گے۔ جب تک کہ ہم اپنے مشن پر قائم اور حق کے محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ رشیدیہ کنونشن پوری جماعت کے مسائل اور تنظیمی امور کے لئے طلب کی جارہی ہے۔ حضرات قارئین ہمارے لئے استقامت کی ادعیہ صالحہ جاری رکھیں۔ اور رشیدیہ کنونشن کو کامیاب بنانے کی مساعی میں ممد و معاون ہوں۔

عقیدۃً بحضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ

اپنے اسلاف کی میراثِ شجاعت کے لئے ــ منزلِ عشق میں جو خوف سے تھا بیگانہ
ہو گیا عشق کی معراجِ عمل پر قرباں ــ شمعِ آزادیٔ ملت کا وہی پروانہ

Phone 2356 — REGD. NO. 8054
MONTHLY AL-RASHID LAHORE PAKISTAN

بیادگار پیرجیؒ عبداللطیف قدس سرہٗ بانی مدرسہ ہٰذا

سالانہ جلسہ مدرسہ تجوید القرآن چیچہ وطنی

بلاک نمبر ۶

(درس پیرجیؒ) کا

بتاریخ ۷، ۸، ۹ اپریل ۱۹۸۳ء

زیر صدارت قطب دوران بقیۃ السلف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائپوری مدظلہ

حضرت مولانا **فاضل حبیب اللہ رشیدی** ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی فیصل آباد

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن ملتان

مشائخ عظام

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب ساہیوال

حضرت سید نفیس الحسینی صاحب لاہور

حضرت مولانا ابو معاویہ ابوذر بخاری ملتان

حضرت مولانا حکیم ولی محمد صاحب کمالیہ

حضرت مولانا عبدالوحید صاحب ... بان

جناب مولانا ... لیاقتی شیخوپورہ

جناب صوفی محمد حفیظ جالندھری

مقررین

حضرت مولانا علامہ محمد شریف صاحب کشمیری ملتان

مولانا فضل الرحمٰن احرار ... والی

مولانا عبدالرحیم نعمانی بوریوالا

مولانا ... احمد شاہ بخاری ...

مولانا عبداللطیف انور شاہکوٹ

قاری سید محمد حسن شاہ لاہور

علما مقررین

مولانا محمد سلیمان طارق جہانیاں

مولانا قاری عبدالحی عابد لاہور

مولانا حق نواز جھنگ

مولانا عبیدالرحمٰن ضیاء کمالیہ

مولانا کرم الٰہی فاروقی چیچہ وطنی

مولانا محمد رفیق جامی فیصل آباد

مولانا عبدالسلام حاصل پور

الداعی الی الخیر (پیرجی) عبدالعلیم رائپوری ○ ناظم مدرسہ تجوید القرآن چیچہ وطنی فون ۹۵۰

بادارت

فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند

مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ، ساہیوال پاکستان
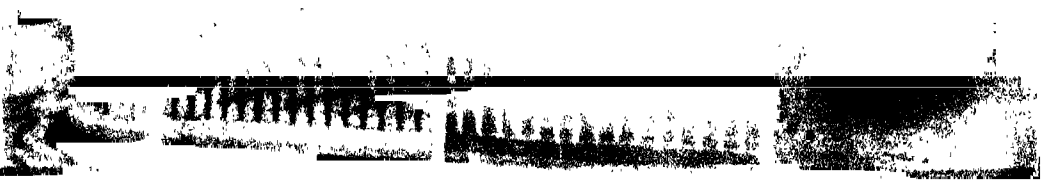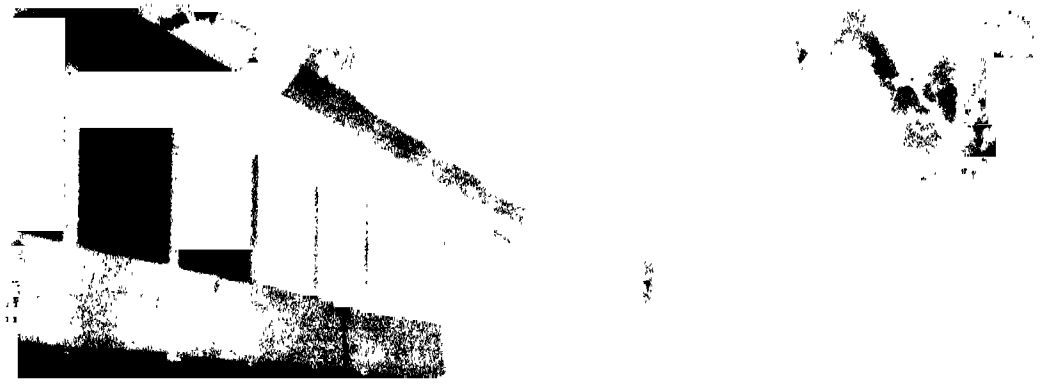
مؤتمر منجانب ابناءِ دارالعلوم و اخوانِ دیوبند

رشیدیہ کنونشن
ساہیوال

۲۰/ ۲۱ مئی ۱۹۸۲ء مطابق ۶-۷ شعبان ۱۴۰۲ھ

۲۰ مئی جمعہ — فضلاءِ رشیدیہ کا خصوصی اجلاس

۲۱ مئی ہفتہ — رشیدیہ کنونشن کا عام اجلاس

عنوانات ملیہ و مذاکرہ دیوبندیہ

① خطبۂ استقبالیہ، دعوتِ مواخاۃ، عملی اتحاد، وحدتِ عمل!

② دارالعلوم / جامعات، مدارس کے لئے وحدۃِ عمل کا ایسا وفاق کہ جملہ طلبہ کو اکابر کی مجاہدانہ روایات کا پابند بنایا جائے

③ مساجد و ادارہ جات کا تحفظ و استحکام اور ان کے مستقبل کا لائحہ عمل۔

④ دارالعلوم دیوبند کے سوا صد سالہ اجلاس پاکستان کے مواعید کی تعمیل و تکمیل

⑤ جملہ طبقاتِ دارالعلوم اور مختلف سلکتوں کے عملی اتحاد کے لئے ایسی قابلِ عمل تجاویز اور عملی نظام جو ادغام و تفہیم کے ذریعے اخوتِ دینی کی حامل و عامل ہوں اور افراط و تفریط سے پاک!

معذرۃ داعیانِ مؤتمر کی استدعا کہ مؤتمر ابناءِ دارالعلوم کو مناظرہ، مجادلہ، مخاصمہ، مشاجرہ کا موضوع نہ بنایا جائے گذشتہ را صلوٰۃ آئندہ را احتیاط کے اصول پر اختلافِ آراء کے باوجود عدمِ مخالفت پر تفکر و تدبر اور آخری فیصلے اور معاھدات تحریری طے کرلئے جاویں اور یہ بات نہایت اہم اور ضروری ہے کہ کسی طبقے یا حلقے کی دل آزاری، اشتعال انگیزی، تنقیص و تذلیل ہرگز نہ کی جائے۔ اُمید کہ جملہ حضرات اسکی تائید و توثیق فرمائیں گے۔

○ جمعیۃ الطلباء، مدارس و کالجز کی جملہ جماعتوں کے نمائندگان جمعہ کو تشریف لائیں گے اور جمعیتوں کے وفود کی آمد سے مطلع فرمائیں گے۔

الداعی الی الخیر **فاضل حبیب اللہ رشیدی** خادم و ناظم ابناءِ دارالعلوم و اخوانِ دیوبند

یادگار: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

[ماہنامہ]

الرشید

جلد ۱۱ — رجب ۱۴۰۳ھ

شمارہ ۷ — مئی ۱۹۸۳ء

مدیر اعلیٰ: فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر: عبد الرشید ارشد

بنظامت: (پیرجی) عبد العلیم رائپوری

خطاط: حزب اللہ خالد

مقام اشاعت: ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

پرنٹر: منہاج الدین اصلاحی
مطبع: حرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

آئینہ مضامین

فاضل حبیب اللہ رشیدی

راشدات

ادارہ

مؤتمر ابناءِ دار العلوم و اخوانِ دیوبند

بسلسلہ

رشیدیہ کنونشن

بارہ دیوبندی طبقات کے بعد چند ایک حلقے مزید علم و نظر میں آئے جن میں مجلس صیانۃ المسلمین اہم ترین ادارہ ہے۔ جس طرح تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی مرہون منت ہے صیانۃ المسلمین حکیم الامت مجدد ملت علماء دیوبند کے امام و مقتدا حضرت اقدس مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ اسرارہم و نور اللہ مرقدہم کی قائم کردہ اصلاحی و تبلیغی جماعت ہے۔ اس جماعت کے لئے حضرتِ اقدس تھانویؒ کا نام نامی کافی ضمانت ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ایشا کے برصغیر میں اصلاحِ اخلاق، سلوک و تصوف کا جو کام کیا ہے قریبی زمانہ میں اسکی مثال نہیں ملتی۔

ہم نے گذشتہ اشاعت میں حضرت تھانویؒ کے متعلق ص۳ پر آپ کو علماء دیوبند کے اوّلین مرشد اور ص۴ پر آخری مصلح بھی آپ کو ہی گردانا تھا اس لئے کہ آپ کو ہمارے اکابرین میں اعلیٰ و ارفع مقام حاصل تھا۔ حضرت تھانویؒ نے اس دور فتن و ضلالت میں ایسا تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت تھانویؒ نے جہاں سیکڑوں کتب مواعظ اشرفیہ ترتیب دیئے وہاں آپ نے باطنی اصلاح احوال کے لئے امت پر ایسا عظیم احسان کیا کہ عوام تو عوام علماء و مشائخ و اکابر حضرات آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہزاروں بندگان خدا مسلمانوں کی اصلاح ہوئی۔ عوام سے خواص زیادہ مستفیض ہوئے۔ اور پھر پوری اُمت کو حضرت کے مواعظ حسنہ سے جو نفع ہوا اس کے اثرات جاری و ساری ہیں۔
تفسیر بیان القرآن سے لیکر بہشتی زیور تک علماء، عوام مردوں، عورتوں کو برابر دینی رہنمائی حاصل ہوئی۔ آپ نے ہر مسئلہ پر علمی و عملی راہنمائی فرمائی۔ جزاھم اللہ و نفعنا اللہ بفیوضہ۔

ہمیں گذشتہ ایک شمارے (مارچ ۱۹۸۳ء) کے ایک مضمون بعنوان "آخری سفر دیوبند" کے دو تین فقروں کے بارے میں ہمارے ایک کرم فرما کے خط سے تنبہ ہوا کہ ہمیں ان فقروں کو سنسر کر دینا چاہیے تھا کہ وہ ہمارے مذاق و مشرب کے خلاف ہیں۔ ہم اس پر معذرت خواہ ہیں اور نادم ہیں!

بحمد اللہ ہم مخلص مسلمان ہیں اور ہمارے ہاں کسی قسم کا تعصب نہیں ہے۔ بلکہ اکابر کے احترام میں ہمارا خاندان اور ادارہ ہذا منفرد جامعہ ہے جس نے اکابر کے احترام اور مسلکی توازن کو شدّ و مد سے قائم رکھا ہے۔

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری حضرت شیخ الہند کے شاگردان رشید میں خصوصی تلمیذ اور مجاز تھے لیکن حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے بعد حضرت اقدس تھانویؒ کے ہاں خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون رمضان میں حاضری دیتے اور قیام کرتے۔ حضرت تھانویؒ کو جب ان کے تحفۃ فی الدین کا علم ہوا تو حیلۂ ناجزہ کا پورا مسوّدہ مدرسہ رشیدیہ رائپور ضلع جالندھر حضرت والد صاحبؒ کو تقریظ کے لئے بھجوایا۔ حیلۂ ناجزہ ملاحظہ فرمالیجئے۔ حضرتِ والد ماجدؒ نے اس پر اضافہ و تصدیق و تقریظ لکھی۔

ہمارے استاذ الخیر حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جالندھری، حضرتِ والد ماجد مفتی فقیر اللہؒ کے تلمیذ بحیر اور حضرت تھانویؒ کے اجلّہ خلفاء میں سے ہیں۔ ہمارے برادر اعظم حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ حضرت مولانا عبد القادر رائپوریؒ کے مرید و خلیفہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مجاز ہیں اس واسطے ہم اعتدال پسند ہیں اور راقم آثم حضرتِ شیخ و مرشد سید مدنیؒ کا تلمیذ و خادم ہے اور بیک وقت قاسمی رشیدی اشرفی و مدنی ہے۔ ؎ ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

راقم کے عرض کرنے کا مدعا و مقصد یہ ہے کہ ہم نے ہر فتنہ و اختلاف کے وقت اپنے بزرگوں کا دامن نہیں چھوڑا۔ اور کسی بزرگ کی بے ادبی و گستاخی و مخالفت تک نہ کی۔ نہ ہم پہلے کسی اختلافی دھڑے میں شامل ہوئے اور نہ اب کسی ایسی پارٹی میں داخل ہیں۔ ہم تمام دیوبندی طبقات کا احترام کرتے ہیں اور جملہ دیوبندیوں کے رضاکار اور خادم ہیں اور نہ ہم کسی ایک جماعت کے قائل ہیں۔ افسوس ہمارے طبقات مختلف اور حلقے متعدد ہو گئے اور نادانستہ بعض حضرات غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ ہم ایسی ہی غلط فہمیوں کو رفع کر کے دیوبندی حضرات کا جوڑ چاہتے ہیں وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

؎ افسوس کہ بعض حضرات، حضرت تھانویؒ کے مزاج احتیاط و تقویٰ کی حفظ حدود کی رعایت اور آپ کی سیاست کو پوری طرح سمجھ نہ سکے۔ اور شاید یہ امر غیر اختیاری ہو! اللہ ہم سب کو معاف فرمائے

○ **اِدارہ دعوت وارشاد ربوہ/چنیوٹ** حضرت مولانا الحاج منظور احمد چنیوٹی کو اللہ قادر قدیر نے لِکُلِّ فِرْعَوْنَ مُوْسٰی۔ قضیہ نا مرضیہ ربوہ کے فتنہ کے لئے چنیوٹ میں دعوت وارشاد کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ نے پاکستان اور بیرون ملک اس متنبی کذاب اور ارتداد کے فتنہ کے مقابلہ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ بحمداللہ اس محاذ پر خوب کام ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرمائیں۔

○ **جمعیۃ اہل السنۃ والجماعت** جمعیۃ اہل السنۃ والجماعت کے نام سے علماء دیوبند نے مختلف اضلاع و بلاد میں جمعیتیں قائم کر رکھی ہیں خصوصاً لاہور، گوجرانوالہ، اوکاڑہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ مقامی طور پر اہل بدعت کے مقابلہ پر اچھا کام کر رہی ہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ ان سب کو جوڑ دیا جائے۔ علیٰ ھٰذا البعض حضرات نے انفرادی طور پر اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں دینی مذہبی اصلاحی ادارے قائم کر رکھے ہیں جو اپنی جگہ انتم علیٰ خیر کے مستحق ہیں۔

○ .... مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہ

اب ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ وحدتِ اُمت اتحادِ ملت کے لئے کون صاحب، کون طبقہ، کس حلقہ سے سبقت علی الخیر کی دعوت اور آواز آتی ہے؟ جامعہ رشیدیہ باوجود اپنی تمام تر علمی کمزوریوں، عملی تقصیرات، بے بضاعتی اور برادر خورد ہوتے ہوئے اپنے حضراتِ اکابر، مشائخ، علماء، اُمراء، جمعیۃ، نظماء طبقات، کارکن جمعیات بزرگوں، نوجوانوں سے دست بستہ مستدعی ہے کہ خدارا ہم پر، اپنے اوپر، طبقاتِ دار العلوم اور حلقہ ہائے دیوبند پر رحم و کرم فرماتے ہوئے ہماری دعوتِ خالص اور ناتواں خدمت، مساعی ناتمام پر لبیک کہتے ہوئے رشیدیہ کونشن میں قدم رنجہ تشریف لا کر ہماری راہنمائی فرماویں اور حوصلہ افزائی فرماویں، ورنہ خطرہ ہے کہ ہم مر جائیں گے اور پھر

؎ ہماری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

؎ دست از طلب ندارم تا کام من بر آید ——— یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

آخر میں ہم یہ عرض کرتے ہوئے قارئین سے معذرت خواہ ہیں کہ ملک و ملت کے مختلف گوشوں سے آمدہ خطوط سے چند ایک کے حوالہ جات کافی و افی تصور فرمائیے:

○ ابناء دار العلوم واخوان دیوبند (از ہندوستان)
○ ناظم شعبۂ اسلامیات جامعہ ملیہ دہلی
○ ادعیہ و خیر مقدم علماء مظاہر العلوم سہارنپور (یو۔پی)
○ علماء و طلباء جمعیۃ مراد آباد (انڈیا)
○ جمعیۃ علماء مغل (آزاد کشمیر)
○ مدرسہ مظاہر العلوم حیدر آباد (سندھ)
○ علماء کوئٹہ و زعماء بلوچستان
○ بعض اصلاحی انجمنیں

○ متعدد اسلامی وعربی دینی مدارس ○ مختلف کالجوں کے طلباء اسلام
○ علماء سرگودھا ○ جمعیۃ اہلسنت اوکاڑہ ○ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ شیرگڑھ ضلع مردان
○ جامعہ ارشاد اعظم گڑھ (ہند)

بحمداللہ جامعہ رشیدیہ تحریری، تقریری محاذات پر اپنی تبلیغی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور ہر فتنۂ باطل کے مقابل صفِ آراء ہے؛ اور علماء دیوبند کی مجاہدانہ روایات کو قائم و دائم رکھے ہوئے ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے جامعہ رشیدیہ تعلیمات کے میدان دارالعلوم دیوبند کے نظامِ تعلیم اور وفاق المدارس العربیہ کے نصاب وسلیبس کے مطابق تدریسی کام کئے جارہا ہے۔ عملہ واساتذۂ رشیدیہ اور طلبۂ رشیدیہ خوب محنت سے کام کرتے ہیں جامعہ کا نظامِ تعلیم ہر طرح تسلی بخش اور قابلِ اطمینان ہے جیسا کہ معائنہ کنندگان کی آراء اور ممتحن حضرات کی رپورٹ سے ظاہر ہے۔ جس صاحب کو غلط فہمی ہو وہ خود تشریف لاکر معائنہ ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔ نیز جامعہ کا حساب کتاب آڈٹ رپورٹ چیک کرسکتے ہیں۔

بحمداللہ جامعہ کی محاسبی دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل بزرگ کی قیادت میں ہے اور عملہ وانتظامیہ رشیدیہ باوجود بعض مشکلات وموانعات کے تعلیم وتربیت کے مقدس جہاد میں مصروفِ عمل وعلم ہے۔

ہمارا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار خلوص، اخلاص اور توکل علی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نوازیں۔

جامعہ میں پاکستان کے جملہ حلقوں اور دور دراز کی آبادیوں کے علاوہ بیرون ممالک خصوصاً سعودیہ عربیہ انگلینڈ وغیرہ سے بھی طلبہ داخل حسنات ہوئے اور تحفیظ القرآن اور دیگر تعلیمات کے لئے آتے جاتے ہیں جن کی جملہ معاشی ضروریات خصوصاً طعام، قیام، ملبوسات، کتب، علاج معالجہ، ادویہ، نقد وظائف وغیرہ ادارہ ادا کرتا ہے۔

گذشتہ ایام میں انگلینڈ اور دارالعلوم دیوبند سے داخلہ کے خطوط آئے۔ ہماری بدقسمتی کہ انگلینڈ، عرب ممالک کے طلبہ کا داخلہ بلا تکلف ہوجاتا ہے لیکن دارالعلوم دیوبند اور مشرقی پاکستان کے طلبہ سے ہم معذرت خواہ ہیں کہ قانونی مشکلات اور آہنی دیواروں کے حائل ہونے کی وجہ سے ہم معذور اور طلباء مجبور ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے طلبہ سے گذارش کہ دارالعلوم دیوبند تو ایک بحرِ ذخار، ناپیدکنار اتھاہ سمندر ہے اور مظاہر العلوم، ندوہ وغیرہ علوم کے دریا ہیں۔ جامعہ رشیدیہ دارالعلوم دیوبند کی ایک نہر ہے جو فیضانِ دارالعلوم ہے ۔۔۔۔ اگر پاسپورٹ وغیرہ کی مشکلات نہ ہوتیں تو علی الرأس والعین ۔۔۔۔۔ ہم طلباء کی میزبانی، مہمانی خدمت کرتے اب تو زیارات ودعوات صالحہ کا سلسلہ رہ گیا ہے اگر تعلیمات کا سلسلہ جاری رہتا تو پاکستان سے ہزاروں طلبہ اپنی مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے علوم سے متمتع اور فیوضات سے مستفیض ہوتے۔

اس سلسلہ میں دارالعلوم کے صد سالہ اجلاس میں راقم کی معرفت طلبہ کے وفود نے حضرت مفتی محمودؒ سے رابطہ قائم کیا۔ مشرقی پاکستان کا وفد بھی ملا۔ انہوں نے تعلیمی داخلہ کے لئے اپنے جذبات کا اظہار کیا کہ ہم پاکستان کے مدارس میں داخلہ چاہتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے خود اپنی حکومت سے تذکرہ اور ہندوستان و مشرقی پاکستان کے طلبہ کو اپنی حکومتوں سے مراجعت کا راستہ بتایا لیکن ؎ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

طلبہ عربیہ اور دارالعلوم دیوبند کے داخلہ پر ایک شعر موزوں ذہن میں آیا۔

؎ وہ گھر میں آئیں ہمارے خدا کی قدرت ہے کبھی ہم ان کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔

جامعہ رشیدیہ کا گوشوارہ آمدن و مصارف ملاحظہ فرمائیں :

جامعہ کا یومیہ اوسط صرفہ روزانہ تین ہزار روپے سے زائد، ماہانہ نوے ہزار کے قریب اور سالانہ نو لاکھ سے متجاوز میزانیہ چل رہا ہے۔ ۱۴۰ من صرف گندم کا خرچہ، مزید برآں تعمیرات کا سلسلہ بھی جاری وساری رہتا ہے۔ آمدن محدود و معدود۔ توکل بر خدا۔ جامعہ کا کوئی سفیر یا محصل ندارد۔ جامعہ کو دیجانیوالی رقوم سے انکم ٹیکس معاف، جامعہ حکومت کا مسلمہ خیراتی ادارہ اور وفاق المدارس العربیہ کا رکن ہے۔ الرشید تبلیغی جریدہ ہے تجارتی مجلہ نہیں عطیہ ۲۰ روپے معمولی سالانہ زرمبادلہ ہے۔ الرشید کے خصوصی شمارے دارالعلوم دیوبند نمبر مدنی و اقبال نمبر۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند (اشاعت خاص) ہیں جو جامعہ سے دستیاب ہیں۔

گوشوارہ سالانہ آمدن اخراجات ادارہ ھذا
(ایک نظر)

ماہ	آمدن	خرچ	ماہ	آمدن	خرچ
رجب ۱۴۰۲ھ	۴۱۰۲۹-۳۰	۶۳۱۹۲-۷۸	محرم ۱۴۰۳ھ	۳۴۱۳۷-۶۵	۸۱۸۱۹-۴۴
شعبان	۷۳۰۱۴-۴۰	۸۶۱۵۶-۵۸	صفر	۳۲۴۷۳-۰۰	۱۱۳۳۸۰-۴۹
رمضان	۲۰۴۵۲۶-۳۵	۵۵۰۷۴-۶۶	ربیع ۱	۲۳۵۲۷-۵۰	۸۰۶۸۶-۰۲
شوال	۷۲۰۸۶-۸۰	۶۳۳۴۰-۹۴	ربیع ۲	۳۳۵۱۹-۵۰	۶۷۹۷۷-۸۸
ذیقعدہ	۳۷۶۵۸-۰۵	۱۰۰۰۶۹-۶۸	جمادی الاولیٰ	۲۰۶۳۸-۵۰	۶۰۹۸۲-۰۶
ذی الحجہ	۱۱۸۹۲۶-۹۵	۷۶۱۴۸-۶۳	جمادی الاخریٰ	۲۴۷۶۹-۱۰	۶۲۶۰۴-۱۶

میزان آمدن سالانہ : ۷۱۷۱۰۷-۸۰

〃 خرچہ سالانہ : ۹۱۱۵۳۳-۴۲

(نوٹ) جامعہ کا حساب و نظام رجب سے شروع ہوا تھا

اشارات

مولانا حبیب الرحمن قاسمی

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟

دارالعلوم دیوبند خاصانِ خدا کی دُعاءِ سحرگاہی کا ثمرہ، علماء حق کے جذبۂ ایثار و قربانی کا زندہ مظہر، مجاہدین اسلام کے جہد و اخلاص کی لازوال نشانی، علم و احسان کا حسین امتزاج، مسلمانانِ ہند کے حیاتِ ملی کی صراطِ مستقیم اور لامذہبیت کے اس دَور میں اسلامی تہذیب و اقدار کا امین و محافظ!

دارالعلوم دیوبند تاریخ اسلام کی اوّلین درسگاہ "صفہ" کی مجسّم یادگار اور عکسِ جمیل، جس کی بنیاد توکل علی اللہ اور خدا کے صالح بندوں کے مخیّر جذبات پر رکھی گئی۔ جس نے نہ کبھی کسی رئیس و نواب کے مراحم خسروانہ کی طرف نگاہ اُٹھائی اور نہ کسی حاکم و امیر کی داد و دہش کی پرواہ کی جس کا سراپا وجود اپنے ابناء اور فرزندوں کو اعتماد علی اللہ اور عرفانِ خودی کی تعلیم دیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند ہی برصغیر کی وہ واحد اسلامی چھاؤنی ہے جس نے اسلام کے خلاف اُٹھنے والے ہر فتنہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا خواہ وہ فتنہ آریہ سماج کی طرف سے اٹھایا گیا یا سدھی و سنگھٹن کے نام پر، چاہے وہ فتنہ قادیانیوں اور بہائیوں نے برپا کیا ہو یا رضاخانیوں اور مودودیوں نے اور چاہے وہ فتنہ سبائیت کی شکل میں نمودار ہوا ہو یا ناصبیت کی صورت میں۔

دارالعلوم دیوبند وہ تربیت گاہِ حریت ہے جس نے اسلامیانِ ہند کو "جمعیۃ علماء" جیسی اولوالعزم، باحوصلہ مُدبّر اور باشعور جماعت عطا کی جس نے برطانوی اقتدار کو اس وقت للکارا جبکہ اس کی قلمرو میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا اور وقت کی اس عظیم طاقت سے اسوقت اعلان جنگ کر دیا جبکہ برادرانِ وطن اس نو وارد آقا کی خوشنودی اور رضاجوئی کی تدبیروں میں مصروف تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ اس نے برطانوی سامراج کو بایں طاقت و شوکت نگنی کا ناچ نچا دیا اور اپنی جد و جہد اور قربانیوں کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ اس سفید فام سیاہ دل غاصب کے دست استبداد سے ملک عزیز کا ایک ایک چپہ آزاد نہیں کرا لیا اور آزادی کے بعد ملک و ملت کی تعمیر و ترقی کے سلسلے میں ایسے لازوال کارنامے انجام دیئے جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

۱۸۵۷ء کے سیاسی انقلاب کے بعد جب ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل تسلط ہو گیا اور قانون فطرت کے مطابق فاتح قوم کا اثر و نفوذ جسموں کی حد سے گذر کر مفتوح قوم کے دل و دماغ کو بھی مسخر کرنے لگا، اسلامی عقائد و اعمال اور ملی شعائر و علامات کی مستحکم دیواریں متزلزل ہونے لگیں اور قریب تھا کہ اسلام سرزمین ہند سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخت سفر

باندہ نے اس نازک ترین وقت میں اسلام کی حفاظت وصیانت کا اہم کارنامہ دارالعلوم دیوبند ہی نے انجام دیا۔ اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دارالعلوم کی مساعی جمیلہ سے اسلام کے اکھڑے ہوئے قدم ہندوستان میں پھر سے جم گئے۔

لاریب دارالعلوم دیوبند ہی وہ بابرکت اسلامی دانشگاہ ہے جو اس عہدِ بے بسی میں اسلامیٔ ہند کی حیاتِ ملی کے لئے ایک سہارا بن کر نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک کی فضا میں ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کردی اور سلطنتِ برطانیہ کی تمام ترسیسہ کاریوں کے باوجود اسلامی تعلیمات اور دینی عقائد واعمال کا پورے ملک میں ایک جال بچھا دیا۔

دوستو! یہ وہ ہے دارالعلوم جس کے فرزند اور نمائندہ ہونے کے شرف ومجد سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے مگر اس شرافت وکرامت کے ساتھ اپنی مادرِ علمی کے کچھ حقوق بھی ہمارے ذمہ عائد ہوتے ہیں جس کا انکار ناسپاسی اور جس سے انحراف بدقسمتی ہوگی۔

"مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند" کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ فضلاء دیوبند ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر منظم طور پر اپنی مادرِ علمی کے حقوق کی ادائیگی کے لئے جدوجہد کریں۔

خدائے بزرگ وبرتر کا عظیم احسان ہے کہ دو ڈھائی سال کی شدید کشمکش کے بعد دارالعلوم کی کشتی دراشت کے گرداب سے نکل کر ملت کے ساحل پر آگئی۔ اس سلسلے میں دیگر زعماء ملت، ہمدردانِ قوم اور محبانِ دارالعلوم کی طرح "مؤتمر ابناءِ قدیم" نے بھی اہم کردار ادا کیا اور اپنی بے لوث خدمات سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ مادرِ علمی دارالعلوم کی بقاء وتحفظ اور تعمیر وترقی کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کو اپنی سعادت اور نیک بختی سمجھتی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

لیکن اس حقیقت کو بھی ہمیں محسوس کرنا چاہیئے کہ ہمارا کام اس حد پر پہنچ کر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آج ماضی سے کہیں زیادہ ہماری جدوجہد اور ذمہ داریوں کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے۔ دارالعلوم اگرچہ اس شدید اور تاریکی بحران کی مہلک کھائیوں کو پار کرچکا ہے مگر اس طویل آویزش سے اس کے وقار، نظام کار اور مالیات کو جو شدید نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کے لئے ہمہ گیر جدوجہد کی ضرورت ہے۔

عالی مؤتمر کے صدر عالی قدر حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی انتھک تگ ودو اور مساعی جمیلہ سے دارالعلوم کے مالی خسارے کو دُور کرنے میں اہم ترین رول ادا کیا ہے اور مادرِ علمی کے وقار کی بحالی کے سلسلے میں بھی قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں جو یقیناً مؤتمر ابناءِ قدیم کے لئے باعثِ فخر ومباہات ہیں۔ مگر اپنے سربراہ اور قائد کی قوتِ عمل پر اعتماد اور بھروسہ کر کے بیٹھ رہنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ اس لئے اپنی جماعتی طاقت کو اضمحلال کی دلدل سے نکال کر فعال ومتحرک بنانے کے لئے ضروری ہے کہ مؤتمر کا ہر رکن گوشۂ عافیت کو چھوڑ کر میدانِ عمل میں نکل پڑے اور دارالعلوم کے ایک فرزند ہونے کی حیثیت سے اس کے سر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کی ہر امکانی کوشش کرے اور اپنے جوشِ عمل اور جذبۂ اخلاص وایثار سے دُنیا کو یہ باور کرا دیں کہ دارالعلوم

کے سچے بہی خواہ، مخلص وفادار اور صحیح محافظ ہم ہیں، نہ کہ حُبِّ جاہ و مال کے وہ متوالے جنہیں دارالعلوم کو اپنی خاندانی جاگیر اور آبائی وراثت کہتے ہوئے جھجک بھی محسوس نہ ہوئی۔

دارالعلوم کے وقار کی واپسی اور مالی خسارہ کی تلافی کے ساتھ اسوقت دارالعلوم کی سب سے بڑی اور اہم ترین خدمت یہ ہے کہ اسے پھر سے ان خطوط پر قائم کیا جائے جن پر اکابر دارالعلوم نے اس کی اساس و بنیاد رکھی تھی اور جن خطوط پر چل کر دارالعلوم نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہیؒ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ شاہجہانپوریؒ، حضرت مولانا احمد علی مفسر لاہوریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا سید فخر الدین مرادآبادیؒ وغیرہم جیسے نادرۂ روزگار علماء حق اور مجاہدین اسلام پیدا کئے۔

اس اہم خدمت کو سرانجام دینے کے لئے سب سے پہلے ہمیں دارالعلوم اور اس کے اکابر کی مکمل تاریخ اور سوانح کا ازسرِ نَو جائزہ لینا ہوگا اور نہایت دیدہ ریزی اور دماغ سوزی سے ان نقوش و خطوط کو متعین کرنا پڑے گا۔ اور پھر پوری ہوشمندی اور دلسوزی کے ساتھ دارالعلوم کو ان پر لانا ہوگا۔

یہ کام اگرچہ وقت طلب ہے اور طویل جد وجہد کا متقاضی ہے لیکن دارالعلوم کی اصل خدمت یہی ہے اور صحیح معنوں میں دارالعلوم کی نشأۃ ثانیہ اسی پر موقوف ہے۔ (بشکریہ القاسم دیوبند)

شعائر و علامات اہلسنت

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہر سامانہ (لدھیانہ) کے خطیب نے عید قرباں کے خطبہ میں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر مبارک چھوڑ دیا تو وہاں کے قاضی صاحبان و عمائدین کرام کو لکھا کہ:

"ذکر خلفائے راشدین اگرچہ شرائط خطبہ میں سے نہیں ہے لیکن پھر بھی شعائر و علاماتِ اہلسنت میں سے ہے۔ ان کا ذکر مبارک قصداً سرکشی کے ساتھ وہی شخص ترک کرے گا جس کا دل مریض اور باطن خبیث ہے۔" "اگر اس نے تعصب اور دشمنی کی بنا پر ان کے ناموں کو ترک نہیں کیا لیکن وہ حدیث مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْہُ "جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے" کا کیا جواب دے گا۔ (مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ مکتوب نمبر ۵ جلد ۲)

یہ راہ ملتی ہے شب کو تاروں سے اور ہدایت نبیؐ کے یاروں سے

سیر الصحابہؓ

صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام کی جسارت و دیانت

حضرت مولانا سید معظم علی شاہ صاحب مبلغ دار العلوم دیوبند

دریائے دجلہ کی وادی میں ایرانیوں اور مسلمانوں کی معرکہ آراء جنگ ہوتی ہے۔ چونکہ ایران کا دارالسلطنت "مدائن" دریا کے اُس پار نظروں کے سامنے ہے اس لئے مسلمانوں کے حوصلے بڑھے ہوئے ہیں۔ سارے ملک ایران کی تمام جنگوں کا فیصلہ ہے ایران والے بھی جان توڑ کوشش میں لگے ہوئے ہیں گھمسان کا رن پڑ رہا ہے کچھ ہی دیر میں جنگ کا نقشہ بدلتا ہوا دیکھ کر ایرانیوں کو جان بچانے کی فکر پڑ گئی۔ ایرانیوں کے سامنے مسلمان ہیں جن کے نیزوں کی بھالوں، تلواروں کی دھاروں سے کہیں امن نظر نہیں آتا اور پشت پر دریائے دجلہ کی موجیں نگل جانے کے لئے تیار ہیں۔ ایرانیوں نے مسلمانوں کے سامنے جھکنے سے اسکو آسان سمجھا کہ خود کو دریا کے حوالے کر دیں۔ جلدی جلدی کشتی، بیڑی، ڈونگے جو کچھ بھی میسر آیا انہیں تیار کر کے جتنے بھی اپنی جان بچا کر نکل سکتے تھے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمان تعاقب کناں دریا کے کنارے پہنچے اور ایرانی دریا کے اُس پار مدائن کی فصیل پر جا چڑھے اور لشکر اسلام کا تماشہ دیکھنے لگے۔

مسلمان سوار نیزوں کو تانے جبّوں کے دامن رانوں میں دبائے گھوڑوں کو سرپٹ ڈالے دشمن کے تعاقب میں تیزی کے ساتھ آ رہے تھے کہ سامنے کا راستہ دریائے دجلہ سے بند دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دم کے دم میں ساٹھ ہزار مسلم سواروں کے گھوڑے دریائے دجلہ کے کنارے پر صف بستہ نظر آنے لگے۔

اب اس منظر کو دیکھئے:

دارالسلطنت مدائن کی فصیل کے نیچے دریائے دجلہ اپنی تیزی اور طغیانی کیساتھ ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ اس کنارے ہزاروں مسلم سوار انگشت بدنداں، حیرت زدہ غصہ میں بھرے ہوئے اپنی ڈاڑھیاں چبا رہے ہیں کہ دشمن ہاتھ سے نکل گیا اور اپنے پاس دریا عبور کرنے کا سامان ندارد۔

مسلمانوں کے کمانڈر انچیف سپہ سالار لشکر اسلام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھوڑی دیر میں دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ نقشہ دیکھ کر انہیں اپنا خواب یاد آ گیا کہ مسلمان پا پیادہ دریائے دجلہ کو عبور کر رہے ہیں۔ سارے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

"دشمنوں نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے تم ان پر حملہ نہیں کر سکتے اور وہ جب چاہیں تم پر حملہ کر سکتے ہیں میری

راستہ تو یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ تم پر دنیا غالب آجائے اور اس میں ملوث ہونے سے تمہارے حالات بدل جائیں، صدق و اخلاص میں کمی آجائے اللہ کے واسطے کچھ کام کرلو، اور وہ کام یہ ہے کہ اللہ کے بھروسہ پر گھوڑوں کو دریا میں ڈال کر دریا کو اسی حالت میں عبور کرلیا جائے۔"

تمام کے تمام مسلح سواروں نے یک زبان ہوکر بطیب خاطر جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے عزم میں برکت دے ہم سب مطیع اور تیار ہیں۔ اس سوال و جواب کے بعد فوراً ہی دیکھنے والوں کی آنکھوں نے دیکھا کہ اسی سمندر کے نیچے دریائے دجلہ کی اٹھتی ہوئی موجوں اور زوروں کی طغیانی میں ساٹھ ہزار گھوڑے ایسی تیزی سے جا رہے تھے کہ جیسے خشک میدان میں دوڑتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور ہر مسلمان سوار کی زبان پر یہ کلماتِ دعائیہ جاری تھے اور سب کے سب بڑے اطمینان سے دریا عبور کر رہے تھے: نستعین باللہ و نتوکل علیہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ لینصرن اللہ ولیہ ولیظہرن دینہ ولیہزمن عدوہ ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لشکر اسلام کے دریا میں داخل ہونے سے ایرانی بڑے خوش ہوکر قہقہے لگانے لگے کہ عرب کے وحشی خشک ملک میں رہنے والے دریا کی موجوں کو کیا جانیں، جوش میں آکر دریا میں گھس تو گئے ہیں مگر ابھی سب کے سب ڈوب جائیں گے ہمارے ہرمز نے ہماری مدد کی ہے کہ ہمارے دشمن خود بخود ہی ہماری دیکھتی آنکھوں فنا ہو جائیں گے۔

لیکن جب یہ خدا پر بھروسہ کرنیوالا خدا کا لشکر جو اسی کا کلمہ بلند کرنے کے لئے گھروں سے کفن باندھ کر نکلا تھا دریا کو عبور کرتا ہوا فصیل کے قریب پہنچ گیا اور پہلے ہی دستہ کے نعرۂ تکبیر سے ایرانی محلات تھرانے لگے تو ایرانیوں کو ہوش آیا اپنے جان و مال کی فکر پڑی، بہت سے تو دیواں آمدند، دیواں آمدند پکارتے ہوئے سروں پر پیر رکھ کر دوڑے۔ اس جلدی میں جتنا جس سے ممکن ہوا اپنا مال و متاع لیکر شہر سے نکلنے کی کوشش میں لگ گیا۔ اور لشکر اسلام پورے کا پورا ایران کے دارالسلطنت میں بے روک ٹوک داخل ہوگیا۔ دشمن کے زن و مرد اسلام کی غلامی میں تھے اور مال و متاع بیت المال کا ذخیرہ تھا۔ مدائن جیسا شہر مسلمانوں کے لئے اجنبی تھا۔ گلی کوچے تو کیا سڑکوں تک سے یہ لوگ بے خبر تھے۔ پھر بھی جس کسی مسلمان کو جو کچھ ملتا تھا اس کو وہ اپنا نہیں سمجھتا تھا۔ اسلام کے مکمل قانون کی اطاعت کرتا تھا جس مسلمان کے ہاتھ جو مال آئے وہ لاکر ایک ہی متعین شخص کے پاس جمع کردے۔ ایسے شخص کو جس کے پاس مالِ غنیمت جمع کیا جاتا ہے صاحب اقباض کہتے ہیں۔

اسی افراتفری آپا دھاپی اور نفسا نفسی میں ایرانی جان و مال کو بچا کر بھاگ رہے تھے اور مسلمان مال غنیمت جمع کر رہے تھے جو مسلمان جس گلی کوچہ میں گھس گیا وہاں کے مال کا مالک ہوگیا مگر کیا ممکن کہ ایک حبہ کی بھی خیانت ہوئی ہو۔ رتی رتی مال صاحب اقباض کے پاس پہنچتا رہا۔ اسی سلسلہ میں دو چار مسلمان نہروان کے پل پر پہنچ گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ چند ایرانی ایک خچر کو جس پر دو صندوق لدے تھے دھکیلتے ہوئے لیجا رہے ہیں مسلمان اس طرف جو لپکے تو ایرانی عرب کے دیوؤں کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانوں نے خچر پر قبضہ کرلیا ان کا خیال تھا کہ ان صندوقوں میں کچھ قیمتی پارچات یا زیورات ہوں گے مگر صندوق کے کھولتے

ہی آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔ کسریٰ ایران کا وہ بیش قیمت بلکہ انمول تاج تھا جس پر تمام ملک ایران کی کئی سالہ کُل کی کُل آمدنی جمع کی گئی تھی جو کبھی کبھی عظیم الشان درباروں میں استعمال ہوتا تھا۔ یہ "تاج" ہے اور ان مسلمانوں میں سے کسی ایک کے دل میں بھی یہ خطرہ پیدا نہ ہوا کہ اس بیش قیمت تاج کو کہاں صاحب اقباض کے پاس لیجائیں، لاؤ آپس میں ہی تقسیم کریں نہیں! ایسا تو خطرہ بھی نہیں گذرا، اور وہ اس خچر کو اسی طرح لدا لدایا صاحب اقباض کے پاس لے گئے اور کسی قسم کا تصرف نہیں کیا۔

ایک دو دن میں ہی جبکہ مسلمان صبح کا فریضہ ادا کرنے کے لئے بیدار ہو رہے تھے ایک مسلمان نماز کی تیاری کے لئے اُٹھا اور قضائے حاجت کے خیال سے ایک باغ میں گھس گیا۔ صبح کا سپیدہ نمودار ہو چکا تھا مگر تارے چمک رہے تھے اور باغوں میں ابھی کافی اندھیرا تھا۔ اسی صبح کے اندھیرے میں مسلمان نے اس باغ میں ٹھوکر کھائی اور جس چیز کی ٹھوکر لگی تھی وہ ایک وزنی ڈبہ تھا۔ اس خدا سے ڈرنے والے مسلمان نے اُسے کھول کر بھی نہ دیکھا کہ اس میں کیا ہے؟ ادائے نماز سے پہلے ہی اسے بند کا بند لئے ہوئے صاحب اقباض کی خدمت میں پہنچا۔ صاحب اقباض نے اس کے سامنے ہی ڈبہ کو کھولا تو اس میں اس قسم کے جواہرات برآمد ہوئے جس کو دیکھ کر عملہ کے تمام لوگ کہنے لگے کہ اب تک مال غنیمت میں اس کے لگ بھگ مال نہیں آیا اور جتنا آیا ہے وہ سب مل کر بھی اس کے برابر نہیں ہے۔ صاحب اقباض نے اس مسلمان سے دریافت کیا کہ اس ڈبہ کے ملنے کے وقت اور بھی کوئی تھا اس نے کہا نہیں۔ پھر دریافت کیا کہ تم نے اس میں سے کچھ نکالا ہے تو قسم کھا کر کہا اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس ڈبہ کو تمہارے پاس تک نہ لاتا۔ نام دریافت کیا گیا تو کہا میں اپنا نام بھی نہیں بتاؤں گا تم خواہمخواہ میری تعریف کرو گے اور شہرت دو گے۔ میں صرف اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو یہ توفیق دی اسی سے ثواب کی اُمید رکھتا ہوں یہ کہہ کر وہ مسلمان چل دیا۔ صاحب اقباض نے آدمی بھیج کر پتہ لگوایا تو اسکا نام عامر بن قیس معلوم ہوا۔

صاحب اقباض نے جب امیر جیش حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سامنے مال غنیمت فراہم ہونے کی رپورٹ پیش کی تو اس میں عامر بن قیس کے ڈبہ لانے کا واقعہ بھی من وعن سُنایا۔ اس واقعہ کو سُننے کے بعد امیر عسکر نے فرمایا:

"خدا کی قسم یہ لشکر نہایت امانتدار ہے۔ اگر اہل بدر کی فضیلت ثابت نہ ہو چکی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ بھی انکے برابر ہیں۔"

ہم موجودہ مسلمانوں کے لئے اپنے اسلاف کے ان کارناموں میں کوئی عبرت کوئی سبق ہے کہ نہیں۔ ہم ان مسلمانوں کو غیبی امدادوں پر تعجب کرتے ہیں حیرت میں رہ جاتے ہیں کہ انہوں نے کیونکر طغیانی میں آئے ہوئے دریائے دجلہ کو عبور کر لیا۔ یثرب کے مٹھی بھر اور نہتے اور بھوکے وحشی کسریٰ جیسے باقاعدہ آہن پوش لشکر پر کس طرح فاتح ہو گئے؟ مگر ان حضرات کے کارناموں پر نظر نہیں ڈالتے کہ ان میں خدا کی خشیت، اللہ کا خوف اور خدا پر بھروسہ کا یقین کس درجہ پر تھا جبکہ وہ بڑے بڑے مال وجاہ پر نظر نہیں ڈالتے تھے۔ خدا کا کلمہ بلند کرنا، خدائی قانون کی پابندی کرنا جلوت اور خلوت میں ضرور سمجھتے تھے جبھی تو ہر موقع پر خدا کی مدد انہیں حاصل ہوتی تھی۔

(مخزن العلوم)

خاص برائے الرشید

اسلامی قانون اور اجتہاد

ڈاکٹر رشید الوحیدی، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

محترم المقام حضرت الحاج مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدی
السلام علیکم!
پاکستان میں اپنے حلقے "اکابر و فضلاءِ دارالعلوم دیوبند" کی سرگرمیوں کی اطلاع آپ کی محبت اور "الرشید" کی وساطت سے ملتی رہتی ہے۔ جزاکم اللہ۔ قریب ہی ہیں جو "وفاق المدارس" اور "ابناءِ قدیم" کی کانفرنس کر رہے ہیں اس کا بھی علم ہوا۔ خوشی ہوئی۔ کامیابی کے لئے دعا شروع کر دی ہے اتحادِ اُمت پر آپ کی توجہ اور کوشش مستحسن و مستحق مبارکباد ہے۔ دعا کر رہا ہوں دعا چاہتا ہوں۔

ایک مسئلہ ہے "نئے پیش آنے والے مسائل کا دینی حل تلاش کرنا"۔
دوسرا مسئلہ ہے "اس کام کا طریقہ" کام کرنیوالوں کی صلاحیت، اور یہ سوال کہ "کیا ماضی میں یہ کام ہوا ہے؟"
جو گروہ یا طبقہ پہلی بات کو محسوس کرتا ہے یعنی "نئے مسائل کا دینی حل تلاش کرنا" چاہیئے وہ اس حد تک تو حق بجانب ہے کہ ایک صحیح اور فطری بات کو محسوس کر رہا ہے اور وقتاً فوقتاً اس چیز کا تحریری یا زبانی اظہار اس کے دینی احساس کی نشاندہی کرتا ہے لیکن "کام کے طریقے" اور کام کرنیوالوں کی صلاحیت وغیرہ میں جب یہ طبقہ اسلاف کے بنائے ہوئے اصولوں کے مقابلے میں اپنے اصولوں کے مطابق ترمیم یا تبدیلی چاہتا ہے یا سلف صالحین پر جمود و تعطل کا الزام لگاتا ہے تو ایک طرف تو وہ اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے تو دوسری طرف فقہ کی تاریخی حقیقت سے انکار کرتا ہے اور لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔
اس لئے ہم اس طبقے کے اس احساس کی قدر کرتے ہوئے دوسرے دونوں مسئلوں پر کچھ گفتگو کریں گے کیونکہ بلاشبہ اسے یہ حق تو ہے کہ معاشرے کو پیش آنیوالے نئے نئے مسائل پر دینی حل کا مطالبہ کرے۔ اس سلسلے میں علماء کو متوجہ کرے لیکن جیسا معاملہ اس ذمہ داری کا آئے کہ یہ حل کون تلاش کرے، تو کسی اصرار و بے جا کے بغیر اس کام کے اہل لوگوں کے سپرد کر کے ان کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہیئے۔ رہ گیا طریقۂ کار اور اصول تو ظاہر ہے یہ دونوں چیزیں اہل

لوگوں کے دائرہ اختیار میں آجاتی ہیں۔

نئے مسائل اور دینی رہنمائی

پہلے ہم اس مسئلے کو لیتے ہیں کہ کیا پچھلے عہد میں یہ کام ہوتا رہا ہے؟ کیونکہ اگر یہی بات ثابت ہو جائے تو قانونِ اسلام اور علماء پر سے جمود و تعطل کا الزام خود بخود دور ہو جائے گا ــــــ اصولِ فقہ کا ایک مسلمہ قاعدہ ہے

فلابد من حدوث وقائع لا تكون منصوصاً على حكمها ولا يوجد للاولين فيها اجتهاد [1]

یہ بات ناگزیر ہے کہ ایسی نئی نئی صورتیں پیش آئیں جن کا صریحی حکم موجود نہ ہو اور نہ پہلے لوگوں نے ان میں اجتہاد کیا ہو۔

جب یہ صورت حال ضروری ہوئی تو کیسے ممکن ہے کہ موقع تا کے لحاظ سے نئی نئی پیش آنیوالی صورتوں کا حکم تلاش نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ تاریخِ فقہ کے عام مطالعے سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے اور کھل کر یہ چیز سامنے آجاتی ہے کہ فقہ کی شروع میں کیا نوعیت تھی اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کی صورت کیا ہوتی گئی۔ اور تب اگر یہ مانا جائے کہ فقہ کی تاریخ کا ڈھانچہ ہی "وقت و حالات کے مطابق مسائل کے حل" کی تاریخ ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

عہدِ اوّل

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد کو لیجئے۔ اس دور میں یوں بھی مسائل کی بہت زیادہ کثرت و پیچیدگی نہ تھی جو چند سوالات (غالباً بارہ یا تیرہ) صحابہ کرام کو دریافت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ وہ وہی تھے جو قرآنِ پاک میں بھی موجود ہیں۔ مسئلے کے حل یا قانون سازی کے کام میں وحی کے ذریعے آپ کی مدد ہو رہی تھی۔ جب کبھی آپ سے کوئی سوال ہوتا تو آپ وحی کا انتظار فرماتے۔ وحی کے ذریعے جس قسم کا جواب آجاتا سائل کو آپ وہی جواب دے دیا کرتے تھے اور وہی عام انسانوں کے لئے قیامت تک کا قانون بن جاتا اور اگر کسی مسئلے میں وحی نہ آتی تو آپ خود اجتہاد فرماتے اور آپ کا یہ اجتہاد "وحی الٰہی کی روح" اور "مقصد خداوندی" کے عین مطابق ہوتا تھا اسی بناء پر عموماً آپ کا اجتہاد بھی صحیح ہوتا تھا اور اگر کبھی ذرا سی اونچ نیچ رہ جاتی تو فوراً وحی الٰہی کے ذریعے اس کی اصلاح کر دی جاتی۔ آپ کے اجتہاد میں یہ اونچ نیچ یا کبھی معمولی لغزش کچھ آپ کے فہم کے قصور یا شانِ اجتہاد کی کمی کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی (نعوذ باللہ من ذالک) یہ صورت تو اسلام کی اشاعت کے بے پناہ جذبے کے تحت یا اپنی شانِ رحمت کے تقاضے سے کبھی پیش آجاتی تھی۔ بہرحال وحی الٰہی کے ذریعے فوراً تنبیہ ہو جاتی تھی اس طرح آپ کے اجتہاد میں خطا کا امکان ہی نہیں رہ گیا۔ [2]

---

[1] الموافقات ج ۴ ص ۱۰۴ بحوالہ مقالاتِ امینی ص ۸۔ [2] اس سلسلے میں مثالوں سے گریز کیا گیا ہے اس باب میں اجتہاد الرسول۔ عبدالجلیل عیسیٰ، دار البیان کویت مطبوعہ ۱۹۶۹ء نہایت جامع تصنیف موجود ہے۔

اگرچہ اس دور میں زندگی ابھی گوناں گوں دستوں سے دوچار نہ ہوئی تھی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی موشگافیاں وجود میں نہ آئی تھیں مگر آپ کی نگاہ سے اس قسم کے امکانات بھی اوجھل نہ تھے۔ اس حکمت کے پیش نظر آپ نے اپنے اصحاب کی ایک اور تربیت فرمائی۔ جب سوال فرمایا کہ اگر کاروبار حیات میں مقررہ ماخذ سے روشنی نہ ملی تو کیا کروگے، انہوں نے جواب دیا ہر وقت ہم اپنی رائے اور قیاس سے مسئلے کو حل کریں گے۔ پھر اس پر آپ کا مطمئن ہو جانا، تصویب فرمانا خود دلیل ہے کہ آئندہ معاملات کے دینی حل کے لئے آپ ایک ضابطہ عنایت فرما رہے تھے جو قیامت تک پیش آنیوالے مسائل کو حل کرنے کا طریقہ ہوگا۔

عہدِ صحابہؓ

آپؐ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد آپ کے خلفاء کے دور میں فتوحات کو وسعت ہوئی تمدن کا دائرہ وسیع ہوا اور اب اجتہاد و استنباط کی ضرورت اور زیادہ پیش آئی۔ ایسے وقت میں آپؐ کے تربیت یافتہ اصحابؓ کی جماعت موجود تھی۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "وحی الٰہی کی روح" اور "مقصد زندگی" کے مزاج شناس تھے اسی طرح یہ اصحاب "ادا شناس رسول" اور "نبی کی دعوت کے رمز آشنا تھے ان میں سے بعض کو تو آپ نے قانونی معاملات میں سند دے کر سرفراز فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو "حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کا واقعہ" اور اکثر وہ حضرات تھے جو آپؐ کے سامنے ہی اجتہاد و استنباط نیز فتاویٰ میں مشغول رہے فقیہ و مجتہد کہلائے چنانچہ صحابہ کرام میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور دوسرے کئی اصحابؓ کا ایک خاص مقام تھا جو ان کی اسی اجتہادی و استنباطی شان کی وجہ سے ملا تھا۔ اس وقت "رائے" "اجماع اور قیاس" کا جسقدر استعمال ہو رہا تھا وہ اسی ضابطے کا عملی ثبوت تھا جو صحابہ کرام کی مبارک جماعت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تھا بلاشبہ فقہ کے باب میں یہ دہی ارتقائی صورت تھی جس میں وقت کے تقاضے اور ضروریات کے مطابق فقہ کو زندگی کے موافق بنانے کا عمل ہو رہا تھا۔

عہدِ تابعین

پھر صحابہ کرام کے بعد ان حضرات کے تربیت یافتہ تابعین کا عہد اور ان کا کام سامنے آتا ہے حالات اور بھی بدل گئے ہیں۔ سوالات کی کثرت ہے اور سوالات کی نوعیت بھی بدل چکی ہے تمدنی تقاضے زیادہ ہوئے۔ فقہاء کے سامنے نئی نئی الجھنیں آئیں جن سے فقہ دوچار ہے۔ مختلف رسم و رواج اور بالکل اجنبی لوگوں کے ظروف و احوال پر مبنی نیا معاشرہ اس بات کا متقاضی ہے کہ شریعت کی روشنی میں اس کا تجزیہ کیا جائے اور پھر بتایا جائے کہ ان کے احکامات کیا ہیں۔ مفتی یا فقیہہ اس مطالبے سے آنکھ بند کر کے اپنی ان ذمہ داریوں سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتا تھا جن کو وہ "دینی فرض" سمجھتا تھا اور جس کو وہ اپنے اسلاف کی امانت سمجھ کر سینے سے لگائے ہوئے تھا، ان حضرات نے اپنی ذمہ داریاں مکمل طور پر پوری کرنی شروع کیں۔ ہدایت و فلاح کی بنیاد کو سامنے رکھتے ہوئے پیش آنیوالے احکام پر غور و خوض کیا اور اسطرح قانون کو آگے بڑھایا۔ فقہ کا دامن اور وسیع ہوا۔ ان حضرات نے ایک طرف

نئے سوالات کے حل کے فطری تقاضے اور مطالبے کو تسلیم کیا، دوسری جانب قرآن وحدیث کے مقرر کردہ اصولوں کی روشنی میں ان پر غور فرما کر بدلے ہوئے حالات پر حکم لگایا چنانچہ اس عمل کے نتیجہ پر فقہ کی مستقل تدوین کا کام بھی شروع ہوا اور فقہ کے دامن میں قیاس، استحسان، استصلاح، مصالح مرسلہ وغیرہ نئے نئے قانونی مآخذ کا اضافہ ہوا پھر ان نئے قانونی مآخذ کی تفصیلات میں اسباب وعلل، شرائط، امکانات وغیرہ علمی بنیادوں پر فقہ کا کاروان آگے بڑھتا رہا۔

غور فرمائیے قرآن وسنت، رائے واجماع کے بعد فقہ کی ترقی کہاں تک آپہنچی اور کتنی نئی سمتیں وجود میں آئیں اسی عہد میں کام برابر جاری رہا۔ تجارت کی وسعت، ملکی تعلقات، اطراف وبلاد سے نئے نئے سوالات نے علماء کو اس طرف متوجہ کر دیا کہ ایک بورڈ مختلف صلاحیت اور مختلف فن کے علماء کا مسائل پر غور کرنے بیٹھ گیا۔ اس بورڈ میں ایک طرف یحییٰ ابن ابی زائدہ، قاضی ابو یوسف، حفص ابن ابی غیاث ایسے فن حدیث کے امام تھے۔ امام زفرؒ امام محمدؒ جیسے استنباط واجتہاد کے ماہر، قاسم ابن معن اور یہی امام محمد عربیت میں کمال رکھنے والے علماء ان کے علاوہ حالات وظروف پر پوری طرح نگاہ رکھنے والے انسان کی انفرادی و اجتماعی نفسیات کے ماہر، معاشرے کی نئی نئی تبدیلیوں سے آگاہ خود امام ابو حنیفہؒ، سب مل کر یہ اہم کام سرانجام دے رہے تھے۔ نئے حالات، نئے سوالات، اطراف وبلاد کے نئے نئے استفتاء یہ سب چیزیں ان کے پیش نظر تھیں۔

اس اجتماعی کوشش کا جو طریقۂ کار تھا وہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ نوع بہ نوع تبدیلی سے فقہ کو ہم آہنگ کرنے میں کس قدر آزادی سے کام لیا جا رہا تھا۔ دوسروں کی آراء کا احترام، ایک فیصلے پر اتفاق کے باوجود ہر ایک کی اپنی اپنی رائے کو محفوظ رکھنا اختلاف رائے کی آزادی اور اس کی عام اجازت، ایسا بھی ہوتا تھا کہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے پر سب کا اتفاق ہو گیا، اور یوں بھی ہوتا تھا کہ ان کی رائے کے مقابلہ میں ہفتوں بحث کا سلسلہ چلا۔ پھر الگ الگ فیصلے قلمبند کر لئے گئے۔ اس طرح کم وبیش چھ لاکھ مسائل پر مشتمل (بقول شمس الائمہ کردری) یا بارہ لاکھ نوے ہزار مسائل پر مشتمل (بقول مصنف قلائد عقود العقیان[1]) ابو حنیفہؒ کی یہ فقہ تیار ہو کر فرنگی زندگی میں مختلف بلاد وشہروں میں قبول عام حاصل کر چکی تھی اس کوشش کے بعد یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ:

"تدوین فقہ کی مذکورہ تاریخ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصری رجحانات ومعاشرتی احوال کو فقہ کی وسعت وترقی میں کافی دخل رہا ہے۔ جیسی جیسی ضرورتیں پیدا ہوتی گئیں فقہ چار وناچار وسیع ہوتا گیا[2]"

فقہ کے سلسلے میں اس مختصر تاریخی گفتگو کے بعد دوسرا سوال" کام کرنے والوں کی صلاحیت سے متعلق ہے، اس

---

[1] بحوالہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مولانا شبلی نعمانی۔

[2] مقالات امینی ص ۵۳ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سنہ ۱۹[illegible]ء

بارے میں بنیادی بات یہ ہے:

الفقیه العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقها ویفتح ما استغلق منها[1]	فقیہ وہ عالم ہے جو تفکر و تدبر کر کے قوانین کے حقائق کا پتہ لگائے اور مشکل و مغلق امور کو واضح کرے۔

تفکر و تدبر کی یہی استعداد ہے جو در اصل کام کرنیوالوں کی ساری صلاحیت کا احاطہ کرتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ تفکر و تدبر قانونِ اسلام کے سارے ہی مآخذ میں مطلوب ہوں گے۔ مثلاً قانون کا پہلا مآخذ قرآن پاک ہے اس میں تفکر و تدبر کر کے مشکل و مغلق امور کو واضح کرنے کے لئے سب سے پہلے عربی زبان پر قدرت اور قرآنی اسلوب سے واقفیت کے علاوہ ان اصولوں کا جاننا ضروری ہے جن سے احکام شریعت کا علم ہو سکے کیونکہ اصول کی تعریف ہی یہ ہے۔

الاصول علم تعرف به کیفیة استنباط الاحکام من ادلتها[2]	علم اصول وہ علم ہے جس کے سبب دلائل شرعیہ سے احکام شرعی کو معلوم کیا جا سکے۔

ان اصولوں میں ظاہری طور پر عام خاص، مطلق مقید، حقیقت مجاز، ناسخ منسوخ، ظاہر و خفی، عبارۃ النص، دلالۃ النص، اشارۃ النص، اسبابِ نزول، اشعار جاہلی، عرب کے رسم و رواج وغیرہ سر فہرست ہیں۔

قانون اسلام کا دوسرا ماخذ سنت ہے جس میں تفکر و تدبر کا تقاضا یہ ہے کہ سنتِ رسول کی تعریف، اسکے اقسام صفاتِ راوی (جس کی طویل فہرست ہے) پھر شرائط روایت میں مثلاً انقطاع و عدم انقطاع، حدیث، خبر، اثر کا فرق، صحیح، ضعیف، مشہور، غریب، متواتر، عزیز، متصل، معروف، مرسل، معنعن ان سب کے احکام اور ثبوت کے اعتبار سے قطعی و ظنی کا فرق وغیرہ اصولِ حدیث پر پوری طرح نظر ہو۔ روایت اور راوی کی اس تفصیل کے علاوہ دوسری اور اہم چیز حدیث کے باب میں روایت ہے۔ یہ ایسا ملکہ ہے جو حدیث سے برس ہا برس اشتغال کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے جس کے بعد ہی صحیح طور پر حدیث کے صحیح و غلط کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ صحیح و غلط کے امتیاز کے لئے ملا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں ایک جگہ فرمایا ہے:

وخلطت بلحمه ودمه وصار فیها ملکة خاصة[3]	حتیٰ کہ علم حدیث اس کے خون اور گوشت میں اتر گیا ہو اور اس علم میں اسے خاص ملکہ حاصل ہو چکا ہو۔

ظاہر ہے ایسے ہی صاحبِ نظر محدث اور عالم کے امتیاز کا اعتبار بھی ہوگا۔

---

[1] "فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر" ص ۲۵ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۷۳ء

[2] "اصول الشاشی" ص ۸ کتب خانہ امدادیہ دیوبند ۱۹۶۹ء

[3] "دلائل السنن والآثار" نجم الدین اصلاحی مطبوعہ الجمعیۃ پریس۔ ص ۲۱۲

تیسری چیز اجماع ہے۔ اجماع میں جن لوگوں کا اعتبار ہے ان کا علمی اور عملی حیثیت سے معیاری ہونا ضروری ہے مثلاً ان حسب ذیل خصوصیات کا ہونا لازمی ہوگا:

○ قرآن کے مطالب و مفہوم کی بخوبی کمجھ اور اس میں پیمانہ بالغ نظری پیدا ہو چکی ہو، صرف ترجمہ یا اردو کی شرح کی بنا پر تشریح کرنا کافی نہ ہوگا۔

○ حدیث کو روایت، درایت، موقع محل کے ساتھ پرکھ سکے۔

○ صحابہ کرام کے مکمل حالات، ان کے فیصلوں، ان کے اجتہاد، خصوصاً ان کے اجماع سے پوری طرح باخبر ہو تاکہ اجتہاد کے وقت بطور نظیر و مثال اسکو سامنے رکھ سکے۔

○ قوم کے مزاج، سلالت، عرف، رسم ورواج، عادات وخصائل اور ان کی نفسیات کا علم اور نئے نئے پیش آمدہ مسائل اور ان پر حکم لگانے کا سلیقہ اور فہم رکھتا ہو۔ قانون کے اس تیسرے ماخذ میں کم ازکم یہ امور اجماع کے سلسلہ میں حاصل ہوں تب تفکر و تدبر کا حق ادا کر سکے گا جو ایک مجتہد کے لئے بنیادی شرط ہے۔ کہا گیا ہے:

الاجماع المعتبر فی فنون العلم هو اجماع اهل ذالک الفن العارفین به دون من غیرهم [1]	"فن اجماع میں انہیں لوگوں کے اجماع کا اعتبار ہوگا جنہیں فن میں بصیرت حاصل ہو۔ اہل فن کے علاوہ اورکسی کے اجماع کا اعتبار نہ ہوگا۔"

چوتھا ماخذ قیاس ہے، اس میں بھی تفکر و تدبر کے لئے کچھ شرطیں ہیں۔ مثلاً

قیاس کی تعریف، قیاس کا طریقہ، قیاس کی تاریخ، پھر قیاس کی تفصیل میں مقیس علیہ یعنی "سابق فیصلوں" مقیس یعنی "نئے حل طلب مسئلے" کا پورا پورا علم اور ان دونوں کے درمیان وہ علت جس کی بنیاد پر ایک حکم کو دوسرے پر قیاس کیا جاتا ہے۔ قیاس کے سلسلے میں اور دوسرے اصول واصطلاحات جیسے علت بطریق طرد وعکس، شبہ قیاس الاشتباہ، تنقیح مناط، تخریج مناط، تحقیق مناط (ان کی تشریح اصول فقہ کی کتابوں میں ملے گی)

غرضیکہ یہ وہ اصول ہیں جو فقیہہ ومجتہد میں تفکر و تدبر کی شان پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں اور ظاہر ہے ان کا علم اور ان کا صرف سمجھنا ہی آجکل دشوار ہے، اس میں کمال پیدا کرنا اور تفکر و تدبر کے لئے ان کا استعمال تو دور کی بات ہے۔ تاہم "لکل فن رجال" ہر فن اور موضوع کے لئے مخصوصین بھی ہوتے ہیں اس فن اجتہاد و استنباط کے لئے بھی اگر اس کے تحت، اس کی شرائط پر پورے اترنے والے، صحیح معنوں میں قرآن وحدیث، اصول فقہ کی گہرائیوں اور باریکیوں پر نظر رکھنے والے، باضابطہ اس علم کو اپنا مقصد بنا کر اپنی عمر عزیز کو اس میں لگانے والے علماء کسی مسئلے

---

[1] "حصول المامول من علم الاصول" بحوالہ فقہ الاسلام کا تاریخی پس منظر ص ۱۱

پر غور و فکر کریں تو ہمیں اُمید ہے "تفکر و تدبّر" کے جملہ آداب ملحوظ رکھیں گے کیونکہ یہی وہ لوگ ہوں گے جو ان معاملات میں سنجیدگی اور بصیرت کے ساتھ رائے دے سکیں گے جس طرح :

المعتبر فی الاجماع فی المسائل الفقہیۃ قول جمیع الفقہاء و فی المسائل الاصولیۃ قول جمیع الاصولیین و فی المسائل النحویۃ قول جمیع النحویین ومن عدا اھل ذالک الفن ھو فی حکم العوام[1]

فقہی مسائل میں فقہا، اصولی مسائل میں اصولیین اور نحوی مسائل میں نحویوں ہی کے قول کا اعتبار ہوگا۔ ان کے ماسوا جو ہوں گے ان کا شمار عوام میں ہوگا۔

اور عوام کی رائے کا کسی فن میں جو وزن ہے وہ معلوم ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے دینی امور میں ناواقف لوگوں کی دخل اندازی کے بارے میں فرمایا ہے۔

یذھب قراءکم وصلحاءکم و یتخذ الناس رؤساجھالا یقیسون الامور برائھم[2]

تمہارے اہل علم وصلحاء رخصت ہو جائیں گے اور لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور وہ معاملات میں اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔

یہاں جاہل سے مراد وہی لوگ ہیں جو دین اور علوم دین کے معاملے میں ناواقف یا سطحی علم رکھنے والے ہوں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شرطیں یہ ہیں :

"آفات نفسانی کی باریکیوں کی پہچان، عمل کو فاسد بنا دینے والی چیزوں کی پہچان، راہِ آخرت کا علم، اُخروی نعمتوں کی طرف پوری طرح رجحان، دنیا کو حقیر سمجھنے کے ساتھ اس پر پوری طرح قابو پانے کی طاقت، دل پر خوفِ الٰہی کا غلبہ"[3]

اُصول میں تبدیلی

اس حوالے مذکور میں علم ظاہری، کمال باطنی اور مجاہدۂ نفس ساری ہی چیزیں آجاتی ہیں اب ایک سوال اور ہے اور وہ یہ کہ ان ساری بحثوں کی بنیادی اور شرعی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے (جیسا کہ آج کل بہت سے اصحاب دانش یہ سوال اُٹھا رہے ہیں) کہ یہ سارے اصول جن لوگوں نے متعین کئے تھے وہ اپنے دور کے مطابق تھے۔ اب ہمیں نہ صرف یہ کہ ان کے نکالے ہوئے مسائل پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ بلکہ اجتہاد و استنباط کے اصولوں میں بھی تبدیلی کر دینی چاہیئے۔ چلئے ساری بحث اور سارے آداب و قیود ختم ہوئے، اس لئے ان اصولوں کے بارے میں بھی کچھ گفتگو ضروری ہو جاتی ہے۔

---

[1] حصول المامول من علم الاصول بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص۱۸

[2] منہاج الاصول بحوالہ کتاب مذکور ص۱۳۲　　[3] احیاء العلوم بحوالہ کتاب مذکور ص۲۷

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں؛

وکان سعید ابن المسیبؒ و امثالہا جمعوا ابواب الفقہ اجمعہا وکان لہم فی کل باب اصول تلقوہا من السلف [1]

حضرت سعید بن المسیبؒ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ نے ابوابِ فقہ جمع کئے اور اس سلسلے میں انکے پیش نظر کچھ اصول تھے جس کو انہوں نے صحابہ کرام سے حاصل کیا تھا

اس عبارت میں "وامثالہا" کا لفظ بتاتا ہے کہ عام طور پر ان سارے علماء نے یہ کام کئے تھے جو نبوت اور صحابیت کے زمانے سے قریب تر تھے اور ان کے یہ اصول خود ساختہ نہ تھے بلکہ صحابہ کرام سے ماخوذ تھے یہ ضرور ہے کہ استنباطِ احکام اور استخراج مسائل پر اپنے اپنے زمانہ کا خیال رکھا مگر اصول وہی ہمیشہ پیش نظر رہے جو نبی علیہ السلام اور صحابہؓ نے اخذ کئے تھے۔ ان کے بعد بھی علماء نے اس طریقے کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔

اور آگے اصول تعبیر اور ضابطوں کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب فرماتے ہیں؛

" تدوین قانون کے کام کے مرحلے میں یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ مسلمان کتاب و سُنّت کی جن تعبیروں پر اعتماد رکھتے ہیں انہیں تعبیروں پر مبنی ضابطۂ قانون بنایا جائے۔ اگر اپنی طرف سے نئی تعبیریں محض شوق اجتہاد میں پیش کرنے کی سعی کی گئی تو ان کو لوگ ہرگز قبول نہ کریں گے" [2]

یہ بات "تدوین قانون" کے لئے فرمائی ہے اس کے علاوہ ایک صحیح بات یہ کہی ہے کہ "محض شوقِ اجتہاد میں" اس کام کی طرف لوگ رغبت کرتے ہیں اس پر ستم یہ ہوتا ہے کہ ہر فرد جس اصول کو اپنی ذاتی مصلحت اور خواہش کے لئے ضروری سمجھے شریعت کی تعبیر کے لئے استعمال کرے۔

مولانا آگے چل کر فرماتے ہیں ؛

" کسی چیز کی نئی تعبیر پیش کرنے میں کوئی بُرائی نہیں ہے لیکن اس کے لئے اہلیت و صلاحیت شرط ہے جو کام امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ جیسے جلیل القدر علماء انجام دے چکے ہوں وہ کام اگر نااہل لوگ سنبھال لیں گے تو مسلمان اس پر کس طرح اعتماد کریں گے" [3]

یہ ایک ایسی صحیح بات ہے جو عقل و تجربے اور انسانی فطرت کی روشنی میں کہی جا سکتی ہے اسمیں کسی قسم کی کورانہ تقلید اور دقیانوسیت کی بات نہیں ہے دراصل یہ کہتے ہوئے ایک علمی استدلال بھی سامنے ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر اپنے وسعتِ علم، پاک باطنی اور اپنی بلند ہمتی کی بناء پر اس کے اہل تھے کہ جو کام وہ کر گئے اس کا ہونا ناممکن

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ بحوالہ فقہ کا تاریخی پس منظر ص۳۵

[2] اسلامی قانون کی تدوین ص۱۳۶ (مکتبہ المنبر فیصل آباد مطبوعہ ۱۹۶۳ء)   [3] حوالہ مذکور ص۱۳۶

نہیں ہے تو دشوار ترین ضرور ہے، معنوی اور ظاہری دونوں اعتبار سے وہ اسباب ہی نہیں رہے جن کی بنیاد پر یہ کام انجام پاتے تھے اس لئے اسلاف کرام کے بنائے اور بتائے ہوئے ان قاعدوں پر انحصار کر کے اصول دین کی روشنی میں ذی صلاحیت لوگ یہ کام کریں، مولانا اصلاحی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ائمہ کے کاموں پر ہر شخص کو جو اعتماد و اعتقاد ہے وہ محض قدامت پرستی اور اندھی تقلید کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کے مضمرات کی توجیہ و تعبیر کے لئے ان کے منتقض اور اشارات کی روشنی میں اجتہاد کے لئے جو علم ان کے پاس تھا اس کی شہادت ان کے کارناموں سے ملتی ہے۔ [1]

اس کے بعد عام نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اصول اور قانون کی پیروی اسلاف کرام کی پیش کردہ کتاب و سنت کی تعبیرات کی روشنی میں کی جائے اور

"جن معاملات میں ائمہ کے اجتہادات موجود ہیں، ان میں ان کے اجتہادات سے باہر قدم نکالنے کی کوشش نہ کی جائے۔" [2]

قدم باہر نکالنے کی ایک صورت تو یہی ہے کہ اجتہادات کا مطلق انکار کر دیا جائے دوسرے یہ کہ ان کے اصولوں کو بدلنے کی، ان کی جگہ نئے اصولوں کو شامل کرنے کی کوشش کی جائے جبکہ اصول و قانون کے بارے میں یہ طے ہے کہ:

"قانون بجائے خود بھی ایک مشکل چیز ہے اس کے اندر حروف والفاظ تو درکنار 'کاما' اور 'ڈیش' تک کو بڑی اہمیت ہے۔" [3]

مولانا نے ایک بات فرمائی جو کس قدر صداقت پر مبنی ہے اور اسی پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں:

"اس وجہ سے سلامتی کا راستہ ہمارے نزدیک یہی ہے کہ کتاب و سنت کی تعبیرات میں سلف صالحین کی پیروی کی جائے۔"

ان گذارشات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اصول اور قاعدے جامد اور اٹل ہیں کہ بدلے ہی نہیں جا سکتے۔ مگر یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس کو ضابطہ اور قاعدہ بنانے کی اجازت دے دی جائے گی اور تجدید و اجتہاد کو بازیچۂ اطفال بنا دیا جائے گا۔

اس لئے حالات و کوائف کے تقاضے کے مطابق اصول میں تبدیلی کی ضرورت ان لوگوں سے پوری ہوگی اور وہی قابل اعتماد ہوگی جو صلاحیت کے لحاظ سے اس شرط پر پورے اتریں گے۔

---

[1] و [2] "اسلامی قانون کی تدوین" ص ۳۶، ۳۷

[3] حوالہ مذکور ص ۹، ۷، ۴، ۱۳۷

تذکرۂ اسلاف

سید الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ

از قلم: مولانا عطاء الرحمن رحمانی مدرسہ تجوید القرآن خانوخیل ڈیرہ اسمٰعیل خان

ولادت حضرتؒ کی ولادت ۱۲۸۳ھ یا ۱۲۸۵ھ میں ضلع میانوالی کے مشہور قصبہ "واں بھچراں" میں ہوئی۔ آپ کا سلسلۂ نسب راجپوت بھٹی خاندان سے ملتا ہے جو ہندوستان کا مشہور حکمران طبقہ رہا ہے۔ (فیوضات حسینی)

تعلیم ابتدائی صرف ونحو اور فارسی نظم کی کتابیں اپنے والد حافظ میاں محمد صاحبؒ سے پڑھیں، اس کے علاوہ شادیہ جو واں بھچراں کے قریب ایک گاؤں ہے اور مقام تلہریاں اور موضع سیوہال میں بھی آپ پڑھتے رہے۔ فنون کی تمام اونچی کتابیں مولانا احمد حسن کانپوریؒ سے پڑھیں۔ حدیث قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر پڑھی اور سند حاصل کی۔ اثناء درس حدیث میں مولانا گنگوہیؒ کے علمی نکات اور تحقیقات کو عربی میں قلمبند کیا جو بعد میں تقریر الجنوبی علی صحیح البخاری اور تقریر الجنوبی علی المسلم کے نام سے شائع ہوئے۔ تفسیر حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر پڑھی۔

سلوک وتصوف کے منازل طے کرنے کی خاطر خواجہ محمد عثمان صاحب نقشبندی مجددی موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب کے حکم پر وہیں رہ کر ان کے صاحبزادے خواجہ سراج الدین صاحبؒ کو دیگر علوم وفنون کے علاوہ حدیث پڑھائی۔ آپ کا سبق جب مقام کمالات نبوت تک پہنچا تو خواجہ صاحبؒ نے آپ کو خلعت عطا فرمائی اور بیعت کرنے کی اجازت فرمائی۔ خواجہ صاحب کی وفات کے بعد آپ نے اپنا روحانی تعلق خواجہ سراج الدین صاحبؒ کے ساتھ قائم کر لیا جو کہ آپ کے تلمیذ اور خواجہ محمد عثمانؒ کے صاحبزادے وجانشین تھے۔ ان سے بھی آپ مجاز بیعت ہوئے خواجہ سراج الدین صاحب کے صاحبزادے اور جانشین خواجہ محمد ابراہیم صاحب کی روحانی تربیت بھی آپ نے فرمائی اور ان کے لئے فارسی زبان میں سلوک وتصوف کے مسائل پر "تحفۂ ابراہیمیہ" تحریر فرمایا جو کہ مطبوعہ ہے۔ آپ ہشت سلاسل میں مجاز تھے لیکن عموماً بیعت نقشبندی مجددی سلسلہ میں کرتے تھے۔ سلوک وتصوف میں آپ نے کمال حاصل کیا۔

بقول مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ "آپ نقشبندیت کے امام تھے"۔

درس و تدریس: آپ نے اپنے علاقہ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ لوگ توحید و سنت کو چھوڑ کر شرک و بدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پھنسے ہوئے تھے آپ نے ان کی اصلاح کی طرف توجہ دی جس کی بناء پر آپ کو اپنا قصبہ واں بھچراں چھوڑنا پڑا۔ قصبہ سے تین میل دُور آپ اپنے کھیتوں میں جا ٹھہرے اور وہیں ظاہری و باطنی علوم و فیوض کی اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

تفسیر قرآن میں آپ کا ایک خاص انداز تھا جس میں اثبات توحید و رَدِّ شرک کا پہلو نمایاں تھا۔ آیات و نصوص کی تشریح کر کے ان کو زمانہ کے مطابق لوگوں کے عقائد و اعمال پر منطبق کیا کرتے تھے۔ آپ کا درس تفسیر اتنا مشہور ہوا کہ ہندوستان کے کونہ کونہ سے علماء نے آکر شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ طلباء کے بے حد شفیق اور مہربان تھے۔ ان کی خدمت کرنا فخر سمجھتے تھے۔ صبح جب طلباء اُٹھتے تو ان کو پانی سے کوزے بھرے ہوئے ملتے۔

شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب قدس سرہٗ کے بیان کے مطابق کہ ایک رات میں انتظار میں رہا کہ یہ کوزے کون رات کو بھر رکھتا ہے؟ پوری رات بیداری میں گذار دی۔ آخر جب پانی کے برتنوں کی اُٹھانے رکھنے کی آوازیں آئیں تو میں دبے پاؤں اپنی جگہ سے اُٹھ کر آہستہ آہستہ مسجد کی جانب گیا، دیکھا کہ شیخ کوزوں میں پانی بھرنے میں معروف ہیں۔ میں نے ان سے ڈول لیکر خود پانی سے بھر دینا چاہا لیکن شیخ نہ مانے اور فرمایا کہ کیا تم نہیں چاہتے کہ جو لوگ خدا کے دین کا علم حاصل کرتے ہیں اُن کی تھوڑی سی خدمت سے مجھے بھی ثواب مل جائے۔

ایک بار شیخ کو کسی مقدمہ کے سلسلہ میں میانوالی عدالت میں جانا تھا آپ نے سبق کا ناغہ مناسب نہ سمجھا۔ ان دنوں آپ سورۂ شعراء پڑھا رہے تھے۔ اس سورۃ کے مضامین کچھ زیادہ مشکل نہیں، اور جلدی بھی تھی اس لئے شیخؒ نے حسب معمول تفصیل سے سبق پڑھانے کی بجائے ضروری اشارات کو ہی کافی سمجھا۔ ایک طالب علم شاید جس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا اس نے بے ادبی سے شیخ کو ٹوک دیا کہ آپ ہمیں پڑھا رہے ہیں یا ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں؟

شیخؒ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا اور دوبارہ ابتداء سے تفصیل کیساتھ پڑھانا شروع کر دیا۔ جب سبق ختم ہوا تو اس طالب علم سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ مجھے گالیاں بھی دو تو بُرا نہیں مناؤں گا میں تو اس توقع پر تمہاری ہر بات سننے کو تیار ہوں کہ آج تم لوگ قرآن پاک کا جو علم حاصل کر رہے ہو کل اسے لوگوں تک بھی پہنچاؤ گے۔

حضرت شیخ دولتِ علم سے مالا مال ہونے کے علاوہ بڑے زمیندار بھی تھے۔ زمینداری سے کافی آمدنی ہوتی تھی۔ لیکن اس آمدنی سے دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی اختیار کرنے کی خواہش نہیں کی بلکہ سب کچھ طلباء اور مہمانوں کی خاطر تواضع پر خرچ ہوتا تھا۔ طلباء کے لئے چندہ وغیرہ کسی سے نہیں لیتے تھے صاحبزادے نے ایک دفعہ شکایت کی کہ آپ گھر کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتے جو کچھ ہوتا ہے طلباء ہی کو کھلا دیتے ہیں۔ شکایت سن کر فرمایا بیٹا تمہیں ان طلباء کا ممنون ہونا چاہیئے کہ ان کی وجہ سے خدا ہمیں بھی عزت کیساتھ رزق دے رہا ہے۔

(فیوضاتِ حسینی)

علمی صلاحیت حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا وسیع علم عطا فرمایا تھا خصوصاً علم حدیث اور تفسیر فقہ، علم الکلام اور تصوف سلوک میں بڑی وسیع دستگاہ رکھتے تھے اور بڑی ٹھوس علمیت اور استعداد کے مالک تھے۔

علم اسماء الرجال میں آپ کی نظر بڑی وسیع تھی احادیث کی نقد و جرح میں کامل تھے اور مختلف احادیث کی تطبیق میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ قرآن کریم کے ترجمہ اور مطالب کے بیان کرنے میں اور مضامین کے استحضار اور آیات اور سورتوں کا ربط بیان کرنے میں تو اپنی مثال آپ تھے۔ مثنوی مولانا رومؒ اور رضی شرح کافیہ پر بڑا عبور تھا۔ نحوی تحقیقات حسب موقع رضی سے کرتے تھے۔ اور کئی مسائل میں رضی کی عبارتیں زبانی پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ اسی طرح مثنوی کے اشعار بھی بکثرت زبانی پڑھ کر بے شمار مسائل میں خصوصاً علم کمال اور تصوف و سلوک اور حقائق و معارف کے بیان میں سنا دیتے تھے۔

حضرتؒ کی شخصیت بڑی حد تک جامع تھی۔ آپ کو علم و عمل دونوں میں اللہ تعالیٰ نے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں بہت ذاکر، شاغل اور فنا فی التوحید تھے۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے تھے کہ مولانا حسین علیؒ کاملین میں سے تھے آپ قرآن کے عاشق تھے اور توحید ان کا حال تھا۔ (محصلہ فیوضات حسینی)

بیعت و ارشاد آپ بیعت بھی کرتے تھے آپ کے حلقۂ ارادت میں عوام کی ایک خاصی تعداد کے علاوہ جہابذہ علماء بھی شامل ہیں۔ مثلاً جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا غلام رسول صاحب المعروف بہ بابا انہی والے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی محشی مشکوٰۃ حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مؤلف انوار الباری شرح صحیح البخاری جو کہ حضرت علامہ کشمیریؒ کے داماد اور تلمیذ ہیں۔ علامہ کشمیریؒ کے مشورہ پر مولانا حسین علیؒ سے بیعت ہوئے حضرت سے کشف و کرامات کا صدور بھی بہت ہوا۔

حلیہ و عادات حضرت مرحوم لمبے قد و قامت، رنگ گندمی سفیدی مائل، چہرہ مدور، سر میانہ، ہاتھ پاؤں خوب کھلے متواضع سادہ دیسی لباس، بڑی پگڑی باندھتے تھے۔ سخی النفس، دنیاداروں سے دور اور علماء و طلباء غرباء کے قریب رہتے۔ اکثر اوقات تعلیم و تدریس، تذکیر، مراقبہ اور اذکار میں مشغول رہتے۔ عشاء کی نماز بڑی تاخیر سے پڑھتے اور معاً اندرون خانہ تشریف لیجاتے اور صبح کی سنت اندرون خانہ پڑھ کر آتے تھے۔ اگر کوئی دنیادار آدمی آجاتا تو آپ کی طبیعت اسے دیکھتے ہی پریشان ہو جاتی۔ اس کے معروضات سن کر مناسب جواب دے کر فرماتے اچھا رخصت۔

کبھی جمعہ کے روز والدین کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے تشریف لیجاتے۔ اپنے خانگی کام یہاں تک کہ اینٹ گارے کا کام اور فصلوں کی کٹائی کا کام بھی اپنے ہاتھ سے کرتے گو اس میں خدام اور مرید بھی شریک کار ہوتے۔ کبھی برہنہ پا بھی چلتے تھے۔ کھانا بہت کم اور معمولی درجہ کا کھاتے تھے۔ احادیث کے بڑے مشکل مقام دو چار لفظوں میں حل کر دیتے تھے کشف و کرامات تو ان کے بعض متوسلین بھی رکھتے تھے۔

(فیوضات حسینی)

مسئلہ توحید کے بیان میں انہماک

ردّ شرک و بدعت اور مسئلہ توحید کے بیان میں آپ شاہ اسمٰعیل شہید دہلویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نقش قدم پر تھے۔ مسئلہ توحید کے بیان میں آپ کسی پیچ و تاب اور لچک کے قائل نہیں تھے۔ مسئلہ توحید کے بیان کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ آپ کے پاس کوئی ذاتی کام کے سلسلہ میں حاضر ہوتا تو قرآن پاک کی کسی سورۃ کا خلاصہ آپ اس کو ضرور سناتے۔

علامہ دوست محمد صاحب قریشیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کبھی مولانا حسین علی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں؟ فرمایا ہاں ایک دن، اور سورۂ جن۔ یعنی ایک دن رہا اور سورۂ جن پڑھی۔ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار پر مراقب ہوئے تو حضرت مجددؒ نے آپ کو مکاشفہ میں فرمایا کہ مسئلہ توحید کا بیان سلوک کا اعلیٰ درجہ ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ "توحید اپنے بیان کے لئے کسی کی محتاج نہیں"۔ آپ نے لوگوں کی اصلاحِ عقائد کا ذریعہ قرآن کو بنایا اور قرآن مجید پر آپ کو اتنا عبور تھا کہ تصوف کے الجھے ہوئے مقامات کا حل آپ نے ترجمہ سے فرمایا۔ حضرت بہلویؒ آپ کی خدمت میں سلوک و تصوف کے منازل میں کسی مشکل مقام کے حل کی خاطر حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ترجمہ پڑھو تو مقام حل ہو جائیگا۔ ترجمہ پڑھا اور مقام حل ہو گیا۔

معروف تلامذہ

ظاہری و باطنی علوم میں آپ سے استفادہ کرنیوالوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے چند نام درج ذیل ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالہ، شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب قلعہ دیدار سنگھ، حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحبؒ موسیٰ زئی، حضرت مولانا عبد العزیز صاحب گوجرانولہ، شیخ القرآن حضرۃ مولانا غلام اللہ صاحبؒ راولپنڈی، حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب بھوچھال، حضرت مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیر، حضرت مولانا عبد الرشید صاحب مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی، حضرت مولانا سید احمد حسین صاحب سجاد بخاری، حضرت مولانا فضل کریم صاحب بندیالوی، حضرت مولانا محمد امیر صاحب سرگودھوی، حافظ الحدیث حضرۃ مولانا محمد عبد اللہ درخواستی صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خانصاحب صفدر، حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری۔

اولاد

حضرت کی ایک بیوی تھی جس سے پانچ لڑکے ہوئے۔ مولانا صدر الدین، مولانا عبد الرحمٰن، مولانا محمد صادق مولانا محمد عبد اللہ۔ مولانا عبد الرزاق۔ آپ کے جانشین مولانا عبد الرحمٰن صاحب فاضل مظاہر العلوم سہارنپور ہیں۔

تصانیف

بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان (اردو) تفسیر بے نظیر (اردو) تحفۂ ابراہیمیہ (فارسی)، تلخیص الطحاوی (عربی) خلاصۂ فتح القدیر (عربی)، تحریرات حدیث (عربی)، تقریر الجنجوہی علی صحیح البخاری (عربی)، تقریر الجنجوہی علی المسلم (عربی)

اس کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں آپ کے افادات تفسیریہ کو آپ کے نامور اور لائق شاگرد شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحبؒ نے "تفسیر جواہر القرآن" کے نام سے تین جلدوں میں مرتب فرما کر شائع فرمایا ہے۔ آپ کے علوم و افادات کی زیادہ تر اشاعت حضرت شیخ القرآنؒ کے ذریعہ ہوئی۔

وفات

رجب المرجب ۱۳۶۳ھ میں آپ دار فناء سے عالم بقاء کی طرف چل بسے اور وہیں مدفون ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ

تحریر: جناب محمد انور قریشی

زکوٰۃ و عشر سے مستثنیٰ کیوں؟

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پاکستان میں اب اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے فقہ اسلامی نافذ ہو رہا ہے اگرچہ موجودہ طریق کار میں بڑی سست رفتاری ہے تاہم یہ بات باعث تسکین ہے کہ جلد نہیں تو بدیر اسلامی نظام نافذ ہو کر رہے گا۔ انشاء اللہ الحمد للہ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ کو زکوٰۃ اور عشر کا قانون نافذ کیا مگر پاکستان کے شیعہ صاحبان کو زکوٰۃ کی وصولی سے مستثنیٰ کر دیا۔ جو شخص فارم پر حلفیہ بیان تصدیق کروا دے کہ وہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا ہے تو بنک اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا۔ حکومت نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ شیعہ صاحبان نے تحریک چلائی اور اسلام آباد کے سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کیا۔

ہمارے خیال میں حکومت نے یہ فیصلہ جلد بازی اور دباؤ میں کیا ہے اگر حکومت نے مستقبل میں ہونیوالے انتشار و افتراق اور فسادات کا اندازہ کیا ہوتا تو ایسے قوانین کی منظوری نہ دیتی۔

عقیدہ کی تبدیلی

زکوٰۃ کی وصولی صرف ظاہری دولت پر بنکوں کے ذریعے کی گئی ہے جن میں اکثر شہری لوگ اپنا حساب و کتاب رکھتے ہیں وہ تعلیم یافتہ ہیں اور ان کا دین سے گہرا تعلق ہے تاہم ایسے احباب کی تعداد کافی ہوگی جنہوں نے محض ڈھائی فیصد زکوٰۃ کی رقم بچانے کے لئے سنی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کیا ہوگا۔

اب ۱۵ مارچ ۱۹۸۳ء سے عشر کی وصولی شروع ہے مگر عشر میں شیعہ صاحبان کو مستثنیٰ کرنے کے نتائج بڑے سنگین ہوں گے۔ عشر ادا کرنیوالے کسانوں کی تعداد لاکھوں میں ہے ان میں اکثر تعلیم یافتہ نہیں بلکہ جاہل ہیں ایسے بھی ہیں جو صحیح کلمہ طیبہ نہیں سنا سکتے اور ایسے بھی ہیں جنہیں نماز تک نہیں آتی۔ دیہاتوں میں شہروں کی طرح اکثر درس و تدریس، تبلیغ اور دینی اجتماع نہیں ہوتے۔ ان کا سب سے زیادہ [illegible] حصول بہ کاشت ہوتا ہے اس لئے ہمیں شدید اندیشہ ہے اور یہ اندیشہ برحق ہے کہ نچلے اور متوسط درجے کے سنی زمیندار اور ان کی برادری خود کو شیعہ تحریر کرنے سے احتراز نہیں کریں گے تاکہ وہ عشر کی وصولی سے بچ جائیں۔ چند سالوں میں وہ شیعہ عوام میں گھل مل جائیں گے اور شیعہ کہلائیں گے۔ عشر کا قانون نافذ کرنے اور شیعہ عوام کو مستثنیٰ کرنے سے حکومت سنی کسانوں کو ترغیب ہی نہیں دے رہی ہے بلکہ معاشی و معاشرتی حالات کے پیش نظر مجبور کر رہی ہے کہ وہ شیعہ عقیدہ اختیار کریں۔ حکومت کو غریب و بے علم سنی مسلمانوں کے ایمان کو آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہئیے یہ مسئلہ صرف عشر فنڈ میں کمی سے غرباء کی حق تلفی کا نہیں بلکہ لالچ اور دباؤ کے تحت سنی مسلمانوں کا عقیدہ تبدیل کرنے کا ہے اس استثنیٰ کے سبب علماء اور عوام میں سنگین ردعمل شروع ہو گیا ہے جو کہ قدرتی امر ہے۔

پاکستان کا آئین پاکستان میں سنی مسلمانوں کی بڑی بھاری اکثریت ہے اور شیعہ فرقہ تین فیصد سے کم ہے حدود وتعزیرات میں شیعہ فرقہ کے لئے فقہ جعفریہ کے مطابق قانون سازی اور ایک ہی ملک میں ایک ہی جرم پر مختلف سزائیں دینا مضحکہ خیز ہے۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کا قانون جس کا تعلق ملکی اور اجتماعی معاملات سے ہو وہ عظیم اکثریت کے فقہ کے مطابق ہونا چاہئیے اور صرف شخصی معاملات و تعلیم میں اقلیتی فرقے کے مطابق فیصلوں کی اجازت دی جائے ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ بات صاف الفاظ میں تحریر ہے کہ پاکستان کے قوانین قرآن وسنت کے مطابق ہونگے حکومت نے زکوٰۃ وعشر کے ترمیم آرڈیننس نمبر ۵۲-۱۹۸۰ مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۰ء کے ذریعے شیعہ صاحبان کو زکوٰۃ وعشر دینے سے مستثنیٰ کیا ہے اس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔

حکومت اسقدر ایمانی اور انتظامی کمزوری کا ثبوت دے رہی ہے جس کے دُوررس اور سنگین نتائج ہو سکتے ہیں لہٰذا فقہ اسلامی مستقل مزاج تدبر اور جرأت کیساتھ نافذ کرنا چاہئیے اور دباؤ و دھرنا کے زیر اثر کئے گئے فیصلے واپس لئے جائیں۔

ایران کا آئین ایران میں مسلمانوں کی تعداد چار کروڑ ہے، شیعہ ۶۵ فیصد ہیں اور سنی مسلمانوں کی تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ یعنی ۳۵ فیصد ہے۔ سنی احباب کی اسقدر بڑی تعداد ہونے کے باوجود ملکی اور اجتماعی معاملات کیلئے تمام ایران میں اکثریت کا فقہ جعفریہ جاری ہے اور سنی احباب ان قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ایران کے سنی علاقوں میں صرف شخصی و تعلیمی معاملات میں سنی احباب کو اپنے مسلک پر عمل کرنے کی اجازت ہے۔

جناب آیت اللہ خمینی صاحب کے نافذ کردہ ایرانی آئین کی دفعہ ۱۳ انصاف، فراست اور اعلیٰ حکمت عملی پر مبنی ہے پاکستان کے قانون میں اس قسم کی دفعہ شامل کر دی جائے اسطرح دونوں ممالک کے اسلامی قوانین میں ہم آہنگی پیدا ہو جائیگی اور دوسرے اسلامی ممالک کے لئے احسن مثال ہوگی۔

انگریز کے ڈیڑھ سوسالہ دور میں بھی پبلک لاء ایک تھا اور پرسنل لاء (شخصی قانون) مختلف فرقوں کے مطابق تھا شیعہ صاحبان نے اسپر کوئی اعتراض نہ کیا تھا اس لئے پاکستان میں اسلامی پبلک لاء پر معترض ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ایران کے آئین کی دفعہ ۱۳ کا ترجمہ ذیل میں ہے:

> "ایران کا سرکاری دین اسلام ہے اور مذہب جعفری۔ کیونکہ مسلمانانِ ایران کی اکثریت کا یہی مذہب ہے اور دوسرے اسلامی مذاہب زیدی، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بھی معتبر اور محترم ہیں۔ وہ علاقے جہاں ان مذاہب کے پیروؤں کی اکثریت ہے وہاں کے مقامی معاملات شورائی اختیارات کی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے مذاہب کے مطابق ہوں گے لیکن احوال شخصیہ تعلیم اور دینی تربیت میں ہر مسلمان ایران کے ہر علاقے میں اپنے اسلامی مذہب کے مطابق عمل پیرا ہوگا۔"

خلفاء راشدین کا عمل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے پر کچھ

قبائل نے احتجاج کیا اور زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم اگر ان لوگوں نے ایک رسی دینے سے بھی انکار کیا جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں ان کے ساتھ قتال کروں گا۔"

اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ جو لوگ کلمہ پڑھتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں ان کے ساتھ ہم جنگ کر سکتے ہیں؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خدا کی قسم میں اُن لوگوں سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتے ہیں۔"

اس پر تمام صحابہؓ نے اتفاق کیا، جہاد کیا اور زکوٰۃ وصول کر کے دم لیا۔ یہ تحریر کرنا از حد ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں نماز اور زکوٰۃ (جس میں عشر بھی شامل ہے) کا متعدد بار اکٹھا ذکر آیا ہے کیونکہ ان دونوں کے بغیر اسلامی نظام مکمل نہیں ہو سکتا بلکہ ناقص اور غیر مؤثر ہو جاتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں زکوٰۃ و عشر سب سے وصول کیا تو آج اس میں تفریق کیسے ہو سکتی ہے؟ زکوٰۃ اور عشر کے متعلق شیعہ اور سُنّی فقہی مسائل میں اختلاف بہت کم ہے یا جزئیات میں ہے۔ ہمارے سُنّی اکابر علماء اور فضلاء کو چاہیئے کہ پوری تحقیق کر کے مستند روایات سے اس کو پایۂ ثبوت تک پہنچائیں تاکہ اسلامی نظام بخیر و خوبی نافذ ہو جائے۔

شیعہ و سُنّی غرباء کا مشترکہ حق حکومت کے تمام عہدے اور آمدن کے تمام ذرائع صدارت، وزارت، تجارت شیعہ صاحبان کے لئے یکساں حاصل ہیں اور وہ ہمیشہ سے ان سے مستفید ہوتے رہے ہیں اس لئے غرباء کی مالی امداد کے لئے حکومت شیعہ حضرات سے زکوٰۃ و عشر ضرور وصول کرے کیونکہ یہ قرآن حکیم کا واضح حکم ہے۔ یہ غرباء کا حق ہے اور یہ حق دلوانا اسلامی حکومت کی اہم ذمہ داری ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

"جن کے مالوں میں سوالی اور غیر سوالی سب کا حق ہے۔" (معارج)

اس فنڈ کو پاکستانی مسلمانوں میں بلا تفریق شیعہ و سُنّی تقسیم کیا جائے کیونکہ یہ سب کا مشترکہ حق ہے۔ اگر شیعہ و سُنّی غرباء میں تخصیص کی گئی تو آپس میں معاشی، معاشرتی اور باہمی محبت کے اسلامی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ کیا شیعہ صاحبان علیحدہ اقلیت بننا چاہتے ہیں جبکہ یہ ان کے لئے ہر پہلو سے نقصان دہ ہے اور ہم بھی ایسا نہیں چاہتے ہیں۔

علماء کرام کا فرض ہمیں افسوس ہے کہ سنّی علماء کرام فروعی، فرعی اور مسلک کے اختلافات کی تعلیم و تدریس اور تبلیغ میں بیشتر وقت صرف کرتے ہیں۔ انگریز کی غلامی کے دور میں فقہی مسائل محدود تھے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے متعلق پیچیدہ مسائل حل طلب نہ تھے۔ اب علماء کرام کو اسلامی نظام کے نفاذ اور اس پر مؤثر عمل کے لئے جس سے معاشرے کی نمایاں اصلاح ہو تمام مسائل پر غور و فکر اور تعلیم و تدریس کرنی چاہیئے۔ علماء کرام مساجد اور دار العلوم کی چار دیواری کے معاملات اور نظام پر ہی سوچ و فکر نہ کریں بلکہ پاکستان اور چالیس پچاس دوسرے اسلامی ممالک میں اسلامی نظام کے نفاذ کو بھی اپنا

نصب العین بنائیں۔ علماء کرام کو مومن کی فراست، وسعت قلب اور اعلیٰ ظرف کیساتھ دنیائے اسلام کے سو کروڑ مسلمانوں کو ایسے دین اسلام کی تعلیم دینی چاہئے جس کی بنیاد ایک اللہ ایک قرآن ایک رسُول ایک کعبہ اور ایک ہی فقہ اسلامی ہو۔ فرقہ داری سے مُبرّا ایسا دین اسلام ہو جس کی دعوت ہم چار سو کروڑ کافروں کو دے سکیں۔ اگر ہم اسلام کو مختلف ٹکڑوں عقیدوں اور فروعی اختلاف سے بھرپور شکل میں پیش کریں گے تو مسلمان نوجوان اس سے بدظن ہوں گے اور کفار دین اسلام کی طرف ہرگز مائل نہ ہوں گے۔

مسلمانوں میں قرآن وسُنّت اور تعامل صحابہ پر اتفاق کے باوجود کتنے افسوس کی بات ہے کہ علماء ان کو اُجاگر کرنے کی بجائے اختلافات کو ہمہ وقت بڑھاتے اور بھڑکاتے رہتے ہیں۔ ہمیں تو اپنی تمام تر علمی اور تحقیقی قوتوں کو باہمی یگانگت ثابت کرنے پر صرف کرنی چاہئیں اور ملت واحدہ کی فضا پیدا کرنے کی سرتوڑ کوشش کرنی چاہیئے۔ شعبہ تحقیق اسلامی، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام سے واقف ججز اور وکلاء ایم۔ اے اسلامیات کے طلباء بھی ایسی ہی مثبت علمی تحقیق کریں یہ دین اسلام کی عظیم خدمت ہوگی۔

ہم دھمکی، دھونس، دھرنا اور دھماکے کے زبردست مخالف ہیں اور سُنّی ہوں یا شیعہ سب کو اس سے پرہیز کرنی چاہیئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسائل کے حقیقی اسلامی حل تلاش کرے اور دھمکی اور تشدد سے ہرگز مرعوب نہ ہو یہ ملک کے امن واستحکام کے لئے انتہائی نقصاندہ ہوگا۔ پاکستان میں چند فیصد شیعہ کو بخوشی وہ تمام آئینی حقوق دیئے جائیں جو ایران میں ۲۵ فیصد سُنیوں کو حاصل ہیں۔

بتائید جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس
وتصدیق انجمن خدام اسلام پاکستان

قادیانیت کا سیاسی کردار

شاہد تسنیم ایم۔ اے

پون صدی قبل مشرقی پنجاب کے علاقے قادیان میں برطانوی سامراج کے نہایت خیر خواہ خاندان کے ایک فرد مرزا غلام احمد قادیانی نے مجدد، مہدی، مسیح موعود اور نبی ہونے کے دعوے کئے۔ اُس نے جہاد کی کلیتاً تنسیخ کا اعلان کیا اور برطانوی سامراج کی کامل اطاعت اور وفاداری کا درس دیا۔ قادیانیت سراسر سیاسی تحریک تھی جسے مصلحتاً دین کے نام پر اٹھایا گیا تھا۔ دینی سطح پر اس کا مقصد مسلمانوں کے ان عقائد پر حملہ کرنا تھا جو انہیں برطانوی سامراج کیساتھ برسرپیکار ہونے پر آمادہ رکھتے تھے۔ مرزا قادیانی نے ہندوستان کے مسلمانوں کے خلاف ہی نہیں، دنیا کے تمام مسلمانوں کے خلاف سازش کی۔ عرب ممالک میں جہاں کے مظلوم عوام پرتگالی ڈچ فرانسیسی اور برطانوی سامراجوں کے خلاف لڑ رہے تھے اور اپنی آزادی کا تحفظ کر رہے تھے۔ مرزا صاحب نے ہزارہا روپیہ صرف کر کے لٹریچر تیار کر کے اور بڑے اہتمام سے مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے ان ممالک میں پھیلایا۔ اس لٹریچر میں اپنے دعاوی کیساتھ ساتھ برطانوی سامراج کی بے پناہ تعریف کی گئی تھی۔ بیسویں صدی کے اوائل ہی سے قادیان سامراج کی چیرہ دستیوں کی حمایت کے لئے ایک بین الاقوامی پروپیگنڈہ مرکز کی حیثیت اختیار کی۔

برطانوی سامراج اور قادیانیت

قادیانیت نے دنیا کے تمام مسلمانوں کو مطلق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ ان کے ساتھ میل جول اور رشتہ ناطہ کو ممنوع قرار دیا گیا۔ نئی نبوت نے مسلمانوں اور قادیانیوں کے درمیان عملاً تفریق پیدا کر دی اور ایک ایسی خلیج حائل کر دی جس کو پاٹنا ناممکن تھا۔ برطانوی سامراج کی سیکولر پالیسی سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے قادیانیوں نے سیاسی سطح پر سامراج سے مضبوط رشتہ استوار کر لیا۔ اس گٹھ جوڑ کے نتیجے میں انہیں ہر طرح سے فائدہ ہوا۔ ان کی جماعت میں نئے لوگ شامل ہوئے۔ مسلمانوں کے اندر سے لوگ ٹوٹ کر ان سے ملنے لگے۔ قادیانی مختلف سول سروسوں میں مسلمان بن کر ان کے محدود کوٹے پر چھاپے مارنے لگے۔ انگریز نے ان کو سیاسی تحفظ دیا ان کے حقوق کا تحفظ کیا اور جلد ہی یہ خود کاشت پودا برگ و بار پیدا کرنے لگا۔ سامراج کی نو آبادیاتی جاگیردارانہ استحصالی پالیسی کا کل پرزہ بن جانے سے قادیانیوں کو بلا واسطہ سیاسی اور غیر سیاسی سب طرح کے مفادات حاصل ہوئے لیکن مسلمانوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ ان کا سیاسی مستقبل مخدوش ہو رہا ہے اور وہ پستی و نکبت کے عمیق گڑھوں میں گر رہے ہیں انہیں اس امر کا احساس تھا کہ مسلمانوں کے اندر سے دینی طور پر ایک باغی گروہ سیاسی سطح پر ان کے مفادات کے خلاف رجعت پسند طاقت کی طرح سرگرم ہے۔

قادیانیت کا پیغام یا الجھاؤ

مرزا قادیانی نے اسلامیانِ ہند کو جو پیغام دیا اس میں کوئی شوکت وعظمت نہ تھی۔ ایک مصلح یا ریفارمر کا بنیادی کام یہ ہوتا ہے کہ وہ مروجہ سیاسی، سماجی، معاشی اور دینی نظام پر تنقید کرے اور اس کی خرابیاں وکمزوریاں بیان کرے اور ان کے خلاف برسرِ پیکار ہو۔

مرزا صاحب کی کتب میں وفات وحیات مسیح کی بحث، خشک تصوف، برطانوی سامراج کی حاشیہ برداری، دوسرے مذاہب پر رکیک حملے اور تعلیوں کے علاوہ کوئی خاص بات نہیں۔ آپ نے مسلمانوں کے معاشی نظام پر قطعاً توجہ نہ دی سیاسی برتری کو اپنے الہامات کی زد میں لاکر درسِ محکومی دیا جہاد کی تنسیخ سے سامراج کو براہِ راست فائدہ پہنچا اور مسلمانوں کے حریت پسندانہ جذبات کو کچلنے اور علماءِ حق کی تحقیر وتذلیل کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

قادیانیت کا سیاسی پس منظر

قادیانیت کے سیاسی پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو دکھائی دیتا ہے کہ جس زمانے میں یہودیوں کی قوم پرستانہ تحریک کا آغاز ہوا اور اس نے صیہونیت کی صورت میں جلوہ نمائی کی اسی زمانے میں قادیانیت نے فروغ پایا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران برطانیہ کے وزیراعظم لارڈ پالمرسٹن جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اگر شیطان صاحبِ اولاد ہو تو وہ ان جیسا بچہ پیدا کرے۔ ان کی یہود نوازی کا نتیجہ تھا کہ ۱۸۵۸ء میں نام نہاد "رسل اوتھ بل" پاس ہوا جس کے مطابق یہودیوں کو پارلیمنٹ میں آنے کا اختیار مل گیا۔ ۱۸۶۸ء میں وکٹوریہ ہی کے عہد میں ڈسرائیلی وزیراعظم بنا جو خالص یہودی تھا۔ اس کے زمانے میں انگلستان اور اس کی تمام نوآبادیات میں یہودیت کے احیاء کی تحریکیں چلیں اور یہودی افکار کو فروغ حاصل ہوا۔ اس کے بعد گلیڈسٹون وزیراعظم انگلستان بنے۔ گلیڈسٹون کی اسلام دشمنی اور یہود نوازی مسلم تھی۔ ان کے پانچ سالہ دور کے بعد ۱۸۷۴ء میں ڈسرائیلی دوبارہ وزیراعظم بنے ۱۸۶۰ء سے لیکر ۱۹۱۵ء تک انگلستان کے وزیراعظم یا تو خود یہودی النسل تھے یا یہود نواز تھے ان میں سے ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۵ء تک رسوائے زمانہ لارڈ بالفور بھی شامل تھا۔ برطانیہ کی یہود نواز سیاست کے نتیجہ میں انیسویں صدی کے اختتام پر مشہور یہودی صحافی تھیوڈور ہرزل نے بیسل (سوئٹزرلینڈ) میں عالمی یہود کانفرنس میں یہودیوں کے لئے ایک پروگرام بنایا اور صیہونیت کی داغ بیل ڈالی۔

قادیانیت عالمی صیہونی تحریک کا حصہ ہے

قادیانیت بھی دراصل عالمی صیہونی تحریک کا ایک حصہ تھی اس کو ہندوستان کے صیہونی اکابر کی پشت پناہی حاصل تھی۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اس تحریک کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ قادیانی عقائد میں یہودیت کی روح کارفرما ہے۔ یہودیوں کے نزدیک نبی کا تخیل ایک کاہن اور نجومی کا سا ہے قادیانی نبی بھی ہمیں ایک کاہن کے روپ میں دکھائی دیتا ہے۔ قادیانی زندہ خدا کا جو تصور پیش کرتے ہیں وہ بھی یہودیت سے مستعار ہے جس طرح یہودی خدا کے سچے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناپاک الفاظ سے یاد کرتے ہیں ایسے ہی قادیانی کتب ہیں ان پر طرح طرح کے الزام لگائے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض الزامات خالصتاً وہی ہیں جو ہمیں یہودیوں کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ مرزا صاحب قادیانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معصوم ہونے کے بھی قائل نہ تھے آپ نے

اپنے آپ کو ایک سیاسی کاہن کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

قادیانیت اور پاکستان

قادیانیوں نے تاریخ کے ہر موڑ پر مسلمانوں کے سیاسی مفادات کو نقصان پہنچایا۔ اس جماعت کی پون صدی کی سیاسی تاریخ اس امر کی گواہ ہے۔ آزادی کے بعد قادیانیوں نے اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھیں۔ انہوں نے اسلامی آئین کی تشکیل کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی اور ہر ممکن طریقے سے اس مطالبے کے خلاف اُبھرنے والی قوتوں کے ہاتھ مضبوط کئے۔ قادیانیوں نے پاکستان کے دستوری بحران میں محض اس لئے رخنہ اندازی کی کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا جائے۔ قادیانیت ایک سراسر سیاسی تنظیم ہے۔ ایوبی عہد میں ان کا کردار افسوسناک رہا ہے انہوں نے ہر سیاسی آمر کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے سیاسی مفادات کو زبردست نقصان پہنچایا۔ سابق صدر یحییٰ خاں کے ارد گرد بھی قادیانیوں نے سامراجی طاقتوں کی شہ پاکر ایک حلقہ قائم کیا۔ پاکستان کے سیاسی قائدین نے بار بار مطالبہ کیا کہ قادیانیوں کی وفاداریاں مشتبہ ہیں اس لئے ان کو پاکستان کی عملی سیاست میں حصہ نہ لینے دیا جائے لیکن سابق حکومت نے اس امر کی طرف توجہ مبذول نہ کی۔ آج بھی عوام بار بار مطالبہ کرتے ہیں کہ ایم ایم احمد پر مقدمہ چلایا جائے اور اقتصادی مشیر ہونے کے پردے میں انہوں نے سقوط مشرقی پاکستان میں جو کردار ادا کیا ہے اس کی چھان بین کی جائے۔ جس طرح عرب ممالک میں اسرائیل گماشتے مخصوص کردار ادا کر رہے ہیں اسی طرح سے پاکستان میں قادیانی بڑی حکمت عملی سے اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ قادیانیوں نے بحران کے دوران بنگلہ دیش کے بارے میں کوئی بیان نہیں دیا۔ اگرچہ پاکستان کی کئی تنظیموں نے مطالبہ بھی کیا کہ قادیانی اس کی وضاحت کریں۔ آج تک قادیانی پرچے "الفضل" یا کسی اور قادیانی آرگن میں بنگلہ دیش سٹیٹ کے بارے میں کچھ تحریر نہیں کیا گیا۔ بھارتی قادیانیوں نے نام نہاد بنگلہ دیش کی جو پُرزور حمایت کی اس کے پس پردہ ربوہ میں موجود ان کے خلیفہ کی مرضی شامل ہے کیونکہ خلیفہ کے حکم کے بغیر کوئی جماعت اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ماضی کے واقعات کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں قادیانیوں کے خطرناک سیاسی کردار کی فری میسنوں جیسی سرگرمیوں پر پوری پوری نگاہ رکھنی چاہئیے ورنہ بنگلہ دیش کی طرح مغربی حصے میں کسی مرزائیل کا تصور اُبھرے گا اور مسلمانوں کی اجتماعیت اور ملی سالمیت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ (المنبر)

عقیدۃ بحضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ولی اللہؒ حکمت اسلام کا معدن — شگفتہ جس کے دم سے ہند میں اسلام کا گلشن
نظر رکھتے ہوئے تفسیر "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" پر! — دیا اپنی جماعت کو درس لَا تَحْزَنْ

(الرشادی)

تصحیح و معذرۃ: گذشتہ شمارہ میں جامعۃ الرشاد کی تقریر فہرست سے رہ گئی اور ترتیب دادہ کا نام شائع ہونے سے رہ گیا۔ یاد رہے اس مضمون کے ترتیب دادہ محمد اختر حسین نیپالی جبکہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ (ہند) میں ایک عظیم دینی ادارہ ہے — تقریر مولانا مجیب اللہ ندوی کا۔

قلم قتلے — مردِ کوہ کن

اسلم قریشی ـــــ ٹیسٹ کیس

قادیانی اور اکھنڈ بھارت

مولانا اسلم قریشی جن حالات میں لاپتہ ہوئے وہ قادیانیوں کی طرف مشار الیہ ہیں۔ یہ حکومت اور علماء کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے قادیانیوں نے اسے "ٹیسٹ کیس" بنایا ہے۔ اگر مولانا اسلم قریشی کا کچھ اتہ پتہ نہ ملا تو اغوا کرنیوالوں کا حوصلہ بڑھ جائیگا پھر یہ المیہ ملک کے کسی بھی حصے میں دہرایا جاسکتا ہے۔ اغوا کنندوں نے یہ حرکت اسقدر منصوبہ بندی اور سائنٹیفک طریقے سے کی کہ بظاہر کوئی پتہ نشان باقی نہیں چھوڑا۔ نتیجۃً عوام اور حکومت آمنے سامنے ہیں۔ یہ ایک نہایت گھناؤنا وار ہے جس کی تہہ تک پہنچنا حکومت کا ایسا فرض ہے جس کی کوتاہی دُور رس نتائج پیدا کرے گی۔ ہماری رائے میں حکومت خصوصاً پولیس کو بھی اپنی صفوں کا جائزہ لینا چاہیئے کہیں کوئی "نقب" نہ لگ چکی ہو۔ اسی طرح تمام مکاتبِ فکر کے علماء اور سیاسی جماعتوں کو بھی اس گمشدگی اور اس کے نتائج کا پورا نوٹس لینا چاہیئے اختلاف رائے کہیں اور کسی کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے مگر اس طرح کسی انسان کا لاپتہ ہوجانا نہایت سنگین حادثہ ہے علماء اپنی جدوجہد میں یہ امر بطورِ خاص ملحوظ رکھیں کہ قادیانی ملک کا امن و امان تلپٹ کرنے میں کسی طور کامیاب نہ ہوسکیں۔

بنگلہ دیش ڈیموکریٹک پارٹی کے نائب صدر اور مولوی فرید احمد شہید کے فرزند ظہیر احمد فرید نے ساہیوال بار رُوم میں وکلاء اور جامعہ رشیدیہ کے علماء و طلباء و معززین شہر سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "سقوطِ ڈھاکہ کے ذمہ دار افراد مشرقی پاکستان کے اساتذہ اور قادیانی ہیں۔ یہی بات پچھلے دنوں ظہیر احمد فرید نے اٹک کے اجتماع میں بھی کہی۔ یہ کوئی نیا انکشاف نہیں۔ خود مولوی فرید احمد شہید نے اپنی ڈائری میں ایم ایم احمد کا نام لے کر لکھا ہے کہ ایوب خاں کی گول میز کانفرنس کے دوران یہودیوں نے اسے استعمال کیا۔ مشرقی پاکستان کو پاکستان کی معیشت پر بوجھ ثابت کرنیوالے یہی ایم ایم احمد تھے۔ ۱۹۷۱ء کے آغاز میں خود شیخ مجیب الرحمٰن نے ایم ایم احمد کا نام لیکر کہا تھا کہ اگر ہماری حکومت بن گئی تو سب سے پہلے ہم اس شخص سے جواب طلب کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ قادیانی اسطرح کی سازشیں کیوں کرتے ہیں؟ بعض سادہ دل لوگ قادیانیوں کو بے ضرر اقلیت خیال کرتے ہیں مگر یہ قطعی نادرست ہے۔ قادیانیوں کا سیاسی بلکہ الہامی نصب العین اکھنڈ ہندوستان ہے جسٹس منیر نے اپنی تمام تر احرار اور علماء دشمنی کے باوجود اپنی تحقیقاتی رپورٹ میں تسلیم کیا ہے کہ "قادیانیوں کی بعض تحریروں سے ظاہر

ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ اگر ملک تقسیم بھی ہوگیا تو وہ اسے دوبارہ متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔ قادیانیوں کا اکھنڈ ہندوستان پر اعتماد اسقدر قوی ہے کہ وہ راوایمان کے نام سے اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو جو دینیات پڑھاتے ہیں اسمیں بھی اس اعتقاد کی تبلیغ کرتے ہیں۔

پاکستان بننے کے فوراً بعد پھر ۶۵ء کی جنگ اور ۷۱ء کے بحران میں قادیانیوں نے جو کچھ کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ ۷۳ء کے اواخر میں ائیر مارشل ظفر چوہدری نے جو منصوبہ باندھا تھا وہ طشت از بام ہو چکا ہے اور آج کل نئے خلیفہ کے تقرر کے بعد قادیانی ملک بھر میں جو کچھ کر رہے ہیں ان سب سرگرمیوں کا ہدف واضح ہے۔ قادیانی در پردہ طور پر ملک کا امن دامان تباہ کر کے اپنے حسب منشا نتائج پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا مدعا ۷۳ء کے آئین کی تنسیخ پاکستان کی مزید ضرب و تقسیم اور قادیان تک پہنچنے کی راہ باز کرنا ہے۔ بنا بریں حکومت کو چاہیئے کہ وہ ان کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھے۔ (چٹان)

قرآن کا اعلان بزبان ابوالکلام

انہیں (مسلمانوں کو) یاد کرنا چاہئے کہ ان کے پاس ایک الہامی اعلان بھی ہے جب تک وہ اس تعلیم کو اپنے سامنے نہ لائیں گے ان کی کامیابیاں ہرگز سُود مند نہیں ہوسکتیں۔ وہ اعلان قرآن مجید میں دہرایا گیا ہے وہ ایک مختصر سبق ہے جسے دہراتے ہوئے میں خاص طور سے خطاب کروں گا اپنے مسلمان بھائیوں سے اور التجا کروں گا اپنے ہندو بھائیوں سے کہ وہ خاص اصطلاح سُن کر کبیدہ خاطر نہ ہوں بلکہ اس حقیقت کو ڈھونڈیں کہ جس طرح بہت سے کنول ہیں لیکن روشنی ایک ہے۔ سُرخ رنگ کے کنول سے روشنی سُرخ نہیں ہوسکتی اسی طرح خدا کی سچائی ایک ہے اگرچہ طرح طرح کے ناموں میں پیش کیا جائے۔

میں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ دنیا میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی بھی دنیا کا کوئی وجود، کوئی روح، کوئی آتما، بلکہ کوئی ذرہ اس آسمان کے نیچے نہیں پاسکتا جب تک وہ اس پروگرام پر عمل نہ کرے جو قرآن نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

اگرچہ قرآن مجید نے اس بارے میں نہایت تفصیلی بیانات دیئے ہیں لیکن ایک بہت ہی چھوٹا سا بیان بھی ہے جس کی نسبت تاریخ اسلام کے ایک بہت بڑے امام نے جن کا نام امام شافعیؒ ہے یہ کہا تھا کہ قرآن کے صرف یہی چند جملے نازل ہو جاتے تو تمام کرۂ ارضی کی ہدایت کے لئے کافی تھے:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

(تعمیر حیات) (میثاق لاہور)

مکتوب حافظ لدھیانوی

مخدومی فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

مدینہ منورہ کے باسعادت لمحات اور بابرکت قیام کے بعد آپ کے ساتھ ملاقات نہ ہو سکی۔ خط لکھتے وقت آپ کی صحبت میں گزری ہوئی گھڑیاں یاد آرہی ہیں۔ یہ ایسی یاد ہے جو زندگی بھر یاد رہے گی۔

الرشید پہنچ رہا ہے۔ آپ جو تبلیغی اور دینی خدمت کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرمائیں۔ اس دور خطرات اور بے چینی میں علم کی شمع منور کرنا عزم اور حوصلے کا کام ہے۔ علامہ نے فرمایا تھا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

یہ پیغمبرانہ سنت ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کو تبلیغ و تعلیم کا منصب تفویض کیا گیا اس دور میں روشنی بہت کم اور اندھیرے گہرے اور زیادہ ہیں۔ یہ علماء کا کام ہے کہ ان تاریک راہوں کو شمع ہدایت سے روشن کریں الحمد للہ ہمارے علماء اس فریضے کو احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہیں۔ اللہ کریم ان کی اعانت فرمائیں۔ مجموعہ ہائے نعت حاضر خدمت ہو کر پیش کروں گا۔ ایک تازہ نعت "الرشید" کے لئے ارسال خدمت ہے۔

آپ کا طالب

حافظ لدھیانوی فیصل آباد

نعت بحضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم

رحمتوں کا نزول ہے پیہم — نعتِ سرکار کر رہا ہوں رقم
تو ہے ممدوحِ خالقِ اکبر — ہے تری ذات پر فدا عالم
راحتِ عاشقاں ہے نام ترا — ہے قرارِ نگاہ تیرا حرم
مطلعِ صبح میں ضیا تیری — آفتابِ جہاں ترا پرچم
تو شکستہ دلوں کی ڈھارس ہے — تجھ سے قائم ہے عاصیوں کا بھرم
حاصلِ زندگی تری گفتار — رہبرِ کائنات نقشِ قدم
تیری سیرت ہے سربسر قرآں — تیرا ارشاد آیۂ محکم
تجھ پہ ہیں منکشف رموزِ الٰہ — تو ہے فطرت کے راز کا محرم
تجھ سے انسانیت فروغ پذیر — تجھ سے قائم ہے عظمتِ آدم
تیری مدحت سے ہو گئے ممتاز — تجھ سے ہے آبروئے قلم

گوشۂ چشمِ لطف اس پر بھی
حافظِ خستہ ہے اسیرِ الم

مجموعۂ کلام منظوم جناب حافظ لدھیانوی

حفیظ جالندھری کے ہمنوا حافظ لدھیانوی صحیح معنی میں عاشقِ رسول، مدّاحِ حبیب، مادحِ نبوی و حامدِ پیغمبر اور ملک وملّت کے مسلّمہ و معتمد علیہ، قومی وملّی شاعر ہیں۔ شعراءِ کرام نے آپ کے کلام کو معیاری ومثالی قرار دیتے ہوئے خراجِ تحسین اور اعتماد پیش کیا اور حکومت پاکستان نے آپ کو خصوصی انعام سے نوازا ہے اس لحاظ سے حافظ صاحب ممدوح بھی ہیں۔ بقول شاعر

ع ما ان مدحت محمدا بمقالتی لکن مدحت مقالتی بمحمدِ

آپ کے کلام میں ثنائے خواجہ۔ نعتیہ قطعات۔ خامۂ مژگان۔ نشید حضوری۔ کیف مسلسل وغیرہ معروف ومطبوعہ ہیں۔ جو فیصل آباد گلستان کالونی ۲۸/رجی راجہ روڈ سے دستیاب ہیں۔

حافظ صاحب کو مدینہ منورہ، مسجدِ نبوی کے اعتکاف میں قریب سے دیکھا تو آپ کا کلام ومقام سمجھ میں آیا۔ حافظ صاحب مواجہہ شریف حاضر ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں نعتیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے اور پھر ہم لوگوں کو اپنا کلام باچشمِ تر سناتے۔ واقعی:

ع ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

تحفۂ دہلی / خان کابل (ماخوذ)

کوئی پیغمبر اب دنیا میں نہیں آنیکا

کون لاہور میں ہے غازئ کردار کے بعد کوئی ہنگامہ نہیں، مجلسِ احرار کے بعد

جن سے ہوتی تھی کبھی پرورشِ ذہن وخیال وہ خیالات کہاں، جوہرِ افکار کے بعد

اب بخاریؒ ہیں نہ افضلؒ ہیں نہ غوثؒ کوئی کوئی جرأت نہ رہی مظہرِ احرار کے بعد

کوئی پیغمبر اب دنیا میں نہیں آنے کا حضرت ختم الرسل احمدِ مختارؐ کے بعد

خدمتِ دینِ متیں کون کرے اب غازی حضرت احمد علیؒ زیرک و دیندار کے بعد

کاٹ کے رکھدے جو باطل کے پرستاروں کو کوئی تلوار نہیں غازی کی تلوار کے بعد

گاندھی سرحد کی عیادت کو گئے تھے انور
یہ خبر اچھی پڑھی مدتِ بسیار کے بعد

(خدام الدین)

بیاد یار قدیم

مرحوم مفتی ضیاء الحسن لدھیانوی مغفور

ابن الانور سید محمد ازہر شاہ قیصر دیوبند کا مکتوب بنام فاضل رشیدی

"الرشید" جامعہ رشیدیہ نیز ہندوستان کے ایک اخبار میں اپنے رفیق قدیم مفتی ضیاء الحسن لدھیانوی کے انتقال کی خبر پڑھی۔ مفتی صاحبؒ کا جو خاندان پاکستان میں ہے اس کے اکثر افراد سے ہماری واقفیت ہے مگر ہمیں ان کے پتے معلوم نہیں۔ اس لئے ان حضرات سے تعزیت مسنونہ پیش کرنے کا طریقہ یہی مناسب ہوا کہ الرشید میں چند تعزیتی سطور لکھیں۔

مفتی ضیاء الحسنؒ لدھیانہ کے مشہور مجاہد خاندان کے ایک فرد تھے۔ اس خاندان میں حضرت مولانا عبدالقادرؒ حضرت مولانا محمد ؒ جیسے بزرگ گذرے ہیں جنہوں نے انگریز کے خلاف عملاً بغاوت کی اور جہاد اسلامی میں بذات خود شریک ہوئے اس خاندان کے بعد کے بزرگوں میں حضرت مولانا محمد زکریاؒ (والد ماجد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ) مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ مفتی عبدالحمید، مولانا مفتی ضیاء الحسنؒ یہ سب دیوبند کے فاضل اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے شاگرد تھے سب سرفروش مجاہد تھے۔ جنگ آزادی کے شریک اور مسلمانوں کی قومی اور سیاسی تحریکات کے علمبردار تھے۔

میرے والد محترم حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ان سب بزرگوں سے نہایت قریبی اور مخلصانہ تعلقات تھے والد ماجد اور احقر بار بار لدھیانہ جاتے اور ان سب بزرگوں اور عزیزوں کی محبت اور یگانگت سے محظوظ اور مستفید ہوتے والد ماجد کے تعلقات اس خاندان سے کس درجہ مخلصانہ تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے فرمائیے؛

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ ایک دفعہ گجرات جیل میں تھے۔ حضرت والد ماجدؒ اپنے چار رفقاءِ سفر کے ساتھ لدھیانہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے مکان پر پہنچے۔ ان کے مردانہ مکان میں جھاڑو لگی ہوئی نہیں تھی۔ حضرت نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ گھر میں سے جھاڑو منگاؤ اور صفائی کرو۔ اندر سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی اہلیہ نے فرمایا کہ حضرت آپ یہ تکلیف نہ کریں اس پر حضرت نے فرمایا اس میں کیا مضائقہ ہے ہم تو اپنے گھر آئے ہیں۔ گھر کا انتظام کرنا ہمارا فرض ہے۔

اباجیؒ کی تدفین و تکفین میں اس خاندان کے مرد و عورت سب شریک تھے جو دن کے دن لدھیانہ سے دیوبند پہنچے۔ تقسیم کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ دہلی میں مقیم رہے۔ احقر بار بار مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتا اور وہ اپنی شفقت و محبت سے مجھے نوازتے۔ اس زمانہ میں حضرت مولانا نے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی میں میرے لئے ایک مناسب ملازمت کی تجویز فرمائی مگر مولانا حفظ الرحمٰنؒ اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کی رائے سے رسالہ "دارالعلوم" کی ادارت پر میں مامور ہو چکا تھا اس لئے دہلی کا یہ قصہ نظر انداز ہوا۔

مفتی ضیاء الحسنؒ لدھیانوی ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۰ء تک دار العلوم میں بسلسلہ تعلیم مقیم رہے۔ وہ دیوبند آنے سے پہلے لدھیانہ میں میٹرک پاس کر چکے تھے اور اپنے والد مرحوم حضرت مولانا مفتی نعیم صاحبؒ کے مدرسہ محمودیہ میں عربی کی کافی کتابیں نکال چکے تھے۔ دیوبند کے زمانۂ تعلیم میں شب و روز ان کے ساتھ گذرتے تھے۔ وہ درس نظامی کی تعلیم میں مجھ سے کچھ آگے تھے اور میں ذرا پیچھے تھا۔ شعر و ادب، صحافت و سیاست، مجلس آرائی، کھیل کود، تقریر و تحریر ہر چیز میں ایک دوسرے کے ساتھ تھے وہ دور میری مضمون نگاری، شاعری اور صحافت کا ابتدائی دور تھا۔ مرحوم مفتی ضیاء الحسن اکثر مضامین کے لئے مجھے کتابوں سے مواد فراہم کر کے دیتے، اپنے مناسب مشوروں سے میری رہنمائی کرتے اور میرے مضامین کے مسودات صاف کرتے اور اس زمانے میں متحدہ پنجاب کے ادبی اور دینی رسائل، اختر شیرانی کے رومان علامہ تاجور نجیب آبادی کے شاہکار۔ حکیم یوسف حسن کے نیرنگ خیال۔ رسالہ سہاگ۔ رسالہ حور۔ رسالہ واعظ، جالندھر کے رسالوں پیام اسلام۔ مسلم۔ نور۔ لاہور کے اخبارات زمیندار، احسان، انقلاب، شہباز، نوائے پاکستان، آزاد وغیرہ میں سینکڑوں کی تعداد میں میرے مضامین شائع ہوئے جالندھر کے مولانا عبد الحق عباسی۔ محمد احمد خانؒ ذاکر۔ حفیظ جالندھری۔ محمد علی آور جالندھریؒ۔ افضل جالندھریؒ۔ سید فیضی جالندھریؒ لدھیانہ کے ام حسن لطیفیؒ۔ فیض لدھیانویؒ۔ غازی عبد العزیزؒ وغیرہ سب سے جان پہچان تھی۔ بہت سوں سے خط و کتابت تھی۔ مفتی ضیاء الحسن میرے ان سب تعلقات اور میری سرگرمیوں میں شریک رہا کرتے تھے۔

۱۹۴۰ء میں وہ دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کر لدھیانہ چلے گئے اور وہاں مدرسۃ البنات اور مدرسہ محمودیہ کی عملی سرگرمیوں میں شریک رہے۔ ادھر ان کی سیاسی مصروفیتیں بھی کافی بڑھ گئی تھیں۔ تقسیم کے وقت اس مجاہد خاندان کی پوری زندگی انقلاب کی نذر ہوئی اور مفتی ضیاء الحسنؒ پاکستان کے شہر ساہیوال میں جا بسے۔ پاکستان میں اکثر میری اُن سے خط و کتابت رہی لیکن افسوس ہے کہ اس ۳۵، ۳۶ سال کے عرصہ میں کبھی ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔ اب اپنے برادر مخلص اور رفیق قدیم کی وفات کی خبر سُن کر دل مایوسیوں کے سمندر میں ڈوب گیا۔

؎ مصائب اور بھی تھے پر دل کا جانا عجب اِک سانحہ سا ہو گیا

میری عمر اب ۶۲ سال کے قریب ہے۔ مفتی ضیاء الحسنؒ مجھ سے چار پانچ سال بڑے تھے خیال ہے کہ انہوں نے ۶۷، ۶۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ میں ہند و پاکستان میں ان کے سب افراد خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں حق تعالیٰ مرحوم کو آخرت کی نعمتوں سے نوازے ۳۶ء سے ۴۰ء تک دار العلوم دیوبند میں ہم لوگوں کی جو ایک دوستانہ مجلس قائم تھی اسکی ایک شخصیت ہمارے دوست قاری محمد نعمان صاحب بھی ہیں جو مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم کے فرزند ہیں۔ ہم سب اس زمانہ میں بیکے از بانیان پاکستان حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی مجلسوں میں بھی حاضر رہا کرتے تھے گردش وقت سے اب قاری محمد نعمان صاحب بھی شدید علیل ہیں۔ دار العلوم میں پچھلے برس ہمارا ان کا ساتھ چھوٹ گیا وہ دار العلوم میں بدستور موجود ہیں اور ہم دار العلوم سے باہر آگئے لیکن ان سے ہمارے برادرانہ مراسم بدستور ہیں۔ ● شاہ منزل محلہ خانقاہ دیوبند

خاص

مکتوب محبوب

از : مولانا محمد عبداللہ مدرس تجوید
دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

دارالعلوم حقانیہ پاکستان میں دارالعلوم دیوبند ہے جہاں علماء و طلباء کا اجتماع رہتا ہے۔ بقیۃ السلف حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ، سابق مدرس دارالعلوم دیوبند کا وجود مسعود علماء و طلباء کا مرجع ہے اور حضرت کے فرزند ارجمند مولانا سمیع الحق صاحب ملک وملت کی صحیح ترجمانی، وکالت، صحافت کے حقوق ادا کر رہے ہیں۔ ابھی سعودیہ عربیہ میں عالمی حسن قرأت میں دارالعلوم کے قاری سلیمان صاحب نے قرأت کا ریکارڈ قائم کرتے ہوئے خصوصی انعام حاصل کیا ہے۔ دارالعلوم کے قاری ثانی کا مکتوب بنام رشیدیہ کنونشن موصول ہوا مکتوب کا ایک اہم حصہ قابلِ اشاعت حاضر خدمت ہے۔　　(ادارہ)

سیدی وسندی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب وحضرت فاضل حبیب اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ مسلّم حقیقت ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو پاکستان میں سب سے زیادہ محبت اور تعلق جامعہ رشیدیہ سے تھا بلکہ مدینہ منورہ میں کئی ایک مجالس میں مکتوبات شیخ الاسلام سننے کے بعد فرمایا کرتے تھے "جامعہ رشیدیہ سے مجھے بہت بڑی محبت ہے۔" اور مولوی حبیب اللہ صاحب نے اکابرین دیوبند کی بہت بڑی خدمت کی ہے: یہ معمولی بات نہیں ہے، یہ اپنے وقت کے علم وروحانیت کے سرتاج اور گنگوہی علوم کے شارح محدث ابن محدث کی دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا جملہ ہے۔ جس سال حضرتؒ فیصل آباد میں تھے رمضان المبارک میں تاریخ تو یاد نہیں ہے مسجد کے شمالی حصہ میں حضرتؒ معتکف تھے اور حضرتؒ کے دروازے ہی پر (جو غالباً عصر کی نماز کے لئے کھلا کرتا تھا) کبھی کبھی اور وقتوں پر بھی اور بالکل حضرتؒ کے سامنے ایک مردِ درویش اور حضرت مدنیؒ کے سچے عاشق تکلفات سے پاک مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ موجود ہوتے۔ خدا شاہد ہے اس وقت جو انوارات مولانا محمد عبداللہ صاحب کے چہرے پر نظر آتے تھے۔ مسجد علماء سے بھری ہوئی تھی اور حضرتؒ کی نظرِ خاص مولانا محمد عبداللہ صاحب پر تھی۔ جب حضرت کو حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے بیعت اور خلافت سے نوازا کر وہ باہر جب نکلے سارا بدن پسینہ پسینہ اور زبان پر اللہ اللہ کی آواز جاری تھی۔ غالباً قاری رحیم بخش صاحبؒ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا بس حضرتؒ کا آنا ہی مولوی عبداللہ اور جامعہ رشیدیہ کے لئے ہوا۔ وقت کافی گذر چکا ہے اور اب یاد نہیں کہ حضرت شیخ الحدیثؒ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے تھے لیکن اس میں شک نہیں کہ رشیدی علوم کے شارح سے سارا کچھ رشیدیہ والے لے گئے۔ مبارک ہو! حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق اور مولانا سمیع الحق صاحب سلام عرض کرتے ہیں اور دعا کی درخواست کرتے ہیں۔

والسلام : محمد عبداللہ مدرس حقانیہ اکوڑہ خٹک

أخبار وخواطر

ندوة رشيدية في الباكستان

■ ستعقد ندوة في الجامعة الرشيدة ساهيوال في الباكستان، وتضم هذه الندوة العلماء البارزين الذين ينتمون إلى الجامعة دارالعلوم ديوبند، ووفاق المدارس العربية ومن أهدافها السامية الحرص على توطيد عرى الأخوة الإسلامية وتوثيق الصلات فيما بينهم حتى يسهل لهم مايصبوا إليهم من مسئولية لنشر الدعوة الإسلامية وغرس العقيدة الصافية في الشعب المسلم •

جامعة الأزهر تحتفل بعيدها الألفي

■ تحتفل جامعة الأزهر الشريف بمرورها ألف قرن على تأسيسها - الذي سيتم من ١٨ / إلى ٢٥ / مارس الحالي ولاشك في أنها أكبر وأقدم جامعة في العالم على الإطلاق - التي ظلت أكثر من ألف عام معقل الإسلام وحاميا للقرآن وستظل كما كانت منارة إسلامية دائمة اشعاع لكل المسلمين في أنحاء العالم، وتحتفل اليوم لتزداد فعاليتها وتكثر نشاطها وتستأنف مسيرتها بعد صمود أكثر من ألف قرن في وجه الحركات المعادية ضد الإسلام، وإعداد أجيال متلاحقة من المؤمنين الواعين خلال ألف عام. فبهذه المناسبة ترحب جامعة دارالعلوم مسئولين وأساتذة وطلاباً بعيدها هذا وتذكر بالتقدير الجهود الطيبة التي قام بها علماء الأزهر في رفع مشاعل النور على امتداد ألف قرن كامل •

قمة عربية مصغرة خلال الأيام القادمة

● الكويت - « لأخبار العالم الاسلامي » :

ذكرت أنباء صحفية هنا أن اتصالات تدور الآن بين عدد من الدول العربية لعقد قمة عربية مصغرة خلال الأيام القليلة القادمة ، وذلك لبحث الوجود العسكري السوري والفلسطيني في الأراضي اللبنانية وذلك بالتنسيق مع حكومة بيروت لاتخاذ موقف عربي موحد حول هذه المسألة

تحركات جديدة للجنة المساعي

● علمت أخبار العالم الاسلامي ان هناك تحركات جديدة ستقوم بها لجنة المساعي الاسلامية الحميدة لوقف الحرب بين العراق وايران ، وان هذا التحرك الجديد سيكون أكثر دقة والتزاماسيما وان قمة عدم الانحياز قد طالبت في اجتماعها الأخير بضرورة اتخاذ قرارات سريعة لايقاف الحرب بين البلدين المسلمين .

الداعي
جريدة عربية نصف شهرية
تصدر عن الجامعة الاسلامية دارالعلوم ديوبند
(الهند)

جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال

- جامعہ رشیدیہ میں آئندہ ابتداء سال سے مزید قابل اساتذۂ حدیث ولائق معلمین کا اضافہ ہو رہا ہے جبکہ ۲۵ اساتذہ وعملہ مدرسین نہایت مستعدی سے تعلیم وتربیت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔
- جامعہ میں تحفیظ القرآن الحکیم وتجوید، مشق قرأت، شعبۂ ارشادات نیز ابتداء اردو اسلامیات، انشاء پردازی ضروری حساب کتاب، معلومات عامہ، فارسی اور عربی اولیٰ تا دورۂ حدیث تعلیمات کے کامل واکمل انتظامات ہیں۔
- جامعہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت، جامعہ کے نظام کی پابندی، نگرانی وحاضری، طالبعلمانہ صورت وسیرت ہمہ وقتی قیام وتعلیم وحاضری نیز دیگر شرائط کی پابندی لازمی ہے ..... دس سال سے کم عمر طلبہ کا داخلہ ندارد۔

- جامعہ میں تعمیر وترقی اور عمارات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دار الاقامہ اساتذہ وطلبہ نیز طلبہ کی دیگر ضروریات قیام، طعام، لباس، کتب، علاج معالجہ اور نقد وظائف کے علاوہ معاشی سہولتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

- جامعہ کی کارکردگی وترقی کا اندازہ، ادارہ کے میزانیہ سے بغور ملاحظہ فرمائیے کہ جامعہ کے ماہوار مصارف نوے ہزار روپے اور سالانہ تخمینہ ۹ لاکھ روپے ہونے لگا ہے۔ ڈیڑھ سو من گندم مطبخ کا خرچ ہے۔

- جامعہ حکومت کا مسلمہ خیراتی ادارہ، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا معتمد علیہ ومستند فوقانی مدرسہ دار العلوم دیوبند کے نصاب ونظام تعلیم اور اکابر علماء ومشائخ کے طرز وطریق پر کام کرنے والا دار العلوم ہے۔
- حکومت کی طرف سے انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ادارہ ہے برائے نوٹیفکیشن نمبر (۱۵ اس نمبر ا(۱۴۵) آئی۔ٹی۔پی ۶۰)
- جامعہ کا کوئی سفیر یا محصل ندارد، مستقل آمدن توکل بر خدا اور اخراجات مستقل نوے ہزار روپے ماہانہ لازمی ہیں جامعہ کا پاکستان سے باہر کسی ملک میں نمائندہ یا سفیر ندارد۔ بغیر رسید مصدقہ کوئی چیز یا رقم ہرگز نہ دیجائے۔
- جامعہ کا اکاؤنٹ نمبر ۳۹۴ حبیب بنک۔ غلہ منڈی ساہیوال۔ بیرونی اصحاب براہ راست ارسال فرمائیں

الداعی الی الخیر (پیرجی) **عبد العلیم** رائپوری ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال

RASHID. LAHORE

مؤتمر ابناءِ دار العلوم و اخوانِ دیوبند

رشیدیہ کنونشن ساہیوال

ی ہمارا ہے

کہ مئی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین نے انگریز کے خلاف جہاد برپا کیا تھا، اور سید الطائفہ کی قیادت میں شاملی کے میدان میں حضرات شیخین بانیانِ دار العلوم نے خصوصاً انگریز فوجوں سے مقابلہ کیا تھا۔

ے شکست و فتح تو قسمت میں تھی اے میر
معاملہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

۱۹۵۷ء میں بیادگار جہاد حریت جہاد کانفرنس رشیدیہ بسر پرستی حضرت شیخ التفسیر لاہوری بصدارت شہید فی سبیل اللہ قاری لطف اللہ رحمہ اللہ منائی گئی تھی - - - - - - - - -

ع باتیں ان کی یاد رہیں گی!

انشاء اللہ مئی میں رشیدیہ کنونشن طلب کی جا رہی ہے۔ ابناء دار العلوم، اخوان دیوبند، فضلاء رشیدیہ کو خصوصاً دعوت ہے اور اس اعلان کو دعوت تصور فرمائیں۔ اور اپنے نظام سے خدام رشیدیہ کو مطلع و مطمئن فرمائیں۔ تاکہ مدعوین اور جملہ حضرات کے قیام و طعام و آرام کا آپ کی شان اور اپنی حیثیت کے مطابق انتظام کیا جاسکے ے زراہِ مخلص ہر کس کہ بے منت قدم ساید
بہر گامے کہ بردار از و پائے زما بر چشمے

تاریخہائے مؤتمر رشیدیہ کنونشن ۲۱ مئی ۱۹۸۳ء مطابق ۷ رشعبان ۱۴۰۳ھ ہفتہ تجویز کی گئی ہیں۔

ع صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے

آپ حضرات کی سرپرستی۔ حوصلہ افزائی۔ ذرہ نوازی کے ہم منتظر و چشم براہ ہیں۔

خوشا مسجد و مدرسہ خانقاہے
کہ در وے بود قیل و قال محمدؐ

ماہنامہ الرشید

بادارت

- جامعہ رشیدیہ صرف ایک ملی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک تعلیمی، تبلیغی تحریک ہے۔
- جامعہ رشیدیہ ماہرین علوم، طالبان تعلیمات کی دینی تربیت گاہ ہے۔
- جامعہ رشیدیہ عرصہ پون صدی سے زائد، اسلامی عربی، قرآن، اور احادیث و فقہ حنفی کی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور جامعہ سے ہزاروں افراد مستفیض ہو چکے ہیں اور استفادہ کر رہے ہیں۔
- جامعہ رشیدیہ پاکستان کے فوقانی مدارس میں ہر طرح سے قابل اعتماد درسگاہ ہے۔
- جامعہ رشیدیہ کے تعلیمی مسائل اور علمی امور کے لئے ماہرین علوم کے معائنہ و نتائج امتحانات ملاحظہ فرمائیں۔
- جامعہ رشیدیہ کا نظم و نسق، بہترین نمونے کا نظام ہے حساب کتاب قابل اطمینان ہے۔
- جامعہ رشیدیہ کے تعلیمی کام اور انتظامیہ کو قریب سے دیکھنے کے لئے خود تشریف لائیے اور بچشم خود معائنہ فرمائیے۔
- جامعہ رشیدیہ وفاق المدارس العربیہ سے ملحق و منظور شدہ اور حکومت کا مسلّمہ خیراتی ادارہ اور انکم ٹیکس سے مستثنیٰ بموجب سرکلر حکومت پاکستان ۱۵سی -۱، (۱۴۵) آئی ٹی-بی ۶۰ مجریہ ۶۱-۲-۹
- جامعہ رشیدیہ کے سینکڑوں غریب الاوطان طلباء زکوٰۃ وصدقات چرمہائے قربانی کے مستحق اور عطیات کے بہترین مصرف ہیں۔
- جامعہ رشیدیہ کا ماہوار خرچہ ۹۰۰۰۰/- نوّے ہزار روپے اور سالانہ تخمینہ نو لاکھ روپیہ (بجٹ) ہے۔
- طلبہ غریب الاوطان کے قیام، طعام، ملبوسات، کتب، ادویہ، علاج معالجہ اور نقد وظائف کا مدرسہ کفیل ہے۔ -/۱۴۰ من صرف گندم کا ماہانہ صرفہ ہے۔
- مستقل آمدن توکل علی اللہ۔ جامعہ کا کوئی مستقل سفیر ندارد۔ بغیر رسید مصدقہ کوئی چیز یا رقم ہرگز نہ دی جائے
- بیرون ملک اصحاب براہ راست مراسلات فرمائیں جامعہ کا اکاؤنٹ نمبر ۲۹۴ حبیب بنک غلہ منڈی ساہیوال۔

[illegible] پیرجی عبدالعلیم رائپوری [illegible]

مؤتمر ابناء دارالعلوم و اخوان دیوبند پاکستان کا ترجمان

یادگار: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائپوری بانی مدرسہ رشیدیہ

جلد ۱۱
شعبان، رمضان
۱۴۰۳ھ

[ماہنامہ]

الرشید

شمارہ ۸، ۹
جون، جولائی
۱۹۸۳ء

مدیر اعلیٰ
فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر
عبدالرشید ارشد

بنظامت
(پیرجی) عبدالعلیم رائپوری

خطاط
حزب اللہ خالد

مقام اشاعت
۳۲/اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے
فی شمارہ : -/۲ روپیہ

پرنٹر: منہاج الدین اصلاحی
فرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

آئینہ مضامین

راشدات

مؤتمر ابناءِ دار العلوم و اخوانِ دیوبند پاکستان

رشیدیہ کنونشن ساہیوال

؎ للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

۶ ، ۷ ، شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحریری امتحانات کے اختتام پر جامعہ رشیدیہ میں مبارک تقریب اتحاد منعقد ہوئی۔۔۔۔

فضلاءِ قدیم دار العلوم دیوبند سے جامع شریعت و طریقت حضرۃ مولانا الحاج خواجہ خان محمد صاحب مدظلہٗ سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں ، امیر مجلسِ تحفظ ختم نبوت پاکستان کی تشریف آوری اور قیادت سے دیوبندی برادری کی پوری نمائندگی ہو گئی۔

مؤتمر رشیدیہ میں ملک بھر سے ملت کے راہنما۔ فضلاءِ قدیم دار العلوم ، ابناء و اخوانِ دیوبند مختلف طبقات کے زعماء اور مدارس کے حلقوں کے نظماء تقریباً پانچ صد مندوبین و اراکین نے شمولیت فرمائی اور چار پانچ اجلاس منعقد ہوئے۔

جمعہ کے اجتماع میں مولانا محمد سلیمان طارق (خطیب اوقاف) مولانا عبد اللطیف انور شیخوپورہ فاضل رشیدیہ ، مولانا محمد حسین رشیدی و دیگر خطباء نے خطابات فرمائے۔

شبانہ مجلس مشاورت فضلاءِ رشیدیہ مولانا محمد ضیاء القاسمی (تنظیم اہلِ سنت) کی صدارت میں شروع ہوئی جس میں رشیدیہ کے فضلاء اور ضلع کے جماعتی اصحاب و احباب نے شرکت فرمائی۔

فضلاءِ رشیدیہ نے دعوتِ اتحاد کی تحریک کی پُر زور تائید مزید اور توثیقِ انیق کرتے ہوئے اسکو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم بالجزم کیا۔ مولانا بشیر احمد شاد چشتی نے خطاب کرتے ہوئے جامعہ رشیدیہ کے نظام پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے جامعہ کے ترقیاتی مسائل اور ادارہ کے انتظامی امور میں پوری معاونت و نصرت کا عہد کیا۔ اور فضلاء رشیدیہ پر مشتمل مجلس فضلاء رشیدیہ جو پیر جی عبد العلیم رائپوری کی سرپرستی میں کام کرے گی قائم کی گئی۔

اراکین میں مولانا عبداللطیف انور، مولانا بشیر احمد شاد، مولانا محمد حسین رشیدی، مولانا محمد طیب بوریوالہ، مولانا اللہ یار راشد (احرار) ربوہ، مولانا عبدالقادر انور پتوکی، مولانا عبید اللہ لاہور قابلِ ذکر ہیں۔

---

۶ رشعبان، فضلاء دارالعلوم و ابناء رشیدیہ سے مجاہدِ کراچی حضرت مولانا الحاج محمد زکریا خان (سوادِ اعظم اہلسنت پاکستان) کی صدارت میں ایک عمومی اجلاس منعقد ہوا جس میں جملہ مندوبین و اراکین شامل ہوئے:

مولانا قاری عبدالمجید ندیم (تحفظ حقوق اہلسنت) نے اپنے مخصوص انداز میں مجلس کے عنوان سے مطابق قرآن حکیم کی آیات تلاوت کیں۔ اس اجتماع میں پاکستان بھر سے آمدہ مندوبین اور مختلف طبقات اور متعدد حلقوں نے مذاکرہ میں حصہ لیا۔

میاں محمد عارف ایڈووکیٹ، مولانا عبدالرحیم نعمانی، مولانا عبدالرشید ارشد، ڈاکٹر عبداللہ (نومسلم) مرزا جانباز میاں عبدالرحیم منہاج (نومسلم) مولانا عبدالقادر توحیدی، حکیم حبیب اللہ خان نے بحث کرتے ہوئے بعض تجاویز پیش کیں۔ داعی تحریک فاضل رشیدی نے پوری مجلس کے سامنے دینی جماعتوں میں کام کرنے والے جملہ طبقات اور مختلف حلقوں اور متعدد اداروں کے لئے ایک ضابطۂ اخلاق (معاہدۂ اتحاد) پیش کیا۔

یہ ضابطۂ اخلاق معاہدۂ اتحاد حضرت علامہ خالد محمود، مولانا عبدالرشید ارشد، قاری محمد طیب قاسمی اور فاضل رشیدی کا ترتیب دادہ، ہاؤس کے سامنے پڑھا گیا۔ بعض الفاظ حلف نامہ وغیرہ میں ترامیم کرتے ہوئے اجمالی اور مجموعی حیثیت سے جملہ حضرات نے پسند کرتے ہوئے مؤتمر کی خصوصی مجلسِ عاملہ کی منظوری پر موقوف کیا۔

بعد نماز ظہر بصدارت حضرت مولانا الحاج خواجہ خان محمد صاحب نقشبندی سجادہ نشین سراجیہ و امیر مجلس تحفظ ختم نبوۃ اجلاس خصوصی منعقد ہوا۔ القری جناب سید عبدالمجید ندیم صاحب نے لحن داؤدی میں آیاتِ جہاد تلاوت کیں!

فاضل رشیدی نے خطبۂ استقبالیہ میں اجتماع کے اغراض و مقاصد، طریق کار، آئندہ نظام اور دعوتِ اتحاد کو پیش کرتے ہوئے وحدتِ عمل کی عملی تجاویز سامنے رکھیں کہ:

"جیسے ہم سب اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے تبلیغی جماعت، مجلس تحفظ ختم نبوت، وفاق المدارس میں متحد العمل ہو جاتے ہیں اور وحدتِ عمل کا ثبوت دیتے ہیں اور مؤتمر ابناء دارالعلوم میں ہند و پاک و بنگلہ دیش میں جملہ فرزندانِ دارالعلوم و اخوانِ دیوبند مجتمع ہیں اور آپس میں عدم مخالفت کے اصول پر اکٹھے ہیں اور اکابرِ دارالعلوم کے مشرب اور ان کی تحقیقاتِ علمی و مجاہداتِ عملی کو تسلیم کرتے ہیں آج بھی ہم اسی علمی مشرب پر جمع ہو کر باطل قوتوں کے مقابلہ پر اپنا محاذ قائم رکھ سکتے ہیں اور اسطرح انشاءاللہ اکابر مجاہدین کی روایات کو زندہ و تابندہ رکھ سکیں گے۔"

فاضل رشیدی کی تائید مزید حافظ عبدالرشید ارشد نے فرمائی۔

اس خصوصی مذاکرہ میں مولانا عبدالحئی فاضل دیوبند (جام پور)، مولانا سید عبدالمجید ندیم، مرزا جانباز مدیر "تبصرہ" مولانا سیف اللہ خالد (اسلام آباد)، مولانا محمد ضیاء القاسمی، مولانا محمد شریف جالندھری اور علامہ خالد محمود اور جناب سید عطاء المحسن شاہ بخاری نے اپنے اپنے انداز میں خوب حصہ لیا۔

آخر میں علامہ خالد محمود کے خطاب پر جملہ حضرات نے اسکو تسلیم کرتے ہوئے متفقہ طور پر ضابطۂ اخلاق کو (بترمیم الفاظ)، معاہدۂ اتحاد کو منظور کیا اور ایک مجلسِ رابطہ (مصالحتی بورڈ) کا قیام عمل میں لایا گیا جو چودہ طبقات پر مشتمل ہوگی اور ہر حلقہ سے ایک عالم نمائندگی فرمائیں گے۔

مجلسِ رابطہ کی دعوت ع قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند مجلسِ رابطہ کے مندرجہ ذیل حضرات منتخب کئے گئے باقی حضرات سے ملاقات و مراسلات کے ذریعے پروگرام کا نظام بنایا جائے گا اور یہ کام رمضان المبارک کے بعد انشاءاللہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا اور جامعہ رشیدیہ کے سالانہ اجلاس پر عید الضحٰے سے پہلے نقشہ سامنے آسکے گا۔۔۔۔

لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراہ

آخری نشست میں حضرتِ صدر محترم نے جملہ عوام کو بھی شرکت کی دعوت دیدی، اور آخری عمومی نشست حضرت مولانا محمد شریف صاحب وٹو کی سرپرستی میں اختتام پذیر ہوئی۔ حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ نے کھڑے ہوکر ضابطۂ اخلاق معاہدۂ اتحاد کی توثیق فرماتے ہوئے پورے ہاؤس سے منظوری لی جملہ حضرات اصحاب واحباب نے متفقہ طور پر اس کی تائید مزید کی اور لبیک کہا۔ حضرت خواجہ صاحب مدظلہ نے کھڑے ہوکر بآواز بلند ادعیہ فرمائیں اور جملہ حاضرین نے آمین آمین سے دعا ختم کی۔ ویرحم اللہ عبداً قال امینا۔

بقیہ: دارالعلوم شاہراہِ ترقی پر

سے اس قسم کے دینی کاموں میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو دور کرنے کی طرف پوری توجہ دیں۔ اس لئے کہ دارالعلوم کے تمام ترقیاتی کاموں کی تکمیل ہمیشہ سے مسلمانانِ ہند و پاک کے مخلصانہ تعاون سے ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی یہی مخلصانہ تعاون دارالعلوم کا سرمایۂ توکل ہے۔ طلباءِ دارالعلوم کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے سالانہ بجٹ تقریباً ۷۴ لاکھ ہوگیا ہے دستِ تعاون بڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔ اُمید ہے کہ دینی حمیت ہندوستان میں اسلام کی بقاء واحیاء اور علوم نبوی کی اشاعت کا درد رکھنے والے صاحبِ خیر مسلمان درج ذیل پتہ پر اپنی امداد روانہ فرمائیں گے۔ شکریہ

(الحاج حضرت مولانا) مرغوب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ یو۔پی انڈیا۔

مؤتمر ابناءِ دارالعلوم و اخوانِ دیوبند پاکستان

مختلف جماعتوں میں کام کرنے والے ابناءِ دارالعلوم و اخوان دیوبند کا ضابطۂ اخلاق، معاہدۂ اتحاد

رشیدیہ کنونشن ساہیوال منعقدہ ۷ شعبان ۱۴۱۳ھ کی قرارداد

ہم دستخط کنندگانِ ذیل ان حقیقتوں کا بصمیم قلب اقرار کرتے ہیں!

(۱) ہم عقیدۃً اہل السنۃ والجماعۃ ہیں اور اپنے اس عقیدہ کو ہی قرآن و سنت اور عمل صحابہ کرامؓ کی صحیح تعبیر سمجھتے ہیں، اکابرِ دارالعلوم دیوبند بھی سب اہل السنۃ والجماعۃ تھے انہیں ہم اپنا بزرگ اور راہنما سمجھتے ہیں۔

(۲) جماعتی کاموں میں ہم میں جو اختلافات بھی پائے جاتے ہیں وہ سب انتظامی یا ذاتی یا ذوقی قسم کے ہیں۔ طریق کار مزاجِ عمل اور طبعی مناسبت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بایں ہمہ اختلافات ہم سب عقیدۃً ایک ہیں۔

(۳) تحفظِ مسلک کے لئے کسی بھی سطح پر وحدتِ عمل کی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو ہم سب اس کے لئے مل کر کام کرنے کو تیار رہوں گے۔ مسلک کی وفاداری میں ہم کسی مصلحت کو بروئے کار نہ آنے دیں گے۔

(۴) ہماری مختلف تنظیمیں جن جن دائروں میں کام کر رہی ہیں ہم ہر ایک دائرہ کار کو دینی ضرورت سمجھتے ہیں۔ توحید و سنت عوامی تبلیغی دعوت، ختم نبوت، حجیت حدیث، دفاعِ صحابہؓ اور اصلاحِ معاشرہ کے محاذوں پر مستقل کام کرنا سب اہم دینی ضرورتیں ہیں۔

(۵) طریق کار اور مزاجِ عمل میں مختلف ہونے کے باعث جو حضرات مختلف پلیٹ فارموں پر کام کر رہے ہیں ان میں باہمی تصادم کی پالیسی ہمارے مسلک کے لئے سخت مُضر ہے۔ اپنی دعوت کا رُخ اپنوں کی بجائے غیروں کی طرف ہونا چاہیئے۔ جو عقیدۃً ہم سے جُدا ہیں اور مخالفت کرتے ہیں۔

(۶) ہم عقائد علماءِ دیوبند کی مرکزی کتب کو حق سمجھتے ہیں، جو حضرات اسے حق تسلیم کریں وہ ہمارے مسلک پر ہیں۔ پھر بھی کسی مسئلے میں اختلاف ہو تو اکابر دیوبند کی شائع کردہ بنیادی تالیفات سے اس کا تصفیہ کرنا درست سمجھتے ہیں۔

(۷) ہم میں سے کوئی فرد یا طبقہ یا حلقہ اگر اس ضابطۂ اخلاق سے گریز کرے تو اس اختلاف کو ہم اکابر علماء کی مجلسِ ثالثہ یا مصالحتی بورڈ کے سپرد کریں گے جو یہ کنونشن تجویز کرے گا اور اس بورڈ کا فیصلہ ہمیں تسلیم کرنے سے کوئی انکار نہ ہوگا۔

(۸) ہم عہد کرتے ہیں کہ اکابر دارالعلوم دیوبند کے مسلک و مشرب کے تحفظ کے لئے اپنے داخلی اختلافات کو ختم یا کم از کم کرتے ہوئے دینی مواخات قائم کریں گے اور آپس میں اتفاق و اتحاد کا عملی ثبوت دیتے ہوئے متحد العمل رہیں گے۔ ہم اپنے دیوبندی حضرات و اصحاب کے خلاف تقریر، تحریر، بیان بازی کے ذریعے مخالفت ہرگز نہیں کریں گے

باقی ص ۸ پر

ضابطہ اخلاق و معاہدہ اتحاد

معاہدہ اتحاد ہذا پر مندرجہ ذیل اکابر حضرات، قائدین طبقات، زعماء حلقہ جات و ناظمین ادارہ جات کے دستخط ثبت ہیں جو مؤتمر ابناءِ دارالعلوم و اخوانِ دیوبند پاکستان کے دفتر جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں موجود ہیں:

- قائدِ ابناءِ دارالعلوم، حضرت مولانا الحاج خواجہ خان محمد صاحب مدظلہٗ — (فاضل دیوبند قدیم)
- معتمد فضلاءِ دارالعلوم، حضرت علامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی (انگلستان)
- امیر العلماء، حضرت مولانا محمد شریف صاحب وٹو — (فاضلِ دیوبند قدیم) — بہاولنگر
- حضرت مولانا الحاج فداء الرحمٰن صاحب خلف الصدق حضرۃ حافظ القرآن والحدیث مولانا عبد اللہ مدظلہٗ درخواستی
- حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب — (وفاق المدارس العربیہ پاکستان) — (فاضل دیوبند قدیم)
- حضرت مولانا محمد زکریا خان صاحب — (سوادِ اعظم اہلسنت پاکستان) — (فاضلِ دیوبند جدید)
- حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب — (مدیر جامعۃ العلوم الاسلامیہ) — کراچی
- مولانا عبد السمیع صاحب (استاذ 〃 〃 〃) — (کراچی)

سندھ

- مولانا احمد الرحمٰن صاحب مظاہری جیدری حیدرآباد
- مولانا دوست محمد صاحب مدنی — نواب شاہ
- شیخ اسلام الدین صاحب — شہدادپور

سرحد

- مولانا احمد عبد الرحمٰن صاحب صدیقی ایم۔اے (ضلع پشاور)

- شیخ عزیز الرحمٰن صاحب (نمائندہ تحفظ حقوق اہلسنت) (ڈیرہ اسماعیل خان)

راولپنڈی

- مولانا محمد عبد اللہ — خطیب اسلام آباد
- مولانا سیف اللہ خالد — 〃
- مولانا نور محمد — ہزاروی
- مولانا عبد الستار توحیدی — راولپنڈی
- مولانا حسین علی — کشمیری

لاہور

○ حضرت سید نفیس الحسینی ـــ جامعہ مدنیہ ـ لاہور
○ مولانا حافظ عبدالرشید ارشد ـــ (ادارہ رشیدیہ)
○ حضرۃ مولانا محمد اجمل قادری ـــ (ادارہ خدام الدین)
○ مولانا عبدالقادر آزاد ـــ (خطیب و امام شاہی مسجد)
○ مولانا اصغر علی ـــ (محکمہ اوقاف)
○ مولانا عبدالحئی عابد (ناظم اعلیٰ جمعیۃ اہلسنت پاکستان)
○ مرزا جانباز مدیر "تبصرہ" (مجاہدین احرار)
○ مولانا عبیداللہ رشیدی ـــ لاہور

فیصل آباد

○ مولانا محمد ضیاء القاسمی ـــ (تنظیم اہلسنت پاکستان)
○ مولانا محمد اشرف ہمدانی ـــ خطیب
○ مولانا امداد الحسن نعمانی ـــ "
○ مولانا محمد رفیق جامی ـــ "
○ محترم حافظ لدھیانوی ـــ (ملی شاعر)
○ نومسلم عبدالرحیم منہاج ـــ (سابق پادری)
○ جناب احمد یعقوب (ناظم خدام اسلاف) ٹوبہ

○ مولانا محمد سلیمان طارق ـــ (تحریک احیاء سنت)
○ مولانا عبدالحق مجاہد ـــ (" " ")
○ مولانا عبدالرحمن ضیاء کمالیہ (" " ")
○ مولانا محمد اشرف جامعہ رحمانیہ ـــ جہانیاں
○ مولانا منظور احمد چنیوٹی (مجلس دعوۃ و ارشاد پاکستان)
○ مولانا اللہ یار رشیدی خطیب مسجد احرار ربوہ

ملتان

○ مولانا عبدالشکور دینپوری (مجلس تحفظ حقوق اہلسنت پاکستان)
○ مولانا سید عبدالمجید ندیم (ناظم اعلیٰ " " ")
○ مولانا محمد شریف جالندھری (مجلس تحفظ ختم نبوت)
○ مولانا عزیز الرحمن ـــ (" " ")
○ مولانا محمد حنیف جالندھری (مدیر جامعہ خیر المدارس)
○ مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری دار بنی ہاشم
○ سید عطاء المؤمن شاہ بخاری " "
○ مولانا خدا بخش ـــ جامعہ قاسم العلوم

○ مولانا سید منظور احمد حجازی ـــ ملتان
○ مولانا عبدالمجید (باب العلوم) ـــ کہروڑ پکا
○ مولانا عبدالستار ـــ خطیب وہاڑی
○ مولانا عبدالرحیم نعمانی ـــ بورے والہ
○ مولانا قاری محمد طیب ـــ "
○ مولانا محمد انور ـــ دارالعلوم کبیر والہ
○ حاجی گل محمد (تبلیغی) ـــ باگڑ سرگانہ

○ مولانا علامہ زاہد الراشدی ـــ گوجرانوالہ
○ مولانا حافظ گلزار احمد آزاد (شیخ الہند سوسائٹی) "
○ میاں محمد عارف ایڈووکیٹ (جمعیۃ الطلبہ) "
○ شیخ عبدالستار ـــ (سنی گارڈ) "
○ مولانا رشید احمد لدھیانوی ـــ رحیم یار خان
○ مولانا محمد عمر ـــ مظفر گڑھ
○ مولانا عبدالمجید ـــ "

- ڈاکٹر عبداللہ جتوئی (نائب مرزائیت) مظفرگڑھ
- مولانا محمد یعقوب ربانی ـــــ شیخوپورہ
- مولانا عبداللطیف انور ـــــ "
- مولانا ظفر قاسم ـــــ جھنگ
- مولانا حامد علی رحمانی ـــــ حسن ابدال
- ڈاکٹر عبدالرحیم صدیقی (شکرگڑھ) سیالکوٹ
- مولانا رشید احمد پسروری ـــــ "
- مولانا غلام مصطفےٰ ـــــ بہاولپور
- مولانا مفتی غلام قادر ـــــ خیرپور
- مولانا محمد یوسف ـــــ بہاولنگر
- مولانا محمد قاسم ـــــ فقیروالی
- مولانا سید فضل الرحمٰن احرار ـــــ سرگودھا
- مولانا بشیر احمد شاد ـــــ چشتیاں
- مولانا عبدالقادر انور ـــــ پتوکی، قصور
- جناب عبدالرحیم نیازی (مجاہدین احرار) میانوالی
- سید عبدالغنی برق ـــ " ـــ فیصل آباد
- سید امیر حسین شاہ گیلانی ـــ جامعہ مدنیہ ـــ اوکاڑہ
- میاں محمد اشرف ایڈووکیٹ ـــــ ساہیوال
- چوہدری محمود الحسن ایڈووکیٹ ـــــ "
- پروفیسر محمود سلطان ـــــ عارف والہ
- پروفیسر محمد افضل ـــــ بورے والہ
- مولانا رحمت اللہ امین ـــــ بہاولپور

حضرات بالا کے علاوہ ضلع ساہیوال، ضلع اوکاڑہ، ضلع بہاولنگر کے متعدد حضرات کے دستخط اور نمائندگان کی شرکت ہوئی جن کے اسماءِ گرامی و دستخط موجود ہیں۔ جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، میانوالی، اٹک کے حضرات کے مراسلات و مکتوبات موصول ہوئے جس میں دیوبندیت کے تشخص والے مسئلہ پر خامہ فرسائی فرمائی گئی اور مفید مشورے اور تجاویز لکھی گئیں۔ بحیثیت مجموعی سب نے دعوتِ اتحاد کی تائید فرمائی اور بعض نے تنقیدات و تنقیحات بھی لکھیں۔
الرشید کے صفحات کی قلت کے پیشِ نظر سب اصحاب و احباب کے نام نامی و اسماءِ گرامی شائع نہ ہو سکے جس کے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ اُمید کہ رفقاء اصل مقصد کی طرف توجہ سامی فرماتے ہوئے درگذر فرمائیں گے۔

بقیہ: ضابطہ اخلاق اور معاہدۂ اتحاد

اور خلوت و جلوت میں بھائی چارہ کی فضا قائم کر کے محبت و صلح کی فضا پیدا کریں گے اور ہماری تحریک اتحادِ عمل جاری و ساری رہے گی اور ہم اکابر و اصحاب سے مسلک حقہ کے نام پر استدعا کریں گے کہ وہ ہماری دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ہر قسم کی معاونت و نصرت فرمائیں گے اور ہر قسم کے نزاع کو خیرباد کہیں گے۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت

پیغامات تہنیت دعوات و تائیدات و مکمل اعتماد کے بیانات

(۱) ___ عالمی مؤتمر ابنائے قدیم و فضلائے دارالعلوم دیوبند ___ (انڈیا)
(۲) ___ عملہ مجلہ "الداعی" ___ دیوبند ___ "
(۳) ___ حضرات علمائے مظاہر العلوم ___ سہارنپور ___ "
(۴) ___ جامعہ ملیہ ___ دہلی ___ "
(۵) ___ جمعیۃ الطلبہ ___ دارالعلوم دیوبند ___
(۶) ___ جمعیۃ علمائے اسلام و وفاق المدارس ___ بنگلہ دیش
(۷) ___ حرمین شریفین سے فضلاء رشیدیہ کے مکتوبات رشید!
(۸) بقیۃ السلف حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ ___ اسیر مالٹا ___ صوبہ سرحد
(۹) حضرت العلامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہٗ ___ پشاور ___ "
(۱۰) حضرۃ قاضی القضاۃ مولانا محمد تقی عثمانی خلف حضرۃ مفتی محمد شفیع صاحبؒ ___ دارالعلوم ___ کراچی
(۱۱) حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ حقانی ___ جامعہ حقانیہ ___ اکوڑہ خٹک
(۱۲) حضرت مولانا عبید اللہ صاحب ___ مجلس صیانۃ المسلمین ___ مدیر جامعہ اشرفیہ ___ لاہور
(۱۳) حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور ___ خلف حضرۃ شیخ التفسیر لاہوری ___ "
(۱۴) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب انصاری مدظلہٗ ___ صادق آباد ___ رحیم یار خان
(۱۵) حضرت مولانا الحاج غلام حبیب صاحب نقشبندی ___ چکوال
(۱۶) ___ مولانا سمیع الحق صاحب مدیر "الحق" ___ (رکن مجلس شوریٰ پاکستان)
(۱۷) ___ مولانا اشرف علی صاحب قریشی ___ پشاور ___ سرحد
(۱۸) ___ کارکنان مجلس تحفظ ختم نبوت ___ " ___ "
(۱۹) بلوچستان ___ مفتی محمد انور صاحب ___ لورالائی
(۲۰) " ___ سید شمس الدین صاحب ___ بھاگ
(۲۱) " ___ محمد اقبال صاحب ___ کوئٹہ
(۲۲) ___ مکتوب آزاد کشمیر ___

مجلس تحفظ مسلک علماء دیوبند

① بسرپرستی حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی مدظلہٗ ——— پشاور
② حضرت مولانا سرفراز احمد خان صاحب شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم —— گوجرانوالہ
③ قاضی القضاۃ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ——— دارالعلوم ——— کراچی
④ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ——— جامعۃ العلوم الاسلامیہ — 〃
⑤ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب ——— 〃 〃 〃
⑥ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ——— وفاق المدارس العربیہ پاکستان
⑦ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب انور ——— خدام الدین ——— لاہور
⑧ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب ——— مدیر جامعہ اشرفیہ ——— 〃
⑨ حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی ——— شیخ الحدیث حقانیہ ——— اکوڑہ خٹک
● مزید دو تین حلقوں سے اراکین ——— (حسب انتخاب آئندہ اشاعت میں)
⑩ حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی ——— انگلینڈ

مجلس رابطہ و مصالحتی بورڈ

① بسرپرستی جناب علامہ خالد محمود صاحب ———
② فاضل حبیب اللہ رشیدی مدیر الجامعہ — داعی مجلس ——— کنوینر
③ مولانا محمد شریف جالندھری ——— مجلس تحفظ ختم نبوت
④ مولانا محمد ضیاء القاسمی ——— تنظیم اہلسنت
⑤ مولانا عبدالحق جام پوری ——— تحفظ حقوق اہلسنت
⑥ مولانا زاہد الراشدی ——— نظام العلماء
⑦ سید امیر حسین شاہ گیلانی ——— جامعہ مدنیہ اوکاڑہ
⑧ مولانا عبدالمجید —— (باب العلوم کہروڑ پکا) وفاق المدارس العربیہ
⑨ مولانا عبدالحق مجاہد ملتانی ——— تحریک احیاء سنت
● بقیہ طبقات و حلقوں سے مزید نمائندے منتخب کر کے شامل کئے جائیں گے انشاء اللہ۔

جناب حافظ لدھیانوی

ہدیہ بر تقریب رشیدیہ کنونشن

○

الرشید اے دعوتِ حق کے نقیب
دین مصطفوی کی اِک موجِ لطیف

تجھ میں پائی ہے ضیائے دیوبند
اہلِ دیں میں ہے تیرا رُتبہ بُلند

رمزِ قرآں کو کیا ہے آشکار
زندہ ہے تجھ سے سلف کی یادگار

تجھ میں خوشبو ہے حدیثِ پاک کی
احترامِ سیدِ لولاکؐ کی

جاذبیّت ہے تری تحریر میں
اِک نرالا رنگ ہے تفسیر میں

گمرہوں کو تُو ہے منزل کا نشاں
ہے ترا ہر لفظ حق کا ترجماں

رشد کی خوشبو ہے تیرے نام میں
ہے یہ فیضانِ خُدا اِنعام میں

ہے علمبردارِ دینِ مُصطفےٰؐ
کارواں کے واسطے بانگِ درا

دردمندی کا ہے مظہر ہر ورق
تجھ سے ملتا ہے صحابہؓ کا سبق

ترجمانِ سیرتِ خیرالبشرؐ
تجھ میں ہے شانِ قیادت جلوہ گر

ملک میں آئین پھر قرآن کا
یعنی قرآں کے ہر اِک فرمان کا

ہے یہی مقصد یہی ہے مدّعا
ہو یہاں رائج نظامِ مصطفےٰؐ

تُو مُرقّع ہے حسیں افکار کا
آئینہ ہے قدرت اِظہار کا

عالمِ دیں، مردِ حق آگاہ سے
تجھ کو ہے نسبت حبیب اللہ سے

جس کا سینہ علم سے تابندہ ہے
اِک جہاں جس علم سے رخشندہ ہے

جس کا ہر اِک لفظ ہے شمعِ سبیل
جس کا ہے ارشاد ایماں کی دلیل

علمِ دیں کا کارواں ہے الرشید
منزلِ حق کا نشاں ہے الرشید

گاہے گاہے باز خواں

احیاءِ اسلام کے لئے منظم عملی جدّوجہد

کی تحریک پر علمائے کرام کا ردِ عمل

اور اِس پر

ایک دُکھی دِل کی صدا

مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن کا حاشیہ

متعلقہ آیت نمبر ۴۹ سورۂ توبہ

اِئْذَنْ لِیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے تبوک کا ارادہ کیا تو منافقوں کے ایک سردار جد بن قیس نے کہا عورتوں کے معاملہ میں بہت کمزور ہوں مجھے ڈر ہے کہ کہیں بنو اصفر کی عورتیں دیکھ کر مفتون نہ ہو جاؤں پس مجھے رہ جانے کی اجازت دیجئے اور مجھے اس فتنہ میں نہ ڈالئے (ابن جریر، بنو اصفر یعنی رومی) اس سے معلوم ہوا جو باتیں کہی گئی ہوں گی وہ اسی قسم کی ہوں گی۔ فرمایا یہ جھوٹے بہانے نکالنے کے لئے جھوٹے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ کہہ کر کہ اصل فتنہ میں گر پڑے کہ راہِ حق میں جہاد کرنے سے جی چرایا اور اس کیلئے جھوٹی نیکی و پرہیزگاری کی آڑ پکڑی۔

غور کرو گے تو یہ نفاق کی خصلت آج بڑے بڑے مدعیان علم و مشیخت میں بولتی نظر آئے گی۔ جھوٹی دینداری اور وہمی پرہیزگاری نے سعی و عزم کی تمام راہیں ان پر بند کر دی ہیں اور وہ ساعی ہیں کہ امت پر بھی بند کر دیں ۱۹۱۳ء کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کو عزائم و مقاصد پر توجہ دلاؤں ممکن ہے چند اصحاب شدِ کمل آئیں چنانچہ میں نے اس کی کوشش کی لیکن ایک تنہا شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ دعوت ایک فتنہ ہے اِئْذَنْ لِیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ یہ مستثنیٰ شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی جو اب رحمتِ الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے۔۔۔۔

(میثاق)

الحمدللہ ثم الحمدللہ دارالعلوم دیوبند جو ایشیا کی عظیم الشان دینی درسگاہ ہے اور جس کی روایات اور دینی و ملی خدمات روز روشن کی طرح درخشندہ و تابناک ہیں وہ ایک عرصہ تک تعطل و جمود کا شکار رہنے اور ایک سخت تکلیف دہ دور ابتلاء و آزمائش سے گذرنے کے بعد ایک سال سے مکمل طور پر کھلا ہوا ہے اور اپنی سابقہ روایات کیساتھ دینی و ملی خدمات میں مصروف ہی نہیں بلکہ نمایاں طور پر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے جس کا کچھ اندازہ آپ کو دوسرے صفحات میں درج حقائق سے ہوسکتا ہے۔

دارالعلوم کے اربابِ حل وعقد دارالعلوم کی تعمیر نو میں مصروف ہیں اور وہ دارالعلوم کے سرمایہ کو مخالفانہ پروپیگنڈے کے دفاع پر خرچ کرنا جائز نہیں سمجھتے، اس طرح عام مسلمان اسطرح کے پروپیگنڈے پر دھیان نہ دیں اور کسی وقت تشریف لاکر بچشم خود دارالعلوم اور اس کے ترقیاتی کاموں کا معائنہ فرمائیں۔

سال رواں کے ترقیاتی کام

- طلبہ کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔
- پندرہ سو طلباء کو امدادِ طعام دی گئی۔
- مزید ۱۹۱ طلباء کو جزوی امداد دی گئی جس کی مقدار ۳۰/ روپے ماہوار ہے۔
- ایک لاکھ سے زائد درسی کتابیں خریدی گئیں اور جو دستیاب نہ ہوسکیں انہیں طبع کرایا گیا۔
- طلبہ کو قیام و طعام کے علاوہ معیارِ تعلیم کی بلندی، بجلی، روشنی اور علاج وغیرہ کیلئے پہلے سے کہیں زیادہ سہولتیں دی گئیں۔
- رواق خالد کی پہلی منزل کی تعمیر بہت سے نئے اضافوں کے ساتھ مکمل کی گئی۔
- طلبہ کی علمی صلاحیت اور ذوقِ مطالعہ میں اضافہ کے لئے دارالمطالعہ کے اوقات میں چار گھنٹہ کا اضافہ کیا گیا۔
- نئے تقررات میں باصلاحیت اور دیندار حضرات کا انٹرویو کے ذریعے انتخاب کیا گیا۔
- شیخ الہند اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔
- جمعیۃ الطلبہ باقاعدہ منظور ہوئی اور اسکا انتخاب کرایا۔
- دارالاقامہ کے قدیم سینکڑوں کمروں کی مرمت کرائی گئی۔

تقابلی مطالعہ

	سابقہ	موجودہ		سابقہ	موجودہ
تعداد کل طلبہ	۱۶۳۸	۲۴۴۳	تعداد امدادی	۹۰۰	۱۵۰۰
تعداد مدرسین	۴۴	۵۴	تعداد ملازمین	۲۴۹	۲۴۴
تعداد وظیفہ تیل	۷۵۰	۱۳۲۴	تعداد وظیفہ پارچہ	۶۵۷	۱۲۰۰
تعداد جزوی امداد	x	۱۹۱	تعداد حجرات دارالاقامہ	۲۳۰	۲۵۸
تعداد نشست دارالاقامہ	۱۶۲۴	۲۰۲۴			

- ہر جماعت میں اول دوم سوم آنیوالے طلبہ کے خصوصی وظائف — ۸ — ۲۴
- طلبہ کے کمروں میں دارالعلوم کی جانب سے بجلی کا انتظام (کام جاری ہے) — x — ۲۵۸
- **سالانہ بجٹ ۴۷ لاکھ روپے تھا —— اور اب بھی ۴۷ لاکھ رکھا گیا ہے۔**

مستقبل کے ترقیاتی منصوبے

- رواق خالد کی دوسری منزل اور مزید جدید دارالاقامہ کی تعمیر جو طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لئے کافی ہو۔
- دارالتربیت (دارالاطفال) کا قیام اور اس کی تعمیرات۔
- ایک وسیع مسجد کی تعمیر جس میں اضافہ شدہ تمام طلبہ کی گنجائش ہو (قدیم مسجد ناکافی ہو چکی ہے)
- علمی و دینی اجتماعات کے لئے ایک وسیع ہال کی تعمیر۔ ملازمین کے لئے مکانات کی تعمیر۔
- نئی درسگاہوں کی تعمیر۔
- مہمان خانہ کی توسیع
- لائبریری کی تعمیر
- اساتذہ دارالعلوم کی علمی ترقی کے لئے عالمِ اسلام سے علمی کتابوں کی فراہمی کا انتظام۔
- تمام دنیا میں پھیلے ہوئے فضلاء دارالعلوم سے روابط اور ان سے متعلق معلومات۔
- نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم پر تمام ذمہ داران مدارسِ عربیہ کا اہم کنونشن طلب کرنا۔
- تعلیم و تربیت کے نئے اصول و ضوابط کی ترتیب اور ان کا اجراء۔

ظاہر ہے کہ اس ادارے کے تمام منصوبوں کی تکمیل اور اپنے مقاصد میں کامیابی کا انحصار تمامتر مسلمانوں کی امداد اور ان کی غیر معمولی توجہ اور دینی و ملی غیرت و حمیت پر رہا ہے اس وجہ سے موجودہ حالات میں اس بات کی بڑی سخت ضرورت ہے کہ مسلمانان ایشیاء و برصغیر اس پر مزید توجہ فرمائیں اور ملک کے مختلف معاشی و اقتصادی حالات کی وجہ

باقی ص ۴۰ پر

تقریر: حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ   ترتیب: حبیب الرحمن اشرف

فضیلتِ علم اور اہلِ علم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

قل ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب (پ ۲۳ ع ۱۵)

مقامِ علم اور اہلِ علم علمِ دین اور اہلِ علم کا مقام اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں تین الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں علمِ دین اور عالم کا مقام بہت اونچا ہے۔ قرآن کی عام اصطلاح یہ ہے کہ اہم اعلان شاہی طریقہ سے کیا جاتا ہے۔ خود ہر حکومت کا یہ دستور ہے کہ ضروری اعلان ایک خاص طریقہ سے کرتی ہے۔ حکومت روزانہ کوئی نہ کوئی کام کرتی رہتی ہے لیکن جب اہم معاملہ ہوتا ہے مثلاً جنگ، ون یونٹ، قحط وغیرہ تو باقاعدہ اعلان کیا جاتا ہے۔ قرآن بھی مقاصد مہمہ کے متعلق باقاعدہ اور شاہی اعلان لفظِ قُل سے کرتا ہے۔ یہاں بھی اہمیت کے لئے لفظ قل سے اعلان فرمایا۔ ارشاد ہے:

قل ہل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون انما یتذکر اولوا الالباب۔

"بتلا دیجئے کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ سمجھتے وہی ہیں جو عقل والے ہیں"

علمی نکتہ علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ استفہام انکاری بعض اوقات توبیخ کے لئے ہوتا ہے۔ تو گویا یہاں اللہ تعالیٰ نے ڈانٹ پلائی، عالمِ دین اور غیر عالمِ دین کو برابر کرنیوالے کو، جو شخص غیر عالمِ دین کو خواہ گورنر ہو یا بادشاہ یا یورپ کی یونیورسٹیوں کا سند یافتہ عالمِ دین کے برابر سمجھے گا وہ حق تعالیٰ کے قہر اور اس کی ڈانٹ کے نیچے آجائیگا کیونکہ علمِ دین کا مقام بہت اونچا ہے۔ جو علمِ دین نہیں رکھتا وہ خواہ کرۂ ارض کا واحد بادشاہ کیوں نہ ہو عالمِ دین سے کم ہے۔ اللہ اپنے کلامِ عظیم میں کسی کا صرف نام لیلے تب بھی فخر ہے کیونکہ اس کی ذات بہت بلند ہے لیکن یہاں تو عالمِ دین کی نہایت زوردار تعریف فرمائی ہے۔

تیسری بات جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ باوجودیکہ "یعلمون" فعل متعدی ہے لیکن اس کا مفعول ذکر نہیں کیا۔ یعنی یہ تو فرمایا گیا کہ علم رکھتے ہوں لیکن یہ نہیں ذکر کیا گیا کہ کس چیز کا علم رکھتے ہوں کیونکہ بتانا یہ ہے جب علم کا لفظ بولا جاتا ہے تو مفہوم اس کا متعین ہوتا ہے، ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جیسے جوتی کا مفہوم کہ پاؤں کے لئے ہوتی ہے اور

جیسے ٹوپی کا کہ سر کے لئے ہوتی ہے (یعنی جوتی کے تلفظ کیساتھ اگر پاؤں کا ذکر نہ بھی کریں تو بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ پاؤں کے لئے ہے اسی طرح ٹوپی کے تلفظ کیساتھ اس کا مفہوم اور مقام یعنی "سر" لامحالہ سمجھ میں آجاتا ہے وغیرہ) اسی طرح علم کا مفہوم بھی متعین ہے یعنی علم دین۔ مطلب یہ ہے کہ علم کا تعلق دین ہے گو علوم دنیویہ بھی ہوتے ہیں لیکن قرآن نے مفعول کو حذف کرکے بتلایا کہ یہ علم دین اتنا متعین ہے کہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں جب بھی علم کا لفظ بولا جائے تو سب سے پہلے علم دین ہی سمجھا جائیگا اس تعین کی وجہ سے اس کے (یعنی مفہوم علم یا مفعولِ یعلمون کے) تذکرہ کی حاجت نہیں۔ دیکھیں! علم دین بھی علم ہے اور علم دنیا بھی علم ہے لیکن جس علم کا معلوم بلند ہوگا وہ علم بھی بلند اور جس کا معلوم پست وہ علم بھی پست ہوتا ہے۔ علم دنیا رکھنے والے رُومیوں کو (یعنی اہل یورپ کو کیونکہ قدیم جغرافیہ میں روم یورپ کا نام ہے مفسرین کی تحقیق یہی بتاتی ہے) خدا تعالیٰ نے قرآن میں لایعلمون کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اسے معلوم تھا کہ یہ ہوا پر اڑیں گے لیکن پھر بھی انہیں لایعلمون (یعنی بے علم) کہا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

یعلمون ظاھرًا من الحیٰوۃ الدنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غٰفلون ۔

"یعنی دنیا کی زندگی کی ظاہر باتیں جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں"

مطلب یہ کہ دنیا کو تو جانتے ہیں لیکن آخرت سے بے خبر ہیں اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دُنیا صفر ہے۔

یہ بھی غور کریں کہ اگر علم فقط دانستن (جاننا) کا نام ہے تو پھر امور مملکت کو جاننے والا وزیر اعظم اور ٹٹی کا علم رکھنے والا بھنگی برابر ہیں۔ کیوں کہ "دانستن" میں دونوں شریک ہیں۔ تو کیا کوئی وزیر اعظم، بیرسٹر اور ایم۔ اے کے مقابلہ میں کسی بھنگی کو تعلیمیافتہ کہے گا؟ ہرگز نہیں۔ بھائی! علم اگر صرف دانستن کو کہتے ہیں پھر تو سب کو تعلیمیافتہ کہنا چاہیئے لیکن چونکہ بھنگی کا "معلوم" (جو چیز وہ جانتا ہے) پست ہے۔ اور اس لئے کوئی اسے تعلیمیافتہ نہیں کہہ سکتا۔ تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ دنیا پاخانہ سے بھی کم ہے اس لئے دنیا کا علم جاننے سے کوئی عالم نہیں کہلایا جاسکتا۔ آگے فرمایا:

انما یتذکّر اولوا الالباب (یعنی عقل والے ہی اسکو سمجھتے ہیں)

یہاں حصر کا کلمہ ارشاد فرمایا۔ جب یہ اعلان کردیا کہ دین کا علم سب سے اونچا ہے چاہے غیر عالم کرۂ ارضی کا واحد بادشاہ کیوں نہ ہو۔ اب فرماتے ہیں کہ جو عالم دین کو غیر عالم کے برابر سمجھتا ہے وہ بے عقل ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن پہلے انبیاء شفاعت کریں گے، پھر علماء، پھر شہداء۔ معلوم ہوا کہ عالم دین کا عہدہ بہت بڑا عہدہ ہے اس کا مقابلہ دُنیا کا کوئی عہدہ نہیں کرسکتا۔ یہ ہوا مقام علم و مقام علماء۔

عالم کے فرائض

ہر عہدہ کیساتھ فرائض ضرور ہوتے ہیں۔ عہدہ جتنا بڑا ہوتا ہے فرائض اُتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں چپڑاسی کے فرائض سے تحصیلدار کے فرائض زیادہ ہوتے ہیں اور تحصیلدار کے فرائض سے کمشنر کے اور کمشنر کے فرائض سے گورنر کے فرائض زیادہ ہوتے ہیں۔ گویا عہدہ کے مطابق فرائض ہوتے ہیں۔ عالم دین کا عہدہ

چونکہ تمام عہدوں سے بڑا ہوتا ہے اس لئے اس کے فرائض بھی سب سے زیادہ ہیں۔ ارشاد ہے:

ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر واولئک ہم المفلحون ۔ (پارہ ۴ رکوع ۲)

ترجمہ: اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور بُرے کاموں سے روکتی رہے اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔"

فرمایا جو دعوتِ خیر دے یعنی نیکیاں پھیلائے، بُرائیاں مٹائے وہی لوگ فلاح پانیوالے ہیں۔ تو عالم بن جانے کے بعد خطیب، اُستاد، لیکچرر دینیات بن جانے سے فرائض ختم نہیں ہوتے بلکہ " یدعون الی الخیر " خطیب خطابت کے علاوہ، لیکچر ٹیچر کے علاوہ لوگوں کو بھلائی کی دعوت بھی دے۔

فرائض سے کوتاہی کے نقصانات

عالم جو علم حاصل کرے اُسے اپنے سینے تک محدود نہ رکھے بلکہ پھیلائے اگر پھیلانے کی سعی کی تو فرض ادا کیا ورنہ اس گورنر پاکستان کی طرح ہے جو عہدہ تو بڑا لئے ہوئے ہے لیکن صبح سے شام تک سویا رہتا ہے کام کوئی نہیں کرتا، عہدہ کے متعلق فرائض ادا نہیں کرتا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے بڑا عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم سے دوسروں کو فائدہ نہ پہنچے۔ ایک طرف اگر عالمِ دین کو بہت بڑا عہدہ دیا گیا تو دوسری طرف بہت سے فرائض اس کے ذمے لگا دیئے گئے۔ اگر ان فرائض کو بجالایا تو یہ علم سراپا منفعت ہے ورنہ سراپا مضرت ہے۔

خداوند کریم نے عالم کو بہت بڑا عہدہ اور عزت دی ہے جس کی قدر کرنی چاہئے۔ اگر آپ کہیں کہ آج کل تو کوئی عزت نہیں، آج کل اگر عزت ہے تو صاحب اقتدار یا ارباب دولت کی ہے تو یہ شیطانی وسوسہ ہے اللہ کی نظر میں عالمِ دین ہی عزیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے: خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ" تم میں بہتر وہ ہے جو سیکھے قرآن مجید اور سکھائے۔"

حدیث میں "خیریت" کا مقام ذکر ہے اس میں معلم سے متعلم کو مقدم رکھا ہے۔ یا تو اس لئے کہ تعلم (یعنی سیکھنا) پہلے ہوتا ہے۔ تعلیم (یعنی سکھانا) بعد میں، اور یا اس لئے کہ متعلم کو اکثر سفر کرنا پڑتا ہے معلم کو نہیں معلم تنخواہ پاتا ہے متعلم نہیں پاتا۔ معلم کو اور بھی بہت سی ایسی سہولتیں میسر ہوتی ہیں جو متعلم کو میسر نہیں ہوتیں اس لئے متعلم کی تکالیف کے پیش نظر خیریت کے مقام میں اسکو مقدم فرمایا۔

لطیفہ: ایک دفعہ مجھ سے کسی نے پوچھا کہ تم کہتے ہو کہ عالمِ دین کی بہت عزت ہے لیکن ایسا نہیں آج کل انکی کوئی عزت نہیں۔ میں نے کہا کس کے ہاں عزت نہیں؟ خدا کے ہاں یا لوگوں کے ہاں؟ اس نے کہا لوگوں کے ہاں! اس زمانہ میں لیاقت علی خاں وزیر اعظم تھے۔ میں نے کہا کہ ایک آدمی ہے اس کی لیاقت علی خاں کے ہاں تو بڑی

عزت ہے مگر "رام کلا" کے دل میں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں (رام کلا میرا ملازم تھا جو میرے گھر کی صفائی کرتا تھا)
بتاؤ وہ شخص عزت والا ہے یا نہیں ؟ اس نے کہا وہ شخص یقیناً عزت والا ہے جس کی عزت لیاقت خاں کرتا ہے۔
بھلا وہ کیسے صاحبِ عزت نہیں ہوگا —— ہزار رام کلے اسے ذلیل سمجھیں، جب لیاقت علی خاں کے ہاں اسکی
عزت ہے تو رام کلا کون ہوتا ہے۔

میں نے کہا کہ رام کلا تو پھر بھی لیاقت علی کے ساتھ انسانیت میں شریک ہے کیونکہ انسانی صفات دونوں میں پائی جاتی ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے مقابلے میں تو دنیا کے بڑے سے بڑے آدمی کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے تو جب وہ آدمی ذلیل نہیں جس کی عزت لیاقت علی خاں کرتا ہے تو وہ کیسے ذلیل اور بے عزت ہو سکتا ہے جس کی خدا کے ہاں عزت ہو۔

ایک قصہ: ایک دفعہ کوئٹہ کی ایک مسجد میں والئ قلات نے مجھ سے کہا کہ علماء کی کوئی عزت نہیں کیا وجہ ہے؟ میں ابھی جواب دینے بھی نہ پایا تھا کہ مسجد کے دروازے پر ایک عورت نے کہا، میرے اس لڑکے کو دم کر دو! اور ہاتھ پھیر دو یہ بیمار ہے۔

والئ قلات کھڑے دیکھتے رہے میں نے لڑکے کو دم کر کے والئ قلات سے کہا کہ خدا نے آپ کے سوال کا جواب مجھ سے پہلے دے دیا۔ غور کیجئے میں پشاور کا رہنے والا ہوں یہاں کا رہنے والا نہیں۔ یہ عورت بھی بلوچ ہے اور آپ بھی بلوچ ہیں۔ ہے بھی آپ کی رعایا۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ اس نے آپ سے دم کرنے کو نہیں کہا اور مجھ سے کہہ دیا۔ کیا میرے ہاتھ سونے کے اور آپ کے چاندی کے ہیں۔ دیکھئے اس عورت نے مجھے اہل علم میں سے سمجھا۔ علم کی عزت اس کے دل میں تھی اس لئے مجھ سے کہا اور آپ سے نہ کہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت (پ ۲۸ - ع ۲)

"تم میں اللہ ایمانداروں کے اور ان کے جنہیں علم دیا گیا ہے درجے بلند کرے گا۔"

علم کی عزت رہے گی یہ قدر و منزلت رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔ غریب مولوی جس کے پاس پاؤ بھر آٹا بھی نہیں ہوتا لوگ اس کے پاس تو برکت کے لئے ہاتھ پھرانے آتے ہیں لیکن وائسرائے وغیرہ کے پاس نہیں جاتے کیوں؟ اس لئے کہ خدا نے علماء کو خاص ہی عزت دی ہے۔

تکالیف: علمِ دین کیساتھ ساتھ تکالیف بھی ہوتی ہیں۔ یہ وراثتِ نبوت ہے۔ آپ تو ماشاء اللہ پھر بھی اچھے ہیں گذشتہ علماء نے تو بہت زیادہ تکلیفیں برداشت کیں۔ ابوحیان توحیدیؒ سلیمانؒ کے شاگرد تھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ فارابیؒ اور ابن سیناؒ سے ان کا مقام بلند تھا۔ وہ اپنے استاد کے متعلق لکھتے ہیں کہ انکو ایک رائی کی بھی استطاعت نہیں تھی۔ لغت کے سب سے بڑے امام خلیل ابنِ احمدؒ جس جگہ پڑھاتے تھے جب اس جگہ سے ہجرت کرنے لگے

تو شاگرد بہت پریشان ہوئے۔ استاد نے کہا کاش دن رات اگر آدھ سیر باقلا (باقلہ) بھی ملتا تو کبھی نہ جاتا لیکن نہ مجھ میں قوت ہے اور نہ تم تین سو شاگردوں میں یہ قوت ہے کہ آدھ سیر باقلہ کہیں سے لے آیا کرو۔

ایک بات یہ بھی بتا دوں کہ ناواقف لوگوں کے اعتراضات سے ہرگز تنگ نہ ہونا چاہیئے ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ امام رازیؒ جو بہت بڑے امام بھی تھے اور بہت بڑے دولت مند بھی۔ جنہوں نے شہاب الدین غوری کو اسّی لاکھ روپے دیئے تھے گویا ان کے پاس علم کی دولت بھی تھی اور دنیاوی دولت سے بھی مالا مال تھے وہ جب ممبر پر خطبہ دینے کھڑے ہوتے لوگ پرچیوں پر مختلف قسم کے اعتراضات لکھ کر پیش کرتے۔ آپ ان سب پرچیوں کو پڑھ لیتے مگر ان کا جواب نہ دیتے جواب میں صرف یہ شعر پڑھ دیا کرتے ؎

؎ المرء مادام حیاً یستھان بہ　　ویعظم الرزء فیہ حین یفتقد

"آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اس کی بے قدری کی جاتی ہے اور جب وہ (مرکر) جاتا رہتا ہے تو اس کا فقدان بڑی مصیبت ہوتی ہے۔"

میرے عزیز طلباء کسی ترش روئی سے ہرگز دلبرداشتہ نہ ہوں، لوگوں کے اعتراضات کی پرواہ نہ کریں علم کو سیکھیں، پھیلائیں خود بھی اس پر عمل کرتے رہیں اور لوگوں کو بھی عمل کی دعوت دیں۔ یاد رکھو عمل کے بغیر علم وبال ہے۔

حضرت مدنی قدس سرہٗ

میں ایک دفعہ دیوبند گیا وہاں حضرت مدنیؒ کے گھر مہمان ہوا۔ حضرت مدنیؒ خود گھر پر موجود نہ تھے۔ میں رات کو ایک کمرے میں سویا ہوا تھا کروٹ جو بدلی تو آنکھ کھلی دیکھا تو مولاناؒ ایک چٹائی پر جو میری چارپائی کے بالکل قریب تھی لیٹے ہوئے تھے سر کے نیچے اینٹ رکھی تھی مجھے بہت شرم آئی۔ خیال کیا کہ حضرت کو جگانا اب مناسب نہیں ہے ذرا دیر ہوئی تو دیکھا کہ حضرت مدنیؒ نوافل میں مشغول ہیں صبح ہوئی تو پوچھا کہ حضرت یہ کیا غضب کیا نیچے کیوں آرام فرمانے لگے مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟ فرمایا یہ اکرام ضیف (عزت مہمان) ہے۔ کیا آپ نے یہ حدیث نہیں پڑھی کہ:

"جو کوئی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسکو لازم ہے کہ مہمان کی عزت کرے۔"

پھر فرمایا دیکھئے! آج مولوی پڑھتے تو ہیں لیکن عمل نہیں کرتے میں اپنے ساتھ ایک من کے قریب کوئٹہ کے عمدہ انگور لے گیا تھا وہ حضرت نے حاضرین مجلس میں تقسیم کر ڈالے گھر سے خادمہ آئی کہنے لگی سنا ہے افغانی صاحب انگور لائے ہیں گھر کے لئے بھی دے دیں۔ فرمایا اب آئی ہو، وہ تو تقسیم بھی ہو گئے۔ پھر روٹی کھانے کا وقت آیا تو ہاتھ دھلانے کے لئے خود لوٹا اٹھایا۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ کیا کر رہے ہیں، میں خود دھو لوں گا مگر وہ دھلانے پر مُصر رہے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ جناب اس لڑائی سے کیا فائدہ؟ میری طبیعت مکدر ہو گی طبیعت پر بوجھ رہے گا کیا یہی اکرام ضیف ہے اکرام ضیف تو یہ ہے کہ بوجھ نہ پڑے فرمایا شرعی حکم میں بوجھ ہو تو رہے شرعی حکم اکرام ہے اور میں بہرحال بجالاؤں گا

اتی صب پر

ع والفضل ما شهدت به الاعداء

ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں مسلمان آگے تھے

ہندوؤں نے آزادی سے بہت پہلے مسلمانوں کے قتل عام کا منصوبہ بنایا تھا۔

برطانیہ مسلمانوں کے خلاف تھا اور ہندوؤں کو نوازا جاتا تھا: لارڈ پیٹر جانسن

ریاض (جنگ رپورٹ) ایک انگریز لارڈ نے جو آجکل سعودی عرب میں مقیم ہے کہا ہے کہ ہندوؤں نے تقسیم ہند سے بہت پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف لوٹ مار، آتش زنی اور قتل و خونریزی کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس طے شدہ فیصلے کے تحت مسلمانوں کی املاک کو لوٹنا اور انہیں قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ کمال شقاوت و سفاکی کے ساتھ مسلمانوں کا قتل عام اسوقت نقطۂ عروج کو پہنچا جب مسلمانوں نے اپنی نوزائیدہ مملکت پاکستان کی جانب نقل مکانی کا سلسلہ شروع کیا۔ لارڈ پیٹر جانسن نے ان خیالات کا اظہار فلم "گاندھی" پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس فلم میں برصغیر کی مسلمان قوم کے متعلق حقیقتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آزادی کی جدوجہد میں مسلمان سب سے آگے آگے تھے اور مسلمانوں نے ہندوستان سے فرنگیوں کو نکالنے کے لئے ایک سو سال قبل جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا۔

انہوں نے کہا کہ برصغیر کی جدوجہد آزادی میں مسلمان قائدین کی عظیم المرتبت شخصیتوں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا جن میں ٹیپو سلطانؒ، سید احمد شہیدؒ، سید اسماعیل شہیدؒ، مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ اسیر مالٹا، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، علامہ اقبالؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ محمد علی جناحؒ، سید حسین شہید سہروردیؒ وغیرہ شامل تھے۔

لارڈ پیٹر جانسن نے کہا کہ فلم گاندھی میں حسین شہید سہروردی کے بارے میں غلط باتیں دکھائی گئی ہیں۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ واقعات کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمان نہایت کسمپرسی کی حالت میں سارا مال و متاع بھارت میں چھوڑ کر پاکستان جا رہے تھے۔ یہ ایسا زمانہ تھا کہ مسلمانوں کو ایک پستول تک رکھنے کی اجازت نہ تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ برطانیہ نے مسلمانوں کے خلاف امتیاز و تفریق کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی جبکہ ہندوؤں کو برطانیہ کی ان خدمات کے طفیل فرنگیوں نے تمام سہولتیں دے رکھی تھیں جو ہندو فرقہ انجام دیتا رہا ہے مسلمانوں کو سرکاری نوکریں، ان کی اپنی زمینوں اور کارخانوں سے محروم کر دیا گیا تھا اور یہ سب ہندوؤں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نہ تو کسی فرقہ کے خلاف ہوں اور نہ کسی کی حمایت کر رہا ہوں مجھے کوئی تشویش اور پریشانی ہے تو یہ ہے کہ اس فلم میں تاریخی حقیقتوں کو مسخ کیا گیا ہے۔ (روزنامہ جنگ لاہور)

انتخابات

مولانا قاضی اظہر مبارکپوری

قرونِ اُولیٰ میں تعلیم و تعلّم

عہدِ صحابہؓ میں شام و عراق میں علمِ دین کی تعلیم و تدریس کا چرچا بہت زیادہ تھا اور حرمین شریفین کے بعد ان دونوں مقامات میں علمی جہل پہل بسود پر تھی قرآن و حدیث کی تعلیم دینی احکام کے استنباط اور علومِ اسلامیہ کی ترویج کا سلسلہ حضرات صحابہ کرامؓ کے وجود باوجود سے جاری تھا۔

ملک شام میں صحابہؓ دینی تعلیم کے لئے موجود تھے ان میں حضرت معاذ بن جبل انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ سب سے نمایاں شخصیت رکھتے تھے۔ آپ خلافتِ فاروقی میں وہاں تشریف لے گئے اور وہیں طاعون عمواس ۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی تعلیم و تدریس کا مرکز ملکِ شام کا شہر حمص تھا۔ ابو مسلم خولانیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حمص کی جامع مسجد میں گیا دیکھا کہ تقریباً تیس ادھیڑ عمر کے صحابہؓ کا حلقہ ہے ان میں ایک نوخیز نوجوان ہے جس کی آنکھیں سرمگیں اور دانت چمکدار ہیں۔ یہ نوجوان نہایت وقار و تمکنت کیساتھ حلقہ میں بیٹھا ہے اور لوگ کسی مسئلہ میں اُلجھتے ہیں تو اُسی کی طرف رجوع کرکے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ دریافت کیا یہ کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں[1]

حضرت معاذ بن جبلؓ کے ایک شاگردِ رشید یزید بن عمیرہ سکسکیؒ کا بیان ہے کہ آپ نے ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ میرے بعد تم ان چار حضرات سے علم حاصل کرنا؛

۱۔ عبداللہ بن مسعود ۔ ۲۔ عبداللہ بن سلام ۳۔ سلمان فارسی ۴۔ عُویمر ابوالدردا رضی اللہ عنہم

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبلؓ کے دنیا سے کوچ کا وقت آیا تو انکے شاگرد یزید بن عمیرہ نے عرض کیا

"خدا کی قسم میں اس دنیا کے لئے رو رہا ہوں جو آپ کی نسبت سے مجھے حاصل ہو رہی تھی، بلکہ آپ سے میرے علمی سلسلہ کے ختم ہو جانے پر رو رہا ہوں"

اس پر حضرت معاذ بن جبل نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا؛

"علم پہلے کی طرح اب بھی موجود ہے تم میرے بعد ان چار حضرات سے علم حاصل کرنا عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن سلام جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ بشرہ میں شمار فرمایا، اور عمر مگر وہ اپنی مشغولیت کی

---

[1] طبقاتِ ابن سعد،

وجہ سے معذور ہیں اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم"
حضرت معاذ بن جبلؓ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق یزید بن عمیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں کوفہ حاضر ہو کر اپنا حال بیان کیا۔ حضرت ابن مسعود نے حضرت معاذ بن جبلؓ کا نام سن کر فرمایا:
"حضرت معاذؓ اپنی ذات سے ایک اُمت تھے، حنیف و قانت تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے"
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حاضر الوقت شاگردوں نے عرض کیا کہ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف ہیں!
آپ نے اُن کو جواب دیا:
"اُمت وہ شخص ہے جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور قانت وہ شخص ہے جو اللہ و رسول کا فرمانبردار ہو اور حضرت معاذؓ کا یہی حال تھا۔ وہ لوگوں کو نیکی سکھاتے تھے اور اللہ و رسول کے حکم پر چلتے تھے"۔ (طبقاتِ ابن سعد)
حضرت معاذ بن جبل کے حلقۂ درس سے کتاب و سنت اور دینی علوم کے ہزاروں فارغین پیدا ہوئے اور ان سے دُنیا کو فیض پہنچا۔ شام کے مشاہیر علماء صحابہ میں حضرت ابو الدرداء انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور ان کے علم و فضل زہد و تقویٰ اور تعلیم و تدریس سے بڑا فیض پہنچا ان کی ذات مرجع خاص و عام تھی۔
حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! دو عقلمندوں کی احادیث ہم سے بیان کرو۔ دریافت کیا گیا کہ وہ دونوں کون ہیں؟ فرمایا معاذ بن جبل اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم۔ انکو حضرت معاویہؓ نے خلافت فاروقی میں اپنے عہدِ امارت میں دمشق کا قاضی بنا دیا تھا۔ خلافتِ عثمانیہ میں ان کی وفات ہوئی۔
حضرت ابو الدرداء قرآن کریم کا درس یوں دیا کرتے تھے کہ دس دس قرّاء یعنی طالب علموں کی جماعت بنا کر اس پر ایک ایک رئیس مقرر کرتے۔ نماز فجر کے بعد قرآن کا ایک جزو خود پڑھتے اور رؤسا و جماعت آپ کو گھیر کر سنتے اس کے بعد ہر رئیس اپنی جماعت کو لیکر مقررہ جگہ پر بیٹھ جاتا اور دس دس آدمیوں کو سبق دیتا۔ قرآن شریف کی تعلیم کے لئے اس طرح حلقہ سب سے پہلے آپ ہی نے قائم کیا ہے۔ ابن عساکر کا بیان ہے:
"حضرت ابو الدرداءؓ نے تعلیمی حلقوں کی ابتداء کی ہے"
اپنے لائق اور ذی استعداد شاگردوں سے کام لینا اور ان کو آگے بڑھانا روزِ اوّل سے اہلِ علم کا معمول رہا ہے اور یہی ہونا چاہیئے۔
عراق کے دو آباد شہر کوفہ اور بصرہ عہد صحابہ و تابعین میں اسطرح دینی علوم کا مرکز بنے کہ گھر گھر دار العلوم معلوم ہوتا یہاں کی اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی علوم کے دریاؤں کی روانی کے سامنے دجلہ و فرات کی موجیں شرماتی تھیں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دے کر اسے مہبطِ علم و علماء بنا دیا تھا۔ ستر سے زائد اجلۂ صحابہ یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا دینی و علمی اور روحانی فیض بہت زیادہ عام تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو یہ لکھ کر کوفہ بھیجا کہ میں اپنے اوپر اہل کوفہ کو ترجیح دیتا ہوں آپ حلقۂ درس میں تعلیم دینے کے علاوہ ہر جمعرات کو عوام کو وعظ سنایا کرتے تھے ایک مرتبہ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا ہی بہتر ہو اگر آپ ہمیں روزانہ وعظ سنایا کریں آپ نے فرمایا کہ میں زیادہ وعظ سنا کر لوگوں کو برداشتہ خاطر نہیں کرنا چاہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو جمعرات جمعرات وعظ سنایا کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے حلقۂ درس سے بڑے بڑے نامی گرامی ائمہ دین پیدا ہوئے ہیں۔ آگے چل کر جن کا ایک مستقل فقہی مکتب فکر قائم ہوا۔ ان میں امام ابراہیم نخعیؒ بہت مشہور ہیں جن کے واسطہ سے حضرت ابن مسعودؓ کے علوم عام ہوئے امام نخعی کی درسگاہ کوفہ کے محلہ براذان میں واقع تھی۔ کوفہ میں حضرت ابو عبد الرحمن سلمیؒ کی درسگاہ بھی بڑی اہمیت ومرکزیت رکھتی تھی ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے؛

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ "تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن پڑھے اور پڑھائے"۔

اسی حدیث نے مجھے اس مجلس تعلیم وتدریس میں بٹھایا ہے نیز فرماتے تھے کہ ہم نے قرآن کی تعلیم ایسے حضرات سے پائی ہے جو دس آیات سیکھ کر جب تک ان کے تمام احکام ومعانی کو معلوم نہ کر لیتے اگلی دس آیتوں کو نہیں سیکھتے تھے اس کے ساتھ ان پر پورے طور سے عمل بھی کرتے تھے، وہ زمانہ قریب ہے جب اس کی وارث قوم ایسی ہوگی جو قرآن کو پانی کی طرح پئے گی (یعنی بغیر سوچے سمجھے اور بغیر عمل کئے سُرعت کے ساتھ پڑھے گی۔ قرآن اس کی ہسلیوں سے آگے نہیں بڑھے گا بلکہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا حرف زبان پر ہی رہ جائیں گے۔

ان کا قاعدہ تھا کہ طالب علموں کو دس آیات صبح اور دس آیات شام کو پڑھاتے تھے۔ پانچ پانچ آیات بھی حسب لیاقت واستعداد پڑھاتے تھے یعنی آپ کی درسگاہ میں صبح وشام پانچ یا دس آیتوں کا سبق دیا جاتا تھا اور ان میں دو مرتبہ زیادہ سے زیادہ چالیس اور کم سے کم دس آیتیں پڑھائی جاتی تھیں اپنے شاگردوں کو نیک لوگوں کی صحبت کی تلقین کرتے اور غیر ثقہ وغیر محتاط لوگوں کی مجلس سے روکتے تھے۔ عاصم بن بہدلہؒ کا بیان ہے کہ جب ہم نوخیز ونوجوان عالم ابو عبد الرحمن سلمیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ فرماتے کہ تم لوگ ابو الاحوصؒ کے علاوہ اور کسی قاص اور واعظ کے پاس نہ بیٹھو۔ نیز تم لوگ شقیق اور سعد بن عبیدہ کے پاس نہ بیٹھو۔ یہ ابو وائل شقیق نہیں بلکہ ایک دوسرے شقیق نامی عالم تھے۔

ایک مرتبہ عمرو بن حریث نے عبد الرحمن سلمیؒ کی خدمت میں کچھ اونٹ ایک آدمی کے ذریعے بھیجے۔ لانے والے نے عرض کیا کہ آپ نے عمرو بن حریث کے لڑکے کو قرآن کی تعلیم دی ہے انہوں نے آپ کی خدمت میں یہ نذرانہ پیش کیا ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمیؒ نے کہا اسے واپس لیجاؤ۔ ہم کتاب اللہ کی تعلیم پر اجرت نہیں لیتے۔ (طبقات ابن سعد ۹۶)

کوفہ میں جن اجلہ تابعین اور ائمہ دین کے خانگی مدارس علوم دین کی اشاعت کرتے تھے ان میں امام عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ کا مدرسہ بہت مشہور تھا انکی مجلس رات دن کے اکثر اوقات میں جاری رہتی تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں؛

"ابن ابی لیلیٰ کا ایک مکان تھا جس میں قرآن رکھے رہتے تھے اور اسی میں قراء و علماء جمع ہو کر ان سے پڑھتے تھے اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ لوگ بغیر کھانا کھائے وہاں سے واپس ہوں"۔

کیا عجب کہ اسی مکان یا مدرسہ میں کچھ قراء یعنی طلباء قیام بھی کرتے رہے ہوں اور اسطرح امام ابن ابی لیلیٰ کے مدرسہ میں تعلیم کیساتھ طلبہ کے قیام و طعام کا بھی انتظام رہا ہو۔ مشہور تابعی عالم حضرت مجاہدؒ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ابن ابی لیلیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں ایک سونے کا ٹکڑا تھا۔ انہوں نے پوچھا کیا تلوار پر سونے کا پانی چڑھانے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا نہیں، فرمایا کیا اپنے مصحف کو سنہرا بناؤ گے؟ میں نے کہا نہیں۔

کوفہ میں حضرت عبداللہ بن حارثؓ مستقل طور پر معلمی کرتے تھے مگر اجرت نہیں لیتے تھے یہاں کے مشہور مدرسوں میں ضحاک بن مزاحمؒ المتوفی ۱۰۵ھ کا مدرسہ بھی تھا۔ بشیر بن سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ضحاک بن مزاحم سے پڑھا ہے۔ وہ علم دین سکھاتے تھے اور اجرت نہیں لیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے دوستوں کو اس حال میں پایا ہے کہ وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کرتے تھے۔

ابو عبدالرحمٰن طلحہ بن مصرف المتوفی ۱۱۲ھ اہل کوفہ کے قاری تھے لوگ ان سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے جب طالب علموں کا ہجوم بہت زیادہ ہو گیا تو گھبرا کر امام اعمشؒ کی مجلس درس میں چلے گئے آپ کے بعد آپ کے تلامذہ امام اعمش کے یہاں جانے لگے۔ حسین بن علی جعفیؒ المتوفی ۲۰۳ھ زبردست قاری تھے۔ کوفہ میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے زندگی بھر مجرد رہ کر تعلیم و تدریس میں مصروف رہے نہایت عابد و زاہد تھے حاملین قرآن اور اہل صلاح وخیر سے قلبی تعلق رکھتے تھے۔ عبیداللہ بن موسیٰ کوفی المتوفی ۲۱۳ھ اپنی مسجد میں لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے۔ (طبقات ابن سعد وغیرہ)

عراق کے دوسرے مرکزی شہر بصرہ میں جو اجلہ صحابہؓ و تابعین رہتے تھے ان کے سرخیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔

یہاں قرآن کے مشہور معلم حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام عبداللہ بن قیس بن سلیم ہے یمن کے قبیلہ اشعر سے تعلق رکھتے تھے۔ اشعرہ کے پچاس آدمیوں کی ایک جماعت لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام لانے کے لئے چلے۔ ہوا کا رخ بدل جانے سے جہاز حبشہ کی طرف چلا گیا جہاں پہلے سے مکہ مکرمہ کے مہاجرین حضرت جعفرؓ کی معیت میں موجود تھے یہ لوگ وہاں رہ گئے پھر مہاجرین حبشہ کیساتھ یہ قافلہ مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوا اور فتح خیبر کے وقت خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر مسلمان ہوا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نہایت خوش الحان اور بہترین آواز سے قرآن پڑھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کیا تاکہ جو لوگ اسلام قبول کریں ان کو ابو موسیٰ قرآن کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو قرآن کی تعلیم کے لئے منتخب فرمایا تو زندگی بھر وہ یہی خدمت انجام دیتے رہے۔

حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ نے انکو بصرہ کی گورنری دی تب بھی ان کا یہ حال تھا کہ

فکان یطوف علیٰ مساجدھا یعلّم القرآن — بصرہ کی مسجدوں میں گھوم گھوم کر قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ نے بصرہ کے قراء و علماء کو جمع کیا جن کی تعداد تین سو سے زائد تھی ان سب کو خطاب کر کے فرمایا:

"یہ قرآن تمہارے لئے باعثِ اجر بھی ہے اور تم پر وبال بھی ہے اس لئے تم لوگ قرآن کی تعلیمات پر چلو اور قرآن تمہارے پیچھے نہ پڑ جائے کیونکہ جو شخص قرآن کی پیروی کرتا ہے وہ اسے جنت کے باغات میں لے جاتا ہے اور قرآن جس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اُسے جہنم میں پھینک دیتا ہے۔"

تم قرآن کے پیچھے پڑو قرآن تمہارے پیچھے نہ پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس پر عمل کرو، ایسا نہ ہو کہ تم قرآن پڑھ کر اس سے غافل ہو جاؤ اور وہ تمہارے حق میں وبال بن جائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے تلامذہ کو قرآن کی تعلیم دینے کے ساتھ ان کی تربیت پر بھی خصوصی توجہ کرتے تھے اور ان کو عمل کی تلقین کر کے علم و عمل کا جامع بنانے کی کوشش فرماتے تھے۔

قرآن کی تعلیم دو قسم کی ہوتی ہے ایک مکتب میں بچوں کو قرآن پڑھانا دوسرے بڑوں کو قرآن کی تفسیر اس کے اوامر و نواہی اور معانی و مطالب کی تعلیم دینا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری دونوں قسم کی تعلیم دیا کرتے تھے نیز تجوید و قرأت میں بہت ماہر اور مسلّم استاذ تھے اور اس کی بھی تعلیم دیتے تھے۔ ان کی آواز نہایت شیریں و لطیف تھی۔ قرآن پڑھتے تو سماں باندھ دیتے۔

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہیں تشریف لیجا رہے تھے راستہ میں ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنے گھر کے اندر قرآن پڑھتے ہوئے سُنا تو دونوں رُک کر دیر تک ان کا قرآن پڑھنا سُنتے رہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

"ابوموسیٰ کو آلِ داؤد کی خوش الحانی دی گئی ہے۔"

حضرت عمرؓ ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کرتے تھے: "ابوموسیٰ تم ہمیں ہمارے رب کو یاد دلاؤ۔"

اور حضرت ابوموسیٰ ان کو اپنے خاص لہجہ میں قرآن سنایا کرتے تھے۔

مشہور تابعی حضرت عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی تو فما سمعت صنجًا ولا بربطًا کان احسن صوتًا منہ "میرے نزدیک چنگ و بربط کی آواز ابوموسیٰ کی آواز سے اچھی نہیں تھی۔"

دینی علوم کے لئے اسفار و رحلات علماء سلف کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور انہوں نے اس راہ میں بے حد و حساب تکالیف اٹھائی ہیں۔ ان ہی کی جدوجہد کی برکت ہے کہ ہمارے پاس علوم دین اور کتاب و سُنّت کا مستند خزانہ موجود ہے اور اس بارے میں تمام اگلی پچھلی امتیں ہماری ہمسری کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی ہیں۔ ہم کو بلا شرکتِ غیرے اپنے اس دینی خزانہ پر بجا طور پر فخر ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا حضرات سلف تحصیل و تعلیم میں احتساب اور ثواب کی نیت رکھتے تھے اور اسکو بھی عبادت

سمجھتے تھے اس لئے ہر کس و ناکس سے علم دین حاصل نہیں کرتے تھے۔ اور اپنے شاگردوں کو بے عمل اور غیر معتبر اساتذہ سے تحصیل علم کی ممانعت کرتے تھے امام حاکم نیشاپوریؒ نے معرفتِ علوم الحدیث میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں حدیث کے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ پہلے استاذ کے احوال کی تحقیق کرے کہ وہ توحید کا کس انداز میں قائل ہے اور اسکا عقیدہ شریعت کے مطابق ہے یا نہیں اور شریعت کے اوامر و نواہی پر عمل کرتا ہے یا نہیں؟

اور یہ کہ وہ بدعت کا ارتکاب کرکے لوگوں کو اس کی دعوت دیتا ہے یا نہیں ہے۔ بغیر تحقیقِ حال کے کسی سے حدیث کا درس نہیں لینا چاہیئے۔　　(معرفة علوم الحدیث ص ۱۵)

امام ابن سیرینؒ اور امام عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ کا قول ہے:

"هٰذا العلم دين فانظر عن ما تأخذ دينك"

"یہ علم دین ہے تم دیکھو کہ اپنے دین کو کس سے حاصل کر رہے ہو"

جب تک استاذ دینی و اخلاقی اعتبار سے مستند و معتبر نہ ہو اور علم پر عمل نہ کرتا ہو، قابل استناد نہیں ہو سکتا ہے اس سے کسی طرح سے تحصیل علم روا نہیں ہے چاہے اس کا مطالعہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو، استعداد کتنی ہی ٹھوس ہو اور جاننے کی حد تک وہ کیسا ہی زبردست عالم ہو ایسے شخص کا درس وعظ اور کتاب باعث خیر نہیں ہے۔

تعلیم و تعلم کے واجبات و حقوق میں ان اساتذہ کا شکر ادا کرنا اور ان کا تذکرہ خیر کے ساتھ کرنا ہے جن کی مجلس یا کتاب سے استفادہ کیا جائے۔ اپنے اساتذہ و مشائخ کو چھپانا علمی کفران ہے۔ امام ابو عبیدہ نے فرمایا ہے:

"علم کا شکر اس طرح ادا ہوتا ہے کہ تم کوئی علم کسی سے حاصل کرو اور لوگ اسکو تمہاری طرف منسوب کریں تو کھلے طور سے کہدو کہ باتیں مجھے معلوم نہیں تھیں یہاں تک کہ فلاں عالم نے ان کے بارے میں مجھے معلومات دیں۔ یہی علم کا شکریہ ادا کرنا ہے"

امام لغت عبدالغنی بن سعید کا بیان ہے کہ میری ایک کتاب امام ابو عبداللہ حاکم کو ملی تو انہوں نے بڑے تشکر و امتنان کے انداز میں مجھے لکھا کہ میں نے آپ کی کتاب کا املاء اپنی مجلس درس میں کرایا ہے اس کتاب میں بہت ہی مفید باتیں ہیں میں انکو آپ کے حوالہ کیساتھ اپنے تلامذہ میں بیان کروں گا۔ ایک مرتبہ عباس بن بکار نے امام ادب مفضل ضبیؒ سے کہا آپ کے اشعار عرب کا منتخب مجموعہ مفضلیات کیا خوب ہے کیا اچھا ہو کہ آپ ہمارے لئے اسی طرح کچھ مزید اشعار منتخب کرکے جمع کر دیں۔ مفضل ضبیؒ نے کہا، یہ انتخاب واللہ میرا نہیں ہے بلکہ بات صاف یہ ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ کئی دن تک میرے یہاں نہیں آسکے تو میں خود ان کے یہاں آنے جانے لگا۔ اسی درمیان میں مجھے شہر کے باہر اپنی جائیداد میں جانا پڑا۔ ابراہیم بن عبداللہ نے کہا کہ تم اپنی کتابیں میرے پاس رکھو تمہاری عدم موجودگی میں میں ان سے دل بہلاؤں گا چنانچہ میں نے اپنی دو بورے کتابیں بھجائیں۔ ابراہیم بن عبداللہ باذوق عالم اور اشعار عرب کے حافظ و ناقد تھے جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ انہوں نے خواہ بوجھ ہو یا نہ ہو۔ پھر میں نے کہا کہ رات حضرت نے آرام تو کیا ہی نہیں۔ فرمایا صرف آج رات ہی نہیں گذشتہ نوراتیں

مولانا احمد رضا خاں اور علمِ حدیث

حافظ محمد اسلم ——— مقیم مانچسٹر

ماہنامہ الرشید ساہیوال ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ کی اشاعت میں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے نظریہ حدیث پر حضرت علامہ خالد محمود صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا۔ ماہنامہ الفرید نے بزعمِ خود اپنی ربیع الاوّل ۱۴۰۳ھ کی اشاعت میں اس کا جواب دیا ہے۔ یہ جواب دو قسطوں میں ہے جواب کیا ہے" ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ" کا مصداق ہے۔ ہم نے ماہنامہ الرشید کا مضمون توجہ سے نہ پڑھا تھا لیکن "انوار الفرید" کا مضمون پڑھ کر اصل مضمون کا شوق پیدا ہوا۔ الرشید کو پڑھا اور بار بار پڑھا۔ الفرید کے تعاقب سے اس مضمون کی عظمت و صداقت اور بڑھ گئی ہے۔ الفرید کا مضمون نگار قسطوں میں بات کھینچنے کے باوجود الرشید کی کسی بات کا جواب نہیں دے سکا۔ یہ ان حضرات کی علمی درماندگی اور اصل مضمون کی توثیق دونوں مضمونوں کو پوری توجہ سے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ مولانا احمد رضا خاں نے واقعی کسی مدرسہ میں مدرس بن کر نہیں پڑھایا اور نہ آپ علمِ حدیث میں کسی ممتاز علم کے مالک تھے۔ قارئین کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ الفرید کا مضمون ضرور پڑھیں تاکہ ان لوگوں کی علمی بے مائیگی اور ان کی بے سوچے سمجھے جواب لکھنے کی عادت اور کھل کر سامنے آجائے۔

موصوف اپنے مضمون کی پہلی قسط کے پہلے کالم میں "دھاکہ" کا رونا رو رہے ہیں۔ دوسرے کالم میں وہ یہ شہادت دے رہے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب ذی علم تھے کم فہم اور غبی نہ تھے نہ پہلے کالم سے یہ ثابت ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں نے کہیں باقاعدہ حدیث پڑھائی ہے نہ دوسرے میں ——— سو آپ ہی سوچیں یہ جواب کیسے ہوا!

تیسرے کالم میں یہ بحث ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو گزرے ۶۴ سال ہوگئے۔ ان کے کل کو جدید مشق نہیں کہا جا سکتا سو عنوان "علمِ حدیث پر عصرِ حاضر کی جدید مشق" نہ ہونا چاہیئے تھا ——— ظاہر ہے کہ اسے بھی اصل مضمون سے تعلق نہیں۔ اگر مولانا کی اس مشق کو جدید مشق نہ کہا جائے قدیم مشق کہہ لیا جائے اور انہیں متاخرین میں سے نہ سمجھا جائے متقدمین میں سے سمجھ لیا جائے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ انہوں نے کسی مدرسہ میں باقاعدہ حدیث پڑھائی ہے۔ مضمون نگار نے آخر کار خود اعتراف کیا ہے :

"ہم مانتے ہیں بلاشبہ اعلیٰحضرت امام اہلسنت قدس سرہٗ نے انگریز کے زیرِ اثر کسی نام نہاد دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ کسی انگریزی مدرسہ میں حدیث نہیں پڑھی۔ یہاں یہ بات کہنا کیا ضروری ہے کہ کیا علم مدرسہ کی عمارت اور چار دیواری تک محدود و منحصر ہوتا ہے؟ کیا مدرسہ کی عمارت اور اینٹیں کمرے دروازے

شہتیر، کھڑکیاں طالب علم کو پڑھاتے ہیں؟ کیا کسی طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسوقت تک علم حاصل نہیں کر سکے گا جب تک کسی مدرسہ میں داخل نہیں ہوگا چندہ اور خیرات کی روٹیاں نہیں کھائے گا؟"

الرشید ساہیوال کے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ :

"بریلی میں اسوقت مصباح التہذیب مدرسہ تو تھا لیکن وہ علماء دیوبند کے زیر اثر چلا گیا تھا اور بریلی میں انہی کی بات چلتی تھی۔ ایک مدرسہ اشاعۃ العلوم ۱۳۱۲ھ میں قائم ہوا تھا وہ بھی رفتہ رفتہ دیوبند کے اثر میں چلا گیا مولانا احمد رضا خاں حدیث پڑھتے تو کہاں پڑھتے۔ نماز میں تک ان لوگوں نے گھروں میں پڑھنی شروع کردی تھی۔"

الفرید کے مضمون نگار اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ :

"بریلی کے یہ دونوں مدرسے خود دیوبندیوں اور وہابیوں کے اپنے مدرسے تھے اس کے باوجود مانچسٹر دیں ملا کا یہ لکھنا اور ماہنامہ الرشید کا یہ چھاپنا کہ مدرسہ مصباح التہذیب اور مدرسہ اشاعۃ العلوم دیوبندیوں کے زیر اثر چلے گئے تھے کتنا بڑا دجل اور فریب ہے۔ جب وہ تھے ہی ان کے تو پھر ان کے زیر اثر چلے جانے کا کیا مطلب؟ اس سے وہ یہ غلط تاثر دینا چاہتے ہیں کہ پہلے یہ مدرسے اہلسنت کے زیر اثر تھے بعد میں بریلی میں دیوبندیت کا فروغ ہوا تو یہ مدرسے علماء دیوبند کے زیر اثر چلے گئے۔ ص۳۶
بریلی کے یہ دونوں مدرسے اور ان کے بانی دیوبندی وہابی تھے ہرگز ہرگز سُنی بریلوی نہ تھے اور یہ کہنا سراسر خلاف واقع اور غلط ہے کہ یہ مدارس علماء دیوبند کے زیر اثر چلے گئے تھے۔" (ماہنامہ الفرید جنوری ۱۹۸۳ء ص۳۶)

اب آئیے مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا ظفیر الدین صاحب سے سُنیے اور خود فیصلہ کیجئے کہ ماہنامہ الرشید نے صحیح لکھا ہے یا انوار الفرید نے :

ان مدارس کے بانی دیوبندی وہابی تھے یا مولانا احمد رضا خاں کے والد اور مولانا ظفیر الدین صاحب کے استاذ محترم مولانا محمد حسین تھے جو مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد خاص تھے وہ بھی آہستہ آہستہ دیوبند کے زیر اثر چلے گئے تھے۔

مولانا ظفیر الدین صاحب لکھتے ہیں :

بریلی میں اعلیحضرت کے والد ماجد قدس سرہٗ العزیز نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا اور اس کا تاریخی نام مصباح التہذیب رکھا وہ دستبرد زمانہ سے آہستہ آہستہ تنزل کرتا اور دوسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ میرے پڑھنے کے زمانہ میں وہ مدرسہ مداری دروازہ میں تھا اور اس کا نام مصباح العلوم تھا۔ اس مدرسہ پر آہستہ آہستہ کر کے پورا قبضہ وہابیوں کا ہو گیا۔ اس لئے اہلسنت کے لئے سوا بارگاہِ رضوی (مولانا احمد رضا خان کے گھر کے) دوسری جگہ تعلیم نہ تھی بریلی میں ۱۳۱۲ھ میں ایک اور مدرسہ سرائے خام میں قائم ہوا تھا اور اس کا نام اشاعۃ العلوم تھا اس کے بانی استاذی مولانا محمد حسین پنجابی شاگرد رشید حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری تھے۔۔۔۔ دیوبند میں جاکر

دورہ میں شرکت کی تھی۔ ان کی بھی دستار بندی دیوبندیوں نے کر دی تھی۔ اس زمانہ میں ان کا میلان بھی زیادہ دیوبندیوں کی طرف ہونے لگا۔۔۔۔ اور رفتہ رفتہ وہابی دیوبندی ہو گئے۔
(حیات اعلیٰحضرت ص ۲۱۱)

انوار الفرید کے گذشتہ بیان کو کہ ان مدارس کے بانی دیوبندی وہابی تھے اگر درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ مولانا احمد رضا خاں کے والد بھی دیوبندی تھے اور اعلیٰحضرت ایک دیوبندی کے ہی فرزند تھے اور اس سے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مولانا احمد حسن کانپوری اور ان کے تلامذہ سب دیوبندی تھے اور ان دنوں علم میں دیوبندیوں کا ہی سکہ اور نام چلتا تھا۔

دوسری قسط میں انوار الفرید میں ہے:

"معترض معاند کا دل مضطرب کسی طرح چین نہیں پاتا عیب جوئی ہی محبوب مشغلہ ہے اور کچھ نہیں تو یہ لکھ مارا کہ مولانا کو کسی مدرسہ میں حدیث پڑھنے کا موقع نہ ملا۔ دعویٰ تو یہ ہے اور دلیل حضرت ملک العلماء مولانا ظفیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ کی "حیات اعلیٰحضرت" سے یہ لائے ہیں کہ "اعلیٰحضرت نے چونکہ باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر نہیں پڑھایا" دعویٰ اور دلیل میں دن رات کا فرق ہے۔ حدیث پڑھانے کا موقع نہ ملنا اور بات ہے اور باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر نہ پڑھانا اور بات ہے مگر مولوی صاحب موصوف دونوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک رہے ہیں۔" ص ۱۵

آپ غور فرمائیں کہ جب بریلوی حضرات خود تسلیم کرتے ہیں کہ اعلیٰحضرت نے کسی مدرسہ میں نہیں پڑھایا تو اس سے اگر کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ انہیں کسی مدرسہ میں حدیث پڑھانے کا موقع نہیں ملا تو اس نے کیا غلط کہا۔ اب آپ ہی دیکھیں دعویٰ اور دلیل میں مطابقت ہے یا نہیں؟

دعویٰ: مولانا کو کسی مدرسہ میں حدیث پڑھانے کا موقع نہیں ملا۔

دلیل: بریلویوں کی عبارت "اعلیٰحضرت نے باضابطہ کسی مدرسہ میں مدرس بن کر نہیں پڑھایا" (حیات اعلیٰحضرت ص ۲۱۱)

ناظرین کرام دیکھئے دعویٰ اور دلیل میں کتنی واضح مطابقت ہے۔

اسپر انوار الفرید کے مضمون نگار کی یہ جرح ملاحظہ ہو اور اس کے ذہن و فکر کی داد دیجئے:

"دعویٰ اور دلیل میں دن رات کا فرق ہے حدیث پڑھانے کا موقع نہ ملنا اور بات ہے اور باضابطہ کسی مدرسہ میں نہ پڑھانا اور بات ہے۔"

بریلوی جب ہر جگہ اقلیت میں رہے ہیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں بعض اوقات جمعہ بھی مسجد میں نہ پڑھ سکیں۔ گھروں میں وہ ہی جمعہ پڑھتے ہیں جن کی مسجدوں تک کہیں رسائی نہ ہوتی ہو۔ شہر نہیں تال کو ہی لیں۔ مولانا احمد رضا خاں مولوی عرفان علی صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

"نینی تال شہر ہے۔ اس میں صرف دو مسجدیں ہیں، ایک چھوٹے بازار اور دوسری بڑے بازار میں۔ جہاں میرے احباب اہلسنت رہتے ہیں۔ اس مسجد کا امام ایک دیوبندی ہے۔ سنیوں نے مدت سے اس کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دی ہے۔ صوفی عنایت حسین صاحب کی دکان میں جمعہ و عید پڑھتے ہیں مجھے انہی احباب نے نماز پڑھنے کو بلایا تھا اس دکان میں جہاں مدت سے جمعہ ہوتا تھا میں نے اس رمضان شریف میں ایک جمعہ ادا کیا۔"
(حیات اعلیٰحضرت ص ۲۱۵)

الفرید نے فروری کی اشاعت میں یہ بڑ بھی ہانکی ہے کہ:

"مدرسہ دیوبند اور گنگوہ میں اعلیٰحضرت کی علمی جلالت اور شانِ تدریس کا شہرہ سن کر کتنے ہی طلبہ حصول علم کے لئے امام اہلسنت کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہوئے۔" ص۱۱

جنہوں نے کہیں باضابطہ پڑھایا ہی نہیں ان کی شانِ تدریس کا شہرہ کہاں تک پہنچا ہوگا یہ اہلِ دانش سے مخفی نہیں۔ بڑ ہانکنا اور بات ہے لیکن یہ گذارش کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مولانا احمد رضا خاں کے ہاں تعلیم حدیث کا کوئی انتظام نہ تھا وہ اپنے متعلقین کو مولانا وصی احمد سورتی کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ دیوبند اور گنگوہ کے طلبہ کب وہاں جاتے ہوں گے ان کے تو اپنے متعلقین بریلی سے بھاگتے تھے۔

مولانا عبد القیوم صاحب جونپوری لکھتے ہیں:

"مولانا وصی احمد صاحب سورتی محدث پیلی بھیت کی خدمت میں امام المتکلمین اعلیٰحضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب ہمارے زمانہ میں اپنے عقیدتمند طلبہ کو علمِ حدیث پڑھنے کے لئے بھیج دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اعلیٰحضرت کے حکم سے مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی نے جو ہندوستان کے مشہور واعظین میں سے تھے کتب حدیث ان سے ہی پڑھیں لیکن کتب درسیہ مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل میں ختم کیں۔" (میزان ص ۱۹ مطبع نولکشور لکھنؤ)

اس سے یہ باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں:

- مولانا احمد رضا خاں کے ہاں تعلیم حدیث کا کوئی انتظام نہ تھا وہ اپنے عقیدتمند طلبہ کو پیلی بھیت بھیجا کرتے تھے۔
- دورۂ حدیث کے علاوہ تکمیل تعلیم کا بھی ان کے ہاں کوئی خاص بندوبست نہ تھا ورنہ کچھوچھوی صاحب ان کے لئے فرنگی محل میں داخلہ نہ لیتے۔
- مولانا محمد اشرف کچھوچھوی واعظین میں سے تھے ان کا شمار کچھ اونچے درجے کے علماء میں نہ تھا۔

پیشِ نظر رہے کہ اخبار الفرید کے مضمون نگار نے مولانا احمد رضا خاں کو علم حدیث میں فاضل قرار دینے کے لئے ان کچھوچھوی صاحب کا نام بھی مولانا احمد رضا خاں کے تلامذہ میں ذکر کیا ہے (دیکھئے ماہ فروری) اب آپ ہی غور کریں کہ رضوی فاضل نگاروں کی سمجھ اور تحقیق کتنی پست ہے۔ مضمون نگار نے یہ بھی لکھا ہے:

"آنحضرت کا کھڑے ہو کر حدیث پڑھانا محض ادب و احترام کے لئے ہے اور آپ نے تعظیماً ایسا کیا ہوگا۔

خالد محمود: فاضل رشیدی میں دم خم ہے تو وہ ثابت کریں کہ حدیث پڑھانے کا مسنون طریقہ کیا ہے۔ دوم یہ کہ کس دلیل شرعی سے ثابت کریں کہ حدیث کھڑے ہو کر پڑھانا شرعاً ممنوع کہ حرام ہے" ص۱۷

یہ سوال راقم الحروف کے متعلق نہیں۔ مضمون نگار نے یہاں اکابر کا نام لیا ہے تاہم احقر بھی مشورہ دے سکتا ہے۔ انوار الفرید کے مضمون نگار اگر کچھ عربی جانتے ہوں تو صحیح بخاری کا باب من سئل وھو قائم عالما جالسا ہی مطالعہ فرمائیں جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے ہوئے حدیث کی تعلیم دی: پھر توفیق ہو تو باب اداء الخمس من الایمان مطالعہ فرمائیں۔ حضرت نصر بن عمران ابو جمرہ کو حضرت ابن عباسؓ حدیث پڑھاتے تو اپنے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ شارحین حدیث نے اس سے معلم کے لئے امتیازی نشست کا اثبات بھی کیا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے باب من برک علی رکبتیہ عند الامام او المحدث باندھا ہے۔ سو جو شخص امام اور محدث کے سامنے تلمذ کا شرف حاصل کر رہا ہو اسے دوزانو ہو کر بیٹھنا چاہیئے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث بیان فرما رہے تھے حضورؐ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ آپ نے فرمایا "سلونی" (مجھ سے کچھ پوچھ لو) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً دوزانو ہو گئے (صحیح بخاری جلد ص۲۴ مصر)

امام بخاریؒ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب حدیث بیان ہو تو اپنی ہیئت اور انداز نشست میں بھی ادب کا خیال رکھے اور دوزانو بیٹھے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں:

"امام مالکؒ تخت پر خشوع و خضوع سے بیٹھتے بخور جلایا جاتا جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہوتے تو اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۵۴۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ تین آدمی آئے ایک نے حلقے میں ایک خالی جگہ دیکھی تو وہ وہاں بیٹھ گیا دوسرا دائرے کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا۔ (صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۶)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر حدیث کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اگر کسی کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملے وہ واپس چلا جاتا لیکن کھڑے کھڑے حدیث سننا اس کے نزدیک احترام حدیث کے خلاف تھا۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

حضرت مالک بن انس ایک روز ابو حازم کے پاس گئے اس وقت وہ حدیث بیان کر رہے تھے حضرت امام مالکؒ ادھر سے گذر گئے اور فرمایا میں نے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ پائی اور میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ کھڑے کھڑے حدیث رسول اللہ کو حاصل کروں۔ حالانکہ میں کھڑا ہو سکتا تھا۔ (مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۵۴۱)

شارح بخاری علامہ عینی لکھتے ہیں:

حسن ادب یہ ہے کہ انسان وہیں بیٹھ جائے جہاں تک کہ مجلس پہنچ چکی ہے اور کسی کو نہ اٹھائے۔ مستحب یہ ہے
جلد ۱ ص۵۱

احکامِ رمضان المبارک

از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گنہگار اور فاسق ہے۔

نیّت | دل کے ارادہ اور قصد کو کہتے ہیں، زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔ روزہ کیلئے نیّت شرط ہے اگر نیّت نہ کی اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ: رمضان کے روزہ کی نیّت رات سے کرلینا بہتر ہے۔ اگر رات کو نہ کی تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کرسکتا ہے بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے | ۱. کان ناک میں دوا ڈالنا۔ ۲. قصداً منہ بھر کے قے کرنا۔ ۳. کُلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔ ۴. عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہوجانا۔ ۵. کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادتاً کھائی نہیں جاتی جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ۔ ۶. لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا نیز بیڑی سگریٹ یا حُقہ پینا اسی حکم میں آتا ہے۔ ۷. بھول کر کھا پی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصداً کھا پی لیا۔ ۸. رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی۔ ۹. ابھی دن باقی تھا مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے روزہ افطار کرلیا۔

نوٹ: ان تمام چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے صرف قضا لازم ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں آتا۔

مسئلہ: جان بوجھ کر بیوی سے صحبت کرلی یا جان بوجھ کر کھا پی لیا تو روزہ بھی گیا اور قضا بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی ذمے ہوگا۔

کفارہ | ایک غلام آزاد کرنا، ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھنا، بیچ میں ناغہ نہ ہو۔ اگر ناغہ ہوگیا تو پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنا پڑیں گے۔ اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں

وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے۔ آج کل شرعی غلام یا لونڈی نہیں ملتے اس لئے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

جن سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے

۱۔ بلاضرورت کسی چیز کو چبانا یا نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہے۔ ۲۔ تمام دن حالتِ جنابت میں بغیر غسل کئے رہنا۔ ۳۔ فصد کرنا یا کسی مریض کیلئے اپنا خون دینا۔ ۴۔ غیبت کرنا ہر حال میں حرام ہے مگر روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔ ۵۔ لڑنا جھگڑنا گالی دینا خواہ انسان کو یا کسی بے جان چیز کو یا جاندار کو۔ اس سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

۱۔ مسواک کرنا۔ ۲۔ سر یا ڈاڑھی وغیرہ پر تیل لگانا۔ ۳۔ آنکھوں میں دوا یا سرمہ ڈالنا۔ ۴۔ خوشبو سونگھنا۔ ۵۔ گرمی یا پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔ ۶۔ کسی قسم کا انجکشن لگانا۔ ۷۔ بھول کر کھانا پینا۔ ۸۔ حلق میں بے اختیار دھواں یا گرد و غبار یا مکھی وغیرہ کا چلا جانا ۹۔ خود قے آجانا۔ ۱۰۔ کان میں پانی ڈالنا یا بغیر قصد کے چلا جانا۔ ۱۱۔ سوتے میں احتلام ہو جانا۔ ۱۲۔ دانتوں سے خون نکلا مگر حلق میں نہیں گیا۔ ۱۳۔ اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے غسل کی حاجت ہو گئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اسی حالت میں روزہ کی نیت کر لی تو بھی روزہ ٹھیک ہے۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے

۱۔ بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے اسی طرح اگر بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے مگر بعد میں قضا کرے۔ ۲۔ جو عورت حمل میں ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ ۳۔ جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہو اگر روزہ سے بچے کو دودھ نہیں ملتا تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے، پھر قضا کرے۔ ۴۔ مسافرِ شرعی جو کم از کم ۴۸ میل کے سفر کی نیت سے گھر سے نکلا ہو اس کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے اگر کوئی تکلیف سفر کی نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے، اگر تکلیف ہو تو نہ رکھنا افضل ہے۔ ۵۔ بحالتِ روزہ اگر سفر شروع کیا تو اس روزہ کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کھانے پینے کے بعد سفر سے گھر واپس آگیا تو باقی دن کھانے پینے سے بچے۔ اگر گھر میں سفر سے ایسے وقت لوٹ آیا کہ ابھی روزہ کی نیت ہو سکتی ہے تو لازم ہے کہ روزہ کی نیت کر لے۔ کسی کو قتل کی دھمکی دے کر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لئے روزہ توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کرے۔ ۷۔ کسی بیماری یا بھوک و پیاس کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کی رائے میں جان کا خطرہ ہو تو روزہ توڑ دینا واجب ہے، پھر قضا لازم ہوگی۔ ۸۔ عورت کے لئے ایامِ حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے

یعنی نفاس کے دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے ان ایام کے بعد قضا کرے۔
مسافر، بیمار، حیض و نفاس والی عورت اور جن کے لئے رمضان میں روزہ رکھنا اور افطار کرنا جائز ہے انکو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا اگر کسی عذر سے روزہ قضا ہو گیا تو جب عذر جاتا رہے جلد ادا کر لینا چاہیئے، زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں۔ قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کر کے رکھے۔
اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

سحری روزہ دار کو آخری رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعثِ برکت و ثواب ہے نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سُنّت ادا ہو جائے گی لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے۔
اگر مؤذن نے صبح سے پہلے اذان دیدی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں، جب تک صبح صادق نہ ہو جائے سحری سے فارغ ہو کر روزہ کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے اور زبان سے بھی کہہ لے تو اچھا ہے

بصوم غدٍ نویت من شھر رمضان ہ

افطاری آفتاب کے غروب ہونیکا یقین ہو جانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے البتہ جب ابر وغیرہ ہو تو دو چار منٹ احتیاط کر لینا بہتر ہے۔ کھجور اور خرماء سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے بھی افطار کرنا جائز ہے افطار کے وقت یہ دُعا مسنون ہے؛

اللّٰھم انی لک صمت وعلیٰ رزقک افطرت ہ

اور افطار کے بعد یہ دُعا پڑھے؛

ذھب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجر انشاء اللہ ہ

تراویح ۱۔ رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سُنّت کے بعد بیس رکعت سُنّت مؤکدہ ہے۔
۲۔ تراویح کی جماعت سُنّت علی الکفایہ ہے محلہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو اور کوئی شخص علیحدہ اپنے گھر میں تراویح پڑھ لے تو سُنّت تو ادا ہو گئی مگر مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا۔ اگر تمام محلہ میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب ترکِ سُنّت کے گنہگار رہیں گے۔
۳۔ تراویح میں پورا قرآن پاک ختم کرنا بھی سُنّت ہے اگر کسی جگہ حافظِ قرآن سُنانے والا نہ ہو یا ہے مگر

باقی ص۵۳

تاریخی تحقیقی و علمی مقدمہ

از قلم : مقبول احمد متعلم دار العلوم کبیر والہ

حکومتِ الٰہیہ اور فریضہ جہاد

اسلام دین فطرت ہے اور دنیا میں فطری اقتدار کے ہمہ جہت تفوق کا علمبردار، ہر چشم بینا و نگاہِ نکتہ رس جب مظاہر فطرت پر فطری زاویۂ نظر سے نگاہ ڈالتی ہے تو اسے کائنات کا ذرہ ذرہ جسمانیات ہوں یا مجردات، علویات ہوں یا سفلیات، کثیفات ہوں یا کشفیات، مفردات ہوں یا مرکبات ہوں، جمادات ہوں یا نباتات و حیوانات ایک خاص نظام میں مربوط اور ایک مخصوص محور پر مرکوز نظر آئے گا تو کیا پھر خلاصۂ کائنات اشرف المخلوقات انسان کے لئے ایک کامل ترین مرکزیت کا وجود عین مقتضائے فطرت نہیں؟ خالق کائنات نے بعثت آدم علیہ السلام سے لیکر ہادیٔ دوجہاں سرور کائنات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنی کامل ترین ربوبیت کے اکمل ترین اظہار کے طور پر انسانیت کی اس بنیادی فطری ضرورت کا خود انتظام فرمایا۔ یہ جو انبیاء علیہم السلام کا عظیم ترین گروہ بے پناہ اولوالعزمی، مجسم جرأت و بے باکی کیساتھ صبر و استقلال و عزم و ثبات کا پہاڑ بن کر دنیا سے کچھ نہ لینے اور اپنا سب کچھ لٹا دینے کے جذبے سے سرشار ہو کر ایک عالمگیر ٹھوس بنیادوں پر استوار، فطرت سے مکمل طور پر ہم آہنگ انقلاب کا داعی نظر آتا ہے، یہ سب کچھ کیا ہے؟ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ انسانیت کو مخلوقات میں اس کی اکملیت کی طرح ایک اکمل ترین جامع ترین نقطۂ اجتماع اور مرکز حیات میسر آجائے تاکہ انسانیت نیابت الٰہی کے فریضۂ عظیمہ سے سبکدوش ہو سکے۔

انسانی تاریخ اس حقیقت کی شاہد عدل ہے کہ انبیاء کی انقلابی دعوت جب بھی کسی انسانی گروہ کے دل و دماغ میں اتری اور اس نے قلب و جگر کی حرارت کے ساتھ اپنے ہوش و حواس کی جملہ قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے کو اس میں رنگ لیا تو خود بخود دوسروں کی مسیحائی و دلنگائی شروع ہو گئی۔ افق عالم پر رحمت کا سورج جلوہ گر ہوا اور دنیا عدل و انصاف، ہمدردی و مساوات سے بھرپور و معمور ہو گئی، ظلم و عدوان منافرت و تباغض کے بادل چھٹ گئے جہاں مسرتوں سے لبریز ہو گیا اور انسانیت کا ہر فرد ایک ہی مالا کا موتی اور ایک ہی ہار کا ہیرا بن گیا ہے۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی — اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی
بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی (اقبالؒ)

یہی نیابت الٰہی ہے یہی خلافت اللہ ہے اور یہی انبیاء و صلحاء کی تاریخ دعوت و عزیمت کا نچوڑ ہے اور یہی خالق فطرت کا انسانیت کے لئے بے مثال و بے بدل فطری نسخہ ہے جو کتاب حکمت قرآن مجید کی تعلیمات کی روح

اور تخلیقِ انسانیت کا مقصدِ وحید ہے اور اسی کا نام ہے نبی آخر الزماں کا عالمگیر انقلاب۔

وہ اسلام جس کے حیات آفریں انقلاب نے انسان کی انفرادی، ملی، اعتقادی زندگی میں مرکزی شان پیدا کی وہ انسان کی سماجی، معاشرتی، اجتماعی اور ملی زندگی میں کیونکر مرکزیت اعلیٰ قائم نہ کرتا۔ پھر انفرادی عبادات و اعتقادات اخلاقیات و معاملات کو عین مقصودِ اسلام قرار دینا اور ایک ایسی مرکزیت جو ان انفرادیات کے بقاء و ارتقاء کا واحد سرچشمہ ہو محض ایک اضافی چیز قرار دینا یہ ایسا نقطۂ نظر ہے جس نے دنیا میں اسلام کے غلبہ کے بچے کھچے آثار کو بھی معدوم کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ کیا خلافتِ الٰہیہ "امامتِ کبریٰ" جسے شاہ ولی اللہ ارتفاق رابع سے تعبیر فرماتے ہیں) کو "اقتدار کا نشہ" یا "حکومت کی ہوس" قرار دیکر انفرادی عبادات وایمانیات پر سارا زور صرف کرنا اس بات کی غمازی نہیں کہ ایسے لوگوں کے نزدیک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض ایک اخلاقی مصلح اور عیسائیوں کے پوپ (توبہ نعوذ باللہ) کی سی ہے۔

اے کاش مسلمانوں نے اپنی بین الاقوامی ذمہ داریوں کو محسوس کیا ہوتا۔ یہ درست ہے کہ انفرادی اصلاح کے بغیر اجتماعی انقلاب محض خواب ہے لیکن مسلمان کی منزل صرف اپنی اصلاح ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو اس عالمگیر عادلانہ مساویانہ نظام سے بہرہ ور کرنا ہے جو انسانیت کا واحد نجات دہندہ ہے اور یہ وہ نکتہ نظر ہے جو ہر وقت ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا چاہیئے۔

ہر صاحب بصیرت کے سامنے یہ امر عیاں ہے کہ اُمت مسلمہ ہمارے نبی انقلابی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے مکمل تنوع کو جب تک اپنے میں منتقل نہ کرے گی اسلام کو اپنی عظمتِ رفتہ نصیب نہیں ہو سکتی۔ آئیے ذرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی ترتیب امام انقلاب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ سے سمجھیں، آپ آیت:

اولم یروا انا ناتی الارض ننقصها من اطرافها ...... الخ (سورۃ الرعد)

کو مکی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت مکہ ہی میں ہجرت سے قبل قائم ہو چکی تھی اسلام کی شوکت سرزمین عرب میں روز افزوں ترقی کر رہی تھی نیز ترقی کے تناسب سے دار الحرب کا دائرہ تنگ سے تنگ تر ہوتا جا رہا تھا عرب کے اکثر قبائل مثلاً غفار، جہینہ، مزینہ اور بعض یمنی قبائل نے اسلام قبول کر لیا تھا چنانچہ مشرکین کا زور دن بدن ٹوٹ رہا تھا۔ اسلامی حکومت کی داغ بیل پڑ چکی تھی لیکن اصولی طور پر وہ عدم تشدد کی پالیسی پر عملدرآمد کرتی رہی یوں کہہ لیا جائے کہ ایک باطنی خلافت تھی جس کا مطمع نظر عدم تشدد کی اساس پہ حکومت کا قیام تھا۔

(التفہیمات ج ۱ ص ۳۴۲، فیوض الحرمین مشہد ص ۳۶، بحوالہ شاہ ولی اللہ کا تعلیم ص ۲۰۹)

لیکن جب آپ مدینہ پہنچے تو اب امامت خفیہ کے بعد امامت کبریٰ (مکمل غلبہ) کا وقت آیا چنانچہ اسوقت عدم تشدد کی پابندی ضروری نہ رہی اور انقلاب رحمت کے راستہ کی رکاوٹوں کی عملی بیخ کنی کا آغاز کر دیا گیا کیونکہ طبیب حاذق وہی ہوتا ہے جو جسم کا علاج فاسد مادوں کو خارج کر کے کرے پھر اسلام کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ دین فطرت کی راہ میں اٹھنے والے

وہ پتھر دل انسان جنہوں نے اپنی حسِ اخلاق کو مُردہ کر لیا تھا مزید رکاوٹ بنے رہے چنانچہ چُن چُن کر ان کا صفایا کر دیا گیا۔

خلافتِ راشدہ کے مقدس دور میں اسلام کے مکمل غلبہ کا ظہور ہوا۔ تفصیل کا موقع نہیں ورنہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ ہر وقت اور ہر دور میں امت کے عظیم ترین مصلحین نے ہمیشہ خلافتِ راشدہ کے دور کو زندہ کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ بعض خلفاء بنو اُمیہ و عباسیہ کے بعد صلاح الدین ایوبی سے لیکر حضرت مجدد الف ثانیؒ اور امام انقلاب حضرت شاہ ولی اللہؒ تک اس شیرازہ بندی کی فکر اور اسی مرکزیتِ اعلیٰ کے قیام کی دھن اور بے تابی نظر آتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کیا چاہتے تھے اسکا نچوڑ بقول اُن کے اس آیت میں موجود ہے:

هو الذي ارسل رسولهٗ بالهدٰى و دين الحق ليظهرهٗ على الدين كله و لو كره المشركون

مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس آیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ آیت برسرِعام ایک بین الاقوامی انقلاب کی دعوت دیتی ہے، اسکا گوہرِ مقصود لوگوں کی ایک نکتہ پر یکجہتی ہے۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قوم ایک مذہب اختیار کرتی ہے اور یہ مذہب اس کے قومی افکار و اعمال کا ایک مقدس حصہ بن جاتا ہے اسطرح دنیا میں ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ دین وجود میں آیا اب قرآن تمام اقوام کا ایک دین پیش کرتا ہے اور اس دین کو بقیہ عام ادیان پر غالب لانا قرآن کا مقصد ہے۔ اس غلبہ کے حصول کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اولاً یہ کہ تعلیم و تبلیغ کے ذریعے اس دین کو تمام ادیان پر غالب لایا جائے اور اگر یہ ممکن الحصول ہوتا تو جنگ و جدال کی کوئی ضرورت پیش نہ آتی اور تمام اقوام برضا و رغبت اس دین کو قبول کر لیتیں لیکن آیت کے آخری حصہ میں ولو كره المشركون جس کے معنی یہ ہیں کہ (مشرکوں کو یہ بات ناپسند ہے کہ اس دین کو غالب آتا دیکھیں) اس بات کا بیّن اظہار ہے کہ مشرکین کی ناپسندیدگی اس دینِ حق کی راہ میں ضرور حائل ہوگی، تا ہم دنیا عام طور پر یہ خیال پھیل رہا ہے کہ عدم تشدد کے ذریعے بھی اقوام پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یعنی انقلاب کے لئے جنگ ضروری نہیں لیکن ہمیں یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انسانی فطرت کچھ ایسی ہے کہ عدم تشدد کے بغیر اس سے کام نہیں لیا جا سکتا اور کبھی کبھار تشدد امر ناگزیر ہو جاتا ہے[1]

ہاں یہ ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ قیصر و کسریٰ کا خاتمہ اسلام کے مکمل غلبہ کے برابر تھا اور یہ غلبہ شیخینؓ کے دورِ حکومت میں حاصل ہوا۔ کیا ایسے عظیم الشان تابندہ ماضی کے بعد آج ہمارا اس کسمپرسی کی حالت میں پڑے رہنا جائز اور روا ہے؟

شاہ صاحبؒ کی تعلیم تو یہ ہے کہ غلبۂ اسلامی لا انتہا اور ناپید کنار ہو، یہ بدستور جاری و ساری رہے اور ساری دنیا آگے چل کر اس کے حضور سرِ تسلیم خم کرے۔ اسلام ہمیشہ غالب، بارعب قاہر اور روشن رہے نیز اس کی حجتیں اور دلائل صاف اور واضح ہوں جو برابر اس کی فوقیت اور برتری پر دلالت کرتی رہیں[2]۔

---

[1] شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص۱۵۰، ۱۶۰ تقریباً یہی مضمون القول الجمیل مع اردو ترجمہ ص۱۱ [2] ازالۃ الخفاء الجزء الاول ص۲۶

اس حقیقت کی طرف شاہ صاحبؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف " حجۃ اللہ البالغہ " میں صراحتاً فرمایا ہے کہ اتمام نعمت صحیح معنیٰ میں عملی صورت میں بن جائے گا۔ قرآن پاک میں ہے:

وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون بصیر۔

" ان کے ساتھ اس وقت تک ۔ جنگ جاری رکھو جب تک نہ رہے فساد (کفر کا غلبہ باقی نہ رہے اور ہو جائے حکم اللہ کا ساری حکومت اللہ کے لئے ہو جائے یعنی قانون الٰہی پر عمل ہو) پس اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے اللہ دیکھتا ہے "

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۴۰ نیز ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۲۸۳)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جہاد کا جاری رکھنا لازمی اور ضروری ہے اور اسے اسوقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک اسلام مکمل غلبہ حاصل نہ کر لے۔ (المسویٰ ج ۲ ص ۱۵۲ بحوالہ شاہ ولی اللہ کی تعلیم ص ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸)

اسی مرکزیت کے حصول کے لئے امام حریت سید احمد شہیدؒ اور ترجمان صداقت سید اسمٰعیل شہیدؒ نے بالاکوٹ کی پہاڑیوں میں خون کا نذرانہ پیش کیا۔ یہی وہ چنگاری، ولولہ، بیقراری اور تڑپ تھی جس نے حکیم ملت مولانا قاسم نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کو شاملی کے معرکہ کارزار میں جوہر شجاعت دکھا کر آئندہ کے لئے اسلام کی دفاعی لائن کے طور پر دارالعلوم دیوبند کے قیام کی طرف الھاما ابھارا اور یہی وہ دارالعلوم دیوبند ہے جہاں سے تحریک ولی اللٰہی کے وارث حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ایک شاہین پاکباز اور فقیر بے نوا کی طرح مخلص نوجوانوں مجاھدوں کی ایک عظیم کھیپ لے کر اٹھے اور بین الاقوامی جغرافیائی نقشوں کی تبدیلی کے ایسے جامع پروگرام تیار کئے کہ مغربی سامراج کی نیند حرام ہو گئی لوگ کہتے ہیں کہ جمعیۃ علمائے ہند مسلمانوں کی جداگانہ ریاست، خلافت الٰہیہ کے خلاف تھی۔ ایسے لوگوں نے زیادہ سے زیادہ ایک لنگڑی لولی مملکت حاصل کی لیکن مجاہد ملت حضرت سید محمد میاںؒ جمعیۃ علماء ہند کے انقلابی پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

" اور چونکہ ایشیا کے بیشتر حصہ پر اب بھی مسلمانوں کا قبضہ ہے تو اس لیگ آف نیشنز پر اقتدار مسلم کا پرچم لہرائیگا اور اس صورت سے دنیا پھر خلافت عباسیہ یا دولت عثمانیہ کی پرشوکت تاریخ کا نظارہ کرے گی "

(آنیوالے انقلاب کی تصویر ص ۲۲)

قارئین کرام جب یہ امر منقح اور یہ حقیقت واضح ہے کہ خلافۃ الٰہیہ (ربانی حکومت) ہی مسلمانوں کی منزل ہے اور سلف صالحین وائمہ ھدیٰ کی تمام تر جدوجہد بھی اسی امر کے لئے وقف ہوئی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دور انحطاط جس میں ہم گزر رہے ہیں میں ہماری منزل کیا ہے؟ اور اس کے حصول کا طریق کار کیا ہے؟ پہلے سوال کا جواب جتنا واضح تھا دور حاضرہ کے نام نہاد منکرین اسلام نے اسے اتنا ہی الجھا دیا ہے۔ کسی کو اسلام کا انفرادی، اجتماعی، تہذیبی، ثقافتی اقتصادی و معاشی اور سیاسی نظام مغربی جمہوریت کا ہم آہنگ نظر آتا ہے اور وہ ذہنیت سرمایہ دارانہ نظام کے تفوق و دوام و بقا کے لئے کوشاں ہے۔ ان

سرمایہ داروں نے غریبوں کا خون چوسا، اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے انہوں نے ہمیشہ مغربی بھیمی تہذیب کی پوجا کی۔ اسلام کو محض پاپائیت اور رسم نکاح خوانی تک محدود کرکے سیاست سے چھٹی کرانے کی بھرپور کوشش کی تاکہ سرمایہ کاری کی دوامی شجرکاری ہوسکے اور اقتصادیات کے ڈاکو ہمیشہ کے لئے بے خطر ہوجائیں۔ اندریں حالات ایمان سے خالی دلوں کا اور معاشی حالات میں پیچ در پیچ اُلجھے ہوئے دماغوں کا اشتراکیت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا ایک تلخ مگر ناگزیر عمل تھا چنانچہ اہل اسلام کے لئے یہاں سے ایک اور مصیبت کا آغاز ہوا۔ قیام پاکستان سے قبل علماء حقہ کے عظیم گروہ نے شاہ ولی اللہ کے اصول پہ اسلام کا بین الاقوامی سیاسی، اقتصادی، معاشی نظام اور اس کے نفاذ کے لئے عملی پروگرام پیش کیا اور ساتھ ہی کھلے لفظوں میں اس خطرے سے آگاہ کیا کہ اگر مسلمانوں نے اب بھٹکی ہوئی انسانیت کا ہاتھ تھام کر اسے اسلام کے فطری اقتصادی اور سیاسی نظام سے بہرہ ور نہ کیا تو روس سے اُٹھنے والا نیا سامراج غریب پروری کے جعلی لبادے میں عالم اسلام کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جائیگا۔ (مولانا عبید اللہ سندھیؒ وطن واپسی پہ کراچی میں خطاب)

لیکن مجموعی طور پر قوم نے علماء کی آواز پر لبیک نہ کہا اور برطانوی ساحروں کے سحر کا شکار ہوگئی نتیجۃً مسلمانوں میں سے ہی ہوس اقتدار سے مخمور ایک گروہ نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا اور سُرخ سامراج کے ان مخلص کارکنوں نے روٹی، کپڑا اور مکان، سوشلزم ہماری معیشت ہے کے سحور کن نعروں سے ایسی فکری ابتری پھیلائی کہ آج ہماری قوم کا ایک گروہ رات دن روس کے ساتھ پیار کی پینگیں بڑھانے کا خواب دیکھ رہا ہے پورے عالم اسلام کے اندر دائیں بائیں بازو کی فکری جنگ شروع ہے۔ یہودیت نے ایک طرف اسرائیل کو عالم اسلام پر مسلط کرکے امریکہ کو اسکا پہریدار بنا دیا تاکہ عربوں کا خون چوسا جائے تو دوسری طرف کیمونزم روسی توسیع پسندی کے عزائم کی شکل میں عالم اسلام پر دھاوا بول چکا ہے۔ دونوں نام نہاد سُپر طاقتوں نے (جنکو سُپر طاقت سمجھنا بھی ایمان سے خالی ہونیکی دلیل ہے) عالم اسلام کے اندر ایسا زبردست فکری پروپیگنڈہ کیا ہے کہ مسلمانوں کے اہل بصیرت ان طاقتوں سے الگ ہوکر سوچنے کی قوت کھوچکے ہیں وہ گرمجوشی کے ساتھ اپنے تئیں دائیں اور بائیں بازو سے منسلک کرتے ہیں وہ اس بات کے زبردست پرچارک ہیں کہ کسی بھی تحریک کی اساس کسی بڑی طاقت کیساتھ پیار کی پینگیں بڑھائے بغیر نہیں اٹھائی جاسکتی وہ کہتے ہیں یہ سُپر پاورز بہت فارورڈ ہیں۔ ہم ان کی خفیہ چالوں کا شکار ہوجائیں گے لہٰذا ان کے بلاک میں شامل ہوجاؤ (در پردہ وہ اپنی ذہنی شکست کی وجہ سے کسی درجہ میں ان بہیمانہ نظاموں کی صالحیت کے اندر سے قائل ہوتے ہیں) ان عقل کے اندھوں اور احمقوں کی جنت میں بسنے والے نام نہاد مفکروں امریکی و روسی چندہ خوروں سے پوچھے کہ کیا یہی اسلام ہے کہاں گئی تمہاری فراستِ مومنہ جس کے نور سے باطل کا پتہ پانی ہوجایا کرتا تھا کہاں گیا وہ تمہارا فولادی عزم اور بین الاقوامی سوچ جو باطل کی ریشہ دوانیوں کے پرزے چاک کردیا کرتی تھی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ جب مکمل نظام صرف اور صرف اسلامی ہی ہے تو پھر اس کی تشبیہہ دیگر نظام ہائے باطلہ سے کلاً یا جزاً دقیانوسیت کی دلیل نہیں؟ کیا جو کل فاسد ہو اس کا

جُزو صالح ہو سکتا ہے ؟ یہیں سے ایک نقطۂ نظر جنم لیتا ہے جس سے اسلام کی اکلیت سے بغاوت، اصول دین سے انحراف علماء حقہ سے بے نیازی اور اسلام میں نام نہاد اجتہادی ہیر پھیر کی راہیں کھلتی ہیں انہیں معلوم نہیں کہ مسلمان کا ایک ہی راستہ ہے اتباع دین مبین اور اعتصام بحبل اللہ۔

ہائے افسوس ! بجائے اس کے کہ ہم اپنے نوجوان میں وسعت کے ساتھ کوٹ کوٹ کر اسلام کے ہمہ گیر تفوق کا نقش بٹھاتے ہم نے اپنے تئیں دائیں اور بائیں بازو سے منسلک کر کے اپنے آپ کو نظریاتی اعتبار سے تباہ کر لیا اور پھر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ بعض دقیانوس انقلابی علماء حقہ کی سیاست کے وارث ہونے کے دعویدار علماء ہند کو مائل بہ اشتراکیت ثابت کرتے ہیں ان کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے ۲۹ ، ۳۰ دسمبر ۱۹۴۰ء کو منعقدہ مجلس عاملہ کے اجلاس (جس کی صدارت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نے کی) کا یہ اعلان کافی ہے۔

جمعیۃ علماء ہند اپنے وطن ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے یہی اس کا مطمع نظر اور نصب العین ہے نہ وہ نازی ازم کو ہندوستان پر مسلط دیکھنا چاہتی ہے نہ فسیزم کو نہ اشتراکیت کو پسند کرتی ہے نہ جاپانی پالیسی اور اقتدار کو وہ اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق چاہتی ہے اور بس۔ علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ج ۲ ص ۱۲۹)

اس فکری خساست کے پرخچے اڑاتے ہوئے امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ ارشاد فرماتے ہیں :

"ہم نہایت حسرت کے ساتھ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ اپنے اندر آزادی اور حقوق طلبانہ پالیسی کا ولولہ رکھتے ہیں گو عام راہ خلافت سے الگ رہنے کا انہیں الاؤنس دینا چاہئے لیکن افسوس کہ ان کے سامنے ہندوؤں کی پولیٹیکل تقلید کے سوا کوئی مستقل اور علیحدہ راہ نہیں ہے وہ بھی اپنی ترقی کا سدرۃ المنتہیٰ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں کے قدم بہ قدم چلنا سیکھ لیں بیشک ہمارے عقیدے میں بھی آج کل مسلمانوں کے لئے معبرت و تنبیہ کا سبق ہندوؤں کے سیاسی اعمال میں ہے اور بڑی بدبختی یہی تھی کہ آج تک اس سے عبرت حاصل نہیں کی گئی لیکن پیروان امام مبین کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مذہبی موت نہیں ہو سکتی کہ اعمال کے ایک ضروری شعبے میں ان کو اسلام تعلیم دینے سے مجبور و لاچار ہو گیا ہو اور اس کی طرف سے مایوس ہو کر انہیں ایک دوسری قوم کے دسترخوان کی چھوڑی ہوئی ہڈیوں پر للچانا پڑے اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہے کہ سرے سے اسلام ہی کو خیرباد کہہ دیا جائے دنیا کو ایسے مذہب کی کیا ضرورت ہے جو صرف خطبۂ نکاح میں چند آیتیں پڑھ دینے یا بستر نزاع پر سورۂ یٰسین کو دہرا دینے ہی کے لئے کارآمد ہو سکتا ہے۔"

ہمارے نزدیک اسلام کے دامنِ تقدیس پر اس سے بڑھ کر کوئی بدنما دھبہ نہیں ہو سکتا کہ انسانی حریت اور ملکی فلاح کا سبق مسلمان دوسری قوموں سے لیں۔ اس بارے میں ہمارے خیالات الحمدللہ عام خیالات کی سطح سے بہت بلند ہیں اور گو موقع نہیں مگر ضمناً ان کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جس طرح اسلام کا خدا اپنی ذات و صفات میں وحدہ لاشریک ہے کوئی ہستی اور وجود اس میں شریک نہیں اسی طرح ہمارا قرآن بھی اپنی جامعیت

اور کمال تعلیم میں وحدہٗ لاشریک ہے اور بالکل اسی طرح اس کا لانے والا رسول کمال انسانیت و تعبداور قوی نبوۃ و اصلاح میں وحدہٗ لاشریک ہے ان کی صفات و خصائص میں کوئی ان کا شریک نہیں۔ ؏ راہِ نسبت طلبی میں کہ چہ شاداں قدم

پس ضروری ہے کہ جو اُمّت اس خدائے واحد، اس قرآن واحد، اس رسول واحد کے دامن سے وابستہ ہو وہ بھی اپنے اندر اس شان وحدت اور یکتائی کا جلوہ رکھے وہ بھی اپنے اعمال زندگی کی ہر شاخ میں وحدہٗ لاشریک ہو۔ اسکے اعمال و خصائص بھی من رأنی فقد رأی الحق کی صدائے اتحاد سے غلغلہ انداز عالم ہوں۔ تمام دنیا کی قومیں اس کے اعمال کا اتباع کریں، زندگی کے ہر حسن و جمال میں اس کے خدوخال مرجع عالم کے لئے نمونہ اور اسوۂ اتباع بنیں۔

(اسلام کا نظریہ جنگ ص ۱۴)

قارئین کرام! جب اسلام کی اکملیت مسلّم اور اس کا غلبہ بصورت قیام خلافت عین مقصود ٹھہرا تو منزل کے تعین کے بعد اب دوسرا سوال باقی رہ گیا کہ یہ غلبہ کیسے ظہور پذیر ہوگا۔ اس سوال کا جواب شاہ ولی اللہ کے حوالہ سے آیۂ "اظہار دین" کی تفسیر میں ہم عرض کر آئے ہیں کہ غلبۂ اسلامی کے تحقیق کا واحد ذریعہ اجراءِ جہاد ہے جو بقول شاہ صاحبؒ کے ان کی جملہ تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ جہاد ہی وہ عظیم فریضہ ہے جس کے لئے نماز موقوف کی گئی اور جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی کوہان (شوکت کا واحد سبب) قرار دیا۔

ہم اس جگہ جہاد کی اہمیت کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی سید احمد شہیدؒ کے تجدید و احیاء کے چند عظیم کارناموں اور انقلابی اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمان جہاد کی اہمیت و فضیلت کو تقریباً فراموش کر چکے تھے اور فقہ کے بعض مسئلوں سے بھی کم ان کی اہمیت رہ گئی تھی اور اس کا شمار (محض) مستحبات میں کیا جانے لگا تھا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جو سید صاحبؒ کے دستِ راست گویا ترجمان اور وزیر تھے علماء و مشائخ کے نام ایک مکتوب میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

"جہاد کی اہمیت آج علماء کے نزدیک اتنی بھی باقی نہیں رہ گئی ہے جتنی ان کی نگاہ میں کتاب الحیض والنفاس کی اہمیت ہے۔"

اسلام کے اس رکنِ عظیم کے ساتھ اس بے اعتنائی نے عالم اسلام کو بہت شدید نقصان پہنچایا۔ ناخدا ترس و بے ضمیر اور کمتر درجہ کے لوگ قدرے جری و بے باک ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی بالکل ان کے حسب حال تھی:
اذا ترکتم الجہاد سلط اللہ علیکم ذلاً لا ینزعہ حتی ترجعوا الی دینکم۔ یعنی اگر تم جہاد ترک کر دوگے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اسکو اسوقت تک دور نہ کرے گا جب تک کہ تم اپنے دین پر واپس نہ آجاؤ گے۔ (ابوداؤد روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہ)

کیا ابھی تک یہ حالت بدستور باقی نہیں؟ کیا آج ہمارے اہل علم جہاد سے پہلوتہی کرتے ہوئے سارا علمی زور

اس امر کی تحقیق کے لئے صرف نہیں کر رہے کہ جہاد کو مستحب ہی رکھا جائے؟ کیا یہ ذہنیت کہ ہائے جہاد کہیں فرض عین ثابت نہ ہو جائے تو ہمیں مال و جان کی قربانی فدا پیش کرنا ہوگی۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین سے کوئی مناسبت رکھتی ہے اور کیا یہ جہاد ہی کے ترک کرنے کا نتیجہ نہیں کہ آج وہ اہلِ حق جو بنیانِ مرصوص ہوا کرتے تھے افتراق وانتشار کا شکار ہو کر اجتماع واستلاف کھو چکے ہیں۔ آج بھی عالمِ اسلام کے غلبہ اور اہلِ حق کے اتحاد کی واحد صورت جہاد ہے۔

جہاد صرف ابھی فرض نہیں ہوا بلکہ خلافت عثمانیہ کے زوال سے لیکر اسرائیل کی منحوس ریاست اور اب حالیہ جہادِ افغانستان تک پورے عالمِ اسلام پر فرض ہے لیکن جو نوعیت اب ہمارے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے جہاد افغانستان کی ہے وہ اسرائیل کی طرح عالمِ اسلام کے لئے بہت بڑا چیلنج بن چکی ہے۔ سُرخ سامراج پاکستان و ایران پر اشتراکیت کے جھنڈے گاڑنے کا فیصلہ کر چکا ہے اور ہمارے دانشور اس کا توڑ پیش کرنے کی بجائے یا تو اس کو سلامی دینے اور جی حضوری کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اور یا بزعم خویش سرمایہ داری کی آبپاشی کر کے اپنی زندگی بڑھانا چاہتے ہیں لیکن اہل حق کی ایک ہی راہِ عزیمت ہے اور وہ ہے جہاد۔ ایسا جہاد جو ہمہ گیر ہو جو صحابہ کرام کے جہاد سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو اور اگر

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے پاکستان والو　　تمہاری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں

آج اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے ایسے مجاہدوں کی ضرورت ہے جن میں خالد و طارق شہید کربلا کی قربانی وایثار محمد بن قاسم کی یلغار، ٹیپو کی للکار، مجدد الف ثانیؒ کا عزم، جمال الدین افغانیؒ کا غم۔ شاہ ولی اللہؒ کا فکر شاہ عبدالعزیز کا ذکر سید احمد شہیدؒ کا جذبہ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا ولولہ، قاسم نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا سوز، شیخ الہندؒ کی تڑپ حضرتِ مدنیؒ کا جذبۂ حریت، ابوالکلام کی سیاست اور مولانا سندھیؒ کی منصوبہ بندی موجود ہو اور وہ صلاح الدین ایوبی کی طرح جذبۂ جہاد سے سرشار ہوں۔ اس نے کہا تھا؛

مسلمانوں کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں۔ صلیبی چوہوں کی طرح سلطنتِ اسلامیہ کو کھا رہے ہیں! اور جانتے ہو وہ کیوں کامیاب ہو رہے ہیں؟ ہم نے اپنی بچیوں کو ننگا کر کے ان کی عصمتوں کو روند ڈالا ہے۔ میری نظریں فلسطین پر لگی ہوئی ہیں تم میری راہ میں پھول بچھا کر مصر سے بھی اسلام کا پرچم اتروا دینا چاہتے ہو؟ اُٹھا لو یہ پھول میرے راستہ سے، میں نے ان پر قدم رکھ دیا تو میری رُوح کانٹوں سے چھلنی ہو جائے گی۔

اس نے حکم دیا بھرتی تیز کر دو۔ ایسے نوجوانوں کا دستہ تیار کرو جو دشمن کے علاقہ سے جاسوسی کریں اور شب خون ماریں، انہیں خصوصی تربیت دو ان میں یہ صفات پیدا کرو کہ اونٹ کی طرح زیادہ سے زیادہ پیاس برداشت کریں، ان کی نظریں عقاب کی طرح تیز ہوں، ان میں صحرائی لومڑی کی طرح مکاری ہو اور وہ دشمن پر چیتے کی طرح جھپٹنے کی مہارت دلیری اور طاقت کے مالک ہوں۔ ان میں شراب حشیش وغیرہ کی عادت نہ ہو اور عورت کے لئے وہ برف کی طرح یخ ہوں۔

بھرتی تیز کر دو ابوسفیان! اور یاد رکھو میں ہجوم کا قائل نہیں، مجھے لڑنے والوں کی ضرورت ہے۔ خواہ تعداد تھوڑی ہو

باقی ص ۵۳ پر

عیسائیت کی تبلیغ و تخریب

○ ڈاکٹر محمد انور قریشی

اسلام میں داخل ہونے کے بعد کلمہ گو کا سب سے بدترین فعل اور جرم اسلام سے روگردانی اور اسے ترک کرنا ہے۔ ایسے شخص کو مُرتد کہتے ہیں۔ اسلامی مملکت میں اس کی سزا قتل ہے تاہم غیر مسلم اپنے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرسکتا ہے اور اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اسلام قبول کرے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے بعد اس سے انحراف کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اس لئے ملّتِ اسلامیہ کو سب سے زیادہ فکر اور تشویش اپنے مسلمان بھائی کو تبدیلی مذہب سے بچانا ہے۔ کیمونزم اور سوشلزم کے لادینی سیلاب کے سامنے بند باندھنا جہاں ضروری ہے وہاں ایک اسلامی مملکت میں عیسائیت کے توسیعی عزائم کو بھی روکنا ضروری ہے۔ ہمارے اسلامی ملک میں عیسائی بنانے کی بین الاقوامی مہم خطرناک حد تک تیز ہے جس کا اندازہ پاکستان میں بڑھتی ہوئی عیسائی آبادی سے لگایا جاسکتا ہے۔

عیسائی آبادی میں اضافہ

تقسیم ہند کے وقت ۱۹۴۷ء میں مشرقی اور مغربی پاکستان کی مجموعی عیسائی آبادی اسّی ہزار تھی۔ ۱۹۵۱ء میں صرف مغربی پاکستان کی عیسائی آبادی بڑھ کر چار لاکھ بتیس ہزار ہوگئی۔ ۱۹۶۱ء میں مغربی پاکستان کی مردم شماری کے مطابق عیسائی آبادی پانچ لاکھ چوراسی ہزار تک پہنچ گئی۔ یعنی دس سال میں ۳۵٪ فیصد اضافہ ہوا ۱۹۷۲ء میں مغربی پاکستان میں مردم شماری کے مطابق عیسائی آبادی نو لاکھ آٹھ ہزار ہوگئی اسطرح دس سال میں ۵۹ فیصد اضافہ ہوا ۱۹۷۶ء نیشنل کرسچن لیگ کے صدر اور جنرل سیکرٹری کے اخباری بیان کے مطابق عیسائی آبادی ساٹھ لاکھ ہے۔ اگرچہ یہ دعویٰ باطل ہے مگر عیسائیت کی بڑھتی ہوئی آبادی پاکستان کے لئے تشویشناک ہے۔ جن اسلامی ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت صرف چند فیصد زیادہ ہے وہاں عیسائی آبادی میں اضافہ اسلامی حکومت کے خاتمہ کا موجب بن سکتا ہے جو اور بھی زیادہ خطرناک ہے

افسوس اس بات پر ہے کہ انگریز کے سو سالہ دورِ اقتدار میں سرکاری اثر و رسوخ اور مراعات کے باوجود مشرقی اور مغربی پاکستان کی عیسائی آبادی اسی ہزار سے زیادہ نہ بڑھ سکی اور پھر آزادی کے بعد تیس برس میں عیسائیوں کی تعداد ٹلڈی دل کی طرح بڑھنے لگی۔ دورِ غلامی میں علماءِ کرام اور بزرگانِ دین نے عیسائی مبلغوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، مگر قیام پاکستان کے بعد تو ایک اسلامی مملکت میں گویا عیسائیوں کو عیسائیت کی تبلیغ کی کھلی چھٹی مل گئی اور علماءِ کرام بھی اپنے تبلیغی مشن کو بھول گئے۔ وزارت

مذہبی امور کی غفلت اور علماء کی فرقہ سازی و فرقہ بازی میں ملوث رہنا، دیہاتی آبادی میں اسلام کی تبلیغ کا فقدان اور امراء اور متوسط طبقہ کی غرباء کی معاشی حالت سے غیر دلچسپی ایسے امور ہیں جو عیسائی آبادی میں اضافہ کا موجب بنے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائی مشنریوں نے پہلے سے زیادہ محنت، تنظیم، تدبّر، مکر و فریب اور طمع دلالچ دے کر عیسائیت کو فروغ دیا ہے۔

عیسائی عقیدہ کے تین خدا

مسلمان کا فرض اوّلین دنیا میں اسلام کی دعوت دے کر نوعِ انسانی کے لئے امن و امان اور انصاف کو قائم کرنا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ وہ اپنے غیر تعلیمیافتہ اور غریب مسلمان کے ایمان کی حفاظت بھی نہیں کرسکے۔ اسلام توحید کا علمبردار ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کا سخت مخالف ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ عالی سے جو ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے، بڑے سے بڑے گنہگار کو بخشنے والے ہیں، خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ سے بھی زیادہ ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ مشرک کو نہ بخشیں گے۔ عیسائی خدائے واحد کے سوا تین خداؤں کی تبلیغ کرتے ہیں جسے تثلیث کا نظریہ کہتے ہیں۔

خدا "باپ" ہے، مسیح اسکا "بیٹا" ہے اور روح القدس تینوں خود مختار خدا ہیں، اور تینوں کا مجموعہ بھی خدا ہے۔

دوسرے الفاظ میں ان کا دعویٰ ہے کہ ۱ = ۱ - ۱ تین برابر کے خدا ہیں۔

اور ۱ + ۱ + ۱ = ۱ تینوں کا مجموعہ بھی خدا ہے۔ حالانکہ ۱ + ۱ + ۱ = ۳ ہوتے ہیں۔

کیا خدا بے بس ہے؟

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ کو کانٹوں کا تاج پہنایا گیا، ان کو برچھوں سے لہولہان کیا گیا اور صلیب پر چڑھایا گیا جہاں ان کی موت واقع ہوگئی۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ وہ گنہگاروں اور بدکاروں کے گناہوں کا کفارہ بنیں۔ حضرت عیسیٰؑ کو عیسائی خدا کہتے ہیں۔ کیا خدا بھی اتنا بے بس اور لاچار ہوتا ہے کہ لوگ اسکو پکڑ دھکڑ کر سولی پر چڑھائیں اور وہ اپنی حفاظت بھی نہ کرسکے؟ پھر عیسائیوں کے بقول عیسیٰ کا "باپ" خدا اتنا ہی ظالم ہے کہ اپنے بیٹے کو بغیر کسی قصور کے سولی پر چڑھالے۔ اس ترقی اور تعلیمیافتہ زمانے میں ان من گھڑت اور مضحکہ خیز باتوں کو کون مان سکتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے عیسیٰ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور نبی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا اور وہ سولی پر ہرگز نہیں چڑھائے گئے۔

عیسائی کافر ہیں

مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دینا بھیانک اور فاسد عقیدہ ہے۔ قرآن حکیم نے ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کافر کہا ہے اور سخت الفاظ میں عذاب سے ڈرایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

- "یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خدا تین میں سے کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس معبود واحد کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اگر یہ لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئے تو ان کافروں کو ضرور عذاب دوں گا۔" (سورۃ مائدہ، آیۃ ۳)
- "آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جو کہتے ہیں کہ اللہ نے "بیٹا" بنالیا ہے ان کو اس بات کا کچھ علم نہیں اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا اور یہ بڑی سخت بیہودہ بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور یہ جو کچھ کہتے ہیں جھوٹ ہے۔" (سورۃ کہف، آیۃ ۵)
- "اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ "رحمٰن" نے "بیٹا" بنالیا ہے۔ یقیناً تم نے ایسی خطرناک حرکت کی ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور

زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں (اس بات پر) کہ رحمٰن کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں اور رحمٰن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔" (سورۃ مریم، آیۃ ۹۲)

قرآن حکیم کی رُو سے عیسائی عقیدہ باطل ہے اور اس عقیدے کے لوگ کافر ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اصل انجیل نایاب ہے

اصل انجیل ان احکامِ الٰہی پر مشتمل تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کئے۔ مگر اب موجودہ انجیل خدا کا نازل کردہ کلام نہیں ہے بلکہ حضرت عیسیٰؑ کے اقوال کا مجموعہ ہے اور وہ بھی خود ساختہ ہے ۱۹۶۷ء تک انجیل کی دو سو مختلف کتابیں تھیں جن میں سے عیسائی مشنریوں نے باہمی مشورہ سے انجیل کی ایک متفقہ و مشترکہ کتاب بنائی جس کے حق ہونے کی کوئی تصدیق نہیں ہے اس لئے یہ عیسائی اہلِ کتاب نہیں ہیں۔

تورات عبرانی زبان میں تھی، انجیل لاطینی زبان میں۔ اب یہ زبانیں دنیا میں کہیں نہیں بولی جاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان زبانوں کو ہی حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا اور ان کے بولنے والے بھی نہ رہے تاکہ یہ کتابیں خود بخود نابود ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ لوگ ایسے دین پر کیسے عمل کر سکتے ہیں جس کے قوانین و احکام کی کتاب نابود ہو۔

یہ بات کتنی عام فہم ہے کہ ہر ملک میں اس ملک کے سربراہِ مملکت کے احکام کے مطابق نظامِ حکومت چلتا ہے اور گذشتہ سربراہوں کے احکام پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن حکیم کے نزول کے بعد تمام گزشتہ انبیاء کرام اور ان کی الہامی کتابوں پر عمل درآمد منسوخ ہو چکا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جس میں احکامِ الٰہی قلمبند ہیں۔ ان پر سنّتِ نبویؐ کے مطابق عمل کا نام اسلام ہے یہ نظامِ مصطفےٰ قیامت تک رہے گا اس لئے نظامِ عیسیٰ کے احیاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عیسائی اکثریت خدا کی منکر ہے

عیسائی ممالک کے کردار کا یہ حال ہے کہ ان میں شراب نوشی، لواطت قانوناً جائز ہیں۔ مغربی ممالک میں عیسائیوں کے گرجا گھر غیر آباد اور اُجاڑ ہیں۔ ان ممالک کی اکثریت خدا کی ہستی سے ہی منکر ہے۔ ان کی روزمرّہ زندگی میں مذہب کا کوئی تصوّر وجود اور مقام نہیں ہے وہ صرف زر، زن، جاہ پرست ہیں۔

یہ عیسائی مشنریاں اخلاقی بلندی پیدا کرنے اور روحانیت سے سکونِ قلب کے حصول کے لئے عیسائی ممالک میں تبلیغ کیوں نہیں کرتے، جہاں زر کی فراوانی ہے مگر خوش حالی اور سکون مفقود ہے؟

عیسائی کیوں بنتے ہیں؟

پھر سوال یہ ہے کہ غیر ترقی یافتہ ممالک کے لوگ اس عجیب و غریب باطل عقیدہ کی تقلید کر کے عیسائی کیوں بنتے ہیں اور کیسے بنتے ہیں؟

عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ابتداء میں خدمتِ انسانی اور سوشل سروس کا جال بچھایا جاتا ہے اور جو جاہل، حاجتمند، بیمار اس جال میں پھنس جاتا ہے اس پر ظاہری محبت اور ہمدردی کے ڈورے ڈالے جاتے ہیں، مفت تعلیم دی جاتی ہے مالی امداد پہنچائی جاتی ہے، رہائش مہیا کی جاتی ہے، ملازمت اور عیسائی لڑکیوں سے شادی کا لالچ دیا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ

معاشرے کا گرویدہ بنایا جاتا ہے۔ اس طرح مکروفریب اور زر کو پانی کی طرح بہا کر عیسائیت کو پھیلایا جاتا ہے۔ ورنہ عیسائی مذہب کی نہ ہی الہامی کتاب موجود ہے نہ ہی احکام و اصول ہیں، نہ ہی معاشی و معاشرتی نظام ہے اور نہ ہی طریقہ عبادت میں روحانیت ہے جس سے سکون قلب اور اطمینان حاصل ہو۔

مشنری کی چھوٹی ریاست عیسائی مذہب میں رومن کیتھولک عقیدہ کی اشاعت کے لئے پاپائے روم کا نظام دنیا میں کئی ترقی یافتہ ملکوں سے اعلیٰ ہے۔ اس کے پاس بے پناہ مال و وسائل اور افرادی قوت موجود ہے اس مشنری کی حیثیت ایک چھوٹی ریاست کی طرح ہے۔ ۱۹۵۸ء سے پاکستان میں اس کا سفیر متعین ہے جو چرچ کے مذہبی معاملات کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ اس طرح مشنریوں کو حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے اثر و رسوخ اور مراعات حاصل ہوتی ہیں۔ اگر کوئی مخلص مسلمان اسلام کے خلاف دل سوز لٹریچر پر جائز تنقید کرے تو اس کے خلاف فوراً قانونی کارروائی کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالا جاتا ہے پوری دنیا سے پروٹسٹنٹ اور بہت سے عیسائی فرقوں کے ادارے بھی پاکستان میں وسیع پیمانے پر سرگرم عمل ہیں۔ ان کے ذیلی ادارے ہیں اور سینکڑوں پرائمری و ہائی سکول، ٹیکنیکل کالج، ٹریننگ اسکول، ہسپتال، زچہ خانہ، تعلیم بالغان کے مراکز یتیم خانے، ہاسٹل، بورڈنگ ہاؤس، زراعتی فارم، ڈیری فارم، خط و کتابت اسکول، اسٹڈی سرکل اور پریس وغیرہ قائم ہیں یہ ۔ ذرائع سے لاکھوں کی تعداد میں عیسائیت کے تبلیغی رسالے اعلیٰ کاغذ پر چھپ کر آتے ہیں۔

پاکستان میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۴ء تک ۲۶ سال میں ۱۵۶ نئی مشنریاں قائم ہوئی ہیں۔ مسیحی اداروں کی آٹھ اسٹیٹ یعنی غیر منقولہ وسیع اراضیات ہیں اور بڑے بڑے شہروں میں کروڑوں روپے کی اراضیات، عمارات و جائیدادیں ہیں۔

پاکستان کے پانچ ڈویژن اگرچہ مشنریوں کے آپس میں شدید اختلاف اور لاتعداد فرقے ہیں مگر تبلیغی پروگرام میں وہ عملاً متحد و معاون ہیں اور تقسیم کار کے لئے پاکستان کو پانچ ڈویژن میں تقسیم کیا گیا ہے۔

راولپنڈی، فیصل آباد، لاہور، کراچی، حیدر آباد

- ○ مشنری ہیڈ کوارٹر اور چرچ : ۱۰۲
- ○ پرائمری اسکول : ۸۵
- ○ ہائی سکول و کالج : ۹۹
- ○ ٹیکنیکل اسکول : ۱۳
- ○ لڑکیوں کے یتیم خانے اور ہوسٹل : ۳۰
- ○ لڑکوں " " : ۳۲
- ○ متفرق تعلیمی ادارے و سنٹر : ۸
- ○ مرکز تعلیم بالغاں : ۱۱
- ○ شفاخانے، ڈسپنسریاں : ۱۷
- ○ مشن ہسپتال : ۱۷
- ○ مسیحی اخبارات و رسالے : ۳۰
- ○ مسیحی مکتبہ و ناشرین مثلاً ریلیجس بک سوسائٹی لاہور : ۱۸
- ○ دار المطالعہ : ۳۵
- ○ بائبل خط و کتابت اسکول : ۱۵

مشنریوں کے طریقہ کار کے متعلق چند باتیں باعث دلچسپی ہیں :

مشنریوں کے دلچسپ طریقے

○ اسکولوں کے ذریعے لوگوں کے گھروں میں رابطہ قائم کیا جاتا ہے اور سلسلۂ تبلیغ کی ابتداء ہوتی ہے۔ مسلمان بچوں میں جن کے ذہن ابھی پختہ نہیں غیر شعوری طور پر عیسائی عقائد پھیلائے جاتے ہیں تاکہ وہ اسلام کے مسلّمہ عقائد میں شک وشبہ کرنے لگیں۔

○ مشنری خواتین عام طور پر جب مرد گھروں میں نہیں ہوتے عورتوں میں تبلیغ کرتی ہیں گاؤں میں گیت بھی گاتی ہیں اور عیسائیت بھی پھیلاتی ہیں۔

○ مشنری خواتین غرباء کے بچوں کو پیار کرتی ہیں۔ صابن خشک دودھ اور گرم کپڑے کمبل وغیرہ تقسیم کرتی ہیں۔

○ دیہاتوں اور عیسائی کالونیوں میں فلموں کے ذریعے لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور عیسائیت سے قبل خستہ معاشرہ اور عیسائیت کے بعد خوشحال زندگی دکھائی جاتی ہے۔

○ نوجوان لڑکیوں کے ذریعے رسالے فروخت کئے جاتے ہیں جو ظاہراً تو جغرافیہ اور دوسری معلومات کے متعلق ہوتے ہیں مگر ان میں عیسائی پادریوں کے مذہبی مضامین ہوتے ہیں۔

○ جاہلوں کو جعلی ادویہ دیجاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اللہ رسول کا نام لیکر پی جاؤ۔ ظاہر ہے کہ اس دوائی سے شفا نہیں ملتی پھر چند دن بعد اصل دوائی دے کر کہا جاتا ہے کہ خدا یسوع مسیح کا نام لیکر پی جاؤ۔ حضرت عیسیٰؑ بھی آپ کے نبی ہیں، وہ مُردوں کو زندہ اور بیمار کو شفایاب کرتے تھے۔ اس طرح جب اصل دوا سے آفاقہ ہوتا ہے تو ان کو عیسائیت کا گرویدہ بنایا جاتا ہے یہ لوگ پہلے مبلّغ ہیں پھر ڈاکٹر۔ بعض اوقات اگر انجیل کی تبلیغ کو پسند نہ کیا جائے تو ترشی سے کہا جاتا ہے کہ اگر انجیل کی یہ تبلیغ پسند نہیں ہے تو دوا بھی نہیں ہے۔

○ آپریشن سے قبل ہسپتال کا عیسائی عملہ کہتا ہے کہ ہم خداوند یسوع مسیح سے اس آپریشن کی کامیابی کی دعا کرتے ہیں۔ اس پریشانی میں مریض کے ذہن میں یہ بات بٹھائی جاتی ہے کہ اسکی زندگی یسوع مسیح کے ہاتھ میں ہے وہی صحت دینے والا پیغمبر ہے اسطرح ہسپتال میں جانے والا جسمانی مریض روحانی مریض بن کر نکلتا ہے۔

○ عیسائی خواتین بڑے گھروں کی بیگمات سے تعلق پیدا کرتی ہیں اور اثر ورسوخ بڑھتا ہے۔

○ نوجوانوں کو جنسی روابط کے مواقع مہیا کئے جاتے ہیں جس کے بُرے اثرات ظاہر ہیں۔

○ نوجوانوں میں منشیات کے استعمال سے اسلامی رجحانات کو ختم کیا جاتا ہے۔

عیسائی تبلیغ کی انتہا ملک گیری ہے

یہ بات دھوکہ وفریب ہے اور ہم خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ سمجھیں کہ عیسائی مشنریاں خدمتِ انسانی کے لئے کام کر رہی ہیں۔ عیسائی مشنریوں کی منزلِ مقصود بہت بلند ہے وہ صرف خدمتِ خلق اور عیسائیوں میں محض عیسائیت کی تبلیغ کرنا نہیں ہے بلکہ لوگوں کا مذہب تبدیل کرکے عیسائی بنانا ہے اگرچہ ابتداء خدمتِ خلق ہے مگر اس کی انتہا ملک گیری ہے۔ خدمتِ انسانی کا لبادہ اوڑھ کر عیسائیت کی تبلیغ سے لاکھوں کو

عیسائی بنایا جاتا ہے۔ تخریبی حربوں اور سازشوں کے لئے بڑے بڑے عیسائی ممالک کو پلیٹ فارم اور مرکز مہیا کئے جاتے ہیں۔ بڑے عیسائی ملکوں کی توسیع پسندانہ پالیسی کو کامیاب بنایا جاتا ہے۔ اندرون ملک استحکام کو کمزور سے کمزور تر کر کے اگر ممکن ہو تو ملک گیری کے لئے ساز گار سیاسی ماحول پیدا کیا جاتا ہے۔ یہ مشنریاں ہماری سرحدوں کے قریب آباد ہو کر چرچ اور ہسپتال کیوں قائم کرتی ہیں؟ پاکستانی مشنریوں کو سرمایہ، افراد، لٹریچر اور ہدایات غیر ممالک سے مہیا کی جاتی ہیں۔ یقیناً یہ بات غور طلب ہے کہ ان مشنریوں کا اربوں روپیہ غیر ممالک میں غیر مذاہب کی تبلیغ پر کیوں خرچ کیا جاتا ہے جبکہ عیسائی ممالک کی اکثریت ایٹمی اسلحہ سے لیس ہو کر آتش فشاں پہاڑ بن چکے ہیں۔ کیا عیسائی ممالک کے کردار کی اصلاح کر کے دنیا کو تباہی و بربادی سے بچانا اور دنیا میں امن اور انصاف کی فضا پیدا کرنا ضروری نہیں ہے؟

اسلامی نظریئے کو بدلنے کے حربے!

اسلامی نظریئے کو بدلنے کے لئے کئی حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ پاکستان کا وجود دنیا میں اسلامی نظریہ کے پنپنے کے لئے ہوا ہے۔

○ **آزادیٔ فکر اور آزادیٔ خیال** آزادیٔ فکر کے نام پر سوسائٹیاں اور محاذ بنائے جاتے ہیں۔ جہاں علم اور عقل کے نام سے اسلام کا تجزیہ کیا جاتا ہے مگر اسلام کا نام نہیں لیا جاتا۔ اس طرح علمی تحقیق اور عقلی استدلال کا جال بچھایا جاتا ہے۔

○ **مغربی تہذیب و تمدن کو فروغ دیا جاتا ہے** تاکہ اسلامی تعلیمات کے اثرات زائل ہوں اور مسلمان اپنا تشخص ختم کر کے مغرب زدہ بن جائیں۔ وہ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے مغربی فلسفیوں کی تقلید کریں اور اسلامی معاشرے اور تمدن کو حقارت سے دیکھیں۔

○ اسلام کو رجعت پسند قرار دے کر اسلام کی جدید تعبیر کا فتنہ اٹھایا جاتا ہے۔ اسلامی قوانین کے نفاذ کو روکنے کے لئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسلمان ابھی ذہنی طور پر پختہ نہیں ہیں۔

○ عیسائیوں کی آزادیٔ نسواں کی تحریک اسلامی معاشرہ کے لئے بدترین حربہ ہے۔ اس تحریک کے ذریعے خواتین کی نفسیاتی اور اجتماعی ارتقاء کو ابھارا جاتا ہے تاکہ اخلاقی اور فکری بے راہ روی اور مرد و زن کے مخلوط روابط سے فساد برپا ہو اور مذہبی تنزل کی راہیں کھلیں۔ حالانکہ اسلامی معاشرے میں ازدواجی زندگی مغربی ممالک کے مقابلہ میں زیادہ خوشحال ہے۔

صلیبی اور اسرائیلی جنگ ظاہراً اسلام کے خلاف صلیبی جنگیں طویل عرصہ سے ختم ہو گئی ہیں مگر عملاً اسرائیلی جنگوں کے نام سے گذشتہ ۳۰ سال سے جاری ہیں۔ یہ جنگ انہی عیسائی ممالک کے الحاق اور اشتراک سے جاری ہے جنہوں نے صلیبی جنگوں میں حصہ لیا۔ ورنہ اسرائیل کا وجود کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔ صلیبی اور اسرائیلی جنگ ایک ہی سکہ کی دو طرفین ہیں، ایک ہی منزل کے دو راستے ہیں، ایک ہی مقصد کے حصول کے لئے دو حربے ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم میں لارنس

آف عریبیا کی عربوں کو ترکوں کے خلاف بھڑکانے کی سازشیں تاریخ کا ایک اہم باب ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں موجودہ حالات و خطرات ان عیسائی ممالک کے پیدا کردہ ہیں جن سے عیسائی ممالک اور روس دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

غیر ملکی عیسائی مشنریوں پر پابندی

متعدد ممالک نے عیسائی مشنریوں پر جزوی یا کلی پابندی لگادی ہے جیسے چین، ایران، ترکی، عراق، مصر، اردن، سیلون، تھائی لینڈ، ملیشیا اور تیونس وغیرہ۔ اسرائیل نے بھی عیسائی مشنریوں پر پابندی لگائی ہے جس کا وجود ہی عیسائی ممالک کی سیاسی، اقتصادی اور دفاعی الحاق اور اشتراک پر ہے۔ اس کے برعکس پاکستان گورنمنٹ نے تو مشنری کو سائٹ ونڈ (قصور) میں نارمل سکول قائم کرنے کی اجازت دے کر اساتذہ کے ذہنوں سے اسلامی نظریہ کو مسمار کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ پاکستان اعتقادی ایمانی، اخلاقی اور سیاسی کمزوری کا حامل کیوں ہے؟ اس نے عیسائی مشنریوں کو کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے؟ جبکہ یہ بات عیاں ہے کہ عیسائی مشنریاں خدمت خلق کا لبادہ اوڑھ کر اپنے ملکوں کی حکومتوں کی طرف سے تخریبی کار وائیاں کرتی ہیں اور ان کا سفارت خانوں سے رابطہ بھی ہوتا ہے اسطرح ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی اور سیاسی اغراض کے لئے راہ ہموار ہوتی ہے۔

فتنۂ مسیحیت بین الاقوامی مسئلہ ہے

ظاہر ہے کہ عیسائی لوگ اسلامی نظام اور اسلامی نظام معاشرت کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔ ان کے انتخاب میں دیندار سیاسی پارٹیوں کے ساتھ الحاق کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور اس طرح لادین پارٹیوں کو خاصی مدد ملتی ہے۔ عیسائی آبادی میں اضافہ مسلمانوں کے ووٹوں میں کمی کا موجب ہوتا ہے۔ پاکستان میں یہ مشنریاں پست اقوام، مصلّیوں، خاکروبوں، بدھ اور ہندوؤں میں بھی مسلسل کام کرتی ہیں۔

ان مشنریوں کی انتہائی سرگرمیوں کے نتیجہ میں ایتھوپیا، تنزانیہ، چاڈ، گیبن، مرکزی افریقہ، آئیوری کوسٹ، گھانا، سینیگال وغیرہ میں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود عیسائی اقلیت کی حکومت قائم ہے۔ یہ فتنۂ مسیحیت برِ اعظم افریقہ اور جنوبی ایشیا میں پھیل چکا ہے۔ اب یہ بین الاقوامی مسئلہ ہے دنیائے اسلام کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

عیسائیت کی تخریب کا سدّباب

پاکستان کے حالات اور خطرات کے پیشِ نظر تبلیغ برائے تخریب کے سدّباب کی اشد ضرورت ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی حکومت، علماء اور عوام کو کیا کرنا چاہیئے؟

○ اسلام میں ارتداد کا قانون ۱۴ سو سال سے مرتب ہو چکا ہے۔ اب پاکستان میں اسکو بغیر کسی تردّد کے نافذ کر دینا چاہیئے ۱۹۷۹ء میں بھارت نے خوف و جبر اور لالچ کے ذریعے مذہب تبدیل کرنیوالے کو قید اور جرمانہ کی سزا کا حکم صادر کیا تھا۔ مذہب کی تبدیلی سے قبل ایسے شخص کا مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہونا ضروری ہے تاکہ تبدیلیِ مذہب کے وجوہ کی تحقیق ہو سکے۔ پاکستان میں بھی اسی قسم کا قانون نافذ ہونا چاہیئے۔

○ اس بین الاقوامی فتنہ مسیحیت کے خلاف اسلامی سربراہی کانفرنس میں جامع منصوبہ تشکیل دینا چاہیئے۔

○ غیر ممالک کی مشنریوں کو پاکستان میں مراکز کھولنے کی اجازت ہرگز نہ دی جائے کیونکہ اسلام میں ارتداد کی اجازت ہی نہیں،

اس کے نئے علامت کو کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔

○ تمام اسلامی ممالک اور پاکستان میں توحید الٰہی کے خلاف عقیدہ کی تبلیغ ونشرواشاعت انبیاءِ کرام اور خلفاءِ راشدین کی توہین اور تنقید قانوناً ممنوع ہونی چاہیئے تاکہ دوسرے مذاہب مسلمانوں کے جذبات کو مجروح نہ کریں اور فساد برپا نہ ہو۔ اس قانون شکنی کی سخت ترین جسمانی سزا ہونی چاہیئے۔ علماءِ کرام کو جوابی اشاعت کی بجائے ہائی کورٹ میں رٹ کرنی چاہیئے!!!

○ وزارت مذہبی امور میں ایک علیحدہ شعبہ "انسداد عیسائیت" تشکیل کیا جائے جو پانچ سالہ منصوبہ بنائے اور محکمہ اوقاف سے عمل درآمد کرائے محکمہ اوقاف سے عمل درآمد کرائے۔ محکمہ اوقاف کا فرض اولین ہے کہ وہ بزرگان دین کی تقلید کریں اور غیر مذاہب میں اسلام کی تبلیغ سے عیسائیت کا سدِ باب کریں۔

○ پاکستان میں اسلام کی تبلیغ کے لئے آبیانہ اور مالیہ کے ساتھ معمولی لگان (CESS) وصول کرنا چاہیئے تاکہ زیادہ فنڈ دستیاب ہو۔

○ دینی اداروں اور اوقاف اکیڈمی میں علماءِ کرام کو عیسائیوں کے عقیدوں اور تبلیغی حربوں سے پوری طرح آگاہ کیا جائے تاکہ وہ عیسائیت کی پُراثر طریقہ سے تردید کرسکیں۔

○ علماءِ کرام عوام کو مشنریوں کے تبلیغی حربوں سے پوری طرح آگاہ کریں تاکہ وہ لاعلمی میں غیر شعوری طور پر ان کے مکروفریب اور لالچ میں نہ آئیں، فرقہ بندی کے جلسوں کی بجائے دیہاتوں غرباء کی بستیوں اور عیسائی کالونیوں کے قریب خصوصی تبلیغی جلسے منعقد کئے جائیں۔

○ عیسائیت کے خلاف لاکھوں کی تعداد میں مختصر پمفلٹ تقسیم کئے جائیں۔

○ کمیونزم، سوشلزم اور عیسائیت میں ترقی کی ایک بڑی وجہ ہمارے امراء کی غریب طبقہ سے غفلت اور دُوری ہے جس کے نتائج بڑے خطرناک ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے احکام بالکل واضح ہیں اور امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ صاحب ثروت حضرات کو دیہاتوں اور غرباء کی بستیوں میں یتیم خانے ہسپتال اور فلاح کے مراکز قائم کرنے چاہئیں، ہر ڈاکٹر کچھ وقت غریبوں کے علاج معالجہ کے لئے وقف کرے۔

○ اگر کوئی عیسائی مسلمان ہوتا ہے تو وہ مصائب و پریشانیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اپنے احباب سے قطع تعلق کی وجہ سے اس کے لئے نہ ہی رہائش ہے اور نہ ہی مالی امداد، نہ تعلیم نہ ذریعہ معاش۔ محکمہ اوقاف کے تحت ایک علیحدہ شعبہ قائم ہو جو نومسلم کے لئے ہاسٹل، اسلامی تعلیمات اور ٹیکنیکل ٹریننگ اور ملازمت کا انتظام کرے۔

○ ہر حال میں مسلمانوں کی مثالی رواداری کے پیش نظر عیسائیوں کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھا جائے۔

(ادارہ خدام اسلام پاکستان)

بقیہ: انتخابات

بہت سے منتخب اور پسندیدہ اشعار پر نشان لگایا ہے میں نے انہی کے پسندیدہ اشعار کو کتابی شکل دیدی اور لوگوں نے اس کو میری طرف منسوب کر کے "مختارات" سے مشغل کرنا شروع کردیا۔ (بالکریہ القاسم دیوبند)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کوئٹہ میں
وفاق المدارس پاکستان کے سالانہ اجلاس کے فیصلے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا سالانہ دو روزہ اجلاس مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ میں آج صبح نو بجے شروع ہوا جس میں وفاق سے ملحق تقریباً ایک ہزار مدارس کے مہتمم اور نمائندوں نے شرکت فرمائی۔ اجلاس کی صدارت وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر الحاج مولانا محمد ادریس میرٹھی نے فرمائی۔ دیگر علماء کے علاوہ راولپنڈی سے مولانا عبدالحکیم (سابق ایم۔این۔اے پشاور سے مولانا محمد ایوب جان بنوری سرحد سے مولانا عبداللہ حقانی مولانا صاحبزادہ محمد محسن، ملتان سے مولانا فیض احمد صاحب مولانا محمد حنیف جالندھری، مولانا عبدالمجید کہروڑ پکا کراچی سے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر سکھر سے مولانا محمد اسعد تھانوی ٹھیٹری سے مولانا حمداللہ، مولانا غلام محمد حیدرآباد سے مولانا عبدالرؤف صوبہ بلوچستان سے مولانا عبدالواحد مولانا نیاز محمد مولانا قاری عبدالرحمٰن (کرخ) مولانا عبدالباقی اور مولانا محمد یعقوب صاحب نے شرکت فرمائی۔

اجلاس میں مولانا حافظ حسین احمد ناظم مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ گذشتہ تین برس سے وفاق المدارس کے موجودہ عہدیدار جس خلوص اور جانفشانی سے کام کر رہے ہیں وہ لائق ستائش ہے۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ بلوچستان کے مخصوص موسمی حالات کی وجہ سے وفاق کے سالانہ امتحان کے لئے ایک علیحدہ نظام مرتب کیا جائے۔ شرکاء اجلاس کی طرف سے مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق نے خطبۂ استقبالیہ کا جواب دیتے ہوئے مدرسہ مطلع العلوم کے منتظمین خصوصاً مہتمم مدرسہ مولانا عبدالواحد ناظم مدرسہ مولانا حافظ حسین احمد صاحب اراکین اور طلباء مدرسہ کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے پورے ملک کے علماء اور مدارس اور جامعات کے مہتمم حضرات پر مشتمل اس اجلاس کی میزبانی کا انتظام فرمایا اور شرکاء کے لئے ہر قسم کے آرام اور سہولت کا خیال رکھا۔

وفاق المدارس کے ناظمِ اعلیٰ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں صاحب نے تفصیلی رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ افغانستان میں دینی مدارس کا کوئی وفاق نہیں تھا لہٰذا وہاں کے علماء اور ارباب مدارس سوویت یلغار کا اتفاق و اتحاد سے مقابلہ نہ کر سکے۔ پاکستان کے مدارس اور علماء تمام غیر اسلامی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد اور متفق ہیں سالانہ امتحانات منعقدہ شعبان کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ملک کی تقریباً پچاس جامعات کے آٹھ صد طلباء نے درجہ عالیہ کی سند شہادۃ العالیہ فی علوم العربیہ والاسلامیہ (مساوی ایم۔اے عربی و ایم اے اسلامیات) کے

امتحانات میں شرکت کی۔ تقریباً ۰ مدارس ثانویہ کے پانچصد طلباء نے اس سال درجہ ثانویہ خاصہ (مساوی الیف۔ اے) کے امتحان میں شرکت کی۔ مدارس تحفیظ القرآن کے سولہ سو فارغ شدہ حفاظ قرآن طلباء نے سالانہ امتحان میں شرکت کی اور ناظرہ قرآن پاک اور غیر کامل الحفظ طلباء کے چودہ ہزار طلباء نے سالانہ امتحان میں شرکت کی۔

اجلاس میں نصاب کمیٹی جو مولانا سلیم اللہ خاں، جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا عبدالکریم مولانا محمد اسعد تھانوی رکن مجلس شوریٰ، شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی، مولانا مفتی غلام قادر اور مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق پر مشتمل تھی نے درجہ ابتدائیہ (ناظرہ و پرائمری)، درجہ متوسط (مڈل)، درجہ ثانویہ عام (مساوی میٹرک) اور درجہ ثانویہ (مساوی الیف۔ اے) درجہ عالیہ (مساوی بی۔ اے) اور درجہ عالمیہ (مساوی ایم۔ اے) کے لئے نیا مرتب کردہ نصاب پیش کیا جو متفقہ طور پر منظور کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ تعلیمی سال سے ملک کے تمام دینی مدارس اور جامعات میں یہ نصاب نافذ کیا جائے یاد رہے کہ ثانویہ عامہ اور درجہ عالمیت کی سندات کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے پہلے ہی منظور کر لیا ہے۔

فاضل حبیب اللہ رشیدی رکن عاملہ مدیر جامعہ رشیدیہ ساہیوال علالت کے عذر کی بناء پر شریکِ اجلاس نہ ہو سکے جبکہ انہوں نے فون کے ذریعے عاملہ کے فیصلوں کی تائید و توثیق کرتے ہوئے معذرت کی۔

بقیہ: احکام رمضان

سُنانے پر اجرت یا معاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نمازِ تراویح ادا کریں۔

۴۔ اُجرت دیکر قرآن نہ سنیں کیونکہ قرآن سنانے پر اجرت دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔

۵۔ اگر ایک حافظ ایک مسجد میں بیس رکعت تراویح پڑھ چکا ہے تو اس کو دوسری مسجد میں اسی رات تراویح پڑھنا درست نہیں۔

۶۔ جس شخص کی دو چار رکعت تراویح رہ گئی ہوں تو جب امام وتر کی جماعت کرائے تو یہ بھی شامل ہو جائے بعد میں باقی ماندہ تراویح پوری کرے۔

۷۔ قرآن پاک کو اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں بڑا گناہ ہے، اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو۔

۸۔ جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

اعتکاف رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا سُنّت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر محلہ میں یا دیہات میں یا دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب پر ترکِ سُنّت کا وبال رہیگا۔

مسئلہ: اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہے سوائے ایسی ضروریات و حاجات کے جو مسجد میں پوری نہ ہو سکے جیسے پیشاب پاخانہ یا غسلِ واجب اور وضو کی ضرورت، مسجد سے باہر نہ جائے۔ معتکف کو غسل جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لئے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں۔ (جواہر الفقہ جلد ۱)

نوٹ: باقی مسائل علماء سے پوچھنا چاہیئے۔

ناقل مطیع اللہ رشیدی

بقیہ: حکومت الٰہیہ اور فریضہ جہاد

ان میں قومی جذبہ ہو اور وہ میرے عزم کو سمجھتے ہوں کسی کے دل میں یہ شبہ نہ ہو کہ اسے کیوں اٹھایا جا رہا ہے۔

کوئی ہے عشقِ خدا و مصطفےٰ سے سرشار نوجوان جو صلاح الدین ایوبی کا سپاہی بننے کا عزم رکھتا ہو؟ آئیے ہم آپ کا تعارف ایسے مجاہدوں سے کرائیں جو آپ کی دلی امنگوں کے عملی ترجمان ہیں، جو فنا میں بقاء کے متلاشی اور مرکر جینے کی تڑپ رکھتے ہیں، جو آپ کو دعوتِ عمل دے رہے ہیں کہ:

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید

اِمتحانات و مُعائنہ جات جامعہ رشیدیہ

ختم بخاری شریف کی تقریب سعید

دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حدیث حضرۃ العلامہ محمد شریف کشمیری شیخ الحدیث خیر المدارس

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد آج مؤرخہ ۲۷ رجب المرجب جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں بغرض ختم بخاری شریف حاضری کا موقع ملا۔ بخاری شریف کے ختم میں ۱۳ طالب علموں نے حصہ لیا۔ حضرت ناظم صاحب مدظلہٗ کی زبانی رجسٹر کو سامنے رکھ کر بتایا کہ ان ۱۴/۱۳ دورہ کے طالب علموں کے علاوہ ۲۷ حفاظ قرآن نے مختلف درجات سے فراغت پائی ان حفاظ کے علاوہ ایک شعبہ طالبات راشدات کے حفظ و ناظرہ کے لئے جاری وساری ہے جس میں ایک سو ساٹھ بچے و بچیاں قابل اساتذہ کی نگرانی میں مصروف تعلیم ہیں۔ جامعہ رشیدیہ کا یہ بہت بڑا شاہکار ہے جو قابل قدر ہے اور باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ آئندہ بھی اس نہج پر اور پورے ذوق وشوق اور انہماک سے حضرت ناظم صاحب اور انکے معاونین کی نگرانی و دیگر اساتذہ کرام مصروف کار رہیں گے آمین ثم آمین۔

محمد شریف کشمیری عفا اللہ عنہٗ
شیخ الحدیث خیر المدارس ملتان

۲۷ رجب ۱۴۰۲ھ

رائے گرامی شعبہ تجوید القرآن جامعہ رشیدیہ

خلف الصدق حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ

آج مؤرخہ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ جامعہ رشیدیہ کے شعبہ تجوید کے سالانہ امتحانات کے لئے حسب حکم حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب مدظلہٗ ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ حاضر ہوا اور درجہ فارسی سے لیکر درجہ رابعہ تک تمام درجات کا امتحان لیا۔ ماشاء اللہ تمام درجات کے طلباء نے عمدہ اور اچھا سنایا بلکہ بعض طلبہ نے انعامی نمبر بھی حاصل کئے جس سے استاد کی محنت و کارکردگی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ موصوف یعنی برادر محترم قاری محمود صاحب کو ہمت اور قوت عطا فرما کر مزید خلوص و ہمت سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے نیز حضرات منتظمین کو خصوصیت سے محسن حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب مدظلہٗ و مشفق حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہٗ محترم پیرجی عبد العلیم صاحب و برادرم مولانا مطیع اللہ صاحب کو صحت و عافیت، ہمت و قوت عطا فرما کر مزید خلوص سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جملہ معاونین کے جان و مال میں برکت عطا فرمائے اور مدرسہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

راقم الحروف: محمد عبد اللہ رحیمی خادم القرآن جامعہ مسجد نور ساہیوال۔

ارشاد گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا علی محمد صاحب (فاضل دیوبند)

آج مؤرخہ یکم شعبان المعظم حسب الحکم انتظامیہ مدرسہ ہذا احقر نے مشکوٰۃ شریف اور بخاری شریف کا تقریری امتحان لیا طلبہ درجہ بدرجہ پاس ہوئے طلباء سن محنت پورے نہیں۔ عبارۃ اور معنیٰ اور مطلب یہ تین فرائض ہیں۔ خوب نگرانی کی جائے۔ روزانہ یا ہفتہ میں ایک دفعہ آموختہ سُنا جائے۔ ماشاءاللہ مدرسہ کی رونق اور ظاہری و باطنی صورت و سیرت دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔ ایسا ماحول بنایا جائے کہ طلبہ محنت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ جامعہ ہذا میں خدام اور بانیین کے خلوص کے اثرات ہیں اللہ تعالیٰ منتظمین اور خدام مدرّسین و مستدرسین کے خلوص میں، دین میں، دنیا میں، صحت میں برکت و رحمت عطا فرمائیں آمین؛

احقر علی محمد عفا اللہ عنہٗ خادم دار العلوم کبیر والہ ضلع ملتان

معائنہ و نقل مکتوب حضرۃ مفتی صاحب جامعہ مدنیہ لاہور (فاضل دیوبند)

بندہ نے اہلِ مدرسہ کی دعوت پر دار العلوم جامعہ رشیدیہ کا سالانہ امتحان لیا۔ بندہ نے چھوٹی بڑی کتابوں کا امتحان لیا سب ہی طلبہ کامیاب ہیں۔ اکثر طلبہ نے اعلیٰ و متوسط درجہ میں کامیابی حاصل کی۔ ادنیٰ درجہ میں اقل قلیل ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا فضل خصوصی مدرسہ و اہل مدرسہ پر ہے جس کی وجہ سے اس دور میں جبکہ دینی طلبہ میں بھی تساہل و تکاسل و لاپرواہی علوم دینیہ میں بڑھتی جارہی ہے۔ مدرسہ ہذا کے طلبہ بمقابل دوسرے مدارس کے طلبہ کے لائق تحسین و تبریک ہیں کہ جن کی وجہ سے جمیع طلبہ کامیاب و کامران ہوئے۔ اللھم زد فزد۔ اللہ کا فضل خصوصی حضرات اساتذہ پر کہ جنہوں نے پوری محنت و جانفشانی و نگرانی و تربیت کر کے طلبہ کو اس مقام پر پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مدرسہ تادیر باقی و سلامت رہے تاکہ تشنگانِ علوم دینیہ اس سے قیامت تک سیراب و فیضیاب ہوتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

عبدالحمید غفرلہٗ جامعہ مدنیہ لاہور

نتائج امتحانات منجانب جامعہ خیر المدارس ملتان

آج مؤرخہ ۴ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ کو بندہ بمعیت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہٗ جامعہ رشیدیہ کے امتحان کے لئے حاضر ہوا۔ مختلف درجات کا امتحان لیا۔ بحمداللہ بعض کتابوں میں طلبہ مستعد پائے گئے جس سے اساتذہ کرام کی محنت اور انتظامیہ کی حسنِ کارکردگی ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جامعہ ہذا کو مزید ترقی نصیب فرمائے۔

چند امور قابلِ توجہ ہیں۔ ترجمہ قرآن مجید میں بلحاظ صیغہ ترجمہ کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ صرف میں گردانوں اور تعلیلات کی طرف مزید توجہ ہونی چاہیئے۔ دورۂ حدیث شریف میں سند کی عبارت خصوصیت سے قابلِ توجہ ہے

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو جملہ شرور وفتن سے محفوظ رکھیں اور اس کی ترقی میں کوشاں حضرات انتظامیہ واساتذہ کرام کو اخلاص ورضا کے لئے قبول فرمائیں۔ فقط

بندہ؛ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ۴ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ بندہ؛ محمد صدیق غفرلہ ناظم ومدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

نتیجہ امتحان منجانب جامعہ ملیہ اسلامیہ فرید ٹاؤن ساہیوال

آج درجہ حفظ کے ایک شعبہ کا امتحان لینے کا اتفاق ہوا نتیجہ تسلی بخش ہے متعلقہ حضرات کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے بخصوصاً حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے لئے کہ جنہوں نے اپنی متاع عمر عزیز صرف کر کے اس گلستان رشیدیہ میں بہار پیدا کی ہے اللہ تعالیٰ اس باغ کو ہمیشہ ہمیشہ قائم ودائم رکھے آمین ثم آمین۔

منظور احسن مہتمم جامعہ ملیہ اسلامیہ فرید ٹاؤن ساہیوال

آج مورخہ ۱۸، ۱۹ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ کو جامعہ رشیدیہ کے تمام درجات حفظ وناظرہ کا امتحان لیا۔ ماشاء اللہ نتیجہ بہتر اور عمدہ ہے۔ تمام درجات کے اساتذہ نے ماشاء اللہ اچھی محنت کی ہوئی ہے اور یہ سب کچھ بزرگوں اور مولانا حبیب اللہ صاحب مدظلہ کی انتھک کوششوں اور محنتوں کا نتیجہ ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت موصوف مدظلہ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت وعافیت عطا فرما کر مزید بر مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جملہ معاونین کے کاروبار میں برکتیں عطا فرمائے اور مزید اعانت کی توفیق نصیب فرمائے اور مدرسہ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔ آخر میں ایک گذارش ہے کہ اکثر درجات کی تجوید میں خصوصاً اور یادداشت میں عموماً خامی ہے اسکی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

محمد عبد اللہ خادم القرآن مسجد نور ساہیوال

بقیہ؛ علم حدیث

کر وہیں بیٹھے جہاں تک مجلس میں لوگ آ چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۳۴)

رہی دوسری بات کہ ہمارے اکابر کھڑے ہو کر حدیث پڑھانے کو ممنوع اور حرام ثابت کریں۔ ہم نے اس سلسلہ میں ماہنامہ الرشید کے مضمون کا پھر مطالعہ کیا۔ اس میں جناب علامہ خالد محمود صاحب کا یہ دعویٰ کہیں نہ ملا کہ کھڑے ہو کر حدیث پڑھانا حرام ہے۔ بہت تعجب ہوا کہ جب ہمارے اکابر نے اسے حرام نہیں کیا تو یہ مضمون نگار کتنے بے ادب اور نادان ہے کہ ان سے اس کے حرام ہونے کا ثبوت طلب کر رہا ہے۔ بریلوی دائرہ تحقیق کی کیا یہی شان علم ہے اور اگر سوال کرنا ہی تھا تو کسی مالکی عالم سے کرتے کیونکہ امام مالکؒ نے اس پر کوڑوں کی سزا کیوں تجویز کی تھی:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا معائنہ اور رائے گرامی

آج وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا وفد مدارس عربیہ کا دورہ کرتے ہوئے جامعہ رشیدیہ ساہیوال پہنچا۔ جامعہ رشیدیہ پاکستان کی مشہور و معروف مرکزی دینی درسگاہ ہے وفد نے جامعہ کے جملہ شعبہ جات کا معائنہ کیا۔ ماشاء اللہ نظم و نسق اور تعلیم کے تمام شعبوں میں حسن ترتیب اور سلیقہ کا مشاہدہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جامعہ رشیدیہ کو مزید ترقیات سے بہرہ ور فرمائے اور شرور و فتن سے اس کی حفاظت فرمائے آمین

- سلیم اللہ خان ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان
- محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان
- عبدالمجید غفرلہ جامعہ باب العلوم کہروڑپکا ضلع ملتان

عملہ اساتذہ رشیدیہ میں اضافہ

- تعلیمی حلقوں میں یہ خبر مسرت افزاء کہ جامعہ رشیدیہ میں موجودہ کارکنان اساتذہ کیساتھ مزید دو تین استاذ حدیث منتہی مدرس متوسط معلم نیز دارالافتاء میں کام کرنے والے اصحاب کا تقرر عمل میں لایا جارہا ہے!

انشاء اللہ العزیز ۶ شوال سے داخلے اور نظام تعلیم ترتیب دیا جائے گا۔ جملہ طالبین تعلیمات خصوصاً دورۂ حدیث کے طلباء بروقت استفادہ کریں۔

- درجات کتب کے لئے قرآن صحیح خواندہ ابتدائی شرط ہے!
- درجات قرآنیہ کے لئے دس سال کی عمر ضروری ہے۔
- ابتدائی مکتب کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ بصورت دیگر مکتب سکول، املا، حساب، اردو اسلامیات کی تعلیمات کے انتظامات ہیں!

MONTHLY AL-RASHID LAHORE

نقشہ میقات الصیام

منجانب ادارہ جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال فون نمبر ۲۳۵۶

ایام	رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ	جون ۱۹۸۳ء	سحری گھنٹہ	سحری منٹ	افطاری گھنٹہ	افطاری منٹ	وقت عشاء گھنٹہ	وقت عشاء منٹ
پیر	۱	۱۳	۳	۲۵	۷	۱۳	۸	۴۵
منگل	۲	۱۴	۳	۲۵	۷	۱۴	۸	۴۵
بدھ	۳	۱۵	۳	۲۵	۷	۱۴	۸	۴۵
جمعرات	۴	۱۶	۳	۲۵	۷	۱۴	۸	۴۵
جمعہ	۵	۱۷	۳	۲۵	۷	۱۵	۸	۴۵
ہفتہ	۶	۱۸	۳	۲۵	۷	۱۵	۸	۴۵
اتوار	۷	۱۹	۳	۲۵	۷	۱۵	۸	۴۵
پیر	۸	۲۰	۳	۲۵	۷	۱۵	۸	۴۶
منگل	۹	۲۱	۳	۲۵	۷	۱۵	۸	۴۶
بدھ	۱۰	۲۲	۳	۲۵	۷	۱۶	۸	۴۶
جمعرات	۱۱	۲۳	۳	۲۵	۷	۱۶	۸	۴۶
جمعہ	۱۲	۲۴	۳	۲۵	۷	۱۶	۸	۴۶
ہفتہ	۱۳	۲۵	۳	۲۶	۷	۱۶	۸	۴۷
اتوار	۱۴	۲۶	۳	۲۶	۷	۱۷	۸	۴۷
پیر	۱۵	۲۷	۳	۲۶	۷	۱۷	۸	۴۷
منگل	۱۶	۲۸	۳	۲۶	۷	۱۷	۸	۴۷
بدھ	۱۷	۲۹	۳	۲۷	۷	۱۷	۸	۴۷
جمعرات	۱۸	۳۰	۳	۲۷	۷	۱۷	۸	۴۷
جمعہ	۱۹	یکم جولائی	۳	۲۸	۷	۱۷	۸	۴۷
ہفتہ	۲۰	۲	۳	۲۹	۷	۱۷	۸	۴۷
اتوار	۲۱	۳	۳	۲۹	۷	۱۷	۸	۴۷
پیر	۲۲	۴	۳	۳۰	۷	۱۷	۸	۴۶
منگل	۲۳	۵	۳	۳۰	۷	۱۷	۸	۴۶
بدھ	۲۴	۶	۳	۳۱	۷	۱۷	۸	۴۶
جمعرات	۲۵	۷	۳	۳۲	۷	۱۷	۸	۴۶
جمعہ	۲۶	۸	۳	۳۳	۷	۱۷	۸	۴۶
ہفتہ	۲۷	۹	۳	۳۳	۷	۱۷	۸	۴۶
اتوار	۲۸	۱۰	۳	۳۴	۷	۱۷	۸	۴۵
پیر	۲۹	۱۱	۳	۳۴	۷	۱۷	۸	۴۵
منگل	۳۰	۱۲	۳	۳۵	۷	۱۷	۸	۴۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

- نقشہ رمضان غور و فکر سے معیاری اوقات کے مطابق ترتیب دیا جاتا ہے تاہم مزید احتیاط اچھی ہے۔ شائع کرنے کی باحوالہ اجازت ہے۔ جامعہ سے سنت طلب فرمائیں۔
- نماز روزہ فرض عین اور نماز روزہ کی پابندی اور احترام لازمی ہے عوام کو احترام کرنا چاہیئے اور حکومت کو احترام کرانا چاہیئے۔
- رمضان المبارک میں تلاوت، سماعت قرآن، کثرت درود شریف، توبہ استغفار مسلمانوں سے ہمدردی، اخلاق، اتفاق و محبت کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔
- جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال پاکستان کی ایسی دینی درسگاہ ہے جہاں تعلیمات کیلئے دور دراز سے سینکڑوں طالبین علوم اسلامی آتے جاتے ہیں۔
- ایسے طلباء دین کے قیام، طعام کتب، علاج معالجہ، نقد وظائف جملہ معاشی اخراجات مدرسہ ادا کرتا ہے۔ رمضان و عیدین و فصل کی تقریبات پر طلبۂ رشیدیہ کو ہر حال یاد فرمایا کریں۔
- جامعہ کا ماہوار خرچہ نوّے ہزار روپے مستقل آمدن توکل بر خدا۔ جامعہ ملک کا مستند دار العلوم اور حکومت کا مسلمہ خیراتی ادارہ۔ انکم ٹیکس معاف۔
- بموجب نوٹیفکیشن ۱۵ ایس نمبر ۱ (۱۲۵) آئی۔ ٹی۔ بی ۶۰ مجریہ ۲۱-۲-۹ وزارت مالیات پاکستان۔
- جامعہ رشیدیہ میں رمضان کے اجتماعات سے حضرت علامہ خالد محمود ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی انگلینڈ مولانا محمد سلیمان طارق اور مولانا عبد الشکور دینپوری و دیگر خطباء مواعظ حسنہ بیان فرمائیں گے!
- جامعہ میں ۹ شوال سے داخلے اور دس شوال سے تعلیمات شروع ہو جائیں گی۔
- مقامی طلبہ کی عمر ۷ سال اور بیرونی طلباء کی عمر دس سال ضروری ہے!
- مسائل رمضان المبارک مجلہ "الرشید" میں ملاحظہ فرمائیں!

ساہیوال سے دوسرے شہروں کا فرق

لاہور — ۵ ، ڈیرہ غازیخاں + ۹، بہاولپور + ۹ ، ملتان + ۵
وہاڑی + ۵ ، فیصل آباد + ۲، کراچی + ۲۲، بہاولنگر —
پشاور + ۷ ، راولپنڈی — ۱ ، سیالکوٹ — ۷ ، سرگودھا + ۲

جملہ مراسلات بنام
فاضل حبیب اللہ رشیدی
مدیر "الرشید" و ناظم اعلیٰ
جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال فون ۲۳۵۶

مطبوعہ شوکت رشید پرنٹرز ریلوے روڈ نزد یادگار ساہیوال

الرشید

بادارت

فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند

مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ، ساہیوال، پاکستان

مکـــرمی ،

زید لطفکم ،،

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ،

امید ہے کہ جناب کے مزاج گرامی بخیرو عافیت ہونگے ۔

موتمر ابنائے دارالعلوم و اخوان ~~دارالعلوم~~ دیوبند کے کنونشن کا دعوت نامہ مورخہ

۲۸ / مئی ۸۳ء کو موصول ہوا ، بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی جدو جہد سے ابنا

دارالعلوم کو پاکستان میں ایک جگہہ جمع ہونے ، اور دیوبنـــدی برادری کے تمام

حلقوں کو مل بیٹھکر جامع منصوبہ بنانیکا موقعہ نصیب ہوا ،

خداکـــرے کہ یہ کنونشن نہایت کامیاب ہوا ہو ، دعاگو ہوں کہ اللہ

جل شانہ ، اپنی رحمت سے کنونشن کے متفقہ فیصلوں پر عملدرآمد کی توفیق عطا

فـــــرمائے ۔ آمین

خداکرے کہ جناب کے مزاج بخیر ہوں ۔ دارالعلوم کی فلاح و ترقی کیلئے

دعا کی خصوصی درخواست ہے ۔ واقفین حضرات کیخدمت میں سلام مسنون

عرض ہے ـــــ والسلام ،،

المخلص

مرغوب الرحمٰن مہتمم

(مولانا) مرغوب الرحمن

مہتمم دارالعـــلوم دیو

۱۲ / شعبان المعظم ۰۳

مکرمی جناب مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب رشیدی

ایڈیٹر " الرشید ،، جامعہ رشیدیہ ساہیوال

(پاکستان)

مؤتمر ابناء دارالعلوم واخوانِ دیوبند پاکستان کا ترجمان

حضرت مولانا حافظ مفتی فقیہ اللہ صاحب رحمۃ اللہ رائپوری بانی جامعہ رشیدیہ

ماہنامہ

جلد : ۱۱ — اگست ۱۹۸۳ء

شمارہ : ۱۰ — شوال ۱۴۰۳ھ

الرشید

مدیر اعلیٰ

فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر

عبدالرشید ارشد

مدیر معاون

زاہد الحق قریشی

خطاط

حزب اللہ خالد

بنظامت

(پیرجی) عبدالعلیم رائپوری

مقام اشاعت

۳۲/۱ شاہ عالم مارکیٹ لاہور

پرنٹر

مناہج الدین اصلاحی، شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

سالانہ چندہ : -/۲۰ روپے

فی شمارہ : -/۲ روپیہ

آئینہ مضامین

راشدات فاضل رشیدی

رشیدیہ کنونشن اور ضابطۂ اخلاق و معاہدۂ اتحاد

؎ منت منہ کہ خدمت اخوان ہمی کنی منت شناس ازاں کہ بخدمت داشتنت

بحمد اللہ و بفضلہ ابناء دار العلوم و اخوان دیوبند پاکستان کا ایک ایسا ضابطۂ اخلاق اور معاہدہ اتحاد تجویز اور منظور و منزل ہو گیا جو آج تک نہ تو تحریر میں آیا تھا اور نہ ہی کسی اجتماع میں متفقہ طور پر طے ہو سکا تھا۔ ضابطۂ اخلاق کو جملہ طبقات اور تمام حلقوں نے بنظر استحسان دیکھا۔ بعض طبقات جو شریک کنونشن نہ ہو سکے تھے ضابطۂ اخلاق پڑھ کر معاہدۂ اتحاد سے متفق ہو گئے بعض حضرات نے اطمینان کا اظہار کیا اور رشیدیہ کنونشن پر مبارکباد لکھی۔

رمضان شریف کے بعد انشاء اللہ دوسرے مرحلے میں بقیہ طبقات کے حضرات نمائندگان کو دعوت اتحاد دیتے ہوئے شریک اتحاد کیا جائے گا۔ اور لقیا یا حلقوں میں دعوت اتحاد جاری رہے گی۔ اور ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا جائیگا اس سلسلہ میں ہم مایوس نہیں۔ ؎ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہندوستان و بنگلہ دیش سے بھی ابناء دار العلوم کے حوصلہ افزا مکتوبات موصول ہو رہے ہیں۔ ایک ندوی عالم نے اپنے جریدہ "الرشاد" میں مؤتمر ابناء پر تنقید فرماتے ہوئے اظہار خیال فرمایا۔ کاش وہ "الرشاد" میں نوٹ دینے کی بجائے "الرشید" کو لکھتے تو بہت اچھا ہوتا کہ "الرشید" "الرشاد" کا بھائی ہے۔ ہم "الرشاد" کے ارشادات کی قدر کرتے ہیں اور صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ ؎ ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند اور ؎ سخن شناس نئی دلبرا خطا است اینجا۔۔۔۔۔۔ علیٰ ھذا اسلامی جماعت و اسلامی کونسل کے ایک عالم نے بھی ایک نجی مکتوب میں ملے جلے جذبات کا اظہار فرمایا۔ ایسے جملہ حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے کہ یہ معاہدہ اتحاد ہمارا خالص گھریلو مسئلہ اور دیوبندی برادری کا داخلی امر ہے۔ محتسب را درون خانہ چہ کار؟ اس پر مزید ؎ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

ہمارا نظریہ اتفاق و موقف اتحاد تو اس قدر وسیع ہے کہ ملک کی آزادی کے لئے بقول حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور بقول حضرت استاد مرشد و شیخ سید مدنی رحمۃ اللہ علیہ!

"ہم ان لوگوں کے بوٹ چرانے کو تیار ہیں جو انگریز خبیث کو ملک بدر کرنے اور ملک کو پاک کرنے میں معاون ہوں"

پاکستان کے مسائل حل کرنے کے لئے ہم قومی اتحاد کے معتقد ہیں۔ پاکستان کے تحفظ و استحکام کے لئے جملہ جماعتوں کا اتحاد وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہیں اور فرقہ واریت کو سم قاتل سمجھتے ہیں۔

ہمارا طرز عمل اور کردار یہ ہے کہ ہم تحفظ ختم نبوت اور نظام مصطفیٰ، اسلامی نظام، جمہوریت اسلام کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرنے والے ہیں۔ پورے ملک میں جامعہ رشیدیہ واحد دار العلوم ہے جس نے تحریک ختم نبوت ۱۹۵۲ء میں پورا جامعہ قربان کرادیا۔ تادم تحریر جامعہ کی عمارات ضبط ہیں۔

ع کسی بُت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

ہم چاہتے ہیں کہ عالم اسلام متحد ہو جائے پاکستان میں قومی اتحاد کا منظر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اتحاد المسلمین کے ہم صدقِ دل سے داعی ہیں حتیٰ کہ سیاسی جماعتوں کے اتحاد و اشتراک کے بھی قائل ہیں تاکہ ملک میں امن و امان ہو جائے اور پاکستان کا مقصد یعنی اسلامی نظام برپا کر دیا جائے۔

بعض کرم فرما جمعیۃ علماء اسلام کے احزاب کا مسئلہ ہم سے پوچھتے ہیں اور لطف و ستم یہ کہ جمعیت کے نزاع و اتحاد کا سوال ہم غریبوں سے کرتے ہیں ایسے سیاسی سائلوں سے دست بستہ عرض ہے کہ اولاً ہم سیاسیات سے نابلد ہیں اور ملکی سیاسیات حالیہ سے تو براہ راست لاتعلق ہیں اور جماعتی سیاسیات میں غیر جانبدار ہیں اس لئے ما المسئول عنها باعلم من السائل کی روشنی میں ہم مسئول ہی نہیں۔ کوئی صاحب اس میں ہمیں ملوث نہ فرمائیں۔ ہم صرف اپنے گھر کی تعمیر اور داخلی جوڑ کے لئے تگ و دو کر رہے ہیں اور خالص دینی بنیادوں پر اتحاد عمل کی تحریک کر رہے ہیں تاکہ ملک میں توحید خالص، تصحیح عقائد و اعمال، اصلاح ذات البین اور دعوت تبلیغ کے دائرہ کار کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جا سکے ہمارے اندرونی اختلافات سے تبلیغی کام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ملک و ملت کو اس سے بچایا جائے۔

آخر میں پھر ایک دفعہ ابناءِ دار العلوم و اخوان دیوبند کی خدمت میں مستدعی ہوں کہ ہمارے اکابر کا اتحاد اوپر کی سطح سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہؒ جہاد حریت ۱۸۵۷ء میں امیر لشکر ہیں اور حضرات صاحبین ان کے ساتھ شریک جہاد ہیں۔ حالانکہ حضرت حاجی صاحبؒ ہفت مسائل کے قائل ہیں اور بعض تحقیقات امدادیہ ہیں لیکن بدعتیوں کو غلط فہمی نہ ہو کہ حضرت حاجی صاحبؒ باوجودیکہ ہفت مسائل کے قائل ہیں۔ مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم پر اعتماد کرتے ہوئے خلافت سے نوازتے ہیں اور ان کو بہت بڑے مستند عالم مانتے ہیں اور شیخ ہونے کے باوجود ان شیخین سے عقیدت و اعتماد کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ مکتوبات امدادیہ سے ظاہر ہے اور حضرت حاجی صاحبؒ دار العلوم دیوبند کے قیام کو اپنی آہ سحر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ عرض کرنے کا مقصد یہ کہ بعض مسائل میں اختلاف کے باوجود یہ حضرات متحد العمل ہیں۔

اسی طرح علماء دیوبند، خود بعض مسائل میں تحقیقات فرماتے ہوئے اپنی منفردانہ رائے پیش کرتے ہیں اور اپنا موقف بیان کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ہم سب دیوبندی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولاً ہم سب متفق ہیں بعض جزئیات و فرعیات میں مختلف بھی ہوسکتے ہیں لیکن ایسے سب لوگ بہرحال دیوبندی ہیں۔

آج بھی عشر و زکوٰۃ اور جدید مسائل میں ہمارے علماء مختلف الخیال ہوتے ہوئے ایک برادری ایک ہی جماعت سے منسلک ہیں اس سے مسلک و مشرب میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسلئے اختلافِ آرا کے باوجود ہم سب کو متفق المسلک متحد المشرب ہونا چاہیئے اور ہم میں کوئی طبقاتی کشمکش حلقہ وارانہ مخالفت اور کسی قسم کا تنازعہ نہ ہونا چاہیئے!

؎ شاید کہ اُتر جائے تیرے دل میں میری بات

اَلحُبُّ فِی اللہِ　　وَالبُغضُ لِلّٰہِ

بُرائی سے نفرت بُرے سے محبت

ایک ہے بُرائی کو بُرا سمجھنا اور ایک بُرے آدمی کو بُرا سمجھنا۔ دونوں میں ظاہری الفاظ کے اعتبار سے معمولی فرق نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے دونوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک اسلام بن جاتا ہے تو دوسرا غیر اسلام۔ ایک خدا سے ڈرنے والا طریقہ ہے دوسرا طریقہ اُن لوگوں کا جو خدا سے بے خوف ہو چکے ہیں۔

قرآن میں ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے (یوسف ۱۲) دوسری طرف فرمایا کہ آخرت کے عذاب سے وہ لوگ محفوظ رہیں گے جو لوگوں کو بُرائی سے روکتے تھے (الاعراف ۱۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو نشانہ بنا کر اس کے خلاف مہم چلانا شیطانی فعل ہے اس کے برعکس آدمی بُرائی کو نشانہ بنانے اور برائی کو (نہ کہ بُرے کو) مٹانے کی کوشش کرے تو یہ فعل خدا کو اتنا پسند ہے کہ اسکی وجہ سے وہ اپنی بخشش کرا سکے گا اور اسکو اللہ تعالیٰ جنت کے باغوں میں داخل کرے گا۔ اگر بُرائی کو مٹانے کا ذہن ہو تو آدمی کو برائی سے دشمنی ہوتی ہے نہ کہ کسی شخص خاص سے جس کو بُرا مشہور کر دیا گیا اگر آدمی میں بُرائی پائی جائے تو ایسا آدمی معلوم برائی کی حد تک اسکو بُرا سمجھتا ہے جبکہ دوسرے ذہن کے لوگ ایک برائی کی بناء پر اس کی پوری شخصیت ہی کو نفرت سمجھنے لگتے ہیں۔ برائی کو برا سمجھنے والوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ اگر برا آدمی اپنی اصلاح کرلے تو ان کا دوست ہے جبکہ دوسری قسم کے لوگوں کو اسکی اصلاح سے ہرگز دلچسپی نہیں ہوتی وہ اس کی ذات کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اسطرح برائی کو بُرا سمجھنے والا اپنے اور غیر میں فرق نہیں کرسکتا مگر جو شخص محض فرد کو نشانہ بنانے کا مزاج رکھتا ہو وہ اپنے حلقہ کے آدمی کو ایک نظر سے دیکھے گا اور دوسرے حلقہ کے آدمی کو دوسری نظر سے۔ بُرائی کے خلاف اُٹھنے والا اسکے حق میں اسوقت بھی بُرے آدمی کیلئے دعائیں کر رہا ہوتا ہے جبکہ وہ اسکی بُرائی کو مٹانے کی کوشش کر رہا ہو۔ (شکریہ "الرسالہ" دہلی و دیوبند ٹائمز)

۷۸۶

انما انا قاسم واللہ یعطی — موالرشید — ید اللہ علی الجماعۃ

۲۳۵۶

شادباش و شادزی اے سرزمینِ دیوبند ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
(مولانا ظفر علی خانؒ)

ع ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند
(اکبر مرحوم)

بانصرام!

مؤتمر ابناء دارالعلوم و اخوانِ دیوبند پاکستان

مختلف جماعتوں اور متعدد طبقات میں کام کرنیوالے ابناء دارالعلوم و اخوان دیوبند پاکستان کا

ضابطۂ اخلاق و معاہدۂ اتحاد

رشیدیہ کنونشن ساہیوال منعقدہ ۶ شعبان المعظم ۱۴۰۳ھ کی متفقہ قرارداد و متحدہ منشور
جس میں پانچ صد سے زائد دیوبندی برادری کے اجتماع میں "معاہدہ اتحاد" منظور کردہ
نیز مختلف طبقوں، متعدد حلقوں کے نمائندگان و مندوبین کے دستخط بقلم ثبت ہیں!

زیرِ سیادت

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ، امیر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

بہ قیادت

جناب علامہ پروفیسر خالد محمود صاحب (پی۔ایچ۔ڈی) ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی انگلستان

سعیِ ناتمام

فاضل حبیب اللہ رشیدی مدیر "الرشید" ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ ساہیوال
داعیِ اتحاد، خادم ابناء دارالعلوم و اخوانِ دیوبند پاکستان!

مرتبہ: جناب اکرام القادری

سفرنامہ ہندوستان
دہلی و دیوبند

بیان
حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ

حضرت اقدس مولانا خان محمد صاحب مدظلہ نے ارشاد فرمایا کہ ۸ رمئی ۱۹۸۳ء کو لاہور سے بھارت کیلئے روانہ ہوئے صاحبزادہ محمد عابد گل خانپوال، جناب عبداللطیف صاحب ساہیوال اور جناب حاجی سکندر صاحب باگڑ سرگانہ شریک سفر تھے۔ امرتسر پہنچنے پر دہلی کے لئے جنتا میل سے سفر کیا اور ۹ رمئی کو صبح ساڑھے پانچ بجے دہلی پہنچے۔ دہلی میں چتلی قبر کے نام سے جو بازار ہے وہاں حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کا مزار ہے جو خانقاہ ابوالخیر کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پر سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے تین بزرگ حضرت شاہ غلام علیؒ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اور حضرت شاہ ابوسعیدؒ مدفون ہیں۔ ہمارا قیام ۹ رمئی سے ۱۱ رمئی تک یہیں رہا۔ سب سے پہلے ہم پاسپورٹ اندراج کرانے کے لئے سیکورٹی آفس گئے یہاں سے فارغ ہو کر مسجد عبدالنبی کے پاس جمعیۃ علماء ہند کے دفتر گئے۔ دفتر میں موجود حضرات سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند کے بارے میں دریافت کیا معلوم ہوا کہ مولانا اپنے مکان پر ہیں اور وہاں جمعیۃ ٹرسٹ کی عاملہ کا اجلاس ہے۔ دفتر کے ایک ساتھی نے مولانا کو فون پر ہماری پاکستان سے آمد کے سلسلے میں آگاہ کیا تو مولانا نے فرمایا کہ انہیں یہاں پہنچا دو۔

ہم جب حضرت اسعد میاں مدظلہ کے مکان پر پہنچے تو جنرل شاہنواز کی صدارت میں اجلاس ہو رہا تھا مولانا سے ملاقات ہوئی اور وہ پُرتپاک انداز میں ملے اور ہمیں بھی اجلاس میں بٹھا دیا۔ یہ اجلاس تین گھنٹے تک جاری رہا مسلمانوں کی فلاح و بہبود سے متعلق مختلف مسائل پر گرما گرم بحثیں ہوتی رہیں اجلاس کے بعد جناب جنرل شاہنواز صاحب تشریف لے گئے۔

پارلیمنٹ ہال مولانا اسعد میاں پارلیمنٹ کے اجلاس میں جانے لگے تو ہم نے اجازت چاہی لیکن مولانا ہمیں اپنے ہمراہ پارلیمنٹ ہال لے گئے۔ مولانا خود اجلاس میں شریک ہو گئے اور ہمارے لئے ڈرائیور سے فرمایا کہ انہیں ذرا سیر کرا دیں۔ ڈرائیور نے پریذیڈنٹ ہاؤس، پرائم منسٹر ہاؤس اور دیگر تفریحی مقامات کی سیر کرائی بعد ازاں ہماری خواہش پر ہمیں ہماری قیام گاہ پہنچا دیا گیا۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ملاقات

دوسرے روز ۱۰ مئی کو رابطہ کرنے پر کہا گیا کہ آپ حضرات نماز مغرب دفتر جمعیۃ میں ادا کریں مولانا یہاں اسوقت تشریف لائیں گے اس روز شام کو زبردست آندھی چلی اور بارش ہوئی جس کی وجہ سے ہم نماز مغرب اپنی قیامگاہ پر پڑھکر روانہ ہوئے۔ ہم دفتر پہنچے ہی تھے کہ مولانا اسعد میاں تشریف لے آئے مولانا کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بھی تھے مصافحہ و معانقہ کے بعد کچھ دیر بیٹھے اور پھر دیوبند کے لئے اکٹھے روانہ ہوئے۔ راستے میں گفتگو ہوتی رہی مہتمم صاحب تفصیل سے گفتگو فرماتے رہے اسوقت ہمیں بالکل احساس نہیں تھا کہ یہی دارالعلوم دیوبند کے منصبِ اہتمام پر متمکن ہیں۔

رات گیارہ بجے دیوبند پہنچے نمازِ عشاء ادا کی اور سو گئے۔ صبح کی نماز کے لئے ہم دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں گئے مولانا اسعد میاں صاحب نے اپنی مسجد میں نماز پڑھی کچھ دیر ہم مدرسہ کی مسجد میں رہے اور ناشتے کے لئے حضرت مولانا مدنی صاحب کے یہاں آئے اس دوران کسی نے بتایا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی طبیعت ناساز ہے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ سے ملاقات

مولانا اسعد مدنی نے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب سے کہا کہ حضرت قاری صاحب کی عیادت کو چلیں، مولانا مرغوب الرحمٰن فرمانے لگے ٹھیک ہے ضرور چلیں۔ مولانا مرغوب الرحمٰن فرمانے لگے کہ حضرت قاری صاحب کو پیغام بھیجیں مولانا مدنی نے حضرت قاری صاحب کو پیغام بھیجا کہ پاکستان سے (مولانا) خان محمد صاحب آئے ہوئے ہیں وہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور میں بھی ان کیساتھ آنا چاہتا ہوں پھر ہم قاری صاحب کی خدمت میں گئے۔ قاری صاحب مدظلہٗ بہت کمزور ہو گئے ہیں مولانا اسلم صاحب نے بتایا کہ دل کا عارضہ ہے قاری صاحب سے مصافحہ ہوا لیکن بات نہیں ہوئی۔ مولانا اسعد میاں اور مولانا اسلم صاحب علاج وغیرہ کے سلسلے میں گفتگو کرتے رہے یہاں تقریباً پندرہ منٹ بیٹھے چائے وغیرہ پی۔

بغیر سود مسلم بینک

یہاں سے فراغت کے بعد مولانا مدنی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے قائم کردہ بغیر سود بینک دکھانے کے لئے لے گئے۔ بینک کی عمارت بھی جمعیۃ کی اپنی ہے مولانا مدنی نے بینک کی تفصیلات بتائیں۔ مولانا نے دس الماریاں زیورات سے بھری ہوئی دکھائیں جس کی بنیاد پر لوگوں کو قرض دیا جاتا ہے۔ مولانا نے بتایا کہ ہم نے اس بینک کا آغاز گیارہ سو روپے سے کیا اور اب ڈیڑھ لاکھ کی مالیت موجود ہے۔ پندرہ بیس شاخیں ملک بھر میں کام کر رہی ہیں بینک کے ممبر اپنی آمدنی سے بھی کچھ جمع کراتے ہیں بعض افراد ایک روپیہ تک جمع کراتے ہیں۔ غیر مسلموں کو اہیں شریک نہیں کیا جاتا لیکن ہندو مسلمانوں کے نام سے روپیہ جمع کراتے ہیں۔

جامع مسجد دیوبند

یہاں سے مولانا مدنی اپنے مکان کی طرف گئے اور ہم دیوبند کی جامع مسجد آ گئے جہاں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مدرسہ قائم کیا ہوا ہے مقامی اور بیرونی طلباء مصروف تعلیم تھے اندازہً پچاس ساٹھ طلباء ہوں گے۔ اس موقع پر مولانا انظر شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے جشن صدسالہ

پر ہم ان کے یہاں مہمان تھے وہ اپنے مکان پر لے گئے وہاں انہوں نے چائے وغیرہ پلائی، مکان سے باہر آئے تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کا دعوت نامہ آگیا کہ آپ دس بجے دار العلوم آئیں۔ دار العلوم دیو بند کے اساتذہ اور مدرسین ملاقات کریں گے۔
دار العلوم پہنچے تو مولانا اسعد مدنی۔ اور دیگر علماء کرام موجود تھے تمام علماء سے مصافحہ اور تعارف ہوا۔ پُر تکلف کھانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ اس پروگرام سے فارغ ہوئے تو مولانا مدنی نے فرمایا کہ میں ایک اہم کام کے سلسلہ میں ظہر تک دہلی جانا ہے اور مولانا مدنی ہم سے رخصت ہو گئے۔

دار العلوم کا عظیم کتب خانہ

دو ساتھیوں نے ہمیں دار العلوم دیو بند کا عظیم کتب خانہ دکھایا جو دس بڑے کمروں پر مشتمل ہے اور مختلف علوم و فنون کی قدیم و جدید کتابیں دکھائیں بعض نایاب قلمی کتابوں کی زیارت ہوئی ایسے نایاب قرآن شریف دیکھنے کا شرف بھی حاصل ہوا جو شیشوں کے بکسوں میں رکھے ہوئے ہیں اور ان پر سن اور تاریخ درج ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّہ مبارک

جنگ بلقان کے موقع پر علماء دیو بند نے ترکی حکومت کی امداد کی تھی اس کی قدر دانی کے طور پر ترکی کے شاہی خزانے میں رکھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جُبّہ مبارک پر چڑھے ہوئے غلافوں میں سے ایک غلاف دار العلوم دیو بند کو حکومت ترکی نے بطور ہدیہ بھیجا ہے اس غلاف کی زیارت کرا کے جناب مہتمم صاحب دار الحدیث دار جدید وغیرہ میں لے گئے اور پھر مولانا مدنی کے مکان پر پہنچایا۔
تقریباً ۱۲ بجے دن مولانا نے فرمایا کہ کھانا کھالیں اور کچھ آرام کر لیں۔ ظہر کی نماز پڑھ کر دہلی کے لئے روانہ ہوں گے۔ کھانے میں مولانا مرغوب الرحمٰن کے علاوہ دیگر حضرات بھی شریک تھے۔ نماز ظہر کے بعد مولانا مدنی کے ہمراہ دہلی آگئے مولانا مدنی ہمیں دفتر جمعیۃ پہنچا کر خود بنارس چلے گئے اور ہم کچھ دیر دفتر قیام کرنے کے بعد خانقاہ حضرت شاہ ابو الخیر آگئے۔

آسام کے مسلمان

جمعیۃ علماءِ ہند کے ناظم اعلیٰ نے ہمارے سوال پر بتایا کہ آسام کے تین چار اضلاع میں فساد ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ فساد بنگالی اور آسامی بولنے والوں کے درمیان ہے اور ایک ضلع میں ہندؤوں کو بھی نقصان اٹھانا پڑا لیکن زیادہ تر نقصان مسلمانوں کا ہوا۔ انہوں نے بتایا کہ آسامی مسلمان بھی بنگال مسلمانوں کے خلاف ہیں اور یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ آسامی لیڈروں کی گرفتاریوں کے بعد ایک مسلمان رہنما فخر الاسلام بنگالیوں کے خلاف تحریک کی قیادت کر رہے ہیں۔

بھارت کے مسلمانوں کی حالت

حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ بھارت میں عمومی طور پر مسلمانوں کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ کانپور کے مسلمانوں کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ کانپور کے مسلمانوں کے چمڑے کے کاروبار ہیں۔ ملیر کوٹلہ کے مسلمان بھی خوشحال ہیں سرکاری ملازمتوں میں بھی مسلمان موجود ہیں۔ حضرت مدظلہ نے فرمایا کہ میں نے محسوس کیا ہے کہ مسلمان مجموعی طور پر اقتصادی اعتبار سے اچھی پوزیشن میں ہیں اور اپنے مستقبل کے بارے میں بھی پُر امید ہیں۔

ملک و ملت بچاؤ تحریک

حضرت مدظلہ نے فرمایا کہ پچھلے دنوں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ملک و ملت بچاؤ تحریک کے آغاز کا جو اعلان کیا تھا اس سے مسلمانوں کو کافی فائدہ پہنچا ہے۔ حکومت ہند نے اس اعلان کے بعد جمعیۃ علماء ہند کے رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا اور خاص طور سے وزیراعظم اندرا گاندھی نے ذاتی طور پر اس سلسلہ میں دلچسپی لیتے ہوئے جمعیۃ کے رہنماؤں کے موقف کو سنا، ہمدردانہ غور کیا اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی جس کے بعد حکومت نے اپنے رویے میں نرمی اور لچک پیدا کر لی اور اس کے بعد یہ تحریک ملتوی کر دی گئی۔

مدنی ہال اور شیخ الہندؒ لائبریری

جمعیۃ علماء ہند نے اپنے دفتر میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے مدنی ہال کے نام سے ایک شاندار وسیع ہال تعمیر کرایا ہے اور حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندی کی نسبت سے ایک لائبریری قائم کی ہے جنہیں دیکھ کر ازحد مسرت ہوئی۔ جمعیۃ کے احباب نے بتایا کہ یہ منصوبہ سات لاکھ کا ہے۔ ہندوستان کے اکثر صوبوں اور بعض اضلاع میں جمعیۃ کے اپنے دفاتر قائم ہیں۔ آسام کے فسادات کے موقع پر جمعیۃ علماء ہند نے چار لاکھ روپیہ جمع کیا جن میں سے تین لاکھ روپیہ آسام کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کو بھیجا۔

بزرگوں کے مزارات کی زیارت

حضرت مولانا خان محمد صاحب مدظلہ نے بتایا کہ سرہند شریف میں ہم نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کی زیارت کی۔ امروہہ میں بعض بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی، دہلی میں حضرت خواجہ محمد عابد سنامیؒ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کی۔ حضرت خواجہ محمد عابدؒ، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے پیر و مرشد ہیں۔ اس موقع پر ایک شخص نے کہا کہ علماء دیوبند کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قبر والوں کو نہیں مانتے لیکن دہلی کے تمام مزارات کی حفاظت ان ہی کے ذمہ ہے۔ اس روز عصر کی نماز جامع مسجد میں پڑھی اور مغرب کی نماز بھی جامع مسجد کے امام مولانا عبداللہ شاہ بخاری کے پیچھے پڑھی۔ لیکن ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔

حضرت شاہ آفاقؒ کے مزارات پر حاضری دی جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ کے پیر و مرشد ہیں حضرت شاہ آفاقؒ کی قبر جو ایک ہندو کے مکان میں آگئی تھی اسے علماء دیوبند نے واگزار کرایا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید نور محمد بدایونیؒ کے مزارات پر حاضری دی یہ حضرت جان جاناںؒ کے مشائخ میں سے ہیں۔

امروہہ میں خواتین کی کانفرنس

امروہہ میں عورتوں کو صرف قرآن کریم اور تعلیم الاسلام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ عورتیں ہی پڑھاتی اور تمام کام عورتیں ہی کرتی ہیں۔ یہاں عورتوں کے دو مستقل مدرسے ہیں ہر سال عورتوں کی سالانہ کانفرنس ہوتی ہے جہاں تمام انتظام عورتیں ہی کرتی ہیں۔ گزشتہ سال کی کانفرنس میں گیارہ ہزار مسلمان عورتوں نے شرکت کی امروہہ میں یہ ماحول معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی۔

علماء دیوبند کی سیاسی اور مذہبی خدمات

جمعیۃ علماء دیوبند نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے بے پناہ کام کیا ہے اور اس کے کارکن و رہنما شب و روز مسلمانوں کی بہتری کے منصوبے بناتے

رہتے ہیں خصوصاً حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے جمعیۃ علماءِ ہند کے پلیٹ فارم کو مسلمانوں کا ایک ٹھوس منظم اور سرگرم پلیٹ فارم بنادیا ہے اس کے علاوہ علماءِ دیوبند نے مذہبی محاذ پر بھی ہر شعبۂ دین میں بے مثال خدمات انجام دی ہیں اور باطل قوتوں کا دیوانہ وار مقابلہ کیا ہے۔ جمعیۃ نے مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے ایک دینی نصابِ تعلیم ترتیب دیا ہے جو بارہ حصوں پر مشتمل ہے یہ نصاب مجاہدِ اعظم حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ نے ترتیب دیا تھا۔ جمعیۃ کا اپنا روزنامہ "الجمعیۃ" کے نام سے عرصہ دراز سے نکل رہا ہے اور اس کے علاوہ چھ سات پرچوں کی جمعیۃ سرپرستی بھی کرتی ہے۔

الغرض علماءِ دیوبند سیاسی اور مذہبی اعتبار سے بھارت میں اپنا ہولڈ رکھتے ہیں۔ مولانا نے بتایا کہ بھارت میں مسلمانوں میں فرقہ وارانہ لڑائی بہت کم ہے۔ اذان تمام مساجد سے اسی طرح دیجاتی ہے جس طرح مؤذن رسول مقبول علیہ السلام حضرتِ بلال حبشیؓ مسجد نبوی میں دیتے تھے بلکہ بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی اذانِ بلال ہی دیتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اس طرح یہ ہمارا دس روزہ دورۂ بھارت اختتام کو پہنچا اور ہم اپنے وطن پاکستان واپس آگئے۔ (نقیبِ ملت)

بقیہ : عورت کا مقام

خواہ رکھ لینا قاعدے کے مطابق خواہ چھوڑ دینا خوش عنوانی کے ساتھ۔ طلاق کا یہ طریقہ نرالا ہے پھر بھی معترضین کی آنکھیں نہ کھلیں!

اسلام میں عورت کا مقام

دوسری سوسائٹیوں کے بالمقابل مذہب اسلام نے عورت کو کہیں زیادہ عظمت و وقار بخشا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورتوں سے بڑھ کر کوئی مکرم نہیں سوائے کریم کے اور ان سے بدتر کوئی نہیں سوائے لئیم (بدبخت) کے" آپ نے بستر مرگ پر فرمایا "عورتوں کو بھلائی کی نصیحت کیا کرو کیونکہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ پسلی کا ٹیڑھا پن زیادہ ہے اگر تم نے اسے سیدھا کرنا چاہا تو اسے توڑ دوگے اور اگر تم نے اسے ترک کردیا تو ٹیڑھا پن مستقلاً باقی رہے گا۔

ایک صحابی نے سوال کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر عورتوں کے کیا حقوق ہیں؟

آپ نے فرمایا: "وہ کھائے تو کھلاؤ اور پہنے تو پہناؤ، منہ پر نہ مارو اور نہ اسے قبیح ٹھہراؤ۔"

حضرت عمر بن الخطابؓ نے کہا مذہب اسلام سے قبل ہم عورتوں کو ستاتے، ان کی خواہشات کو پاؤں تلے روندتے اور ان پر مظالم کے پہاڑ ڈھاتے یہاں تک کہ خداوند قدوس نے ان کے لئے قوانین بنائے اور ان کو بہترین درجات سے ہمکنار کیا۔

بحیثیت ماں کے عورتوں کا ایک عظیم مرتبہ ہے قرآن کریم کہتا ہے: ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علیٰ وھنٍ وفصالہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیک (لقمان) "اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسکو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گذاری کیا کر۔"

(ماخوذ از سنت مطہرہ)

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ع تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب

قرآن مجید کیساتھ عشق و شغف کی داستانیں

عنوان بالا کے تحت صحابہ و تابعین ائمہ اسلام، علماء راسخین اور بلند پایہ مشائخ اور اہل قلوب کے چند واقعات درج کئے جاتے ہیں جس سے ان کے قرآن مجید کیساتھ عشق و شغف اس کے آداب و عظمت اس کی تلاوت میں ان کی محویت و استغراق اور اس لذت و کیفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ کی ابتداء خود اس ذاتِ قدسی سے کی جاتی ہے جس پر قرآن پاک کا نزول ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھ کو قرآن سناؤ۔ میں نے کہا کہ آپ ہی پر نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں۔ فرمایا کہ ہاں! میں دوسرے سے سننا چاہتا ہوں میں نے سورہ نساء شروع کی جب اس آیت پر پہنچا:

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بك علی ھؤلاء شھیداً

"سو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہر امت سے ہم ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور لوگوں پر آپکو بطور گواہ کے پیش کریں گے"

میں نے سر اٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کی آیت: ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیزالحکیم (المائدہ ع ۱۵)

"تو اگر انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر انہیں بخش دے تو بھی تو زبردست حکمت والا ہے"

پر پوری رات گذار دی اور صبح ہوگئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے رقیق القلب تھے۔ قرآن پڑھتے وقت آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکتے تھے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

ابورافع کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ میں مردوں کی اس آخری صف میں تھا جس کے بعد عورتوں کی صف ہوتی ہے آپ سورۃ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے:

انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ (سورۂ یوسف ع ۱۰)۔

"یعقوبؑ نے کہا میں تو اپنے رنج وغم کی شکایت بس اپنے اللہ ہی سے کر رہا ہوں"
حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے قرآن شریف پڑھتے تھے آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ مجھے ان کی ہچکیوں کی آواز دُور سے سنائی دی۔
ابن عمرؓ کی بھی روایت ہے کہ آپؓ پر صبح کی نماز میں ایک مرتبہ ایسا گریہ طاری ہوا کہ میں نے ان کی ہچکیوں کی آواز تین صفوں کے پیچھے سُنی۔ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے رات کے ورد میں کبھی کوئی آیت پڑھتے تو اتنا روتے کہ گر جاتے اور آپ کو گھر میں اتنا ٹھہرنا پڑتا کہ لوگ عیادت کے لئے آتے۔
محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پوری رات ایک رکعت میں گذار دیتے تھے جس میں پورا قرآن مجید پڑھ لیتے تھے۔
امام احمد اور ابن عساکر کی روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ تمہارے دل پاک ہو جائیں تو تم کو کبھی کلام اللہ سے سیری نہ ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ میری عمر میں کوئی دن ایسا گذرے جس میں مجھے قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے کی نوبت نہ آئے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی تو جس مصحف میں وہ پڑھا کرتے تھے وہ ان کی کثرتِ تلاوت سے جابجا سے شکستہ ہو گیا تھا۔
ابن عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے سورۂ یوسف حضرت عثمانؓ کے پیچھے پڑھنے سے یاد ہو گئی کیونکہ وہ کثرت سے فجر کی نماز میں سُورۂ یوسف پڑھتے تھے۔
حضرتِ علی المرتضیٰ کو وفات نبوی کے بعد قرآن شریف کے حفظ میں اتنا انہماک ہوا کہ کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن عباس اور عبدالرحمٰن بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ عنہم جیسے کبار صحابہ متعدد تابعین عظام سعید بن جبیر، مالک بن انس، منصور بن المعتمر کے متعلق رقت خشوع اور گریہ و بکا کی ایسی ہی روایات حدیث و تاریخ کی کتابوں میں آئی ہیں۔
زرارہ ابن عوفیٰ کے متعلق تو یہاں تک بیان کیا گیا ہے کہ وہ جامع مسجد میں نماز پڑھا رہے تھے سورۂ مُدثّر کی آیت
فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر على الكافرين غير يسير (المدثر ع ۱)
"پھر جس دن صور پھونکا جائے گا سو وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا، نہ کہ آسان"
پڑھی تو اُن کی رُوح پرواز کر گئی اور وہ گر گئے۔ بہز ابن حکیم کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جو ان کی نعش اٹھا کر گھر لائے۔
خلید نماز پڑھ رہے تھے جب انہوں نے آیت پڑھی تو اسکو بار بار دہراتے رہے کسی نے گھر کے ایک گوشہ سے آواز دی کہ کہاں تک اس آیت کو دہراتے رہو گے، نہ معلوم کتنوں کے جگر شق ہو گئے۔
ایک صاحب نے آیت پڑھی: ثم ردوا الى الله مولٰهم الحق (الانعام ع ۸)
"پھر وہ (سب) واپس لائے جائیں گے اپنے مالک حقیقی کے پاس"

حمزہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ (بنت ابوبکر صدیقؓ) کے خادم کہتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ نے مجھے بازار بھیجا اسوقت وہ سورۂ طور کی تلاوت کر رہی تھیں اور آیت ووقانا عذاب السموم تک پہنچی تھیں، میں بازار گیا بھی اور واپس بھی آگیا اور وہ ابھی تک یہی آیت پڑھ رہی تھیں۔

حضرت تمیم داری مقام ابراہیم پر آئے اور سورۂ جاثیہ پڑھنی شروع کی:

ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلهم کالذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت سواء محیاهم ومماتهم ساء ما یحکمون۔ (الجاثیہ ع ۲)

"کیا جو لوگ بُرے کام کر رہے ہیں اس خیال میں ہیں کہ انہیں ان جیسا رکھیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت یکساں ہی رکھیں سو کیسا بُرا حکم یہ لوگ لگاتے ہیں۔"

تو اسکو برابر دہراتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

حضرت سعید بن جبیر رمضان میں امامت کر رہے تھے جب وہ آیت:

فسوف یعلمون۔ اذ الاغلال فی اعناقهم والسلاسل یسحبون فی الحمیم۔ ثم فی النار یسجرون۔ (المؤمن ع ۸)

"جبکہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی انکو کھینچتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں لے جایا جائے پھر یہ آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔"

پر آئے تو بار بار اسکو دہراتے رہے۔ ایک رات تہجد میں یہ آیت پڑھی:

واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله　(البقرہ ع ۳۸)

"اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم (سب) اللہ کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔"

تو اس کو کچھ اور بیس مرتبہ دہرایا۔ وہ رات کو اتنا روتے تھے کہ ان کی آنکھوں پر اثر پڑ گیا۔

حضرت مسروق (تلمیذ حضرت ابن عباس) بعض دن عشاء سے لیکر فجر تک سورۂ رعد ہی پڑھتے رہے۔

ہارون ابن ایاب اسدی کبھی تہجد میں پوری آیت:

یٰلیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا ونکون من المؤمنین　(الانعام ع ۳)

"کہیں گے کہ کاش ہم پھر واپس بھیج دیئے جائیں تو ہم ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں۔"

پڑھنے میں گذار دیتے اور روتے رہتے۔

حضرت حسن بصری نے ایک پوری رات ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها کی تکرار اور ورد میں گذار دی لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا اسمیں بڑی عبرت اور موعظت ہے۔ ہم جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو اللہ کی

کسی نہ کسی نعمت کا نزول ہوتا ہے اور جو ہم نہیں جانتے اس کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ تہجد میں یہ آیت پڑھی:

بل الساعة موعدهم والساعة ادهىٰ وامر۔ (القمر ع ۳)

"لیکن ان کا اصل وعدہ تو قیامت کا ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے"

وہ برابر اسی آیت کو دہراتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

یہ سلسلہ ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک عہد سے دوسرے عہد تک منتقل ہوتا رہا اور اُمت کا کلام الٰہی سے عشق و شغف تسلسل کے ساتھ اور قرآن مجید کا فیض اور اس کی تاثیر بغیر کسی انقطاع اور وقفہ کے جاری رہی۔ تاریخ و سیر کی کتابوں نے ہر دَور کے علماء راسخین، معلمین و مسلمین اور محققین و عارفین کے قرآن مجید کیساتھ عشق و شغف اس کی تلاوت میں محویت و استغراق اور اس میں ان کی حلاوت و لذت کے واقعات محفوظ کر دیئے ہیں۔ یہاں پر چند اکابر اُمت کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

مشہور مصنف اور محدث، مؤرخ و ناقد علامہ ابن جوزیؒ ہر ہفتہ ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس کو قرآن مجید سننے کا بڑا شوق تھا کبھی کبھی اپنے برج میں پہرا داروں سے دو دو چار چار پارے سن لیتے تھے بڑے خاشع و خاضع اور رقیق القلب انسان تھے۔ قرآن مجید سن کر اکثر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ ۷ شعبان ۲۶، ھ کو نظر بند کئے گئے جہاں انہوں نے ۲۲ ذیقعدہ ۲۸، ھ کو سفر آخرت اختیار کیا۔ اس فرصت میں ان کا سب سے بڑا شغلہ اور ورد تلاوت قرآن پاک تھا۔ وہ جیل میں تقریباً دو سال چار ماہ رہے اس مختصر مدت میں انہوں نے اپنے بھائی شیخ زین الدین ابن تیمیہ کیساتھ قرآن مجید کے اسی دور ختم کرنے کے بعد جب نیا دور شروع کیا اور سورۃ قمر کی اس آیت پر پہنچے ان المتقين فی جنٰت ونهر فی مقعد صدق عند مليك مقتدر "جو پرہیزگار ہیں ان باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں گے ایک اعلیٰ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے نزدیک"۔ تو بجائے اپنے بھائی زین الدین کے عبداللہ ابن محب اور عبداللہ الزرعی کیساتھ دور شروع کیا یہ دونوں نہایت صالح شخص تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے امام ابن تیمیہ کو ان کی قرأت بہت پسند تھی یہ دور ختم نہیں پایا تھا کہ زندگی کے دن پورے ہو گئے۔

ان اکابر اسلام کے سوا جن کی زبان عربی تھی اور جن کا رات دن کا وظیفہ علوم اسلامیہ کا وظیفہ علوم اسلامیہ کی خدمت اور ان کے بحر کی غواصی تھی عجمی نژاد و مشائخ و صلحاء اُمت کا بھی شغف بالقرآن، ذوق تلاوت، حفظ کا اہتمام اور قرآن میں محویت و استغراق کے واقعات کچھ کم شوق انگیز، سبق آموز اور عبرت خیز نہیں، صدہا واقعات میں سے یہاں چند نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ واقعات متقدمین مشائخ تک محدود نہیں، اس کا سلسلہ معاصرین تک جاری و ساری ہے۔

آٹھویں صدی کے مشہور بزرگ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (المتوفیٰ ۷۲۵ھ) کو قرآن مجید کا خصوصی ذوق تھا اس کے حفظ کے اہتمام و تلاوت کی کثرت سے تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علاء سجزی جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے اور شعر و شاعری زندگی بھر کا شغلہ تھا۔ حضرت خواجہؒ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ امیر فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ "بارہا ان مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے یہ لفظ سُنے ہیں کہ چاہئے کہ قرآن مجید کا پڑھنا شعر کہنے پر غالب آجائے۔"

خواجہ محمد (ابن مولانا بدرالدین اسحٰق بڑے اچھے حافظ خوش الحان تھے انکو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا ان کی قرأت سے آپ بڑے محظوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرأت سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔

حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (المتوفیٰ ۷۸۶ھ) کو بھی قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے سننے کا خاص ذوق تھا ان کے تربیت یافتہ شیخ زین بدر عربی ان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی۔ آپ نے فرمایا "پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہیں" حاضرین نے عرض کیا کہ ابھی بہت چھوٹا ہے سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا میاں بلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو کلام ربانی سننے کا ذوق ہے تو انہوں نے اس لڑکے کو بلایا اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ھدایت کی۔ سید ظہیر الدین نے جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سُننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو۔ لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا اس نے سورۂ فتح کے آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ سے پڑھنی شروع کیں۔ حضرت مخدوم تکیہ کے سہارے آرام فرما رہے تھے اُٹھ بیٹھے اور معمول قدیم کے مطابق باادب دوزانوں بیٹھ گئے اور بڑی توجہ سے قرآن سننے لگے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (المتوفیٰ ۱۰۳۴ھ) کے حالات میں آتا ہے کہ تلاوت کے وقت چہرہ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی و برکات آیات کا فیضان ہو رہا ہے۔ نماز اور بیرونِ نماز میں خوف کی آیات پڑھتے یا جن آیات میں تعجب یا استفہام آتا ہے اس کا انداز و لہجہ پیدا ہو جاتا رمضان میں تین سے کم ختم نہ کرتے خود حافظ قرآن تھے اس لئے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہتے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی ایک روز تلاوتِ قرآن کر رہے تھے کہ آپ پر کیفیت طاری ہوئی مولوی تجمل حسین شاہ سے فرمایا کہ "جو لذت ہم کو قرآن میں آتی ہے اگر تم کو وہ لذت ذرہ بھر آئے تو ہماری طرح نہ بیٹھ سکو گے بلکہ کپڑے پھاڑ کر جنگل کو نکل جاؤ گے۔"

آپ نے آہ کی اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور کئی روز تک بیمار رہے۔

مولانا سید محمد علی نے فرمایا کہ میں نے ابتداء میں حضرت سے عرض کیا کہ مجھ کو جو مزہ شعر میں آتا ہے قرآن شریف میں نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی بعد ہے قرب میں جو مزہ قرآن شریف میں ہے کسی میں نہیں۔ مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے فرمایا کہ قرآن شریف اور حدیث پڑھا کرو کہ اللہ میاں دل پر آکر بیٹھتے ہیں۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ "نسبت قرآن کی غایت سلوک ہے۔"

مولوی تجمل حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک بار مولانا محمد علی صاحب وغیرہ کا مجمع تھا قرآن شریف کا ترجمہ ہو رہا تھا یہ تھا: واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقا نبیا (سورۃ مریم رکوع ۳)

"اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجئے وہ بڑے راستی والے نبی تھے۔"

اس کا ترجمہ فرمایا بعد اس کے وہ آیت پڑھی گئی جو حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہؑ کے بیان میں ہے:

وکان عند ربہ مرضیا (مریم ع ۴) "وہ اپنے رب کے پاس پسندیدہ تھے۔"

ترجمہ فرمایا کہ تھا اپنے رب کا پیارا، یہ فرما کر چیخ ماری اور آپ پر گویا کیفیت مدہوشی کی طاری ہوگئی اس واقعہ کے بعد دو مہینے سخت علیل رہے۔

ایک مرتبہ جب اس آیت کا ترجمہ پیش آیا:

ءَانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللہ۔ (مائدہ ع ۳)

"اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہدیا تھا کہ خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنالو۔"

یعنی حضرت عیسیٰؑ کو حکم ہوگا کہ کیا تم نے آدمیوں سے کہدیا تھا کہ ہم کو اور ہماری ماں کو خدا کہیں اور خدا کو خدا نہ کہیں پھر حضرت عیسیٰؑ کا گھبرا کر یہ فرمانا انک انت العزیز الحکیم یعنی غفور الرحیم کا موقع تھا مگر العزیز الحکیم فرمایا اس وقت گویا واقعہ قیامت سامنے ہوگیا اور کیفیت مصیبت قیامت کی سب پر طاری ہوگئی۔ مجھ کو خیال آتا ہے کہ حضرت نے اس آیت وان منکم الا واردھا پر چیخ ماری کہ سب کو پل صراط سے ایک روز اترنا ہوگا۔

غرض ہر چیز کا بیان یہاں مجلس میں ہوتا تھا پہلے آپ پر کیفیت آتی تھی اسکے بعد بطور عکس حسب موافق استعداد ہر شخص پر طاری ہوتی تھی۔ (خدام الدین لاہور)

خیرۃ الاصحاب للامام الشافعی

احب من الاخوان کل مواتی	وکل غضیض الطرف عن عثراتی
یوافقنی فی کل امر ارید	ویحفظنی حیا وبعد مماتی
فمن لی بھذا؟ لیت انی اصبتہ	لقاسمتہ مالی من الحسنات
تصفحت اخوانی فکان اقلھم	علی کثرۃ الاخوان اھل ثقاتی

ڈاکٹر انور قریشی

مرتد کی سزا قتل

قانون نافذ کرو

پاکستان میں اسلامی قانون کو بتدریج نافذ کیا جا رہا ہے لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ارتداد کی سزا کا قرآنی قانون نافذ کرنے پر ابھی تک توجہ نہیں دی گئی حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ ایمان تمام دنیا کی بادشاہت سے اور دنیا بھر کے خزانوں سے زیادہ عظیم سرمایہ ہے یہ مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا انمول انعام ہے۔ ایمان کیساتھ نیک اعمال کرنے سے کرۂ ارض پر امن و امان فلاح اور خوشحال زندگی قائم ہو سکتی ہے اس لئے ایمان کا تحفظ لازم ہے۔

مسلمان کا دینِ اسلام سے پھر جانا اور اسلام کو ترک کر کے کوئی اور مذہب اختیار کرنا ارتداد کہلاتا ہے۔ یہ سنگین جرم ہے جس کی سزا موت ہے۔ قرآن حکیم کے احکام، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، خلفاءِ راشدین کے عمل اور چاروں اکابر امام صاحبان کی فقہ کے مطابق مرتد کی سزا قتل ہے لہٰذا اس مسئلہ پر اجماعِ امت ہے۔ گذشتہ چودہ سو سال میں جہاں بھی اسلامی نظام نافذ ہوا ہے وہاں مرتد کو ہمیشہ واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حکومت سے بغاوت

حقیقتاً اسلامی ممالک میں دینِ اسلام سے پھر جانا صرف اسلام سے بغاوت ہی نہیں ہے بلکہ اسلامی نظام، ملک کے اسلامی آئین اور حکومت سے بھی بغاوت ہے کیونکہ اسلام مکمل نظامِ حیات اور نظامِ مملکت ہے ارتداد دراصل اللہ تعالیٰ، خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسلامی نظام سے بیزاری اور نفرت کا اظہار ہے اور ان سے اعلانِ جنگ ہے اسلام کو ترک کرنے والا شخص دینِ اسلام کی اہانت کرتا ہے وہ دوسروں پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اللہ کے دین میں کوئی صداقت و خوبی نہیں اور اسطرح وہ دوسروں کو اسلام قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے روکتا ہے۔ اگر اس کا سختی سے سدِّباب نہ کیا جائے تو حکومت کے نظام اور معاشرہ میں فتنے اور فساد برپا ہوتے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیوی بادشاہ اور حکومت کا باغی تو سزاوار ہو اور شہنشاہِ کائنات اور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی پر کوئی تعزیر عائد نہ ہو حالانکہ وہ سخت ترین سزا کا مستحق ہے! غیر اسلامی ممالک میں بھی اگر کوئی شخص ملکی آئین اور حکومتِ وقت کی مخالفت اور بغاوت کرتا ہے تو وہ سیاسی ارتداد کا مرتکب، ملک کا غدار اور سزاوار کہلاتا ہے۔ امریکہ ہو یا برطانیہ یا کوئی اور غیر اسلامی ملک سب کا یہی قانون ہے۔ اگر کسی کمیونسٹ ملک میں کوئی شخص اشتراکیت کی مذمت کرے یا اسے ترک کرنے کا اعلان کرے تو اس کا کمیونسٹ ملک میں زندہ رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی

جب کوئی شخص مسلمان کے گھر میں پیدا ہو کر پرورش پاتا ہے یا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے وفاداری اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے کا عہد کرتا ہے۔ اسلام کو ترک کرنے سے وہ شہنشاہِ کائنات کے اس عظیم عہد کو توڑنے کے سبب موجب سزا ہو جاتا ہے۔ یہ شخص اللہ کی پارٹی سے نکل کر شیطان اور کفار کی پارٹی میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا یہ فعل اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ معاشرے میں وبا بن کر پھیلتا ہے وہ بعض اوقات جماعت سازی کر کے مزید قوت حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے ملکر سازباز کرتا ہے، مرتد اسلامی حکومت کے خلاف تخریب کاری سے بھی گریز نہیں کرتا۔ مرزا غلام احمد اور قادیانی جماعت کی نمایاں مثال ہمارے سامنے ہے۔

ارتداد سے ملتِ اسلامیہ کو بہت سے خطرات پیدا ہوتے ہیں۔ ہمیں اندرا گاندھی اور روس کے صدر کے کفر سے اتنا صدمہ نہیں ہوتا جستقدر بنگلہ دیش کے صدر مجیب الرحمٰن اور افغانستان کے صدر ببرک کارمل کے باغیانہ کردار سے ہوتا ہے۔ کفار سے اسلام کو جو خطرات ہوتے ہیں اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے باغیانہ کردار سے ہوتے ہیں،

ارتداد موت سے زیادہ المناک ہے

جرم ارتداد میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے ارتداد سے اسلام کا روحانی رشتہ منقطع ہوتے ہی خونی رشتہ بھی ختم ہو جاتا ہے، نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور حقوقِ وراثت زائل ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے اصلاح معاشرہ، امن وامان اور اسلامی نظام کی کامیابی کیلئے حدود نافذ کئے ہیں جو ظاہراً تو سخت معلوم ہوتے ہیں مگر معاشرے میں بے کس، غریب اور مظلوم کی عزت و آبرو اور حقوق کے تحفظ کے لئے بہت مؤثر ثابت ہو چکے ہیں۔ جس طرح چور کی سزا ہاتھ کاٹنا، ڈاکو کی سزا مختلف طرفین سے ہاتھ اور پاؤں کاٹنا، قاتل کی سزا قتل اور زانی کی سزا سنگسار ہے اسی طرح جرم ارتداد کی سزا موت ہے جو عبرتناک ہے۔

جب کوئی شخص کسی عورت کیساتھ بدکاری کا مرتکب ہو کر اس کی زندگی تباہ کرتا ہے تو اس کے عزیز واقارب اس حادثہ کو موت سے بھی زیادہ المناک تصور کرتے ہیں اسی لئے زانی کی سزا سنگسار ہے یعنی موت۔

اسی طرح کسی مسلمان کا دینِ اسلام ترک کر دینا اس کے عزیز واقارب کے لئے ہزاروں موتوں سے بھی زیادہ غمناک ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے غضب اور جہنم کے دردناک عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مبتلا ہو جائے گا۔ بلکہ مسلمان کا ارتداد تو برادری کے دائرے سے بڑھ کر تمام ملت کے غم اور توہین کا باعث بنتا ہے۔

اسلام میں جبر نہیں ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ اسلام میں کسی کو جبراً مسلمان نہیں بنایا جاتا اور ہر شخص کو مکمل آزادی ہے کہ وہ سوچ وفکر اور تحقیق کے بعد اسلام میں داخل ہو مگر دینِ اسلام اپنانے کے بعد اس فعل کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ جب چاہے اس سے نکل جائے اسطرح تو دینِ اسلام اور اسلامی نظام حکومت ایک مذاق بن جاتا ہے جس کی کوئی باوقار حکومت متحمل نہیں ہو سکتی۔

عیسائیت اور مرزائیت کا سدِ باب

عیسائیت بین الاقوامی مسئلہ ہے جس کا بہترین حل قانونِ ارتداد کا نفاذ ہے۔ غیر ملکی عیسائی مشنریاں اربوں روپیہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے صرف کر رہی ہیں ان کی ہزاروں تنظیمیں اور بے شمار کارکن ہیں۔ عیسائی مشنریوں نے ہزاروں سکول کالجز، ہسپتال زچہ خانے، یتیم خانے اور زراعتی فارم، خط و کتابت سکول، اسٹڈی سرکل اور رہائشی کالونیاں قائم کی ہیں۔

اسلام نے ان تمام منصوبوں کو بے اثر کرنے کے لئے قانونِ ارتداد کا حکم دیا تاکہ مسلمان لالچ دھوکہ اور فریب کے ذریعے جلد بازی میں عیسائی بننے سے محفوظ رہیں۔ اسی طرح اگرچہ قادیانیوں کو قانوناً غیر مسلم قرار دیا جا چکا ہے مگر اس قانون کو پوری طرح مؤثر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ قانونِ ارتداد نافذ کیا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وزارت مذہبی امور کے ماتحت یا صوبائی سطح پر نیم سرکاری شعبۂ تبلیغ ہو جو پاکستان کے غیر مسلموں کو تبلیغ اسلام، حسن اخلاق و کردار سے اسلام کی طرف مائل کرے تالیف قلب کا کام بھی حکومت کی سطح پر احسن طریقہ سے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ نومسلموں کی معاشی اور معاشرتی مشکلات کو دور کرنے کے لئے حکومت کو نمایاں کردار ادا کرنے کا منصوبہ بنانا چاہیئے تاکہ نومسلم فتنۂ ارتداد سے بچیں۔

قرآن حکیم میں ارتداد کے احکام

سورۂ مائدہ میں ارتداد کے متعلق ارشاد رب العزت ہے:

"اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم لے آئیں گے جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور اس قوم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی۔ وہ مسلمانوں پر مہربان ہونگے اور کافروں کیساتھ سخت ہوں گے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی پرواہ نہیں کریں گے۔" (۵۴)

صاف ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کی یہ آیت مرتد لوگوں کے متعلق ہے ان کے ساتھ زبردست سختی کرنے اور خوب جہاد کرنے کا حکم ہے تاکہ مرتدوں کو قتل اور نیست و نابود کر کے دوسری قوم ان کی جگہ لائی جائے۔

تفسیر ابن کثیر میں درج ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:

اس آیت میں جو لوگ خلافتِ صدیقی میں اسلام سے پھر گئے اُن کی طرف اشارہ ہے اور جس قوم کو ان کے بدلے میں لانے کا وعدہ ہو رہا ہے وہ اہل قادسیہ ہیں، یا قوم سبا ہے یا اہلِ یمن ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلمہ کذاب اور کئی مرتد قبیلوں سے قتال کیا۔

سورۂ توبہ میں ارشادِ ربانی ہے:

○ "پس اگر وہ لوگ کفر سے توبہ کرلیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم صاحبِ علم کے لئے اپنے احکام تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دینِ اسلام پر طعن کریں تو تم کفار کے سرداروں سے قتال کرو کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس طرح شاید وہ باز آجائیں۔" (۱۲)

قرآن حکیم کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے عہد کرنے یعنی اسلام لانے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیا یعنی اسلام سے پھر گئے اور اسلام پر طعن کرنے لگے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مرتد لوگوں اور ان کے سرداروں سے جنگ کا حکم دیا کیونکہ اسطرح ان کا اسلام سے رجوع کرنے کا امکان ہو سکتا ہے۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد رب العزت ہے:

○ "اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ھدایت کریں گے جو ایمان لانے کے بعد اور رسولؐ کے سچے ہونے کے اقرار کے بعد اور واضح دلیلیں پہنچنے کے بعد کافر ہوگئے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ھدایت نہیں کرتے ایسے لوگوں کی سزا تو یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے جو کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انکو ڈھیل دیجائے گی" (۸۷)

قرآن حکیم کی اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان لانے کے بعد اسلام سے پھر جانا اسقدر برا فعل ہے کہ ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوتی ہے جو کہ معمولی بات نہیں ہے کیونکہ اس کا نتیجہ یقیناً دنیوی تباہی و بربادی ہوتا ہے اور اُخروی عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔

مرتد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

○ اللہ کی حدود کو قائم کرو اس شخص پر خواہ وہ رشتہ میں نزدیک کا ہو یا دُور کا اور اللہ کے کاموں میں تمہیں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ ہو" (راوی عبادہ بن صامتؓ) ابن ماجہ۔

○ جو شخص اپنا دین (اسلام) بدل دے۔ اسکو قتل کر دو" ابن ماجہ (راوی ابن عباسؓ)

اس حدیث کے متعدد راوی ہیں اور یہ تمام مستند حدیث کی کتابوں میں تحریر ہے۔

○ کسی مسلمان کا خون کرنا حلال نہیں ہے جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں مگر تین جرائم میں سے ایک کی وجہ سے یہ کہ جان کے بدلے میں جان، یا شادی شدہ ہو کر زنا کرے، یا اپنے دین کو چھوڑ دے اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔ (راوی عبداللہ بن مسعودؓ) ابن ماجہ۔

○ جب کوئی غلام شرک کی طرف بھاگ گئے تو اس کا خون (یعنی قتل) حلال ہے۔ (راوی ابو داؤدؓ) مشکوٰۃ شریف۔

○ جنگ اُحد کے موقع پر ایک عورت مُرتد ہو گئی اسپر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ (راوی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) بیہقی۔

○ ابوامامہ بن سہیل بن حنیف سے روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (جب باغیوں نے انکو گھیر لیا) چھت پر برآمد ہوئے اور ان باغیوں کی باتیں سُنیں، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے کی دھمکی دیتے ہیں اور مجھے کیوں قتل کرتے ہیں حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے

کہ مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین باتوں میں سے ایک کے سبب : ایک وہ شادی شدہ شخص جو زنا کرے پس وہ سنگسار کیا جائے ، دوسرا جو ناحق کسی کو قتل کرے ، تیسرا وہ شخص جو اسلام لانے کے بعد مُرتد ہو جائے ۔

تو قسم خدا کی میں نے کبھی زنا نہیں کیا نہ جاہلیت کے زمانے میں اور نہ اسلام لانے کے بعد ، اور نہ میں نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہے اور نہ میں مرتد ہوا ہوں اسلام لانے کے بعد ۔"

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عثمانؓ کی اس حدیث پر صداقت کی وجہ سے مجمع میں سے کسی شخص نے اعتراض نہیں کیا بلکہ خاموش رہے ۔

○ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یمن کا حاکم مقرر کرکے بھیجا پھر اس کے بعد معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ کیا جب معاذ وہاں پہنچے تو انہوں نے اعلان کیا کہ میں تمہاری طرف اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا ہوں ۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے تکیہ رکھا تاکہ وہ اس سے ٹیک کر بیٹھیں پس اُسی وقت ایک شخص پیش ہوا جو پہلے یہودی تھا پھر مسلمان ہوا اور پھر مُرتد ہوگیا ۔ پس معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا میں ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک یہ شخص قتل نہ کر دیا جائے ۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ تین بار کہا پس وہ قتل کر دیا گیا تو معاذ بیٹھ گئے ۔"

(نسائی ، بخاری ، ابوداؤد وغیرہ)

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیش آیا ۔

خلافتِ راشدہ کے دور کے واقعات

خلفاءِ راشدین کے دور کے واقعات تو بہت ہیں جن سے مُرتد کی سزا قتل ثابت ہے ۔ اختصار کے لئے ہر ایک دور کا ایک آدھ واقعہ تحریر کیا جاتا ہے :

○ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت جس کا نام ام فرقہ تھا اسلام لانے کے بعد کافر ہوگئی ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسکو توبہ کرنے اور اسلام سے رجوع کرنے کے لئے کہا مگر اُس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اُسے قتل کر دیا ۔ (بیہقی)

○ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت انسؓ کو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا ۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ حاجبہ اور بکر بن وائل کے لوگ جو مُرتد ہو گئے تھے ان کا کیا حشر ہوا ۔ آپ نے بتایا کہ وہ سب قتل کر دیئے گئے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر زندہ گرفتار کئے جاتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی ۔ حضرت انسؓ نے کہا کہ اگر زندہ گرفتار کئے جاتے تو پھر بھی انہیں قتل ہی کرنا تھا ۔ امیر المؤمنین نے فرمایا کہ اگر وہ زندہ گرفتار ہو جاتے تو میں اُن سے کہتا کہ جس دروازے سے تم باہر آئے ہو وہ اب بھی کھُلا ہے امیر المؤمنین نے ان کے قتل کو ناحق قرار نہیں دیا آپ چاہتے تھے کہ ان کو اسلام کی طرف رجوع کرنے کی مہلت دیجاتی ۔

○ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن مسعودؓ نے آپکو تحریر کیا کہ عراق میں ایک جماعت مرتد ہوگئی ہے

انکی بابت کیا حکم ہے۔ خلیفۂ وقت نے تحریر کیا کہ انہیں اسلام پیش کیا جائے اگر وہ مان جائیں تو انہیں چھوڑ دیا جائے اگر انکار کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ایک شخص پیش کیا گیا جو پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہوگیا اور پھر عیسائی ہوگیا آپ نے اس سے وجہ دریافت کی؟ اس نے کہا میں نے عیسائیوں کے دین کو آپ کے دین سے بہتر پایا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمہارا کیا ارادہ ہے اس نے کہا وہ میرے رب ہیں اس پر حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ (طحاوی)

فقہا کی متفقہ رائے

چاروں امام عظام نے مُرتد کو واجب القتل قرار دیا ہے۔ اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ قتل سے پہلے سوچ و فکر اور توبہ کا موقع دینا چاہیئے یا نہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ توبہ کی فہمائش ضروری نہیں ہے تاہم اگر وہ خود درخواست کرے تو اُسے تین دن تک مہلت دی جا سکتی ہے اگر اس کے بعد توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

امام مالکؒ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ مُرتد کو توبہ کرنے کے لئے کہا جائے اور سوچ و فکر کے لئے اسکو تین دن کی مہلت دی جا سکتی ہے یہ بہت معمولی سا اختلاف ہے اس لئے ارتداد کی سزا قتل پر مکمل اتفاق ہے۔

قانون ارتداد کا نفاذ آسان ہے

اسلام میں قانون ارتداد سے غیر مسلم اثر انداز اور سزاوار نہیں ہوتا ہے بلکہ مسلمان ہی کو اسلام ترک کرنے پر سزا دی جاتی ہے اس لئے دوسرے مذاہب اور غیر اسلامی ممالک کو تو اس پر اعتراض کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلامی مملکت میں ارتداد کے متعلق قانون سازی میں نہ ہی کوئی مشکلات ہیں اور نہ اس قانون پر عملدرآمد پر کوئی مزاحمت ہو سکتی ہے بلکہ اس قانون سے غیر مسلم کو فائدہ ہے کہ کوئی کافر مسلمان ہونے سے پہلے پوری سوچ و فکر کرے گا اور یونہی کسی لالچ اور خوف سے اسلام کا دامن نہیں پکڑے گا۔ کیونکہ اسکو معلوم ہوگا کہ اسلام کو ترک کرنے پر قتل کا سزاوار ہوگا۔

حکومت اسلامی نظام کو سست رفتاری سے بتدریج نافذ کر رہی ہے حالانکہ اسکی اہمیت کے پیش نظر اسکو انقلابی بنیادوں پر تیز رفتاری سے نافذ کرنا چاہیئے۔ کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ جن قوانین کی بڑی اہمیت ہے انکو ترجیحی بنیادوں پر جلد نافذ کر دیا جائے۔ قانون ارتداد بغیر کسی تامل کے جلد نافذ کیا جائے۔ (ادارہ خدام اسلام پاکستان)

دجل

مرزائیوں کے روزنامہ "الفضل" ربوہ اور ہفت روزہ لاہور کی حیرت انگیز خیانت

حضرت تھانویؒ کی کتاب "احکام اسلام عقل کی نظر میں"

از: ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب (مانچسٹر)

روزنامہ "الفضل" ربوہ کی ۵ رمئی اور ۷ رمئی کی اشاعت میں اور ہفت روزہ لاہور کی ۲۱ رمئی ۸۳ء کی اشاعت میں دوست محمد صاحب شاہد کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی اس کتاب میں مرزا غلام احمد کی کتابوں سے بھرپور خوشہ چینی کی ہے اور کشتی نوح، نسیم دعوت، اسلامی اصولوں کی فلاسفی، آریا مذہب برکات الدعاء وغیرہ کتابوں سے مختلف مضامین لئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

"کہیں بھول کر بھی ان کے متعلق ساری کتاب میں ذکر نہیں فرمایا کہ یہ کسی مصنف کی تصنیف سے لئے ہیں"۔

ہم نے اس مضمون کو بار بار پڑھا اور یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ قادیانی مضمون نگار نے اپنے اس دعویٰ پر کہ حضرت تھانویؒ نے یہ مضامین مرزا غلام احمد کی کتابوں سے ہی لئے ہیں کہیں کوئی دلیل بھی پیش کی ہے مگر افسوس کہ ہمیں پورے تجسس اور جستجو کے باوجود شاہد صاحب کے اس مضمون میں کوئی حوالہ نہیں ملا جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ مضامین حضرت تھانویؒ نے خود مرزا صاحب کی کتابوں سے ہی لئے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جب ان کتابوں کے اقتباسات حضرت مولانا تھانویؒ کی کتاب میں موجود ہیں تو انہوں نے انہیں لازماً مرزا صاحب کی کتابوں سے ہی لیا ہوگا ایک گمان ہی گمان ہے جس پر دوست محمد صاحب اپنی طویل بحث میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے کسی اور مصنف سے یہ اقتباسات لئے ہوں اور مرزا صاحب نے بھی اس مصنف سے اپنی کتابوں میں خوشہ چینی کی ہو۔ اس بات کا فیصلہ کہ وہ مصنف پہلے ہوا ہے یا مرزا غلام احمد تاریخ کرے گی۔ ہم اس وقت اس بحث میں نہیں پڑتے یہ بھی ممکن ہے کہ اس مصنف نے مرزا صاحب کی کتابوں سے یہ مضامین حوالہ دیئے بغیر لئے ہوں اور احکام اسلام کے موافق عقل ہونے پر اپنے خیالات سے اور مرزا صاحب کے اقتباسات سے ایک نئی کتاب مرتب کر دی ہو اور پھر حضرت تھانویؒ نے اس کتاب سے یہ مضامین اپنی اس تالیف میں لے لئے ہوں؟ اور چونکہ انہیں محض مصالح عقلیہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس لئے اسمیں یہ بھی قید نہ رہی ہو کہ وہ باتیں کسی مسلمان کی ہی ہوں۔ عقلی مباحث میں کسی غیر مسلم کی بات بھی لائق پذیرائی ہو سکتی ہے۔ یہ کوئی شریعت کی نقل نہیں کہ وسائط اسلامی ہی ہوں یہ عقلی مصلحت کا بیان ہے جس میں کافر کی بات لینے میں کوئی حرج نہیں تاہم یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ حضرت تھانویؒ اس بات میں فریق نہیں ہیں اس مصنف نے مرزا صاحب کی کتابوں سے مضامین لئے ہیں یا مرزا صاحب نے اس کی کتاب سے اپنی کتابوں میں سرقہ کیا ہے۔ اس بحث کو ہم کسی دوسرے وقت پر چھوڑتے ہیں۔

لیکن یہ بات کہ حضرت تھانویؒ نے یہ مضامین مرزا صاحب کی کتابوں سے لئے ہیں کسی طرح لائق پذیرائی نہیں۔

اس احتمال کے ہوتے ہوئے دوست محمد شاہد کا دعویٰ کہ مولانا تھانویؒ نے یہ مضامین مرزا صاحب کی کتابوں سے ہی لئے بھول گئے۔ یہ ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہے جو بالکل بے وزن ہے۔ انہیں اپنے اس دعویٰ پر دلیل پیش کرنی چاہئے تھی اور اس احتمال کو جو ہم نے ذکر کیا اس کا جائز حق دینا چاہئے تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے اسمیں شرعی اور اخلاقی طور پر کوئی مانع نہ تھا جب اس احتمال کی گنجائش ہے تو دوست محمد صاحب کا مذکورہ مضمون کیا از خود بیا در ہوا نہیں ہو جاتا؟ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

ہم چیلنج کرتے ہیں کہ موصوف اس پر کوئی دلیل پیش کریں کہ حضرت تھانویؒ نے یہ اقتباسات خود مرزا صاحب کی ہی کتابوں سے اخذ کئے ہیں اور یہ کہ انہیں علم تھا کہ یہ مضامین مرزا غلام احمد کے ہیں محض اندازے سے بات کرنا اہل علم کے طریق کے خلاف ہے۔

دوست محمد شاہد کا یہ مضمون ہم نے ہفت روزہ لاہور میں پڑھا اور دیکھتے ہی یہ احتمال دل میں کھٹکا پھر ہم نے حضرت تھانویؒ کی کتاب "احکام اسلام عقل کی نظر میں" لیکر اسے دیکھا تو جو احتمال دل میں کھٹکا تھا اُسے اس کے مقدمہ میں موجود پایا اور ہماری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ اسے ذکر کئے بغیر دوست محمد نے کس دیدہ دلیری اور منہ زوری سے یہ دعویٰ کیا کہ مولانا تھانویؒ نے ساری کتاب میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ "یہ کسی مصنف کی کسی تصنیف سے لئے گئے ہیں"۔

مولانا تھانویؒ کی اصل کتاب دیکھئے مولانا اس مقدمے میں کسی اور مصنف سے لینے کی تصریح کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

(۱) "چنانچہ اسوقت بھی ایک ایسی ہی کتاب جس کو کسی صاحب قلم نے لکھا ہے مگر علم و عمل کی کمی کے سبب تمام تر رطب و یابس وغث وسمین سے پُر ہے۔ ایک دوست کی بھیجی ہوئی میرے پاس دیکھنے کی غرض سے آئی ہوئی رکھی ہے۔ اسکو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی کتابوں کا دیکھنا تو عامہ کو مُضر ہے مگر عام مذاق کے بدل جانے کے سبب بدوں اس کے کہ اس کا دوسرا بدل لوگوں کو بتلایا جاوے اس کے مطالعہ سے روکنا خارج عن القدرت ہے اس لئے اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا جو ان مفاسد سے مُبرا ہو ایسے لوگوں کے لئے مہیا کیا جائے تاکہ اگر کسی کو ایسا شوق ہو تو وہ اسکو دیکھ لیا کریں" ص۱۱

(۲) "احقر نے نہایت بے تعصبی سے اسمیں بہت سے مضامین کتاب مذکورہ بالا سے بھی جو کہ موصوف بصحت تھے لئے ہیں اور اسمیں احکام مشہورہ کی کچھ وہی مصلحتیں مذکور ہوں گی جو اصول شرعیہ سے بعید نہ ہوں اور افہام عامہ کے قریب ہوں مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں نہ سب مدار احکام ہیں اور نہ ان میں انحصار ہے محض ایک نمونہ ہے۔ اس بحث میں ہمارے زمانہ سے کسی قدر پہلے زمانہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ لکھ چکے ہیں"۔ ص۱۱

پھر حضرت تھانویؒ نے حاشیہ میں یہ بھی لکھا ہے:

"اور بہت زیادہ حصہ ان مضامین کا حجۃ اللہ البالغہ سے ماخوذ تھا جیسا کہ بعد اخذ کے حجۃ اللہ البالغہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا اور بعض جگہ ہمارے اکابر سے ولله الحمد علی ان اخذنا لم یکن من غیر الماخذ ص۱۵

ترجمہ: خدا کا شکر ہے کہ ہم نے جو لیا تو اپنے ہی ماخذ سے لیا ہے"۔

اسمیں حضرت تھانویؒ نے اسپر متنبہ کر دیا ہے کہ اس کتاب کے مؤلف نے مصالح عقلیہ کے بہت سے مضامین ہمارے

بزرگوں کی کتابوں سے ہی لئے ہیں۔ اگر اس مؤلف نے یہ نہیں بتایا کہ اس نے کیا کیا اور کونسی باتیں ہماری کتابوں سے لی ہیں اور انہیں اپنی طرف سے بیان کردیا ہے تو حضرت تھانویؒ پر اس کا حوالہ نہ دینے اور ماخذ ذکر نہ کرنے کا کوئی الزام نہیں لگایا جاسکتا۔

لیکن ہم یہ ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس مؤلف نے اس کتاب میں اور مرزا صاحب نے اپنی مذکورہ کتابوں میں جو مصالح عقلیہ ذکر کئے ہیں وہ کسی نہ کسی شکل میں ہمارے اسلاف کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان لوگوں نے ان کے ماخذ کی نشاندہی کئے بغیر انہیں اپنی کتابوں میں لے لیا تو اب آئندہ نقل کرنیوالا اگر ان باتوں کو اس تصریح کیساتھ کہ اس نے یہ مضامین کس اور کتاب سے لئے ہیں مؤلف کا نام ذکر کئے بغیر ذکر کردے تو اس میں کونسا جرم ہے؟ خصوصاً جبکہ یہ بھی صراحت کردے کہ اس مؤلف کے ماخذ بھی ہمارے ہی بزرگ کے تھے۔

حضرت تھانویؒ چاہتے تو اس مؤلف پر سرقہ کا الزام بھی لگا سکتے تھے لیکن اونچے درجہ کے بزرگ ان باتوں میں پڑنا مناسب نہیں سمجھتے اگر وہ ایسا کرتے تو پھر بہت ممکن ہے کہ یہ بات بھی نکلتی کہ مرزا غلام احمد نے احکام اسلام کے مصالح عقلیہ اصولاً جن کتابوں سے لئے ہیں اس نے ان کتابوں کا حوالہ کیوں نہیں دیا آخر کیوں؟ کیا یہ سب باتیں مرزا غلام احمد کی اپنی طبع زاد ہیں یا اس نے بھی ہمارے اکابر سے ہی لی ہیں؟

مرزا غلام احمد نے شاید اس لئے اپنے ماخذ کا حوالہ نہ دیا ہو کہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ دیکھو یہ مدعی نبوت کس طرح حضور خاتم النبیین کے امتیوں سے خوشہ چینی کر رہا ہے۔ پھر دوست محمد صاحب کو یہ کہنے کی کبھی ہمت نہ ہوتی کہ حضرت تھانویؒ نے مرزا صاحب سے کسبِ فیض کیا ہے۔ دوست محمد صاحب کے ان الفاظ کو دیکھئے اور ان کی جسارت پر غور کیجئے:

"حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی تصانیف سے کسب فیض"۔ ہفت روزہ لاہور ص۱۴

دوست محمد صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ مرزا صاحب کے دوسرے اکابر علماءِ اسلام کی تصانیف سے لئے گئے مضامین مرزا صاحب کی کتابوں سے اگر اس مؤلف نے اپنی کتاب میں بلا حوالہ لے لئے ہوں اور پھر حضرت مولانا تھانویؒ نے انہیں اس کتاب کا اجمالی حوالہ دے کر اپنی تالیف میں نقل کردیا تو اس میں شرعاً اور اخلاقاً کوئی عیب نہیں ہے۔

"کلمة الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدها فهو احق بها"

حکمت کی بات مومن کی اپنی ہی میراث تھی اگر اسے دوسروں نے بھی لے لیا اور مومن پھر اس سے لے لے تو وہ اس کا ان سے زیادہ حقدار ہے اس لئے اسے اس بات کو کبھی غیر کی طرف نسبت نہ کرنا چاہئے یہ تو اس کے اپنے گھر کی چیز تھی۔

حضرت مولانا تھانویؒ اپنی اس کتاب میں اس مؤلف کے نام کا حوالہ دے دیتے جس کی کتاب سے انہوں نے یہ اقتباسات لئے ہیں تو یہ بات بجائے خود غلط ہوتی کہ جو مضامین اوپر کے بزرگوں کی کتابوں میں پائے جاتے تھے حضرت تھانویؒ نے انہیں اس قسم کے ایک غیر ذمہ دار مؤلف کے حوالے سے کیوں پیش کیا ہے؟ حضرت نے جس ابہام اور اجمالی حوالے سے یہ مضامین اس کتاب سے نقل کئے ہیں عقل و دانش اور عدل و انصاف کا یہی تقاضا تھا۔ حدیث شریف میں ہے:

انزلوا الناس منازلهم ــ لوگوں کو اُسی درجہ میں رکھو جس درجہ کے وہ اہل ہیں"

مؤلف مذکور اسی درجے کا مستحق تھا جس درجے میں حضرت تھانویؒ نے اس کا حوالہ دیا ہے اگر وہ اس قابل ہوتا کہ اس کا نام ذکر کیا جائے تو حضرت تھانویؒ اسے ضرور ذکر کرتے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ دوست محمد شاھد نے حضرت تھانویؒ کے اس اجمالی حوالے کا ذکر کئے بغیر ان پر جو الزام عائد کیا ہے یہ ایک بہت بڑی خیانت کی ہے۔ اگر وہ یہ ذکر کرکے کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے اس کتاب میں کسی دوسرے سے بھی اخذ کیا ہے اور حضرت تھانویؒ نے اسے اجمالاً ذکر بھی کر دیا ہے پھر اپنا تجزیہ کرتا تو ہم یہی کہتے کہ سوچ غلط ہے اس پر خیانت کا الزام نہ لگاتے لیکن اب ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ دوست محمد نے مولانا تھانویؒ کی کتاب کے مقدمہ میں ذکر کی گئی بات کو نقل کئے بغیر جو الزام تراشی کی ہے اس سے اس نے صریح خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور یہی قادیانی علمِ کلام ہے جس کے گرد ان کے عقائد و افکار کی چکی گھومتی ہے۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: علامہ خالد محمود کا دورہ

○ جامعہ مسجد نصرت کالونی ○ استقبالیہ جمعیت طلباءِ اسلام فیڈرل بی ایریا

○ مسجد غریب نواز یو۔پی سوسائٹی نارتھ کراچی ○ مسجد قوت الاسلام مدرسہ تعلیم القرآن نیو کراچی

۹ رجون ۱۹۸۳ء بروز خمیس پنجاب تشریف لے گئے جمعہ باغ جھنگ پڑھانے کے بعد آپ مدرسہ عالیہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ تشریف لے گئے وہاں حضرت مولانا سرفراز صاحب شیخ الحدیث نصرت العلوم دورۂ تفسیر پڑھا رہے تھے علامہ صاحب نے ان علماء اور طلباء کو بھی ایک ہفتہ میں شیعہ مذہب سے متعلق تمام مباحث مہمہ پڑھائے

علامہ صاحب نے رشیدیہ کنونشن ساہیوال اور ضابطۂ اخلاق کی ترتیب و تجدید میں حصہ لیتے ہوئے جامعہ رشیدیہ ساہیوال نزول اجلال فرمایا۔ نیز رمضان المبارک کا جمعہ اُدھر جامعہ رشیدیہ پڑھایا اور نہایت اہم خطبہ ارشاد فرمایا۔

علامہ صاحب کی اس عظیم دینی خدمت کے لئے پاکستان تشریف آوری تاریخ پاکستان میں اہل حق کی مساعی کا ایک نہایت روشن باب ہے۔

۱۹۷۳ء کا دستور

نعیم آسی

قادیانی مسئلہ

قادیانی مسئلہ اور اس کے خلاف برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی نوے سالہ جدوجہد کسی تفصیل کی محتاج نہیں۔ ۱۹۷۴ء میں یہ نوے سالہ مسئلہ اپنے منطقی انجام کو پہنچا اور ۱۹۷۳ء کے آئین میں تمام ارکانِ اسمبلی کے اتفاقِ رائے سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا گیا۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں ۱۹۷۳ء کے آئین میں اس مسئلہ کو تین پہلوؤں سے طے کیا گیا۔

اولاً : اصولی طور پر یہ طے کیا گیا کہ جو شخص خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی معنی و مطلب یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویدار ہو یا اس قسم کا دعویٰ کرنے والے کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے ضمن میں مسلمان نہیں ہے۔

(دفعہ : ۲۶۰ ، (۳))

ثانیاً : اس آئینی ضابطے کے "اطلاق" کی وضاحت کرتے ہوئے قرار دیا گیا کہ اب قادیانی پاکستان میں دیگر غیر مسلم اقلیات کی طرح ایک اقلیت ہیں خواہ وہ لاہوری گروپ کے ہوں یا قادیانی گروپ کے۔ اس آئینی دفعہ کا متن اسطرح ہے :

"بلوچستان، پنجاب، سرحد اور سندھ کے صوبوں کی صوبائی اسمبلیوں میں ایسے افراد کے لئے مخصوص فاضل نشستیں ہونگی جو عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ اور پارسی فرقوں اور قادیانی گروہ یا لاہوری افراد (جو اپنے آپ کو "احمدی" کہتے ہیں) یا شیڈول کاسٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ (دفعہ ۱۰۶)

اسکے ساتھ یہ طے کیا گیا کہ تعزیراتِ پاکستان میں ترمیم کر کے ان دفعات کی خلاف ورزی کرنے کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا جائے اور متعلقہ قوانین مسائی نیشنل رجسٹریشن ایکٹ ۱۹۷۳ء اور انتخابی فہرستوں کے قواعد ۱۹۷۴ء میں بھی ترامیم کی جائیں۔

مذکورہ دونوں دفعات نمبر ۲۶۰ (۳) اور دفعہ نمبر ۱۰۶ کے تحت ۱۹۷۴ء میں درج ہوئیں۔

آئین میں ان ترامیم کے بعد اصولاً اس عنوان سے قانون سازی لازم تھی۔ مگر نہ تو یہ کام بھٹو صاحب کے عہد میں ہوا۔ نہ اس کے بعد ہوا۔ ایسا کیوں ہے ؟ اس کا جواب دینا سابقہ و موجودہ ہیئتِ مقتدرہ کا کام ہے۔

آئین کے مطابق قانون سازی نہ ہونے کے باوجود آئین کی متعلقہ دفعات نے قادیانی مفاسد کی بڑی حد تک روک تھام کر دی۔ اب دنیا پر یہ بات آشکار تھی کہ قادیانی آئینی اعتبار سے غیر مسلم ہیں۔ یہ صورتحال قادیانیوں کے لئے کسی طور قابلِ قبول نہ تھی قادیانیوں کی نفسیاتی کیفیت کا پتہ اس رٹ سے چلتا ہے جو نفیس احمد بنام پنجاب یونیورسٹی" کے عنوان سے لاہور ہائی کورٹ میں داخل کی گئی۔ اس رٹ کا پس منظر یہ تھا کہ چند قادیانی طلبہ نے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ کے لئے درخواست دی اور مذہب کے کالم میں اپنا مذہب اسلام اور بریکٹ میں "احمدی" لکھا جس پر یونیورسٹی نے انہیں مذہب کا اندراج درست کرنے کو کہا۔

قادیانی درخواست دہندوں نے یہ تصحیح کرنے سے انکار کر دیا۔ بناء بریں یونیورسٹی نے ان کے نام داخلہ مسترد کر دیا جس پر قادیانی یہ مقدمہ لاہور ہائی کورٹ میں لے گئے۔ اپنی رٹ میں انہوں نے لکھا کہ نفیس احمد وغیرہ نے بعض داخل کردہ طلباء سے زیادہ نمبر حاصل کئے ہیں اور چونکہ یہ قابلیت کا کھلا مقابلہ تھا لہٰذا یونیورسٹی کو اس بات کا اختیار نہ تھا کہ انکی درخواست داخلہ صرف اس بناء پر مسترد کر دی جائے کہ انہوں نے کالم نمبر ۶ جو مذہب کے لئے مختص ہے اس میں اسلام کیساتھ "احمدی" لکھا ہے۔

لاہور ہائی کورٹ کے جج جناب جسٹس گل محمد خاں نے اس رٹ کی سماعت کی اور ان ریمارکس کیساتھ درخواست فوراً خارج کر دی کہ :

"عبوری آئینی حکم مجریہ ۱۹۸۱ء میں صاف طور پر لکھا ہے کہ "احمدی" غیر مسلم ہیں۔ سائلان نے مذہب کے کالم میں اسلام لکھ کر آئینی دفعات کی صریح خلاف ورزی کی ہے۔ انہیں اپنے جواب کی تصحیح کا ایک موقع دیا گیا مگر ان کے انکار نے ان کے خلاف مزید جواز پیدا کیا۔ اگر یونیورسٹی ان حالات میں خاموش رہتی تو آئین کی خلاف ورزی میں حصہ دار بنتی۔ سائلان کے اپنے کردار نے یونیورسٹی کو یہ اختیار دیا کہ ایسی درخواست مسترد کر دی جائے جو بادی النظر میں آئین کی خلاف ورزی کر رہی تھی اور آئینی دفعات کا مضحکہ اڑانے کے مترادف تھی۔ سائیلان کے اس کارروائی سے ڈسپلن کی خلاف ورزی بھی ہوئی اسطرح سائیلان کے اپنے کردار کی بناء پر میں یونیورسٹی کے حکم میں تبدیلی کو قرین انصاف نہیں گردانتا۔ بہرحال سائیلان سے مذہب کے بارے میں استفسار کیا گیا اور آئین کے مطابق جواب دینا ان پر لازم تھا انہیں امید نہیں کرنی چاہیئے کہ حکام ان کے غیر آئینی جوابات میں ان کے ہاتھ بٹائیں گے۔ مزید برآں انہیں داخلے سے انکار اس لئے نہیں کیا گیا کہ وہ کسی مخصوص فرقہ یا مذہب سے متعلق ہیں دراصل ان کے فارم درخواست اس بناء پر مسترد کئے کہ انہوں نے ایک غیر آئینی مؤقف اختیار کیا۔ علاوہ بریں عدالت ہذا اسے معاف نہیں کر سکتی کہ سائیلان نے یونیورسٹی اور عدالت کو ایک ایسے نازک مسئلے میں ملوث کرنے کی سعی کی۔ ان پر لازم ہے کہ جب تک یہ شق موجود ہے وہ آئین کے مطابق عمل کریں۔ مندرجہ بالا امور کی روشنی میں مجھے اس رٹ درخواست میں کوئی خوبی معلوم نہیں ہوئی لہٰذا اسے فوری طور پر خارج کیا جاتا ہے۔"

یہ رٹ قادیانیوں کی اندرونی کیفیات کی نہایت بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ قادیانیوں کے دل پر یہ بات نقش ہو چکی ہے کہ جب تک ۲۶۰ کا آئین موجود ہے ان کے لئے کوئی راہِ فرار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانی ایک مدت تک درپردہ طور پر اس دفعہ کو منسوخ کرانے کی سازش میں لگے رہے۔ اس ضمن میں پہلا وار اسوقت ہوا جب ۱۹۷۹ء میں ووٹرز فارموں کے حلف نامے میں گڑبڑ کر کے انہیں قادیانیوں کے حسبِ منشا بنایا گیا جس پر ملک بھر میں احتجاج ہوا اور بالآخر الیکشن کمیشن کو پچھلے فارم ضائع کر کے نئے فارم چھاپنا پڑے۔ خطرے کی دوسری گھنٹی اسوقت بجی جب اگست ۱۹۸۰ء میں قادیانیوں

کے سربراہ مرزا ناصر نے لندن میں ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کیا کہ "اللہ نے یہ ترمیم منسوخ کر دی"۔ اور جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ آیا ان کی جماعت اس آئینی ترمیم کی منسوخی کے لئے کوشش کر رہی ہے تو انہوں نے کہا "میرے نزدیک آئینی ترمیم عبوری مرحلہ ہے میں جانتا ہوں کہ یہ منسوخ ہو جائے گی اور لوگ اسے بھول جائیں گے۔

مرزا ناصر کی یہ پریس کانفرنس روزنامہ جنگ لندن میں ۱۵ اگست ۸۰ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔ جن لوگوں نے قادیانیت کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قادیانی خلفاء اس قسم کی پیشگوئی صرف اسوقت کرتے ہیں جب وہ اندرونِ خانہ کوئی بخت پزکر چکے ہوتے ہیں۔ قادیانی تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ جب ان کے جید مبلغ (مولانا) عبدالکریم نے (جو بعد میں مولانا عبدالکریم مباہلہ کے نام سے مشہور ہوئے) قادیانیت سے تائب ہوکر اسلام قبول کر لیا تو مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند اور دوسرے خلیفہ نے اسکو اسکی موت کی پیشگوئی کی جس کے بعد جلد ہی مولانا عبدالکریم مباہلہ پر قاتلانہ حملہ ہوا مگر وہ بچ گئے البتہ ان کا ایک معاون محمد حسین ایک قاتلانہ حملہ میں جاں بحق ہو گیا عدالت میں مقدمہ چلا اور قاتل کو سزائے موت ہوئی۔ مرزا ناصر کے اس بیان سے مسلمانوں کے کان کھڑے ہوئے اور بالآخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔

مارچ ۸۱ء میں یعنی مرزا ناصر کی پریس کانفرنس کے سات ماہ بعد عبوری آئین نافذ ہوا جس کے مندرجات نے مرزا ناصر کے بیان کی تصدیق کر دی اس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی فیصلہ کن دفعہ (دفعہ ۱۰۶) خارج کر دی گئی تھی جس پر راقم نے نوائے وقت اور چٹان میں دفعہ ۱۰۶ کی تنسیخ اور اس کے مضمرات کے زیرِ عنوان ایک آرٹیکل لکھا جسے سنسر حکام نے روک دیا۔ البتہ مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا سمیع الحق اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کے توسط سے یہ آواز صدرِ مملکت تک پہنچ گئی اور انہوں نے فوری طور پر ایک آرڈیننس کے ذریعے اس دفعہ کو عبوری آئین میں سمو لیا۔ قادیانیوں نے درپردہ طور پر پھر نقب لگائی اور چند ماہ بعد یہ مسئلہ پھر اُٹھ کھڑا ہوا جس پر حکومت نے واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ ۷۳ء کا آئین اپنی جگہ پر موجود ہے اور مارشل لاء ختم ہونے پر اسکی تمام متعلقہ دفعات جوں کی توں رہیں گی اس اعلان نے قادیانیوں کے سب کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ قادیانی جماعت درپردہ سازشوں میں ناکامی کے بعد اب ہارڈ لائن لے رہی ہے جب سے مرزا طاہر مرزا ناصر کے جانشین ہوئے ہیں قادیانی روزنامے "الفضل" کا لہجہ جارحانہ ہو گیا ہے قادیانیوں کے انداز اور رویے میں نمایاں تبدیلی پائی جاتی ہے مرزا طاہر کا لاہور ائیر پورٹ پر جلوس نکالنا اور احمدیت زندہ باد کے نعرے لگانا ربوہ تعلیم الاسلام میں توہینِ رسالت پر مبنی نظم پڑھنا منع کرنے پر ایک مسلمان اُستاد کو زدوکوب کرنا، فائیو سٹار ہوٹل میں قادیانی جماعت کے سربراہ کا جلسہ کر کے ۷۳ء کے آئین کو چیلنج کرنا شیخوپورہ میں مولانا عبدالہادی پر حملہ کرنا حیدر آباد میں قادیانی سربراہ کا سرکاری گاڑیوں پر جلوس نکالنا اور اب مجاہد ختم نبوت محمد اسلم قریشی کا پراسرار طور پر لاپتہ ہونا سب وہ مظاہر ہیں جو قادیانیوں کی بدلی ہوئی حکمت عملی کا پتہ دیتے ہیں۔

(چٹان)

الاستاذ علی القاضی
ترجمہ: ابوسفیان اصلاحی
لکھنؤ یونیورسٹی لکھنو

اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام

خداوند قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا، وہ زمین کے وارث قرار پائے۔ انہیں بہت سے حقوق عطا کئے گئے جن سے سبکدوش ہونا ضروری قرار پایا۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

واذ قال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خليفة۔ (سورۃ البقرہ - ۳۰)

ترجمہ: اور جس وقت تمہارے رب نے ارشاد فرمایا فرشتوں سے کہ ضرور میں زمین میں ایک نائب بناؤں گا۔

آدم علیہ السلام کی ذات سے حوا پیدا ہوئیں تا کہ یہ زندگی میں ممد و معاون اور مودت و رحمت ثابت ہوں۔ انہیں اطمینان قلب اور سکون نصیب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کے بغیر معاشرۂ انسانی ناقص ہے دونوں معاشرہ کی خاطر لازم و ملزوم مگر دونوں کے وظائف اور میدان جُدا جُدا ہیں۔

مرد اور عورت کے مابین گہرے مراسم کی بنیاد مودت و رحمت ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

ان خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة (روم - ۲۱)

ترجمہ: کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی۔

یہ دونوں لفظ اپنے اندر محبت و انسیت کے تمام الفاظ و معانی کو سمیٹ لیتے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ اپنے اندر پیار و محبت کا وہ خاصہ رکھتے ہیں کہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لئے بھی "الودود الرحیم" کا لفظ وضع کیا ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان دونوں لفظوں میں استقرار و استمرار بھی پایا جاتا ہے اور یہ چیز نہ صرف زن و شوہر کے حق میں بلکہ پورے خاندان اور پوری اسلامی سوسائٹی کے حق میں باعث منفعت ہے۔ اس علاقہ و محبت کا انحصار عقل و عاطفت سے ہوا تو اس پر تمام امور کا یکسر درست انجام پانا لازمی ہے اور یہی وجہ ہے کہ زن و شوہر کے درمیان اختلافات کی تمام خلیجیں پٹ جاتی ہیں اور اسی کو ازدواجی زندگی متقاضی بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو دام ابلیس سے بچنے کی تاکید کی۔ ارشاد ربانی ہے: فلا يخرجنكما من الجنة

فتشقیٰ (طٰہٰ ۱۱۷) ترجمہ: سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔
اس آیتہ کریمہ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ جدوجہد اور محنت و مشقت کا برداشت کرنا مردوں کا کام ہے۔ اگر عورتوں پر یہ بار ڈالا گیا ہوتا تو فتشقیٰ کی جگہ فتشقیا ہوتا۔ اس سے دونوں کے خطوط و وظائف متعین ہو گئے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: واللیل اذا یغشیٰ والنھار اذا تجلّٰی وما خلق الذکر والانثیٰ ان سعیکم لشتّٰی۔ (سورہ اللیل ۴) ترجمہ: قسم رات کی جبکہ وہ آفتاب کو اور دن کو چھپا لے اور قسم ہے دن کی جبکہ وہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اس کی جس نے تمہاری

اب تو یہ ایک دم عیاں ہو گیا کہ مرد و عورت دونوں کی جُدا جُدا راہیں اور اعمال ہیں۔ عورت مرد کے سکون کا ایک اہم پیش خیمہ ہے، اس لئے ہے کہ بارِ غم ہلکا ہو جائے اسکی تکان دُور ہو اور مرد کے احکامات کی اطاعت و پیروی کرے، مرد شام کو گھر جاتا ہے تو ایک پُرسکون ماحول اور پُر بہار فضا میں بس جاتا ہے یہ عورت کی دین ہے جب یہ عورت گھر میں موجود ہوتی ہے تو دن بھر کی تمام ٹھوکریں اور آلام و مصائب کو فراموش کر دیتا ہے۔ مرد باہر بھی نکلتا ہے تو اس آس پر کہ جلد ہی دن ختم ہو کر پھر آرام و آسائش اور عیش و عشرت میں جا بسے گا۔
حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک نیک اور انتہائی پاک طینت بیوی تھیں وہ سراپا مودت و رحمت تھیں اور تا حیات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر خیر و برکت اور سامانِ عیش بنی رہیں چنانچہ آپ کی وفات پر آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہایت قلق اور افسوس ہوا۔
عورتوں کی دوسری اہم مہم بچے جننا یہی واحد ذریعہ ہے جس سے نوعِ انسانی کو بقا حاصل ہے۔ بچوں کی پال پرداخت اور ابتدائی تمام تر ذمہ داریاں ماں کے اوپر ہوتی ہیں۔ ماں ہی ایک ہے جس کے اندر ماں بننے کی صلاحیتیں اور دیکھ ریکھ کا بہت زیادہ احساس رہتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے:
واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجاً وجعل لکم من ازواجکم بنین وحفدۃ (النحل ۲)
اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔"

مشترکہ مقامات مرد و عورت جب ایک جنس سے ہیں تو ظاہر ہے بہت سے ایسے مقامات آئیں گے جہاں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ جب دونوں کی پرداخت ایک جنس سے قرار پائی تو طبعی یکسانیت لازم ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا۔ (النساء) اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔"
دونوں کرامت و شرافت اور زہد و تقویٰ کے میدان میں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد کرمنا بنی آدم (اسراء) یقیناً ہم نے بنی نوعِ انسان کو عزت دی۔"

دونوں ثواب و عتاب میں ایک درجہ کے ہیں۔ کیونکہ اس کا انحصار ایمان پر ہے اور حساب وکتاب میں دونوں ایک دوسرے جیسے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات والصابرین والصابرات والخاشعین والخاشعات والمتصدقین والمتصدقات والصائمین والصائمات والحافظین فروجھم والحافظات والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ واجراً عظیماً۔ (احزاب ۳۵) بیشک اسلام کا کام کرنے والے مرد اور اسلام کا کام کرنیوالی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنیوالے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنیوالے مرد اور خشوع کرنیوالی عورتیں اور خیرات کرنیوالے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں اور بکثرت اللہ کو یاد کرنیوالے مرد اور یاد کرنیوالی عورتیں، ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینّہٗ حیاۃً طیبۃ ولنجزینّھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔ (النحل ۹۷)

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دیں گے اور ان کے اچھے کاموں کے عوض میں اُن کا اجر دیں گے۔"

تیسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: فاستجاب لھم ربھم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ بعضکم من بعض فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم واوذوا فی سبیلی وقاتلوا وقتلوا لاکفرن عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنات تجری من تحتھا الانھار ثواباً من عند اللہ واللہ عندہٗ حسن الثواب۔ (آل عمران ۱۹۵)

"سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنیوالا ہو اکارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو، سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اذیتیں دیئے گئے اور میری راہ میں جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس اچھا عوض ہے۔

مذہب اسلام میں عورتوں کے حقوق شہری حقوق کا جہاں تک تعلق ہے مثلاً بیع وشراء، ملکیت، ہبہ اور اجارہ تو ان تمام چیزوں میں ایک عورت کو وہی اختیار ہے جو ایک مرد کو اسے تصرف کا پورا حق ہے۔ کوئی مرد اس کی ملکیت میں کسی طرح کی خورد برد کرنیکا اختیار شادی سے پہلے یا شادی سے بعد نہیں رکھتا۔ اہل مغرب یہ کہتے ہیں کہ شادی سے قبل باپ اور بھائی کو اس کی لڑکی اور بہن کی جائیداد و ملکیت میں وصیت کا پورا پورا حق ہے اور شادی کے بعد باپ بھائی کا یہ حق شوہر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ فرانس کا قانون یہ ہے کہ عورت مرد کے تابع ہے چنانچہ شوہر عورت کی

ملکیت کو اڑاتا پھرتا ہے محض عورت کو خرید و فروخت اور رہن کے نیز دوسرے تمام اختیارات حاصل ہیں۔ عورت کی کوئی مرضی نہیں شوہر کا بغیر اجازت عورت ایک حبہ بھی صرف نہیں کرسکتی۔ جوستاف برلون اپنی کتاب میں رقمطراز ہے؛

"یقیناً مسلم عورتیں یورپین عورتوں سے کہیں بہتر حقوق رکھتی ہیں۔ وہ اپنی ملکیت سے مکمل استفادہ کی حقدار ہیں چہ جائیکہ حق مہر اس سے گھر کے معاملات میں خرچ کرنے پر حساب وکتاب نہیں لیا جاتا مطلقہ ہونے کے بعد اسے نفقہ ملتا ہے۔ شوہر کی وفات کے بعد برابر اسے نفقہ ملتا ہے تا حتیٰ کہ شادی کرلے۔ نیز شوہر کے ترکہ میں اس کا ایک متعین حصہ ہے۔

مذہب اسلام نے عورت کی تعلیم و تربیت پر زور دیا ہے ارشاد نبوی ہے:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة علم دین کا حاصل کرنا مسلم مردوں اور عورتوں پر فرض ہے۔

عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہفتہ میں ہمارے لئے وعظ ونصیحت کا کوئی دن متعین کر دیجئے چنانچہ آپ نے ہفتے میں ایک دن عورتوں کے لئے مخصوص کر دیا۔

مذہب اسلام نے عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں پورا پورا حق عطا کیا ہے۔ اس باب میں مردوں کے مانند ہیں۔ پیغام شادی کے دوران وہ مرد کو دیکھ سکتی ہے اس کی آواز بغور سن سکتی ہے کہ آواز پسند ہے یا ناپسند۔ یہ حقوق منجانب اللہ عطا کئے گئے ہیں۔ عقد نکاح کے وقت عورت کی رضامندی ضروری ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

الثیب احق بنفسها من ولیها والبکر تستامر واذنها سکوتها۔ شادی شدہ عورت اپنے آپ کی زیادہ مستحق ہے بالمقابل اپنے ولی کے اور غیر شادی شدہ عورت سے اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی اسکی اجازت ہے والدین نے لڑکی کی بغیر اجازت کے شادی کر دی تو بعد میں اُسے فسخ کا پورا حق ہے۔

عدالت اسلامی حصے بخرے کی تقسیم میں عدالت اسلامی نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھا ہے دونوں کے شریعت اسلامی میں ایک متعین حصے ہیں جن پر مخالفین اسلام کو سخت اعتراض ہے اور اسلام کی اس تقسیم پر خوب خوب کیچڑ اچھالتے اور شریعت اسلامی کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ اسلام کی ضد ہے اور معاشرۂ انسانی کا اس میں خسارہ ہے لیکن ہمارا یہ جواب ہوگا کہ یہ اس کا وضع کردہ ہے جو سارے جہان کا رب اور پالنہار ہے۔ وہی جانتا ہے کہ اس میں کونسا راز اور کونسی حکمت اس میں پوشیدہ ہے۔

اسلام ایک واحد مذہب ہے جس نے عورت کو معاشرے میں قدر و منزلت بخشی اور گھریلو اشیاء میں ان کے حقوق متعین ہوئے۔ گھر سے باہر سرگرداں رہنے سے روکا گیا کیونکہ ان کی اصل ذمہ داری بچوں کی پرورش کرنا اور ایک مہربان ماں بننا ہے اور عورت ہی اس کام کو بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہے۔ شیخ شعراوی اس باب میں رقم طراز ہیں:

"مذہب اسلام عورتوں کو عمل سے نہیں روکتا بلکہ انہیں حدود میں رکھتا ہے اور ان حدود کے کچھ تقاضے ہوں گے قرآن کریم نے جس کی وضاحت شعیب علیہ السلام کی دونوں بیٹیوں کے قصہ میں کر دی ہے یہ واقعہ اس وقت کا تھا جب آپ پر مجھے خوب

اچھی طرح سوار ہو چکا تھا آپ کو چلنے پھرنے کی تاب نہیں تھی اور نہ کوئی جوان سال بیٹا تھا پھر بھی ان کی دونوں لڑکیوں نے حد اسلامی کو تجاوز نہ کیا اور چرواہوں کا انتظار کرتی رہیں کہ وہ پلا کر ہٹیں تو باری آئے اور کبھی بھی ان کی باری کو نہ بھولتیں۔ ہمیشہ اس بھیڑ سے احتراز برتا۔ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کیسے ان کی مدد کی۔ خاندانی نظام فطرتاً وضع کیا گیا ہے جو عورت کے لئے مخصوص ہے۔

بنی نوع آدم کے بچوں کی نگرانی

شریعت اسلامی نے جس طرح عورتوں کو خاندان کے لئے مخصوص کیا ویسے ہی بچوں کی تربیت بھی انہیں کے سپرد کر دی گئی۔ یہ بات سماج کے لئے صد درجہ مفید ہے عورت کی یہ ذمہ داری دائرۂ اسلامی میں نہایت مقدس شمار کی جاتی ہے۔ اسلامی سوسائٹی ہی ایسی ہے جہاں بچے پھلتے پھولتے ہیں۔ اسلامی اخلاق، عقیدۂ وحدانیت اور شریعت اسلامی کے اسباق پڑھائے جاتے ہیں۔ یہی بچے زمین پر نیابت الٰہی کے سچے علمبردار شمار کئے جاتے ہیں۔ انہیں تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے عورتوں پر خارجی معاملات کی ذمہ داریاں نہیں سونپی جاتیں وہ ایسے مقامات پر شریک کار نہیں ہوتیں جہاں مرد بھی ہوں لیکن آج کے مادی دور میں عورتیں باہر کے تمام معاملات میں حصہ لے رہی ہیں اور ایک تیسری صنف اختیار کر گئی ہیں۔

مذہب اسلام نے عورت پر جہاد فرض نہیں کیا کیونکہ انہی کے جنے ہوئے بچے میدان کارزار میں برسرپیکار ہوتے ہیں اس نقطۂ نظر سے وہ میدان حرب کے نہایت مفید اور نفع بخش ہیں۔ شروع ہی سے یہ امت مسلمہ کے حق میں نہایت کارآمد ہیں جب بھی سپاہیوں کی قلت ہوئی تو عورتوں نے اس خلا کو پورا کیا۔ جب عورتیں بھی میدان جنگ میں حصہ لینے لگیں گی تو یہ خلا پُر ہونا محال ہوگا۔ شریعت اسلامی میں ایک مرد کو بیک وقت چار شادیوں کی اجازت ہے تاکہ جنگوں کی وجہ سے جو جانی بحران آیا ہے وہ پورا ہو سکے۔ عورت فطرتاً مردوں کے حق میں رحمت و سکینت واقع ہوئی ہے۔ زن و شوہر ہی سے مل کر معاشرۂ انسانی پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔

مذکورہ بالا حقوق مذہب اسلام نے عورت کو بغیر طلب کے عطا کئے، یہ خداوند قدوس نے اپنی جانب سے عطا کئے ہیں اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ کون سی چیز کسے عطا کی جائے۔ جس وقت پروردگار نے مرد و عورت کی تخلیق کی تو وہیں پر ان کے حقوق بھی متعین کر دیئے اور دونوں کے لئے جدا جدا خصوصیتیں متعین ہوئیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے معتبر ہو سکیں۔ ہر ایک کے لئے الگ الگ راستے بنے۔ منزل مقصود اور منازل حیات کو پا لینے کے لئے دونوں کا وجود نہایت ضروری ہے تاکہ ہنسی خوشی پروان چڑھیں۔

مقامات کا اختلاف

مسلم عورتوں کے ذہن کو وہ لوگ خراب کر رہے ہیں جو مذہب اسلام کے منکر ہیں اور اس کے باغی ہیں اور مغربیت کے دلدادہ ہیں۔ اہل مغرب کا یہ نعرہ ہے کہ وہ مردوں کی مانند ہیں۔ گھر کی قیادت ان سے چھین کر صرف مردوں کے سپرد کر دی گئی ہے حالانکہ زہد و تقویٰ میں دونوں کا مقام ایک ہے۔ مردوں کی یہ ذمہ داری اجتماعیت کی ایک شکل ہے۔ الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم۔ (النساء)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ سو جو عورتیں نیک ہیں وہ اطاعت کرتی ہیں۔"

مرد کی یہ قیادت نہایت معنی خیز ہے وہ انہیں چیزوں کے نفوذ کا حق رکھتا ہے جس کا مجلس شوریٰ فیصلہ کرے اس کی قیادت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اہل خاندان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے، قیادت کے ساتھ ساتھ مروت و رحمت کا یاد رکھنا واجب ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے: ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (البقرہ) "وہ تمہارے اوڑھنے بچھونے ہیں اور تم ان کے اوڑھنے بچھونے ہو" دونوں اپنے میدان کے لئے نہایت ضروری ہیں بغیر دونوں کے تعاون سے کسی کام کا ہونا بعید از عقل ہے۔ عورت فطرتاً رقت و عاطفت کا پیکر ہے وہ شرم و حیا کی دیوی ہے بچوں کے مطالبات پورا کرنے میں نہایت تیز، یہ تمام امور قابل غور ہیں، یہ تمام باتیں اعضاء اعصاب، عقل اور نفس سے تعلق رکھتی ہیں اس کے برعکس مرد کے اندر خشونت و صلابت کی زیادتی، باتوں میں گہرا ئیں نکالنا اور تمام امور میں فکری صلاحیت کا کام میں لانا، گھبراہٹ و شرمندگی سے کوسوں دور رہنا۔ یہی پہلو ہیں کہ اسے اس عہدہ یعنی مقام سے نوازا گیا۔

شہادت

مذہب اسلام پر ایک شبہ اور تھوپا گیا ہے کہ "انھن ناقصات عقل و دین" وہ دین و عقل کی ادھوری ہیں۔ شیخ شعراوی نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ عقل ایک سمجھنے کا آلہ ہے فہم و ادراک کرنیوالی شے ہے جس میں تخیلات، حافظے اور پرانی یادیں محفوظ رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرد ادراک کے ذریعے وہ کچھ سمجھ سکتا ہے جو حس سے پرے ہے۔ عقل تجربات و ثقافت کا ایک حاصل ہے اور اسے عقل مکتسب کہتے ہیں۔ عورت ادراکی صلاحیتوں میں پیچھے ہے اسے تجربات کی دنیا سے کم واسطہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس بات کی شہادت کے بیان میں تشریح کر دی ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (البقرہ ۲۸۲)

اور دو اشخاص کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر وہ دو گواہ مرد میسر نہ ہوں اور ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنا لی جاویں ایسے گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو تا کہ ان عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جائے تو دوسری یاد دلائے۔

ضلالت سے یہاں ایک خاص ضلالت ہے اسی وجہ سے عورتوں کے معاملات میں عورتوں کی ہی شہادت معتبر ہے مثلاً رضاعت، ولادت۔ اور عورتوں کے دوسرے میدان میں مرد گھس پڑیں تو انہیں معرفت نہیں مل سکتی ایسے ہی عورتیں اگر میدان میں کود پڑیں تو سوائے کف افسوس ملنے کے اور کچھ ہاتھ نہیں آئے گا کیونکہ خارجی معاملات کی گہرائیوں میں اترنا ان کے بس سے باہر ہے۔ عورت کے اندر یہ عنصر بھی موجود ہے کہ تھوڑی تھوڑی باتوں پر وہ معاملات سے صرف نظر پر وہ آمادہ ہو جاتی ہے لہٰذا مرد تو نے حیات بنی آدم پر عبور حاصل ہے وہ ہر شے کو بغور دیکھنے کا عادی ہے۔

ڈاکٹر محمد البہی فرماتے ہیں، عصر حاضر کی عورتیں مردوں کے دوبدو چلنے پر مصر ہیں حالانکہ مکلف ہیں رزق کی خاطر دربدر کی

محسوس کریں کہ انسانی سرشت سے باہر ہے۔ عورتیں خارجی اثرات سے نہایت جلد متاثر ہوتی ہیں وہ مردوں سے نرم اور کہیں سخت بھی واقع ہوئی ہیں۔ عورتوں کے سامنے کیسے ہی گفتگو کیوں نہ کی جائے اسے تسلیم کریں گی۔ عورتوں کی خوشی و ناخوشی ان کی فرحت و غضب، ان کا انکار و قبول اور ان کی سختی و نرمی کو مدنظر رکھئے تو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگے گی کہ حالات کے تقاضوں کا پورا کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں کو مساوی بناتا تو زن و شوہر کی نوعیت یکسر مفقود ہو جاتی کیونکہ تب تو عدالت و خلافت میں مساوات ضروری قرار پاتی۔ یہ چیز عورتوں سے دُور رکھنے میں ایک عظیم مصلحت ہے یہ معاملات دراصل اس کی خصوصیات کی ضد ہیں۔

عورتیں محض اپنے ذاتی معاملات سے دوچار ہوتی ہیں جس کی ایک متعین شکل اور محدود ہے۔ رہے مرد تو انہیں ان گنت اور مختلف مسائل سے واسطہ پڑتا ہے۔ یہی واحد سبب ہے کہ اسلامی عدالت کا قاضی انہیں کو مقرر کیا گیا۔

میراث

عورتوں کے باب میں مذہبِ اسلام پر ایک الزام اور لگایا جاتا ہے کہ مردوں کے بالمقابل عورتوں کی تم میراث میں حق تلفی کی گئی ہے جبکہ یہ بات فراموش کر دی گئی ہے کہ دورِ جاہلیت میں عورتیں سرے سے ہی محروم تھیں، ان کی سماج میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ عورت کو شریعتِ اسلامی میں مردوں کے حقوق کے برابر حقوق اس لئے نہیں دیئے گئے کہ مرد ہی خاندان کے وقار کو بڑھانے اور آفت و طوفان کے آجانے پر دفاع کرتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں لڑکیوں کو باعثِ ننگ سمجھا جاتا تھا۔ انہیں زندہ درگور کر دیتے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

واذا بشر احدهم بالانثیٰ ظل وجهه مسودًا وهو كظيم يتوارىٰ من القوم من سوء ما بشر به ايمسكه علىٰ هونٍ ام يدسه فى التراب الا ساء ما يحكمون (نحل ۵۸-۵۹)

"اور ان میں سے جب کسی کو عورت کی خبر دی جائے تو سارے دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے جس چیز کی اسکو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے کہ آیا اس کی ذلت لئے رہے یا اسکو مٹی میں گاڑ دے خوب سن لو ان کی یہ تجویز بہت ہی بری ہے"

دورِ جاہلیت میں کسی عورت کا شوہر انتقال کر جاتا تو اس کے لڑکوں میں سے کسی کو ماں پسند آجاتی تو وہ اس سے شادی کر لیتا یا پھر شادی کرنے سے جبراً اسے روکے رہتے۔ حتیٰ کہ جان کے عوض روپے ادا کر دیتے۔ قرآن کریم نے اسکی مثال ایسے دی ہے:

يا ايها الذين امنوا لا يحل لكم ان ترثوا النساء كرهًا ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتيتموهن - (النساء ۱۹) "اے ایمان والو تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً مالک بن جاؤ اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت رکھو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس کا کوئی حصہ وصول کر لو"

مذہبِ اسلام کے ظہور کے بعد عورتیں معتبر ٹھہریں آدمیت و انسانیت کا جہاں تک تعلق ہے وہ مردوں کے ہمسر شمار کی گئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: النساء شقائق الرجال عورتیں مردوں کی سگی ہیں انہیں زندہ درگور کرنے پر پابندی،

عائد کی گئی۔ آباؤ اجداد پر ان کی تربیت اور دیکھ ریکھ واجب قرار پائی۔ نان نفقہ مردوں پر فرض ہو گیا۔ اگرچہ اسے کم ہی دولت سے نوازا گیا ہو۔ وہ گھریلو معاملات میں خرچ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ یہ تمام امور مردوں پر اس لئے لازم قرار پائے کہ انہیں وراثت دوگنا ملتی ہے۔ عدم مساوات کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ کسبِ رزق سے محض اس لئے منع کیا گیا کہ یہ بات نسوانیت کے خلاف ایک اچھی پیاری ماں بننے میں روڑا اور زوجیت کے حقوق کے سقوط کی ایک سبیل ہے اور ان کی خصوصیات کے منافی ہے۔

طلاق اسلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا گیا ہے کہ اس نے طلاق جیسی بری شے کو جائز ٹھہرایا جس کی بناء پر خاندانی کفالت اکثر بحران کا شکار ہو گئی اس کے ترقی کے راستے مسدود ہو گئے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ یہ حقِ طلاق صرف مرد کو حاصل ہے یہ ان کی صریح حق تلفی اور عدم مساوات کی واضح مثال ہے۔

اسلام ہی ایک حقیقی مذہب ہے جس نے طلاق کو لعنت سے تعبیر کیا۔ بلاشبہ یہ چیز کفالتِ خاندان کے لئے نہایت ضرر رساں ہے حدیث شریف میں ہے: حلال کاموں میں سے سب سے ناپسند کام اللہ کے یہاں طلاق ہے۔ اسلام نے مردوں کو عورتوں کے باب میں صبر کی تلقین کی، ہاں انہیں جب بالکل ہی مجبور ہو جانا پڑا، نباہ کی صورت نہ ہو تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وعاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسى ان تكرهوا شيئا و يجعل الله فيه خيرا كثيرا

"اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کیساتھ زندگی گذارو اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر ایک بڑی منفعت پیدا کر دے"

رشتہ ازدواج قائم ہو جانے کے بعد اسلامی نقطۂ نظر سے مرد کو وسیع القلبی اور وسیع النظری سے کام لینا چاہیئے اور انہیں ایسی گفتگو کرنے پر اکسایا کہ جس سے خاندان میں استحکام پیدا ہو، شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اسے پند و نصیحت کرتا رہے پھر بھی اگر اس کی زندگی میں کوئی تبدیلی نظر نہ آئے تو چند دنوں خواب گاہ سے دور رہے۔ اس سے بھی کوئی اثر مرتب نہ ہو تو ہلکی ضرب سے کام لے یعنی ہر ممکن اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے ہو سکتا ہے اسے ہدایت نصیب ہو جائے۔

طلاق کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ ایک طلاق دے دینے کے بعد رکا رہے اور تینوں طلاقیں تین طہر میں واقع ہوں ممکن ہے پہلی یا دوسری طلاق کے بعد دونوں کے مابین حالات خوشگوار ہو جائیں اور مرد رجوع کرلے پہلی اور دوسری طلاق کے دوران عورت کو گھر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ یہ تمام باتیں دراصل حکمت پر مبنی ہیں۔ اس کا زیادہ امکان ہے کہ دونوں کے قلب میں وسعت پیدا ہو اور تمام تلخیاں کجرائیاں اور اختلافات کافور ہو جائیں نیز دوبارہ رشتہ ازدواج بامِ عروج کو جا پہنچے۔ مشہور مثل ہے پانی گڑھے سے باہر آجانے کے بعد پھر گڑھے ہی میں آجاتا ہے۔ یہ بات مرد پر اس لئے ڈالی گئی کہ صنفِ نازک کا وقار مجروح نہ ہونے پائے اور معاشرہ انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھے۔ تیسری طلاق مرد اسوقت دے جب تعلقات کی تمام بندشیں ندارد ہو جائیں قرآن کریم نے کیا خوب کہا ہے: الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان (البقرہ ۲۲۹) طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر

باقی ص ۱۲ پر

محمد طیب ہزاروی متعلم جامعہ فاروقیہ کراچی

کراچی میں حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی تشریف آوری

اور

تیس درسوں میں دورۂ تفسیر ختم

ایسے وقت میں جبکہ مسلکِ حقہ کے دینی حلقے مسلکی کام کے بڑی شدت سے پیاسے تھے۔ عقائد پر محنت کرنے کی بڑی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، زعماءِ سوادِ اعظم عبوری دور سے گذر رہے تھے۔ شیعہ سنی تنازعہ میں ٹھہراؤ پیدا ہو چکا تھا۔ علامہ خالد محمود صاحب کی کراچی تشریف آوری مسلمانوں کے لئے انتہائی مفید رہی۔ جامعہ انوار القرآن کراچی کے مہتمم مولانا فداء الرحمٰن صاحب درخواستی کی دعوت پر علامہ صاحب انگلینڈ سے تشریف لائے اور جامعہ کا تدریسی دورۂ تفسیر تیس درسوں میں مکمل فرمایا۔

عیسائیوں، قادیانیوں، شیعوں اور رضاخانیوں کیساتھ علمی مباحثات میں جو جو آیات زیر بحث آتی ہیں علامہ صاحب نے ان تمام آیات کا نہایت جامع انتخاب فرمایا اور ان کے ذیل میں ان تمام مطالب مہمہ اور مباحث عالیہ کو سمو دیا جو ان کے ضمن میں کبھی ان مذاہب ھدامہ کے ساتھ زیر بحث آتی ہوں۔ یہ تدریسی دورۂ قرآن ان دس عناوین پر تیس درسوں میں مکمل ہوا اس سال ۸۰ طلباء اس سے فارغ ہوئے بسر زمین کراچی میں علم و عرفان کی یہ بارش تا دیر تشنگانِ علوم کو سیراب کرتی رہے گی۔

دس عنوان زیر بحث یہ رہے:

① قرآن کریم اور بائبل کا تقابلی مطالعہ
② قرآن کریم میں ختم نبوت کی اساسی حیثیت
③ قرآن کریم کی روشنی میں مطالعہ حدیث
④ قرآن کریم اور مسئلہ امامت و خلافت
⑤ قرآن کریم اور شرح توحید و سنت
⑥ تاریخ النبی الکریم اور مستشرقین کی زیادتیاں
⑦ سیرۃ النبی الخاتم اور دین فطرت کی عملی صحت
⑧ تاریخ خلفائے راشدین اور معترضین کے جوابات
⑨ تاریخ اکابر بنی اُمیہ اور ان کی عالمی فتوحات
⑩ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور انکی اولاد و تلامذہ

اس دورۂ تفسیر کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل مقامات پر بھی خطاب فرمایا مسلمانانِ کراچی نے بڑے ذوق و شوق سے ان میں حصہ لیا اور مسلک کے اس ولولہ انگیز کام نے کراچی کے مسلکی کارکنوں میں عظیم بیداری پیدا کر دی۔

جمعہ کے اجتماعات سے خطاب ان مقامات پر ہوا:

○ مدرسہ جامعۃ الاسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی ○ جامع مسجد المعارف ناظم آباد ○ جامع مسجد آزاد میدان حیدر آباد

شام کے عام اجتماعات ان مقامات پر ہوئے اور بڑے کامیاب رہے:

○ جامعہ امداد العلوم لانڈھی ○ جامعہ فاروقیہ ڈرگ کالونی ○ دار العلوم رحمانیہ لی مارکیٹ
○ جامع مسجد محمدی نارتھ کراچی ○ جامع مسجد پاک کالونی منگھو پیر روڈ

باقی صفحہ ۲۹ پر

محسنین و معاونین ادارے سے استدعا

- جامعہ رشیدیہ صرف ایک ملّی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک تعلیمی، تبلیغی تحریک ہے۔
- جامعہ رشیدیہ ماہرین علوم، طالبان تعلیمات کی دینی تربیت گاہ ہے۔
- جامعہ رشیدیہ عرصہ پون صدی سے زائد، اسلامی عربی، قرآن اور احادیث وفقہ حنفی کی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور جامعہ سے ہزاروں افراد مستفیض ہو چکے ہیں اور استفادہ کر رہے ہیں۔
- جامعہ رشیدیہ پاکستان کے فوقانی مدارس میں ہر طرح سے قابلِ اعتماد درسگاہ ہے۔
- جامعہ رشیدیہ کے تعلیمی مسائل اور علمی امور کے لئے ماہرین علوم کے معائنہ و نتائج امتحانات ملاحظہ فرمائیں۔
- جامعہ رشیدیہ کا نظم و نسق، بہترین نمونے کا نظام ہے حساب کتاب قابل اطمینان ہے۔
- جامعہ رشیدیہ کے تعلیمی کام اور انتظامیہ کو قریب سے دیکھنے کے لئے خود تشریف لائیے اور بچشم خود معائنہ فرمائیے۔
- جامعہ رشیدیہ وفاق المدارس العربیہ سے ملحق و منظور شدہ اور حکومت کا مسلّمہ خیراتی ادارہ اور انکم ٹیکس سے مستثنیٰ بموجب سرکلر حکومت پاکستان ۱۵سی - ۱، (۱۴۵) آئی ٹی۔ بی ۶۰ مجریہ ۶۱-۲-۹
- جامعہ رشیدیہ کے سینکڑوں غریب الاوطان طلباء زکوٰۃ وصدقات چرمہائے قربانی کے مستحق اور عطیات کے بہترین مصرف ہیں۔
- جامعہ رشیدیہ کا ماہوار خرچہ ۹۰۰۰/- نوّے ہزار روپے اور سالانہ تخمینہ نو لاکھ روپیہ (بجٹ) ہے۔
- طلبہ غریب الاوطان کے قیام، طعام، ملبوسات، کتب، ادویہ، علاج معالجہ اور نقد وظائف کا مدرسہ کفیل ہے۔ ۱۴۰/- من صرف گندم کا ماہانہ صرفہ ہے۔
- مستقل آمدن توکّل علی اللہ۔ جامعہ کا کوئی مستقل سفیر ندارد۔ بغیر رسید مصدقہ کوئی چیز یا رقم ہرگز نہ دیجائے
- بیرون ملک احباب براہِ راست مراسلات فرمائیں جامعہ کا اکاؤنٹ نمبر ۳۹۴ حبیب بنک غلہ منڈی ساہیوال۔

پیرجی) عبدالعلیم رائپوری

Phone .2356 | جريدة اسلامية شهرية تصدر عن جامعة رشيدية | REGD. L NO. 8054

MONTHLY. ALRASHID. LAHORE PAKISTAN

جامعہ رشیدیہ ساہیوال

- سالانہ تعطیلات رمضان المبارک کے بعد ۶ رشوال سے جامعہ کھل رہا ہے ۷ رشوال سے داخلے ہوں گے۔
- دارالاقامہ میں مقیم طلباء کے لئے دس سال کی عمر شرط ہے شہری اور مقامی بچے مستثنیٰ ہیں۔
- جامعہ رشیدیہ میں امسال دو تین جدید قابل و ماہر لائق اساتذہ کا اضافہ اور تقرر ہوا ہے۔
- جامعہ میں خصوصی تعلیمی شعبہ جات نہایت اہم اور قابلِ ذکر ہیں۔

حصہ کتب عربیہ از جماعت اول تا جماعت ثمانیہ (دورۂ حدیث) بمطابق [illegible] پاکستان شعبہ ہائے فارسی، اردو اسلامیات، تعلیم مکتب سکول، مدرسہ راشدات [illegible] اور تعلیم النساء واسلامیات۔

- جامعہ میں ۱۰ شوال سے ۱۰ شعبان تک شعبۂ کتب میں تعلیمات مسلسل ......
- درجات حفظ و ناظرہ ۶ رشوال سے ۲۵ رشعبان تک تعلیم جاری رہتی ہے۔
- جامعہ کے قواعد و ضوابط کی پابندی ازبس ضروری ہے۔
- جامعہ میں طلباء کے قیام و طعام، علاج معالجہ، ادویہ کتب، نقد وظائف کے انتظامات ہیں۔
- جامعہ ملک و ملت کا مسلمہ خیراتی ادارہ، فعال و مجاہد درسگاہ تعلیم و تربیت کا مدرسہ ہے۔
- جامعہ کے ماہوار مصارف نوے ہزار روپے اور سالانہ میزانیہ ۹ لاکھ کے قریب ہے۔
- جامعہ اور اس کے طلبہ قومی زکوٰۃ و عشر، چرمہائے قربانی صدقات و عطیات کے بہترین مصرف اور مستحق ہیں۔

مدیر الترتیب و ناظم اعلیٰ
[illegible] حبیب اللہ رشیدی
جامعہ رشیدیہ ساہیوال [illegible]

ھوالرشید
معہد رشیدیہ ساہیوال کا دینی و تبلیغی مجلہ
ماہنامہ
الرشید
بادارت
فاضل حبیب اللہ رشیدی فاضل دیوبند
مدیر الرشید و ناظم اعلیٰ جامعہ رشیدیہ رجسٹرڈ ساہیوال پاکستان

راشدات طیبات

فاضل رشیدی علوی

خاموش ہوگیا ہے چمن بولتا ہوا!

لو کان لانسان یدوم بقاؤہٗ — لما مات خیر المرسلین محمدا

وما کان موت طیب موت واحدٍ — ولکنہٗ بنیان قوم تہدما

بانیٔ دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نبیرہ، حضرت شیخ الہندؒ (اسیر مالٹا) کے مرید اول، علامہ سید انور شاہؒ محدث کے تلمیذ رشید، مجدد ملت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ الطیب، شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے معتمد علیہ، حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دارالعلوم میں ممد و معاون و مشیر اور عالم اسلام کی سب بڑی عربی و اسلامی یونیورسٹی کے مدیر شہیر، ہزاروں علماء کے استاذ، لاکھوں مسلمانوں کے مقتدا اور راہنما "دارالعلوم" میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ؎ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے عمر طبعی تو نوّے سال کے قریب پائی لیکن دارالعلوم کی خدمات کے لئے تقریباً ساٹھ سالہ حیات علمی و عملی کی سعادت نصیب ہوئی۔ دارالعلوم کے فضلاء اگر سوا سو سال میں تقریباً بیس ہزار کے قریب ہوگئے تو نصف علماء اکثر اکابر علماء کے فیض یافتہ اور تقریباً نصف علماء حضرت قاری صاحب کے رہین منت ہیں۔

؎ یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔ وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت قاری صاحبؒ چند ایام قبل گو جسمانی طور پر ایک دارالعلوم سے دوسرے دارالعلوم میں منتقل ہوگئے تھے جیسا کہ حضرت علامہ سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف سے ایک جدید دارالعلوم جامعہ ڈابھیل قائم ہوگیا تھا۔۔۔ یہ ایسے جسمانی [illegible] حضرت قاری صاحبؒ
[illegible] دارالعلوم [illegible]
[illegible] جامعہ

حضرت قاری صاحب کے وصال و انتقالِ پُر ملال کے بعد تمام تر اختلافات ختم ہو کر رہ گئے۔

اللّٰھم اغفر لہٗ واعف عنہٗ وارحم علیہ ۔۔۔۔

حضرت بانیِ دار العلوم کے علوم و کلام تصانیف و بیانات کو علامہ شبیر احمد عثمانیؒ خوب سمجھتے اور حضرت قاری صاحبؒ خوب بیان فرماتے تھے اس لحاظ سے آپ واقعی قاسم العلوم والخیرات ہیں اور یہ خصوصیات دار العلوم صرف دو تین شخصیات کی رہینِ منّت ہیں کہ ایک قصبے کا مدرسہ عربی اسلامی، دار العلوم، مرکز علوم، عالم اسلام کی سب سے جلیل القدر عربی و دینی یونیورسٹی بن گیا جس کی مثال عالم اسلام میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

ان میں اوّل ذاتِ محمود، شیخ الہندؒ اسیر مالٹا کی تھی (ولہٗ حدیث طویل) دوسری عظیم البرکت و مجاہد شخصیت حضرت شیخ العرب والعجم، شیخ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی مسلّمہ ذات ہے۔ جنہوں نے اٹھارہ سال مدینہ کے قیام میں چودہ سال احادیثِ رسول اللہ کا درس روضۂ اطہر کے سامنے دیا۔ جن کے دورِ صدارت و نظامتِ تعلیمات میں دار العلوم پروان چڑھا۔ عرب و عجم کے طالبانِ علوم و شائقین حدیث جوق در جوق دار العلوم آنے لگے اور دیوبند عالم اسلام کا مرکز بن گیا۔

تیسری ذاتِ ستودہ صفات، جامع الکمالات والمحاسن حضرت قاری صاحب مرحوم کی تھی جن کے دورِ اہتمام و ادارت و نظامت میں دار العلوم بین الاقوامی شہرت اختیار کرتے ہوئے بین الاسلامی یونیورسٹی بن گیا۔ اور دنیا کے لئے قابلِ رشک جامعہ ثابت ہوا۔

دار العلوم خود ایک ایسا ادارہ ہے جہاں سے ایسے افراد پیدا ہوئے جو اپنی ذات میں خود انجمن تھے جن میں حضرت قاری صاحبؒ کا ایک طیّب و اَطیب وجودِ مسعود ہے۔ جو خود ایک ادارہ تھے۔

کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء

حضرت قاری صاحبؒ کے دور میں دار العلوم سے ایسے متعدد طبقات پیدا ہوئے جو اپنی مثال آپ تھے۔ دار العلوم سے ایسے علمی معرضِ وجود میں آئے جن کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت قاری صاحب کے دور میں چودہ طبقات کا تذکرہ راقم آثم خادم ناظم نے "الرشید" کے دار العلوم نمبر میں کیا ہے۔ ان علمی طبقات کی صرف فہرست ناظرین کی خدمت میں بطور نمونہ مکرّر پیش کرتا ہوں؛

طبقاتِ دار العلوم

① مفسرین قرآن حکیم و مترجمین قرآن کریم ② محدثین عظام ③ مفتی و فقہاء کرام ④ متکلمین اسلام
⑤ معلمین و اساتذۂ علوم و فنون ⑥ مصنفین و مؤرخین ⑦ مبلغینِ دین ⑧ مناظرین اسلام

(۹) مجاہدین و قائدین ملت (۱۰) ائمہ سلوک حضرات مشائخ عظام و اولیاء کرام (۱۱) قراء و حفاظ

(۱۲) ناظمین و منتظمین و مدیران (۱۳) صحافی و اہل قلم (۱۴) اطباء و حکماء (۱۵) ادباء و شعراء

ان طبقات کے علوم و فنون سے حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے ظرف حال کے مطابق بہت کچھ حاصل کیا۔

اس لحاظ سے "جامع" شخصیت حضرت قاری صاحبؒ کی تھی۔

؎ ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جامعہ رشیدیہ اور راقم خادم اثم ناقص کو حضرت قاری صاحبؒ سے ایک خصوصی قلبی و عملی تعلق تھا۔

یہ عاصی پُرمعاصی تلمیذ رشید اور خادم حضرت شیخ سید مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور بیعت کا تعلق حضرت مدنیؒ سے ہے اور مدنی خاندان سے منسلک ہے لیکن مسلک و مشرب کا تعلق خاطر جامعہ رشیدیہ سے اس لئے بڑھتا گیا کہ حضرت قاری صاحبؒ جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو جامعہ رشیدیہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے۔ ہمارے حضرت والد ماجد مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ رائپوری حضرت قاری صاحبؒ کے والد ماجد کے دور اہتمام میں پڑھتے تھے اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن سے افتاء کی تربیت حاصل فرماتے اور حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے نیز استاذ محترم حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے توسط سے یہ رابطہ مزید مربوط ہو گیا تھا ایک سفر حج میں حضرت قاری صاحبؒ کی معیت میں حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

حضرت والد ماجد مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ اور شہید فی سبیل اللہ قاری لطف اللہ رحمہ اللہ کی تعزیت کے لئے دیوبند سے اسفار فرمائے۔ ویزہ نہ ملنے کی صورت (وائی روٹ) بذریعہ کار ملتان (خیر المدارس) سے سفر میں ساہیوال (جامعہ رشیدیہ) ضرور نزول اجلال فرما کر ہر دفعہ اپنے خیالات طیبات سے مستفیض فرماتے۔

جامعہ رشیدیہ کلاں کے دار الحدیث کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا اور دار التفسیر کا افتتاح بھی آپ نے فرمایا، اور آخری کلمات طیبات سے مستفیض فرمایا۔

صد سالہ اجلاس دار العلوم میں آخری نشست کی صدارت میں "الرشید دار العلوم دیوبند نمبر" اور خدام رشیدیہ فاضل رشیدی کو جن کلمات طیبات سے یاد فرمایا وہ ملفوظات طیبات ہمارے لئے زاد راہ آخرت اور جامعہ کیلئے فخر و مباہات اور قابل استناد ہیں ۔۔۔۔ صد سالہ اجلاس کی تقریب سعید پر حضرت قاری صاحبؒ کے مکتوبات طیبات راقم خادم کے نام کثرت سے موصول ہوئے جو دفتر رشیدیہ میں "باقیات صالحات" کی صورت موجود ہیں۔ کہ باتیں ان کی یاد رہیں گی۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ ۔۔۔

جامعہ رشیدیہ میں آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر کے بعد قرات قرآن، ایصال ثواب اور دعائے مغفرت ضرور شروع کر دی گئی ۔۔۔۔ ۲۴ر جولائی جمعۃ المبارک کو ساہیوال ضلع میں "یوم الطیب" منایا گیا جس میں

باقی صفحہ ۳۶ پر

راشدات طیبات — ادارہ

وجاہت حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سُرخ و سپید رنگ، بیضوی چہرہ، غلافی آنکھیں، کشادہ پیشانی، دلکش خدوخال، تیکھے نقوش، موزوں قامت، اکہرا بدن، بلند و کشیدہ رُخ سر پر کلاہِ فضیلت، آنکھوں میں حیا، طبیعت میں گداز، رُخِ روشن پر اسلام کی سیزدہ صد سالہ روایات کی تابندگی کا پرتو، ایک پیکرِ حسن و جمال ایک مجسّمۂ خوبی و رعنائی، ایک سراپا اخلاص و للّٰہیت و زہد، علم و معرفت کا سرچشمہ، رشد و ہدایت کا منبع، شریعت و طریقت کا مرکز، ظاہری و باطنی کا جامع، ایک مینارۂ نور جس کی ضیا باریوں سے فکر و نظر کا دامن منور اور دلوں کی دنیا جگمگاتی تھی جس کا سینہ معرفتِ الٰہی کا گنجینہ اور دل انوار و تجلّیات کا خزینہ تھا۔

مولانا قاری محمد طیبؒ ہمارے کاروانِ علم و فضل کے ان باقیات و صالحات میں سے تھے جنہیں دیکھ کر ایک گونہ اطمینان ہوتا تھا کہ یہ دُنیا ابھی اہل اللہ سے خالی نہیں ہوئی اور ابھی ہمارے دامن میں ایسے گنج ہائے گراں مایہ موجود ہیں جن سے نہ صرف ہماری عظمتِ گذشتہ کا قومی بھرم قائم ہے بلکہ جو خود انسانیت کی آبرو اور اس کے چہرے کا غازہ ہیں۔ وہ اس خانوادۂ شرف و مجد کے گوہرِ شب چراغ تھے جو خاندانِ ولی اللّٰہی کے رُوحانی اثاثہ کا امین اور علماءِ سلف کی متاعِ عظمت کا وارث رہا ہے۔ ان کے جدِّ امجد مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور آج ہندوستان کی ناموافق آب و ہوا، وقت کی نامساعدت اور حالات کی ناسازگاری کے باوصف یہ حضرت قاری صاحبؒ کی کرامت تھی کہ وہ اس مرکزِ علمی اور اپنی نوعیت کی دنیا بھر میں منفرد درسگاہ کی آب و تاب اور اس کی روایتی تجمّل و شوکت کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ تقسیمِ ملک کے ابتدائی دَور میں انہوں نے پاکستان کو اپنا مستقر بنانا چاہا مگر یہاں کی فضا انہیں راس نہ آسکی اور وہ حضرتِ مدنیؒ کے تقاضا و اصرار پر واپس دیوبند تشریف لے گئے۔ آج دارالعلوم دیوبند اس ظلمت کدۂ شرک و معصیت میں روشنی کا وہ مینار ہے جس سے اکناف و اطرافِ عالم کے تشنگانِ علم اکتسابِ ضیا کرتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ تقریر کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نسیمِ صبحگاہی محوِ خرام ناز ہو، وہ بولتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے ان کے اندازِ تکلّم میں جوئے آبِ رواں کی شگفتگی تھی جو فردوسِ گوش بن جاتی تھی۔ ان کے لب و لہجہ میں حدی خواں کا سوز اور ان کی گفتگو میں گُلہائے خندہ کی مہک تھی جو سامعوں کو مسحور کرتی اور دلوں کی دنیا میں ہلچل برپا کر دیتی، وہ ہماری عظمتِ رفتہ کی حسین و جمیل یادگار تھے۔ قاری صاحبؒ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل تھے۔ سیاست سے الگ ہو کر علم کی دنیا کے سیّاحِ عمل کی وادیوں میں رہتے۔

جمیع کرو خوب سے خوب تر کی تلاش کے متلاشی، خیال و کردار میں پاکیزہ، فکر و نظر میں امتیاز، تقویٰ و طہارت میں نمونہ کے انسان خوش وضع، خوش قطع، خوش لباس، خوش پوشاک، خوش گفتار، خوش خصال، خوش اطوار، خوش نہاد۔ ایک نورانی وجود جو اس دور کے ادب کی درخشندہ مثال جس سے جو اللہ میں ٹھنڈک اور شبنم کا صحیح مصداق ۔۔۔۔۔

... دارالعلوم دیوبند کے پوتے، مہتمم دارالعلوم مولانا حافظ محمد احمدؒ کے فرزندِ طیب، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت، حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے تلمیذِ رشید، دارالعلوم دیوبند کے ہمہ پہلو خدمتگار ... جمال کیا تھا ... وجاہتِ طیب ... کو کلماتِ طیبات فرماویں تو اخلاقِ محسنہ ... گلستانِ علوم ہدایت کا باب کھلے تو تسترکی ... بولی"

مرقع عقیدت

از حضرت مولانا قاری محمد عبد العزیز شوقی اسعد آبادی رحمۃ اللہ علیہ بخدمت عالی جناب حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

اے حکیم عالم اسلام! اے شیخ جلیل
ذوقِ علم و فن کی رونق ہے تیرا ذکرِ جمیل

اے خطیبِ ملک! اے ملت کے سحبانِ کبیر
حسنِ رازیؒ و غزالیؒ زینتِ ابنِ کثیرؒ

اے مجاہد، اے زعیمِ قوم، دانائے عظیم!
زیب دیتا ہے۔ اگر تجھ کو کہیں فخرِ کلیم

اے علومِ قاسمی کے شارحِ شیریں ادا
ندرتِ انشا تری کلکِ ازل کی ہم نوا

اے سریر آرائے بزمِ مرشد، اے قطبِ زماں
تیرے فیضِ خاص سے سیراب ہے سارا جہاں

ثانیٔ قاسمؒ ہے، احمدؒ کا جگر پارہ ہے تو
ہاں رشیدؒ و اشرفؒ و محمودؒ کا پیارا ہے تو

تو صلاح و خیر کی اقلیم کا ہے تاجدار
شوکتِ تقویٰ تری ہر ہر ادا سے آشکار

تو نے رکھا پرچمِ اسلاف دنیا میں بلند
تجھ پہ نازاں کیوں نہ ہو دارالعلوم دیوبند

تیرے اخلاقِ کریمانہ کا ہر خاطر اسیر
نورِ باطن سے ترے ہر ذرۂ دل مستنیر

خلق کو تیرے میسر قوتِ روح الامیں
فکر تیرا لامکانی سطوتوں کا ہے مکیں

صورتِ طیب تری آوازۂ طوبیٰ نصیب
سیرتِ اکمل میں ہے اسلاف کا رنگِ عجیب

تیری ایمانی فراست رو کشِ اعجاز ہے
تیری آنکھوں میں خدا والوں کا ہر انداز ہے

حلم تیرا بے نظیر، اعمال تیرے بے مثال
شوقِ ناکارہ کو تعریف کی ہے کب مجال

اکابر دیوبند کی یاد میں

بھول کر بھی نہ آئیں گے یہ لوگ — جا کے واپس نہ آئیں گے یہ لوگ

سرمدی ہو گیا ہے ان کا سفر — اب کہاں پائے جائیں گے یہ لوگ

اپنے حق میں وسیع و بے پایاں — رحمت حق کو پائیں گے یہ لوگ

اب تو فردوس خلد میں جا کر — اپنی محفل سجائیں گے یہ لوگ

بے حجابانہ ہوگا نظارہ — جلوہ حق کو پائیں گے یہ لوگ

کون ملک عدم سے داعی ہے — کس کی مجلس میں جائیں گے یہ لوگ

بستیاں کر کے چل دیئے ویراں — اپنی دنیا بسائیں گے یہ لوگ

ایک ہی راہ کے تو سالک تھے — ایک منزل پہ جائیں گے یہ لوگ

جا رہے ہیں جو آج کر کے حجاب — چھپ کے پھر دل میں آئیں گے یہ لوگ

کون پھر اس نظر میں جچتا ہے — جس نظر میں سمائیں گے یہ لوگ

ہم انہیں آج تک نہیں بھولے — کیا ہمیں بھول جائیں گے یہ لوگ؟

دل کی گہرائیوں میں بستے ہیں — کیوں نہ پھر یاد آئیں گے یہ لوگ

جتنی مدت گزرتی جائے گی — اور بھی یاد آئیں گے یہ لوگ

ہم بھلا بھول جائیں کیسے انہیں — جب نہ ہم کو بھلائیں گے یہ لوگ

محفل لامکاں میں اے عارف
ہم کو کس دن بلائیں گے یہ لوگ

مشرف علی تھانوی
خطیب
جامع مسجد
واپڈا کالونی
اپر مال لاہور

تذکرۂ اسلاف

حکیم الاسلامؒ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی غازی پوری

ابتدائے آفرینش سے دنیا کی ہر قوم اپنے مذہبی رہنماؤں اور مقتداؤں کی سوانح نگاری کو ایک اہم فریضہ سمجھتی چلی آئی ہے اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے راہنماؤں کے تذکرہ حیات کو ہمیشہ اپنے سینوں سے چپٹائے رکھا اور ان کو سفینۂ قرطاس پر منتقل کر کے محفوظ کرتے رہے تاکہ آئندہ نسلوں کیلئے یہی تذکرہ اور داستان حقیقت ان کی بھولی ہوئی راہوں کے لئے مینارۂ نور ثابت ہوں۔ مسلمانوں نے خصوصیت سے ایسی ممتاز اور مقدس ہستیوں کی سوانح اور سیرت کا تحفظ زیادہ ضروری سمجھا جن کی شخصیتیں اپنے ذاتی اوصاف و کمالات کی بنا پر اپنے وقت میں عہد آفریں اور تاریخ ساز سمجھی گئی ہوں اور جن کی زندگیوں کے ساتھ کوئی ایسا مقدس نصب العین لگا رہا ہو جو قوم و ملت کی رہنمائی و دعوت کے لئے ایک اہم مرکزی نقطہ قرار دیا گیا ہو۔

لیکن ان مقدس ہستیوں کی داستان حیات محض اس لئے پیش نہیں کی جا سکتی کہ اسکی وجہ سے وہ معروف ہوں یا ان کی شہرت ہو بلکہ ان کی زندگیوں کے بلند کردار کو صفحۂ قرطاس پر اسلئے منقش کیا جاتا ہے تاکہ قوم و ملت اپنے اس مقدس رہنما کی زندگی کو اپنے لئے مشعلِ راہ جان کر دنیاوی کامیابی و کامرانی کی منزل سے ہمکنار ہو۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ ایک ایسی ہی مقدس اور مقتدر رہنما تھے جو نہ صرف اپنے ذاتی اوصاف جمیلہ اور علم و فضل زہد و تقویٰ، اخلاق و دیانت جیسی وقیع صفات کی بنا پر ہندوستان، پاکستان، افغانستان، برما، حجاز اور دوسرے ممالک کی سرزمین پر مثل آفتاب و ماہتاب نمایاں ہیں بلکہ ساتھ ہی اپنی زندگی میں ایک مقدس نصب العین بھی رکھتے تھے جس کی بنا پر آج عالم اسلام ان کو اپنا مذہبی راہنما ماننے پر مجبور ہیں۔ میں اپنی شوریدہ بختیوں اور کم مائیگی کی بنا پر اس کا اہل نہیں تھا کہ ایک ایسی جامع اور عظیم ہستی کی پوری زندگی تو الگ رہی کسی ایک گوشہ پر بھی قلم اٹھاؤں لیکن آج مجھے اپنے بے پناہ جذبات عقیدت و محبت کے اظہار کیلئے اسی شکستہ و ناتواں قلم کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔

ابتدائی حالات

ماہ جون ۱۸۹۷ء بمطابق ماہ محرم ۱۳۱۵ہجری یکشنبہ

کو خاندان قاسمی کے اس ہونہار فرزند نے اپنی مبارک پیدائش سے اس عالم کو منور کیا۔ اسم گرامی "محمد طیب" تجویز کیا گیا اور تاریخی نام "مظفر الدین" رکھا گیا۔ سات سال تک بڑے ناز و نعم کے ساتھ والدین کی آغوش میں پرورش پاتے رہے ۱۳۲۲ھ میں آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے مادر علمی دارالعلوم کی آغوش میں دے دیا گیا۔ وقت کے بڑے بڑے بزرگ اور شیوخ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، شیخ طریقت مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ (والد ماجد مولانا عثمانی) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ جیسے باکمال شیوخ اور اکابر نے بسم اللہ شروع کرائی۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ نے اس مبارک مجلس کی تاریخ ذیل کے قطعہ سے نکالی ہے۔

حبذا مکتب طیب کی مبارک تقریب
کہ نئی طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر
رب یسر جو کہا اس نے تو بیر و تمے ابا
فضل تاریخ میں یوں اٹھا کہ تمم بالخیر ۱۳۲۲ھ

دو سال کی قلیل مدت میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے ساتھ قرأت و تجوید میں مہارت تامہ حاصل کی۔ حفظ قرآن شریف سے فراغت کے بعد درجۂ فارسی میں داخل کئے گئے اور وہاں سے پانچ سال میں پورا نصاب مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے شعبہ عربی میں داخلہ لیا چونکہ آپ بچپن ہی سے بے حد ذکی اور ذہین تھے اس لئے خدا نے قوت حافظہ بطور خاص آپ میں ودیعت فرمائی تھی نیز جس مقدس انسان حضرت نانوتویؒ کی طرف آپ کی نسبی نسبت تھی انہی کی نسبتِ روحانی نے مخفی صلاحیتوں کی روحانی تربیت و نگہداشت فرمائی۔ آٹھ سال کی مدت میں آپ نے دارالعلوم کی تمام نصابی تعلیم سے ۱۳۳۷ھ میں فراغت پا کر سند فضیلت حاصل کی۔ حدیث میں آپ کو خصوصی تلمذ علامۃ العصر، محدث اعظم حضرت مولانا السید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل رہا اس کے علاوہ حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء اور اساتذہ سے بھی حاصل ہوئی۔ چنانچہ مولانا شاہ خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ نے بطور خود آپ کو سہارنپور طلب فرما کر اور اوائل حدیث کی تلاوت کرا کر اپنی خصوصی سند خود اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی۔

اسی طرح حضرت مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب سے بھی سندِ حدیث لی ہے۔

ابتدائی حالات اور تعلیم و تربیت کے بعد آپ کی زندگی تین نمایاں گوشوں کے محور پر گھومتی نظر آتی ہے یا یوں کہا جائے کہ آپ کی زندگی کے تین مرکزی مقام ہیں جہاں سے آپ کا نصب العین اور عنداللہ مقصدِ حیات سمجھا جاسکتا ہے۔

۱:۔ مسند درس و تدریس ۲:۔ مسند اہتمام ۳:۔ مسند رشد و ہدایت۔ یہی تین پہلو ہیں جو حضرت قبلہ کی زندگی کے تین اہم عنصر تھے اور آپ کی تمام خدماتِ جلیلہ ان ہی تین گوشوں سے بطور خاص متعلق ہیں۔ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ ان تین گوشوں پر الگ الگ روشنی ڈالی جائے۔

مسند درس و تدریس

دوران تعلیم ہی چونکہ اکابر کی حقیقت شناس نگاہوں نے آپ کی صلاحیتوں اور خداداد علمی ملکات کو تاڑ لیا تھا نیز آپ کے ذاتی اوصاف اور علمی صلاحیتوں کا سب ہی کو اعتراف تھا اس لئے آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد منصب تدریس پر فائز کیا گیا۔

خداداد ذکاوت و ذہانت علم و فراست اور پھر خاندانی وجاہت و نسبت کی بنا پر بہت جلد آپ نے عام مقبولیت اور علمی حلقوں کی گرویدگی حاصل کر لی۔ اس مسند علم و فضل پر فائز ہونے کے بعد آپ کے اوصاف اور کمالات کے حقیقی جوہر کھلے جس کا اکابر نے تہہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے ہمیشہ عزت افزائی کی۔ چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ اکثر تبلیغی اسفار میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے اور بڑے بڑے نازک موقع پر بہ تقاضائے وقت مختلف موضوعات پر آپ سے تقریر کراتے۔ اور اظہار اطمینان و مسرت فرماتے۔

بہرحال مسندِ تدریس پر فائز ہونے کے بعد شروع میں آپ نے فقہ، منطق، فلسفہ، صرف و نحو، معانی اور دیگر مہتم بالشان فنون کی اہم کتابیں نہایت شان و شوکت سے پڑھائیں۔ اسی اثناء میں اہتمام کی اہم ذمہ داریاں بھی حضرت کو سونپی گئیں، لیکن باوجودیکہ دارالعلوم کے انتظام والنصرام کی ذمہ داریاں بڑھ چکی تھیں نیز ملک میں تبلیغی اسفار کثرت سے بھی زیادہ تجاوز کر چکے تھے مگر آپ کا ذوق و شوق تدریس برابر اسی نہج پر تھا اور اس زمانہ اہتمام میں بھی کچھ نہ کچھ اسباق اپنے ذمے کئے رہے اور الحمد للہ

اُن دنوں جبکہ دارالعلوم کی انتظامی مشغولیت اور مصروفیت اس حد کی تھی کہ شب و روز کا کوئی لمحہ اس سے فارغ نہیں تھا مگر اس کے باوجود آج تک آپ نے کبھی درس و تدریس سے کنارہ کشی اختیار نہ کی۔ اس عرصہ میں مختلف علوم و فنون کی اہم کتابوں کا درس آپ دیتے رہے۔ خصوصیت سے حجۃ اللہ البالغہ آپ کے درس میں زیادہ رہتی ہے کہ جس میں آپ کے ذوق حکیمانہ کے جوہر و اسرار کھلتے ہیں اور پڑھنے والوں کی تشریعات اسلامی کی ان مخفی پہلوؤں پر آپ کے درس گرامی سے وہ نظر ہو جاتی ہے جو برسہا برس کی محنتوں کے بعد بھی میسر آنا مشکل ہے حق یہ ہے کہ حکمت ولی اللہی کے لئے جس فکری عروج کی ضرورت ہے وہ بدرجہ اتم حکیم الاسلام میں موجود تھا اس کے علاوہ ابن ماجہ شریف اور مشکوٰۃ شریف بھی برابر زیرِ درس رہتی ہیں، کئی سال شمائل ترمذی کا درس بھی دیا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ ایک طرف تو حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کے صحیح وارث ہیں اور دوسری طرف براہ راست حضرت شاہ صاحب سے ـــــ ـ ـ ـ شرف تلمذ حاصل ہے اس لئے آپ کے درس میں دونوں بزرگوں کے علوم و معارف کا فیضان رہتا ہے۔

چنانچہ آپ منقولات اور تشریعات اسلامی کو دلائل عقلیہ سے اس انداز میں ثابت فرماتے کہ جس سے ہر دور کا ذہن مطمئن ہو سکے۔ اور حضرت نانوتویؒ کے رنگ میں اسلامی تعلیمات پر تقریر ایسی خوبی سے کرتے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا

جن لوگوں نے حضرت کی درسی تقاریر سنی ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ علوم قاسمیہ کا فیضان اس طرح ہوتا کہ بے ساختہ حضرت کی زبان سے حضرت نانوتوی کی پوری پوری تقریر نقل ہوتی چلی جاتی تھی اور بسا اوقات تو اتنی ہم آہنگی ہوتی تھی کہ الفاظ تک میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا۔

حضرت قاری طیب صاحب مرحوم سے راقم کو مشکوٰۃ شریف اور ابن ماجہ شریف میں شرف تلمذ حاصل ہوا ہے۔ مشکوٰۃ جس روز شروع ہوئی تو حضرت کے درس میں ابھی بسم اللہ بھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ فن حدیث پر تقریر شروع کی۔ سچ کہتا ہوں کہ علم وفضل کا ایک بحر بیکراں تھے جو پوری روانی کے ساتھ بہتا چلا آرہا تھا حقائق و معارف کا ایک دریا تھا جو بے اختیار امنڈا ہوا تھا، الفاظ کیا تھے حقائق و معارف کے موتی تھے جو بے تحاشا لٹائے جارہے تھے علم حدیث کی مفصل تاریخ، اس کی تدوین و ترتیب، علم حدیث کی اہمیت پر استدلال، محدثین کے طبقات، اہل قرآن کے اعتراضات اور ان کے جوابات، گویا کوئی موضوع ایسا نہیں تھا جس پر تفصیل سے روشنی نہ ڈالی ہو۔

بہرحال حضرت قبلہ کی درسی تقریریں تبحر علمی، وسعت مطالعہ، دقت نظر، تحقیق مسائل کی بنا پر علمی حلقوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں اور ایک طالب علم درس میں بیٹھ کر علم وفضل کے اس خزانے سے اپنے دامن مراد کو بھر کر اٹھتا تھا

مسند اہتمام

اگر مجھے عرف عام اور مخصوص ذہن سے قطع نظر قیادت کے حقیقی معنی اور مفہوم مراد لینے کی اجازت دیجائے تو میں یہاں بجائے مسند اہتمام کے منصب قیادت کا عنوان رکھ سکتا ہوں، اس لئے کہ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا وہ مقام ہے جہاں آپ کی عزت و عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ملت اسلامیہ نے آپ کے سر پر قیادت اور رہنمائی کا تاج رکھا تھا۔

دارالعلوم مسلمانان ہند و پاک ہی کے لئے نہیں بلکہ عالم اسلام کا بین الاقوامی مذہبی ادارہ ہے اور اس اعتبار سے ملت اسلامیہ کا یہ قلب ہے جہاں سے ان کی روح اور فکر کی جلاء کا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے اس عظیم ادارہ کی اہم ذمہ داری (صدر اہتمام) کے لئے کسی شخصیت کا انتخاب ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس جلیل القدر منصب پر اسی شخص کا انتخاب ہوسکتا ہے جو کمالات علمی اور اوصاف باطنی و ظاہری سے پوری طرح مزین ہو اگر ایک طرف وہ علم وفضل، زہد و تقویٰ، دیانت و امانت، فہم و فراست میں ممتاز مقام کا مالک ہو تو دوسری طرف قوم و ملت میں بااثر اور بارسوخ ہو، اس کی قیادت پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے اس کی رہنمائی پر قوم کو اطمینان ہو۔

اب اگر اس حیثیت سے حضرت حکیم الاسلام کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف ناگزیر ہوگا کہ ۱۳۴۸ھ میں وقت کے اکابر و مشہور اور ذمہ دار حضرات نے اپنے متفقہ ریزولیوشن کے مطابق مسند اہتمام پر حضرت مدظلہ کو فائز کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ ان کی حقیقت آشنا نگاہوں کی کرشمہ سازی تھی کہ انہوں نے حکیم الاسلام کی علمی صلاحیتوں کا اندازہ کرکے اس عظیم مسند کا انکو اہل قرار دیا جو درحقیقت عالم اسلام کی قیادت و رہنمائی کے

مترادف تھا۔

ادارہ اہتمام سے تو آپ کا تعلق ۱۳۴۰ھ ہی میں قائم ہو گیا تھا جب کہ آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم بنایا گیا اس عرصہ میں آپ دارالعلوم کے انتظامی معاملات کا جائزہ اور ادارہ اہتمام کے انصرامی معاملات میں حصہ لیتے رہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد منصب اہتمام پر کسی اہم شخصیت کی ضرورت کا مسئلہ سامنے آیا تو اکابر دارالعلوم اور ممبران مجلس شوریٰ کی نظر انتخاب آپ ہی پر پڑی۔ ایک طرف تو آپ کی علمی اور تبلیغی خدمات کی بنا پر ملک میں آپ کا بہت زیادہ اثر و رسوخ ہو گیا تھا دوسری طرف نیابت واہتمام کے دوران انتظامی صلاحیت کے سب ہی معترف تھے لیکن اس کے علاوہ جو سب سے اہم چیز اکابر کے داعیہ کا باعث بنی وہ درحقیقت حضرت نانوتویؒ سے آپ کا نسبی انتساب تھا جو ہمیشہ سے دارالعلوم کی ترقی و کامیابی اور فلاح و بہبود کے لئے اکابر کی نظروں میں خاص اہمیت رکھتا تھا چنانچہ باوجودیکہ حضرت مرحوم کا خاص علمی ذوق اور آپ کا رجحان طبع انتظامی معاملات کی طرف مائل نہ تھا لیکن حضرات ذمہ داران دارالعلوم نے بصد اصرار آپ کو مجبور کیا کہ دارالعلوم کی باگ ڈور اپنے باوقار ہاتھوں میں لیں۔ لہٰذا ۱۳۴۸ھ میں آپ دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ قرار دیئے گئے۔ اور یہیں سے اس شاندار داستان کی ابتداء ہوتی ہے جو دارالعلوم کی بے پناہ مقبولیت، عالمگیر ہمت، ادارہ کی بین الاقوامیت اور اس کی ترقی اور کامیابی کے لئے دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے جسے دارالعلوم کی علمی و درسی تاریخ حضرت الاستاذ الاکبر علامۃ العصر مولانا السید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی مثال اس حیثیت سے پیش کرنے سے عاجز ہے کہ ان کے دور میں دارالعلوم کا درسی عروج اور علمی وسعت اس درجہ کی تھی کہ اسوقت دارالعلوم کی آغوش علم و تربیت سے پرورش پاکر نکلنے والا ہر فاضل اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا۔ ٹھیک اسی طرح دارالعلوم کی پوری تاریخ حضرت مرحوم کا اسم گرامی فخر سے پیش کر سکتی ہے کہ اس کی ترقی و کامیابی اور اس کی رفعت و عظمت کا راز حکیم الاسلام کی زندگی میں پوشیدہ ہے۔

۱۳۴۸ھ میں جبکہ آپ نے دارالعلوم کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اس کے انتظامی شعبے صرف آٹھ تھے اور اب بتیس ہیں۔ اسوقت دارالعلوم کا کل بجٹ محض پچاس ہزار روپے تھا اور اب اس کی آمدنی کا تخمینہ سات لاکھ روپے ہے اس زمانہ میں دارالعلوم کا عملہ ۴۵ افراد پر مشتمل تھا اور اب تقریباً ۲۵۰ افراد کا اسٹاف ہے جو دارالعلوم کی خدمت میں مصروف عمل ہے اسی طرح دارالعلوم کی تعمیری ترقی میں بھی نمایاں فرق ہے ۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم کی عمارتوں کا تخمینہ چند ہزار روپے سے آگے نہیں تھا لیکن آج بحمداللہ ۲۰، ۲۵ لاکھ کی فلک بوس عمارتیں قوم کی امانت ہیں۔

غرضیکہ مسند اہتمام پر فائز ہونے کے بعد دارالعلوم کی ارتقائی زندگی روز بروز بڑھتی گئی چنانچہ متعدد بار دارالعلوم کی مجالس شوریٰ و منتظمہ نے آپ کی اس کارگزاری اور خدمات

کے سلسلہ میں بطور تشکر و امتنان پاس کئے گئے ریزولیشنوں
کے ذریعے اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا۔ دور اہتمام ہی میں
آپ کا سفر افغانستان آپ کی جلیل القدر خدمات و عظمت
کی ایک مستقل تاریخ ہے جبکہ دار العلوم کے نمائندے
کی حیثیت سے دار العلوم اور افغانستان کے درمیان
علمی و عرفانی رابطہ پیدا کرنے کے لئے آپ نے یہ سفر ۵۸ھ
اختیار کیا تھا۔ وہاں اگر علمی حلقوں نے آپ کا شاندار استقبال
کیا اور انجمن ادبی و (اعلیٰ سرکاری سوسائٹی) مجلس قانون
(جمعیۃ علماء) کابل یونیورسٹی اور دوسرے تعلیمی اداروں نے
آپ کو دعوت دیکر آپ کے علمی و عرفانی فیض سے استفادہ
کیا تو دوسری طرف حکومت افغانستان نے سرکاری طور
پر آپ کا خیر مقدم کرکے اور شاہ افغان نے ایک گرانقدر
خطیر رقم دار العلوم کو عنایت فرما کر آپ کی عظمت و احترام
کا اعتراف کیا، ان ہی دنوں برما کا اہم سفر برائے دار العلوم
کی ارتقائی زندگی کا ایک جلی عنوان ہے جس سے دار العلوم
کی مالی منفعت اور ترقی میں کافی اضافہ ہوا۔

الحاصل اگر مجموعی طور پر سوال کیا جائے کہ ۱۲۸۳ھ
میں قائم ہونے والے اس چھوٹے سے مکتب کو آگے بڑھا کر
دار العلوم کا رنگ دینے والا کون ہے؟ تو موجودہ دور
کی ۶۰ سالہ تاریخ نہایت عقیدت سے حضرت حکیم الاسلام
مدظلہ کا نام دنیا کے سامنے پیش کر دے گی۔

مسند رشد و ہدایت

ایک مصلح اور رہنما کی عند اللہ انتہائی معراج یہ ہوتی
ہے کہ مخلوق خدا کی ظاہری و باطنی اصلاح کو اپنی زندگی کا مقصد
قرار دے اور دنیا کی ہر ضلالت و گمراہی میں ہدایت
اور راستی کے فانوس جلاتا رہے اس مقصد کے حصول
کے لئے اہل اللہ کے ہاں تین ہی طریقے ہوتے ہیں۔ کوئی
تصوف و سلوک کی راہ سے گم کردہ راہ حق کی ہدایت کرتا ہے
کوئی اپنے قلم کی سحر طرازیوں سے عوام کی اصلاح کرتا ہے
یا پھر تبلیغ و دعوت کے لئے تقریر کے میدان کو پسند کرتا ہے
لیکن اگر میدان فیاض کی طرف سے کسی شخص واحد میں یہ
تینوں ملکے ودیعت کر دیئے جائیں تو اس کی جامعیت
اور اکملیت تو مسلم ہوتی ہے لیکن تبلیغ و دعوت جیسے عظیم
مقصد میں کامیابی اپنے انتہائی عروج پر ہوتی ہے۔

ہم آج بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حکیم الاسلام
مسند رشد و ہدایت کے اعلیٰ مقام پر ہیں کیونکہ اگر
آپ ایک طرف راہ طریقت اور تصوف و سلوک کے ذریعے
خلق اللہ کے تزکیہ نفس اور ان کی اصلاح باطنی میں معروف
ہیں تو دوسری طرف اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے بیرون
ملک میں گمراہی و تاریکی کے اس دور میں حقیقت و
معرفت کی شمعیں جلا رہے ہیں۔

پہلے آپ کا سلسلہ بیعت ۱۳۳۹ھ میں شیخ وقت
حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے قائم ہوا ابھی آپ
راہ طریقت کی اعلیٰ منازل طے کر رہے تھے کہ حضرت
شیخ الہند کا وصال ہو گیا ان کے بعد آپ نے اپنے زمانے
کے سب سے بڑے شیخ قطب العالم حضرت حکیم الامت
مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی نگرانی
میں راہ معرفت و حقیقت کے اعلیٰ مدارج طے کئے
حضرت تھانویؒ کے یہاں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی اور
آپکی تربیت میں مخصوص طریقے سے حصہ لیتے تھے۔

آخر کار جب شیخ کی حقیقت آشنا نگاہوں نے مرید
کے جوہر استعداد کا اعتراف کرلیا تو ۱۳۵۰ھ میں آپ کو
اپنا مجاز قرار دے دیا اور خلافت کے خلعت فاخرہ سے
مشرف فرمایا۔

اس کے بعد حضرت مدظلہ نے اپنے چشمۂ ہدایت سے
تشنہ گامان قلب و روح کو سیراب فرمانے لگے اور راہِ حق
کے طلب گار اپنی آرزوؤں اور امیدوں کی جھولی اس خزانۂ
معرفت سے بھرتے رہے اور فیض حاصل کرتے ہیں ملک
اور بیرون ملک میں حضرت کے مریدین اور مسترشدین کی
تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے جو براہِ راست آپ کے
دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر آپ کی روحانی تربیت
اور ہدایت و اصلاح سے اپنی زندگی کو منور کر رہے ہیں ان
کے علاوہ ایک بہت بڑا طبقہ ایسا بھی رہتا ہے جو راہِ حق
کے طلبگار ہوتے ہیں اور بذریعہ خط و کتابت آپ کی
روحانی و عرفانی ہدایتوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

رشد و ہدایت کے سلسلے میں حضرت کی تبلیغی تقریریں
اور وعظ آپ کی زندگی کا مابہ الامتیاز مقام تھا کہ جس کی
وجہ سے پاک و ہند کا چپہ چپہ گونجتا رہا۔ اور لاکھوں کی
تعداد میں مسلمان آپ کی تقریروں کی وجہ سے گمراہی سے
نکل کر ہدایت و راستی کی روشنی پاتے رہے۔ فن خطابت
اور تقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوت گویائی حاصل تھی
زمانۂ طالب علمی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں اور علمی
حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

اہم سے اہم مسائل پر تین تین چار چار گھنٹے مسلسل
تقریر کرنے اور علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ
محسوس نہیں ہوتی۔ حقائق و شریعت کے بیان و ایجاد مضامین
میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی جسے بڑے بڑے اہل
علم تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔

جدید تعلیمیافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب
بیان سے خاص طور پر محظوظ ہوتا رہا۔ چنانچہ علی گڑھ مسلم
یونیورسٹی میں آپ کی علمی تقریریں خاص وقعت کی نگاہ سے
دیکھی جاتی ہیں۔ بعض تقریروں کو مسلم یونیورسٹی نے شائع
بھی کروایا ہے۔

فرقِ باطلہ کے رد میں آپ کی انفرادی شان ہے۔
نہایت باوقار، متین اور سنجیدہ لہجہ اختیار فرماتے۔ الزامی
اور سوقیانہ طرز سے ہٹ کر خالص علمی و اصلاحی انداز میں
گمراہ عقائد کا اس طرح رد فرماتے کہ مخالف بھی متاثر
ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

آپ کی بعض تقریریں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں
۱۹۴۷ء میں سرکاری عربی مدارس کے نصاب کی ترتیب
و تدوین کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی زیر صدارت
کونسل ہاؤس لکھنؤ میں منعقدہ کانفرنس کی وہ تقریر جو
حضرت نے علماءِ دیوبند کی قیادت کرتے ہوئے فرمائی تھی
وہ آج بھی تاریخ خطابت کا انمول شاہکار ہے جس پر
مولانا آزاد جیسا خطیب بھی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

۱۹۵۲ء میں بسلسلۂ سفر حجاز آپ نے ہندوستان
کے ایک مؤتمر وفد کی قیادت کرتے ہوئے سلطان ابن سعود
کے دربار میں ایک شاندار تقریر فرمائی جس پر سلطان بہت
متاثر ہوئے اور بوقتِ رخصت شاہی خلعت اور بیش
قیمت کتب کے عطیہ کے ذریعے اپنی عقیدت و محبت کا

اظہار کیا۔ آپ نے افغانستان، برما اور افریقی ممالک کے اسفار و دورے بھی کئے۔

دیوبند میں زمانہ قیام میں روزانہ بعد مغرب آپ کی مجلس مقامی اور غیر مقامی طالبان حق کے لئے ایک مکتب رشد و ہدایت کی حیثیت رکھتی تھی جس کا موضوع عموماً علمی مذاکرہ رہتا تھا جس میں آپ مختلف موضوعات پر اپنی علمی تحقیق سے حاضرین کو محظوظ فرماتے ہیں اس سلسلہ کی تیسری کڑی آپ کا مشغلہ تصنیف و تالیف تھی۔ آپ کی مضمون نگاری اور انشاپردازی کی ابتداء زمانہ طالبعلمی سے القاسم کے صفحات سے شروع ہوئی۔ جب ہی اس سے آپ کے تحقیقی مقالے علمی حلقوں میں بنظرِ استحسان دیکھے جاتے تھے۔ انشاپردازی میں آپ انفرادی حیثیت کے مالک تھے، ہند و پاکستان کے طبقہ علماء کے صف اول کے اہلِ قلم اور مقالہ نگار ہیں ملک کے مؤقر جریدے اور رسالے آپ کے مضامین کی اشاعت باعثِ فخر سمجھتے ہیں اس فن میں بھی آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ اور ادق سے ادق پر لمبے لمبے طویل مقالے اور مضامین ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے۔ آپ کی تصنیف و تالیف اور مقالہ نگاری کا اکثر حصہ دوران سفر میں انجام پایا۔

تصنیف و تالیف کی تعداد بہت زیادہ ہے اگر الگ الگ کتابوں پر تبصرہ کروں تو صفحات کو تنگ دامنی کا گلہ ہوگا۔ اس لئے صرف ان کتابوں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کی سب سے پہلی تصنیف التشبہ فی الاسلام ہے جو آپ کے ابتدائی دور کی شاہکار ہے۔ علمی حلقوں نے اسے بہت زیادہ پسند کیا ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں۔

فطری حکومت، اسلام اور فرقہ واریت، سائنس اور اسلام، مشاہیر امت، تکمیل رسالت، فلسفہ نماز، شرعی پردہ، ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، مسئلہ تقدیر، اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، علم غیب، خاتم النبیین، اسلام اور مغربی تہذیب، تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، اصولِ دعوت اسلام، عالمی مذہب نظریہ دو قرآن پر ایک نظر، کلمہ طیبہ کی حقیقت وغیرہ

تصانیف کے علاوہ ان علمی مقالوں کی تعداد حد کثرت سے تجاوز ہے جو ہندوستان و پاکستان کے مقتدر علمی جرائد کی زینت بن چکے ہیں۔

"مدنی نمبر"

وفیات

حضرت قاری صاحبؒ کے وصال کے ساتھ حسب ذیل اصحاب و احباب کی وفیات جامعہ کے لئے حزن و ملال ہیں:

حکیم عبدالرحمن خانؒ (برادر خطیب شہر ساہیوال)

نواب الحاج محمد صدیق صاحبؒ دہلوی مقیم اوکاڑہ

مولانا الحاج محمد علیؒ جانباز جالندھری (سمندری)

صوفی شمس الدینؒ خازن مسجد نور (ساہیوال)

مولانا غلام حیدرؒ مبلغ ختم نبوت میانچنوں مولانا نور احمد صاحبؒ حافظ

جامعہ میں مرحومین کے لئے قرآن خوانی، ایصال ثواب اور دعیہ مغفرت کی گئیں۔

ـــ ادارہ

یاد ایام

طاہر رشیدی

کلمات طیبات

۲۵ ر جمادی الاولی ۱۳۹۰ھ جمعرات کی صبح جامعہ رشیدیہ کے لئے ایک عجیب صبح تھی کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند جامعہ رشیدیہ کی جدید عمارت کے افتتاح کے لئے تشریف لائے۔

حضرت قاری صاحب نے ملتان تا لاہور کار کے ذریعے صرف اس لئے سفر کی تکلیف فرمائی کہ راستہ میں "دیوبندی مکاتیب فکر" کے احباب سے ملاقات ہو جائے۔

چنانچہ حضرت موصوف ۹ بجے کے قریب جامعہ رشیدیہ تشریف لائے، جامعہ کے اکیس ۲۱ علماء فارغ التحصیل طلبہ کی دستارہائے فضیلت، اسناد، انعامی کتب آپ کے سامنے رکھی تھیں اور ۲۲ طلبہ حفاظ قرآن، قرآن حکیم ختم کر چکے تھے۔

حضرت کی تشریف آوری پر ناظم ادارہ مدیرالجامعہ نے مختصر سا زبانی سپاسنامہ پیش کیا اور جامعہ رشیدیہ کا دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند سے تعلق اور رابطہ بیان کیا۔ حضرت قاری صاحب نے جامع خطاب فرماتے ہوئے دارالکتب (کتب خانہ رشیدیہ) میں دعا فرمائی

اس تقریب سعید میں ساہیوال، بہاولنگر، لاہور اور فیصل آباد و ملتان کے اضلاع سے لوگ حضرت موصوف کی زیارت اور خطاب سے مستفید ہونے کے لئے کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا!

بزرگان محترم! اسلام میں ایک مستقل موضوع ہے "مسلمانوں میں باہمی تعلقات" ایک دوسرے کی مدد کرنا، ایک دوسرے کی اعانت کرنا جس سے اتحاد و اتفاق کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنی تعلیمات میں ایسے پروگرام دیئے ہیں جس سے تعلقات و روابط قائم ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے "اللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ" اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد میں رہتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کے کام میں لگا ہوا ہے"

اسلام نے حکم دیا کہ بیمار کی عیادت کیا کرو اور اس کی بیمار پرسی کرنا ثواب کا کام بتایا ہے۔ اسی طرح جنازے میں شرکت کرنے کی ترغیب دی جس سے ورثا کی تشفی اور ڈھارس بندھے گی اور باہمی الفت و محبت کو فروغ ملے گا۔ جس سے تعلقات کا مضبوط ہونا بدیہی امر ہے نیز تعلق والوں اور رشتہ داروں کے گھروں سے کھانے پینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

"لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت اٰبائکم او بیوت امھٰتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخواتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عمّٰتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خٰلٰتکم او ما ملکت ایمانکم او صدیقکم"

نیز فرمایا کہ تعلقات والوں کے گھروں میں جاکر کہہ سکتا ہے کہ کھانا لاؤ میں نے کھانا کھانا ہے جس سے تعلقات میں مزید اضافہ ہوگا اور اجنبی گھر میں جاکر نہیں کہا جاسکتا۔ پھر اسلام نے اس میں وسعت دی کہ اپنے غلام اور باندی کے گھر میں جاکر کہا جائے کہ آج میں نے کھانا یہاں کھانا ہے، ناشتہ آپ کے ہاں کرنا ہے تو غلام کا سر آسمان پر پہنچ جائے گا اور آقا کی محبت میں اور اضافہ ہوگا اور اسی طرح حکم ہے کہ اپنے دوست کے گھر جاکر کھانا پینا بھی باعث ترقی اتحاد و اتفاق ہے۔

پاکستان میں میری حاضری محدود وقت کے لئے ہوئی تھی، وقت بہت کم تھا اور ویزائی مشکلات کے باعث پروگرام طے پایا کہ ملتان سے لاہور تک کا سفر سڑک کے راستے بذریعہ کار کیا جائے تاکہ راستے میں دوستوں سے ملاقات ہوتی چلی جائے اور زیارت سے مستفید ہوتے چلیں گے اگرچہ گرمی کا موسم ہے اور سفر دشوار تھا مگر دوستوں اور احباب کی گرمی محبت گرمی آفتاب پر غالب آگئی۔ جامعہ رشیدیہ میں حاضری ہوگئی کیونکہ اس کا تعلق اکابر دارالعلوم دیوبند سے ہے نیز جہاں بھی کوئی فاضل دارالعلوم بیٹھا ہے اس سے تعلق ہے۔ یہ خطہ تو ایک ہی تھا مگر تقسیم نے جدا کردیا یورپ میں میں نے دیکھا ہے کہ بہت زیادہ مدارس قائم ہیں اور فضلاء دارالعلوم اپنی اپنی جگہوں پر اشاعت دین میں بذریعہ تدریس مصروف ہیں۔ تقریباً بیس پچیس گرجے خرید کر وہاں مدارس اور مساجد قائم کردی گئیں ہیں اور فضیلت کی بات یہ ہے کہ ان گرجوں کو خریدنے میں غیر مسلموں نے بھی انتہائی کوشش کی مگر فروخت کرنیوالوں نے مسلمانوں کے ہاتھ بیچنے کو ترجیح دی کیونکہ وہ کہتے تھے کہ "یہ اللہ کا نام لیں گے" اب وہاں عقیدہ تثلیث کی جگہ عقیدہ توحید کی تعلیم دی جارہی ہے اور یورپین نوجوان نسل اپنے نظریات و اعمال سے دلبرداشتہ ہوچکے ہیں۔ وہ اب سکون حاصل کرنے کی سعی میں مصروف ہیں جس کے نتیجے میں فضلاءِ دارالعلوم نے نوجوان نسل کے ذہنوں میں تبدیلی کے لئے محنت کی اور کررہے ہیں اور اس میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں اور اس لئے میں کہتا ہوں کہ آپ ہی (فضلاء دارالعلوم) تاریخ انگلستان

بن سکتے ہیں یہی صورت برما وغیرہ دوسرے ممالک میں ہے کہ وہاں بھی مدارس قائم ہیں اور اشاعت اسلام میں مصروف ہیں۔ بہرحال اکابر دار العلوم نے ایک شجرہ طیبہ قائم کیا ہے کہ دنیا میں کہیں شاخیں ہیں کہیں پھول ہیں کہیں پتیاں ....

حضرت نے فرمایا کہ میں تو ایک طالب علم ہوں اور یہاں آ کر سکون محسوس کر رہا ہوں کیونکہ مچھلی جس طرح پانی میں خوش ہوتی ہے اور وہاں اس کو آرام ملتا ہے۔ اپنی برادری میں آکر مجھے قلبی سکون و آرام میسر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ہمیشہ قائم رکھے۔

یہاں میری حاضری میرے لئے باعث سعادت ہے کہ اتنے احباب، دوستوں اور بزرگوں کی زیارت ہوگئی۔ بزرگوں، احباب کی زیارت کرنا اسلام کی روایت ہے مزید فرمایا کہ عباد اللہ تناشقوا و حنا شہ واحد۔ ہم میں سے کوئی پنجابی ہے کوئی پٹھان ہے اور کوئی کسی خاندان اور علاقہ سے تعلق رکھتا ہے مگر اسلام کے ایک رشتہ نے سب تفاوت اور فرق ختم کر دیئے۔ ہم میں گو بُعد زمان و مکان ہے مگر رشتۂ اسلام کی وجہ سے دلوں میں قرب ہے اور دلوں کے اس تعلق اور محبت کو بعد زمانی یا مکانی ختم نہیں کر دیتا۔ اس زیارت کو غنیمت سمجھتا ہوں کیونکہ عمر کی آخری منزل ہے دل چاہتا ہے کہ جتنے احباب سے ملاقات ہو جائے اتنا ہی کم ہے۔

اس کے بعد دعا فرمائی اور مجلس ختم ہو گئی

قحط الرّجال

ساحل دیوبندی

ہو گئی ہے ختم اَب تو زندگانی کی بہار
اَشک ہیں آنکھوں میں اَب ہم مُسکرا سکتے نہیں
شدّتِ غم نے ہمیں مجبُور ایسا کر دیا
دِل پہ جو گذری ہے اُس کو بھی بتا سکتے نہیں

الرشید زیرِ ادارت مولانا حبیب اللہ (ابن حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فاضل دیوبند، چونکہ اپنے رسالہ الرشید کا دارالعلوم دیوبند نمبر نکال رہے ہیں اور اس ناکارہ سے فرمائش فرمائی کہ میں دارالعلوم کے سلسلے میں کوئی مضمون پیش کروں، اس لیے دارالعلوم کے بارے میں حسب ذیل چند سطور پیش ہیں:

دارالعلوم دیوبند کا اجرا عام موجودہ طریقے پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے جمع ہو کر غور و فکر کیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے اور مجموعی رائے سے مدرسہ دیوبند قائم کر دیا گیا ہو بلکہ یہ مدرسہ بالہامِ غیب قائم کیا گیا ہے۔ وقت کے اہل اللہ اور اربابِ قلوب افراد کے قلوب پر یہ الہام وارد ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں جب کہ انگریزی اقتدار مستقل ہو چکا ہے اور اس کے تحت ان کا تمدن اور ان کے افکار و نظریات لامحالہ اس ملک پر مسلط ہو رہے ہیں جو یقیناً اسلام کے منافی اور لامذہبیت کے فروغ کا باعث ہوں گے اور ممکن ہے کہ ان کے نفسانی تمدن کے زیرِ اثر اسلامی معاشرت بلکہ نفسِ مذہب ہی سے قلوب میں بیگانگی پیدا ہو جائے (جو کچھ ہو کر کے بعد اُن کی فراستِ ایمانی کے مطابق یہ خطرہ واقعہ بن کر نمایاں ہونے لگا)

ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو اس سیلاب کے بہاؤ سے بچا سکے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے واردات کو ایک مجلس میں جمع ہو کر ظاہر کیا! کسی نے کہا کہ مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ ان حالات میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو کم سے کم مسلمانوں کے دین کو محفوظ رکھ سکے۔ کسی نے کہا کہ میرے قلب پر بھی یہی وارد ہوا ہے۔ کسی نے کہا کہ مجھے خواب میں یہی حقیقت دکھلائی گئی ہے۔ غرض قدرتی طور پر ایک باطنی اجماع اس پر منعقد ہو گیا کہ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے تاکہ اس ملک میں مسلمانوں کا دین محفوظ ہو جائے۔ گو ان کی اسلامی شوکت پامال ہو چکی ہے، لیکن اگر دین اور دینی جذبات محفوظ ہو جائیں گے تو ایسا وقت آ سکتا ہے کہ وہ ان ہی دینی جذبات و داعی سے پھر دنیا کی بھی [illegible]

سکیں، یہ تھے، وُہ الہامات غیب جن کے تحت ۱۰ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں اس ادارے کا آغاز کیا گیا، اس لیے یہ مدرسہ کسی رسمی مشورہ مفاہمت سے قائم نہیں ہوا، بلکہ باشاراتِ غیب وقوع پذیر ہوا۔ حضرتِ اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اُن روشن ضمیر رفقاء کے ساتھ اجراءِ مدرسہ پر مستعد ہوئے اور مُلا محمود صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جو میرٹھ میں مدرس تھے، میرٹھ ہی میں بُلا کر فرمایا کہ آپ کو یہاں دس رُوپے ماہوار تنخواہ مل رہی ہے، آپ اپنے وطن دیوبند تشریف لے چلیں، وہاں مدرسہ قائم ہو رہا ہے اور وہیں درس و تدریس شروع فرمائیں آپ کی تنخواہ بھی پندرہ رُوپے ماہوار ہوگی، مُلا صاحب جب ہی تشریف لے آئے اور مسجد چھتہ میں جو دارالعلوم سے متصل اور اب دارالعلوم ہی کے زیرِ انتظام ہے، مُلا محمود صاحب نے صرف ایک شاگرد مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہند) کو سامنے بٹھلا کر مدرسہ دیوبند کا آغاز کر دیا۔ بعد میں اجراءِ مدرسہ کا اعلان ہوا اور بتدریج ایک سے دو اور دو سے دس پانچ تک طلباء کی تعداد بڑھنی شروع ہوگئی، پھر حضرت نانوتویؒ نے اس مدرسہ کو بلکہ اس جیسے تمام مدارس کے لیے آٹھ اصول وضع فرمائے اور ان پر عنوان یہ لکھا کہ "وُہ اصول جن پر مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں" مولانا محمد علی جوہر مرحوم جب تحریکِ خلافت کے موقع پر دیوبند تشریف لائے، دارالعلوم میں پہنچے اور یہ اصولِ ہشتگانہ حضرت ہی کے قلم سے لکھے ہوئے ان کے سامنے پیش کئے گئے۔ (جو بجنبہٖ خزانہ دارالعلوم میں حضرت ہی کی قلمی تحریر کے ساتھ محفوظ ہیں) تو مولانا کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا: "ان اصول کا عقل سے کیا تعلق؟ یہ تو خزانۂ غیب اور مخزنِ معرفت سے نکلے ہوئے ہیں، حیرت ہے کہ جن نتائج تک ہم سو برس میں دھکے کھا کر پہنچے ہیں یہ بزرگ سو برس پہلے ہی ان نتائج تک پہنچ چکے تھے"۔ اس شہادت اور ہم خدامِ دارالعلوم کے یقین کی گواہی سے صاف ظاہر ہے کہ اس مدرسہ کے اصول بھی الہامی ہیں، کسی رسمی مشورہ مفاہمت کا نتیجہ نہیں۔ اجراءِ مدرسہ کے بعد یہ مدرسہ مختلف مسجدوں اور پھر کرایہ کے مکانات میں چلتا رہا۔ سات آٹھ برس کے بعد جب طلباء کی کثرت ہوئی اور رجوعِ عام ہوا تو ضرورت پیش آئی کہ مدرسے کا کوئی اپنا مستقل مکان ہونا چاہیے، تو یہ جگہ اور اس کے حصے جہاں آج دارالعلوم کی وسیع عمارات کھڑی ہوئی ہیں۔ تحریک و ترغیب کے بعد مدرسے کے لیے دینے شروع کئے، بعض نے بقیمت اور بعض نے حسبۃً للہ، جس سے ایک بڑا قطعہ مدرسے کے ہاتھ آگیا۔ یہ جگہ عموماً شہر کا میلا پڑنے اور کوڑیوں کی جگہ تھی۔ دارالعلوم کے قیام سے تقریباً ایک صدی یا کم و بیش پہلے یہاں سے حضرت سید احمد شہید بریلوی مع اپنے رفقاء مجاہدین کے گزرے تو فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی بُو آتی ہے، جس کا ظہور سو سال بعد ہوا اور اسی گندی جگہ سے بالآخر ۱۸۰۸ھ کے بعد علومِ نبوت کی اشاعت و ترویج شروع ہوئی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی جگہ انتخاب بھی الہامی ہے، جو باشاراتِ غیب پہلے سے منتخب تھی اور آخر کار اسی جگہ پر ان اہل اللہ کا قرعۂ فال پڑا اور اس میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔

زمین مل جانے کے بعد جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی قدس سرہٗ مہتمم ثانی دارالعلوم دیوبند (جو نقشبندی خاندان کے اکابر میں سے تھے، صاحبِ کشف و واردات اور صاحبِ کرامات بزرگ تھے) کے زمانۂ اہتمام میں عمارتِ مدرسہ تجویز ہوئی اور اس کی پہلی بنیاد کھود کر تیار کی گئی اور وقت آگیا کہ اسے بھرا جائے اور اس پر عمارت اٹھائی جائے، کہ مولانا علیہ الرحمۃ نے خواب دیکھا کہ اس زمین پر حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، عصا ہاتھ میں ہے، حضورؐ نے مولانا سے فرمایا: شمال کی جانب جو بنیاد کھودی گئی ہے، اس سے صحن بہت چھوٹا اور تنگ رہ گیا اور آپؐ نے عصائے مبارک سے دس بیس گز شمال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہیے۔ تاکہ مدرسے کا صحن وسیع رہے، (جہاں تک اب صحن کی لمبائی ہے) مولانا علیہ الرحمۃ خواب دیکھنے کے بعد علی الصباح بنیادوں کے معائنے کے لیے تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ کا نشان لگایا ہوا اسی طرح بدستور موجود تھا تو مولانا نے پھر نہ ممبروں سے پوچھا، نہ کسی سے مشورہ کیا، اسی

اسی نشان پر بنیاد کھدوائی اور مدرسے کی تعمیر شروع ہو گئی

اس سے واضح ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیادیں بھی الہامی اور اشاراتِ غیب کے تحت ہیں، اس کا سنگِ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو تمام اہل اللہ اور اکابرین جمع ہی نہیں تھے، بلکہ اُن کے قلوب میں ایک عجیب بشاشت و کیفیت کا نور موجزن تھا، سنگِ بنیاد میں جس سے بھی پہل کرنے کو کہا جاتا تو وہ کہتا، نہیں فلاں صاحب سے ابتداء کرائی جائے، وہ ہم سب کے بڑے اور اس کے اہل ہیں، گویا بے نفسی کا یہ حال تھا کہ اپنے کو کمتر سمجھ کر کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا، بالآخر اینٹ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے رکھوائی گئی اور اس کے ساتھ ہی حضرت نانوتوی نے حضرت میاں جی منے شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جنہیں صغیرہ گناہ کا بھی کبھی تصور نہیں آیا، تو انھوں نے حضرت محدث سہارنپوری کے ساتھ اینٹ رکھی جس سے واضح ہے کہ سنگِ بنیاد رکھنے والے بھی وہ اہل اللہ تھے جو اتباعِ سنت اور روحانیات میں مستغرق تھے اور بے نفسی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا یہ بھی واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ممدوح دارالعلوم کے صحن دیوبند میں گھوم رہے تھے، چند طلباء بھی حاضر تھے کہ دورۂ حدیث کا ایک طالب علم مطبخ سے کھانا لے کر آپ کے سامنے آیا، جب کہ اُس وقت مطبخ میں صرف چودہ یا پندرہ طلباء کا کھانا پکتا تھا اور اُس نے نہایت ہی گستاخانہ انداز میں شوربے کا پیالہ مولانا کے سامنے زمین پر دے مارا اور کہا کہ یہ ہے آپ کا اہتمام و انتظام کہ اس شوربے میں نہ مسالہ ہے، نہ گھی ہے، پانی جیسا شوربہ ہے، اور کچھ اور بھی سخت سست الفاظ کہے، اس گستاخی پر طلباء جوش میں آگئے، مگر چونکہ حضرت مولانا پوری متانت کے ساتھ خاموش تھے اور زبان سے کچھ نہیں فرما رہے تھے، اس لیے طلباء بھی خاموش کھڑے رہے، بجائے کچھ فرمانے کے مولانا نے اس گستاخ طالب علم پر تین دفعہ اس کے سر سے پیر تک نگاہ ڈالی، جب وہ طالب علم تک جھک کر چلا گیا تو مولانا نے حیرت سے طلباء سے فرمایا کہ کیا یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم ہے؟ طلباء نے عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسے کا طالب علم ہے، فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے۔ طلباء نے کہا کہ مطبخ کے رجسٹر میں اس کے نام کا باقاعدہ اندراج ہے اور یہ برابر مدرسہ سے کھانا لے رہا ہے، فرمایا کچھ بھی ہو یہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے۔ چند دن کے بعد جب چھان بین ہوئی تو ثابت ہوا کہ وہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے، اس کا ایک ہمنام دوسرا طالب علم ہے، اس نے دھوکے سے محض نام کے اشتراک کی وجہ سے کھانا لینا شروع کر دیا، ورنہ اس کا اندراج سرے سے ہی رجسٹروں میں نہیں ہے، بات کھل جانے پر طلباء نے عرض کیا کہ حضرت! بات تو وہی نکلی جو آپ نے ارشاد فرمائی تھی، کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے، لیکن آپ نے اس قوت سے کس بنا پر اس کے طالب علم ہونے کی نفی فرمائی؟ ———

فرمایا: ابتداء میں اہتمام سے کارہ اور بیزار تھا، لیکن جب بھی چھوڑنے کا ارادہ کرتا، تو حضرت نانوتوی روک دیتے تھے، مجبوراً پھر کام میں لگ جاتا تھا اور ردّ و انکار اور جبر و اصرار کے چند دن بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ احاطۂ مولسری دارالعلوم کا کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور اس کی من پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں، لینے والے آرہے ہیں اور دودھ لے جا رہے ہیں۔ کوئی گھڑا لے کر آرہا ہے، کوئی لوٹا، کوئی پیالہ اور کسی کے پاس برتن نہیں ہے تو وہ چلو ہی بھر کر دودھ لے رہا ہے۔ اور اس طرح ہزاروں آدمی دودھ لے کر جا رہے ہیں۔ فرمایا کہ وہ خواب دیکھنے کے بعد میں مراقب ہوا کہ اس واقعے کا کیا مطلب ہے؟ تو مجھ پر منکشف ہوا کہ کنواں صورتِ مثالی دارالعلوم کی ہے اور دودھ صورتِ مثالی علم کی ہے اور قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندۂ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ آ کر دودھ لے جانے والے طلباء ہیں، جو حسبِ ظرف علم لے کر جا رہے ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ مدرسہ دیوبند میں جب

داخلہ ہوتا ہے۔ جو طلبہ آتے ہیں تو میں ہر ایک کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ
بھی اُس مجمع میں تھا اور یہ بھی، لیکن ایک گستاخ طالب علم پر میں نے سر سے
پیر تک تین دفعہ نظر ڈالی، یہ اُس مجمع میں تھا ہی نہیں، اس لیے میں نے
قوت سے کہہ دیا کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں رہے، اس سے اندازہ
ہوا کہ اس مدرسے کے لیے طلبا کا انتخاب بھی منجانب اللہ ہی ہوتا ہے۔
چنانچہ یہاں نہ اشتہار ہے، نہ پروپیگنڈہ اور نہ ترغیبی پمفلٹ کہیں جاتے
ہیں کہ طلبہ آ کر داخل ہوں، بلکہ من اللہ جس کے قلب میں داخلے کا داعیہ پیدا
ہوتا ہے، وہ خود ہی کشاں کشاں چلا آتا ہے۔

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم ثانی دارالعلوم
کا مقولہ بزرگوں سے سننے میں آیا کہ مدرسہ دیوبند کا اہتمام میں نہیں کرتا
بلکہ حضرت نانوتویؒ کرتے ہیں، جو جو ان کے قلب پر وارد ہوتا ہے، وہ
میرے قلب میں منعکس ہو جاتا ہے اور میں وہی کام کر گزرتا ہوں چنانچہ جب
بھی مولانا کوئی غیر معمولی کام کرتے تھے، تو اگلے دن حضرت نانوتویؒ فرماتے
کہ مولانا اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، کچھ عرصے سے یہی کام جو آپ
نے انجام دیا ہے، میرے دل میں آ رہا تھا کہ ایسا ہونا چاہیے جسے آپ نے
عملاً انجام دے دیا، اس سے واضح ہے کہ اس مدرسے کے اُمورِ مہتمہ بھی اشاراتِ
غیب اور الہامات ہی سے انجام پاتے تھے۔ حضرت مولانا رفیع الدین
صاحب رحمۃ اللہ جہاں قوی النسبت اکابرین میں سے تھے، وہیں اُمّی محض
تھے، نہ لکھنا جانتے تھے، نہ پڑھنا۔ اُمورِ متعلقہ مولانا کے ارشاد، احکام
اہتمام قلمبند ہوتے تو مولانا اس پر اپنی مُہر لگا دیتے تھے، گویا احکامِ اہتمام
بھی کچھ ماورائی اسباب ہی قلمبند ہوتے تھے جس میں رسمی نوشت و خواند کی
ہوتی تھی، حضرت کا اُمّی ہونا خود اس کی بھی دلیل ہے کہ اُن کے قلبی معاملات
کبھی علم کے تابع نہ تھے، بلکہ قلبی واردات ہوتے تھے، جنہیں اشاراتِ غیب
کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اوّلین صدر
مدرس دارالعلوم دیوبند کا مکاشفہ اپنے بزرگوں سے بارہا سننے میں آیا۔ فرمایا
کہ میں دارالعلوم کی وسطی درسگاہ نودرہ سے عرش تک نور کا ایک مسلسل سلسلہ
دیکھتا ہوں جس میں کہیں بھی بیچ میں فصل یا انقطاع نہیں، اور اس لیے بزرگوں
کا بلکہ خود اپنا بھی تجربہ یہ ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ جو بہت سے مطالعے
سے بھی حل نہیں ہوتا، اس درسگاہ میں بیٹھ کر پڑھنے اور سوچنے سے حل
ہو جاتا ہے اور اس میں شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوا
کہ اس مدرسے کا فیضان بھی کچھ رسمی اسباب کے تابع نہیں بلکہ من اللہ قلوبِ
طلبا و اساتذہ پر وارد ہوتا ہے اور ان میں علمی شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا یہ بھی مکاشفہ ہے کہ درسگاہ نودرہ
کے سامنے کے صحن میں درسگاہ کے ایک دو گز کے فاصلے پر اگر کسی جنازے
کی نماز پڑھی جائے تو وہ مغفور ہوتا ہے، اس لیے اس احقر نے اس جگہ کی
تشخیص کے بعد اس پر سیمنٹ کا ایک چوکھٹا نشان بنوا دیا ہے اور اس پر جنازہ
رکھ کر خواہ شہری ہوں یا متعلقین مدرسہ ان کے جنازے کی نماز پڑھی جاتی
ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کی مقبولیت صرف تعلیم تک اور
صرف متعلقین مدرسہ تک محدود نہیں، بلکہ عوام بھی اس سے فیضیاب ہوتے
ہیں، خواہ وہ اس مدرسہ کے تعلیم یافتہ ہوں یا نہ ہوں، ہم القوم لا یشقیٰ
جلیسہم پھر اس مدرسہ کے اساتذہ اور ذمہ داروں میں بھی تکوینی طور پر
ایسے ہی حضرات کا انتخاب ہوتا رہا ہے جو صاحب نسبت اور صاحب دل
ہی ہوتے رہے ہیں۔

بہر حال اس مدرسے کے ابتدائی تعمیر اس کی جگہ کا انتخاب، اس کا
اجرا، اس کا سنگ بنیاد، اس کے ذمہ داروں کا انتخاب اس کے طلبا
کی تشخیص، طریق کار اور طریق اجراء احکام سب ہی کچھ اس عالم اسباب سے
زیادہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے میں نے اس مدرسے کا لقب
عنوان میں "الہامی [illegible] ادارہ" رکھا ہے۔

اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ اس کے فضلاء و طلبہ جو سو برس میں

دس ہزار سے کم تیار نہیں ہوئے جنہوں نے اس ماحول میں تربیت پا کر علوم واعمال کا اکتساب کیا۔ ان کا علم عام حالات میں محض رسمی نہیں ہو سکتا، بلکہ اکثر طریق پر اس میں معرفت اور گہرائی شامل رہی ہے۔

اور جو بھی دار العلوم کا فاضل ہو حقیقتاً فاضل اور یہاں کے ذوق پر تربیت یافتہ ہے، وہ جہاں بھی ہے، خواہ شہر ہو یا قصبہ اور دیہات عوام کے ایمانوں کی حفاظت کئے ہوئے ہے۔

ہزاروں فضلاء وہ ہیں کہ جن کا نہ نام کسی کو معلوم ہے، نہ اشتہار اور تشہیر کا سلسلہ ہے، مگر ایمان کا تحفظ خاموش طریقے پر ہو رہا ہے اور کوئی بھی دینی فتنہ ایسا نہیں جس کی روک تھام میں وہ حسب استطاعت و قابلیت مصروف نہ ہوں، دار العلوم کے فضلاء کا سلسلہ اور مرکز سے ان کی وابستگی کسی بھی تنظیم یا ممبر سازی کے ساتھ نہیں ہے، مگر روحانی رشتہ ان ساری تنظیموں سے بالاتر اور مضبوط و مستحکم ہے اور الحمد للہ کامیاب اور بامراد ہیں، تدریس، تصنیف، تربیت، باطن، تعلیم، مسائل افتاء، املاء کے تمام علمی سلسلے اسی سے خاموش طریق پر انجام پا رہے ہیں اور عالم غیب کے دفاتر میں منضبط ہیں، جیسا کہ عالم غیب کے ہی اشاروں سے ان کی اور ان کے مرکز کی ابتداء ہوئی ہے۔

عادتاً کوئی بھی درسگاہ یا تربیت گاہ ایسی نہیں ہو سکتی کہ اس کے پروردہ سب کے سب ایک درجے کے ہوں، جب کہ قرآن حکیم نے عمومی طور پر یہ ارشاد بھی فرمایا ہے، ”والذین اوتوا العلم درجٰت“ (جنہیں علم سے سرفراز کیا گیا ہے، ان کے درجات اور مراتب متفاوت ہیں) اس لیے اس سلسلے کے علماء بھی مختلف المراتب ہیں اور ان کی علمی خصوصیات اور ذوقی الوان بھی الگ الگ ہیں، لیکن قدر مشترک سب کا ایک اور نصب العین واحد ہے، اس وسائل میں ان کی خدمات حق تعالیٰ کے یہاں منضبط ہیں۔ اس لیے بعض سادہ لوح اور بر خود غلط لوگوں کی زبانوں پر آجاتا ہے، کہ اس طبقے کی کچھ خدمات نہیں، خدمت الگ ہے تو شعلہ بیانی یا فلاں طبقے نے، لیکن ان کی خدمات کا انکار نہ کرتے ہوئے یہ ضرور عرض کیا جائیگا کہ فضلاء دار العلوم کی خدمات میں شور اور نمائش نہیں ہے اور یہی انہیں تسلیم دی جاتی ہے۔ اس لیے اگر شور اور نمائش یا تشہیر ہی کسی خدمت کا معیار ہے تو یہ مقولے صحیح باور کئے جا سکتے ہیں کہ ان کی کچھ خدمات نہیں لیکن اگر کسی نیت کی واقعیت کا معیار خدمت ہے، جس میں تشہیر اور سراہنے کا دخل نہ ہو تو قلوب پہچانتے ہیں کہ اس سوسالہ جماعت کی کیا خدمات ہیں، اب اگر کوئی ان کی خدمات کا اعتراف نہ کرے، تو انھوں نے یہ خدمات کسی کے اعتراف پر کی کب ہیں کہ وہ اس سے دلگیر ہوں جب کہ ان کا نصب العین ہی یہ رہا ہے کہ نیکی کر دریا میں ڈال کوئی نہیں مانتا تو وہ اپنی آخرت کے ثمرات اور صلۂ خداوندی کو سامنے رکھ کر اس سے قطعاً بے پرواہ ہیں اور انہیں بے پرواہ ہی رہنا چاہئے کہ کوئی ان کی خدمت کو نہیں مانتا تو نہ مانے۔ اس سے ان کی خدمات پر کوئی داغ دھبہ آسکتا ہے، نہ خدمت گزاروں کے دل میں کوئی ادنیٰ تمیل

زہد شاہ و گدا ف رغم بحمد اللہ
گر لمئے خاک در دست بادشاہ من است

اس قریبی فرصت میں یہی چند سطریں بعجلت ذہن میں آئیں جو ”الرشید“ کے لیے بطور انگشت دم آلود شہید ہیں۔ شامل ہونے کے لیے سپرد قلم کر دی گئیں۔ خدا کرے کہ قابل قبول ہوں۔

محمد طیب غفرلہ

مہتمم دار العلوم دیوبند

۲۳ ۔۔ ۵ ۔۔ ۱۳۹۵ھ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

—— خواجہ حافظؒ

جناب محمد ادریس ہوشیارپوری

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ
کا
بصیرت افروز خطاب

بعد از خطبہ مسنونہ آیت

ولنبلونکم بشیٔ الی قولہ المھتدون

(پ ۲ - ع ۴)

آمد کا مقصد

میری اسوقت حاضری کا مقصد ملتان میں نہ کوئی جلسہ تھا نہ کوئی مجلس تھی، نہ کوئی تقریب اور وعظ کا تخیل ذہن میں تھا۔ میری حاضری کا مقصد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان) کی وفات کے بعد یہ پہلی حاضری تھی تاکہ تعزیت ادا کروں اور تعزیت کے لئے ہجوم اور مجمع نہیں ہوتا اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ جلسہ کا اعلان کیا گیا، تو میں روک دیتا، اور مجھے امید تھی کہ مولانا محمد شریف صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس، فرزند ارجمند حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بات بھی لیتے لیکن اچانک آکر معلوم ہوا کہ کوئی جلسہ بھی ہے اور اجتماع بھی۔ جلسہ اور تقریریں ان سب کے لئے ضرورت پڑتی ہے نشاط کی۔ طبیعت میں انشراح ہو، نشاط ہو۔ یہ ساری چیزیں مل جاتی ہیں مگر میں اسوقت حاضر ہوا ہوں ایک بجھے ہوئے دل کے ساتھ۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا غم سامنے ہے مگر یہاں آکر تازہ ہوگیا، حالانکہ ان کی وفات کو ایک عرصہ گذر چکا ہے مگر میرا تعلق اتنا قوی تھا ان سے اور قلبی رابطہ برسہا برس سے تھا۔

مولانا مرحوم جب جالندھر میں مقیم تھے پنجاب کا جو بھی میرا سفر ہوتا دو جگہ اترنا لازمی ہوتا تھا، جالندھر میں مولانا مرحوم کی وجہ سے اور امرتسر میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کی وجہ سے۔ پاکستان بننے کے بعد مولانا مرحوم کا قیام ملتان میں ہوا۔ یہاں بھی ایک آدھ مرتبہ ان کی حیات میں حاضری ہوئی اسوقت ان کی وفات کے بعد پہلا موقع ہے حاضری کا۔ تو وہ سارے تعلقات بھی سامنے آگئے، وہ ساری تاریخ سامنے آگئی۔ اس وجہ سے دل پر غم کا ایک بوجھ ہے تو اس بجھے ہوئے دل سے میں کیا تقریر کروں اور کیا جلسے کا حق ادا کروں؟ اور اوپر خود میرا بھی اب ضعیفی کا عالم ہے۔ قوت بھی وہ نہیں ہے جو پہلے تھی۔ جذبات بھی سرد پڑ چکے ہیں تو ایسی حالت میں تقریر ہو تو کیا ہو؟

بہر حال جب ہوگیا ایک اجتماع اور حضرات جمع ہوگئے ان کا احترام بھی ضروری ہے اسکا تقاضا یہی ہے کہ کچھ نہ کچھ

عرض کیا جائے۔ اس غم کے سلسلے میں ایک تعزیتی تقریر ہوگی کوئی خاص وعظ و نصیحت اس میں نہ ہوگا۔

عالم کی بقا رُوحانیت کی بقاء سے ممکن ہے

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی ذات ایک مقناطیسی ذات تھی جو قلوب کا رجحان تھا، اور دل کھینچتے تھے اور ان کی وفات جیسا کہ مقولہ مشہور ہے موت العالم موت العالم (عالِم کی موت فی الحقیقت عالَم کی موت ہے) اس لئے کہ عالم کے ذریعے سے حیات پھیلتی ہے وہ حیات یہ نہیں ہے جو کھانے پینے کی ہے۔ وہ حیات روحانی ہوتی ہے اور وہی حقیقی حیات بھی ہے۔ اور وہی حقیقی روح بھی ہے اسی لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم کو اپنی روح فرمایا ہے اسی روح سے اقوام زندہ ہوں گی اور اسی روح کے نکل جانے سے مُردگی طاری ہوگی۔ فرمایا ایک موقع پر کہ:

وکذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا

(شوریٰ پ۲۵)

اے پیغمبر ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے یعنی اپنی روح آپ کے اندر ڈالی ہے وہ عالم امر کی روح ہے اور وہ کتاب اللہ اور قرآن کریم ہے جس کو روح بتلایا گیا ہے۔ فی الحقیقت یہ زندگی ہے سارے عالم کی۔ یہ روح ایک فرد سے نکل جائے تو وہ مردہ ہو جائے گا۔ پوری کائنات سے نکل جائے تو کائنات بھی مردہ ہو جائے گی۔

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

لا تقوم الساعۃ حتی یقال

فی الارض اللہ اللہ

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جس وقت اس عالم میں ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا جب ایک بھی باقی نہیں رہے گا تو قیامت آجائے گی، تو قیامت اس پورے عالم کی موت ہے۔ اس حدیث سے واضح ہے کہ اس عالم کی زندگی اور اس کی روح اللہ اللہ ہے جب یہ روح نکل جائے گی عالم مردہ ہو جائے گا، اس کا ریزہ ریزہ بکھر جائے گا۔ آسمان و زمین ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ساری کائنات کا شیرازہ منتشر ہو جائیگا غرض عالم کی روح وہ فی الحقیقت ذکر اللہ اور یادِ خداوندی ہے نہ صرف پورے عالم کی بلکہ ایک ایک جز کی روح بھی یہی ہے۔

ہر چیز تسبیح خواں ہے!

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ درخت کی ہر ہر ٹہنی بھی اللہ کی تسبیح کرتی ہے، تسبیح بند ہو جاتی ہے اس پر زردی چھا جاتی ہے، وہ اس کی موت کا وقت ہوتا ہے۔ روح نکل گئی، موت طاری ہو گئی۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ چلتا ہوا پانی اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ تسبیح بند ہو جاتی ہے جبکہ وہ ٹھہر جاتا ہے۔ تسبیح بند ہو جانے کے بعد ٹھہرا ہوا پانی سڑتا بھی ہے، بدبودار بھی ہوتا ہے یہ اس کی موت کا وقت ہوتا ہے۔ تو پانی کی زندگی بھی تسبیح و تہلیل سے ہے۔

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ امام کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ ایسے کپڑے پہن کر امامت کرائے کہ پسینے میں زرد ہوئے ہوں، پسینے کی بو آ رہی ہو۔ اسکو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔ ظاہری وجہ تو یہی ہے کہ جب بدبودار کپڑے ہوں گے اور تعفن ہوگا تو مقتدیوں کو اقتداء کرتے ہوئے بھی کراہت

پیدا ہوگی کہ مقتدی صاف ستھرے، امام اتنا گندا۔ طبیعت میں کراہت پیدا ہوگی، انشاط باقی نہیں رہے گا۔ وہ جو ایک رابطہ ہے بندہ اور خدا کے درمیان میں وہ پیدا قائم نہیں رہ سکے گا۔ اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں کہ امام کے لئے صاف ستھرے کپڑے پہننا ضروری ہیں۔ اتنے میلے نہ ہوں کہ ان میں سے بدبو آنے لگے، رنگ بدل جائے۔ ظاہری وجہ تو یہی ہے کہ بدبو سے مقتدیوں کو عار پیدا ہوگی۔

حقیقی وجہ یہ ہے کہ کپڑا اگر گندا ہو کر اس کی تسبیح بند ہو جاتی ہے، ذکر اللہ منقطع ہو جاتا ہے تو ذکر اللہ سے امام کی روح میں جو نشاط پیدا ہوتا ہے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، انقباض پیدا ہوتا ہے روح میں۔

تو در حقیقت سارے عالم کی روح ذکر اللہ ہے یہ قائم ہے تو عالم قائم ہے۔ یہ نہیں رہے گی تو عالم قائم نہیں رہے گا۔ عالم کی جزئیات ختم ہو جائیں گی تو پھر ہر چیز اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا۔

وان من شیئ الا یسبح بحمدہ

ولکن لا تفقہون تسبیحہم

کوئی چیز دنیا کی ایسی نہیں ہے جو حق تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف نہ ہو، تم ان کی زبان نہیں سمجھتے یا آواز کو نہیں سنتے۔ تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہاتھی چنگھاڑ رہا ہے اور در حقیقت وہ اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے، اپنی زبان میں ہم دیکھتے ہیں کہ شیر دھاڑ رہا ہے فی الحقیقت وہ اللہ کی تسبیح کر رہا ہے پرندے سیٹیاں بجاتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ وہ چہچہا رہے ہیں حقیقت میں وہ ذکر الٰہی میں مصروف ہیں۔ اپنی زبان میں تو

ع۔ ہر یکے را اصطلاحے دادہ ایم

ہر ایک کو اللہ نے ایک زبان دی ہے، وہ اپنی زبان میں اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہے ہم اس کی زبان کو نہیں سمجھتے۔ اور ہم ان کی زبان کو اگر نہیں سمجھتے تو تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہم اپنے ہی بھائی بندوں کی سب زبانیں کب سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی پشتو آدمی پشتو میں اللہ کو پکارنے لگے، دعائیں مانگنے لگے، ہم کیا کریں گے بیٹھے ہوئے دیکھتے رہیں گے، ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ٹھیٹھ پنجابی میں آپ بولیں تو میں کیا سمجھ لوں گا۔ کوئی انگریزی میں اللہ کو پکارے تو ہم کیا سمجھیں گے۔ تو ہزاروں زبانیں دنیا میں رائج ہیں۔ انسانوں میں۔ ہم اپنے بھائی بندوں کی زبان نہیں جانتے تو اگر پرندوں کی زبان بھی نہ جانیں تو اس میں حیرت کی کونسی بات ہے؟ ہر ایک کی ان کی ایک تسبیح ہے۔ باریک آواز ہے، اپنی زبان میں وہ اللہ کو یاد کر رہا ہے آپ نہیں سمجھتے نہ سمجھیں۔ تو فرمایا گیا۔

ولکن لا تفقہون تسبیحہم

تم ان کی تسبیح کو نہیں پہچانتے۔ باقی معجزے کے طور پر اگر اللہ کسی کو بتلا دے پرندوں کی بولیں تو اس کی قدرت ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ

یا ایہا الناس علمنا منطق الطیر

اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں بتلا دی گئی ہیں۔

جب پرندے بولتے تو سلیمان علیہ السلام فرماتے کہ یہ فلاں بات کہہ رہا ہے، وہ سمجھتے تھے ان کی بولیوں کو۔ یہ آواز کیسے آ سکتی ہے ہم لوگوں کے کان میں بھی معجزانہ طریق پر جیسا کہ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مٹھی بھر کے کنکریاں اٹھائیں تو کنکریوں میں سے زور زور سے آواز آرہی تھی سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ تمام صحابہؓ سن رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں دیدیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں، تسبیح برابر جاری رہی، انہوں نے وہ کنکریاں دیں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں، تسبیح برابر جاری رہی۔ جب اور صحابہؓ کو منتقل کی گئیں تو تسبیح کی آواز سننا بند ہو گئی، تسبیح جاری رہی ہو گی مگر سنائی نہیں دی۔ اعجازی طور پر ہم سن بھی سکتے ہیں، پرندوں کی بولیاں تو ان کانوں سے سنتے ہیں۔ کنکریوں کی آواز بھی سن سکتے ہیں معجزانہ طریق سے، جب اللہ کا کوئی معجزہ کسی پیغمبر کے ہاتھ ظاہر ہونا چاہے سمجھیں یا نہ سمجھیں۔

اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے آپ ٹیلیگراف آفس میں جائیں اور جا کر کہیں کہ بھائی یہ تار دیدو کہ میں فلاں گاڑی سے پہنچ رہا ہوں۔ اس نے پیتل کی ٹلّی پر ہاتھ رکھ کر کھٹ کھٹ شروع کی تو آپ کہیں گے احمق آدمی میں نے یہ کہا ہے میرے آنے کی اطلاع دیدو۔ تم نے کھٹ کھٹ شروع کردی، وہ کہے گا احمق تو تُو ہے اسی کھٹ کھٹ میں یہ سارا علم پہنچ رہا ہے۔ دوسرے ملک میں۔ باقی تو اس کھٹ کی آواز سے واقف نہیں ہے۔ میں نے اس کی مشق کی ہے اس کا فن حاصل کیا ہے اس لئے میں جانتا ہوں کہ ایک دفعہ کھٹ ہوگی تو الف مراد ہوگا۔ دو دفعہ ہوگی تو "ب" مراد ہوگی۔ تین دفعہ ہوگی تو "ج" مراد ہوگا۔ تو کھٹا کھٹ سن رہا ہے اور حقیقت میں یہ علم ہے جو ایک ملک سے دوسرے ملک منتقل ہو رہا ہے تو اس فن کو حاصل کرنے [illegible] حاصل کرے گا تو نہیں پتہ چلے گا۔

تو جس طرح ہم اس کھٹا کھٹ سے علم نہیں سن سکتے، نہیں سمجھ سکتے اسی طرح جانوروں کی آوازوں کو ہم سنتے ہیں مگر تسبیح ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ ان کی زبان میں تسبیح ہے، ذکر ہے اپنی زبان میں، وہ کر رہے ہیں۔

ملائکہ علیہم السلام کو بھی مختلف تسبیحات دی گئیں وہ اپنی زبان میں تسبیح کرتے ہیں، ممکن ہے ان کی زبانیں بھی متعدد ہوں۔ اپنی اپنی زبان میں وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں بعض روایات میں ان کی تسبیحات بھی آتی ہیں جیسے فرمایا گیا کہ بعض ملائکہ علیہم السلام کی تسبیح ہے کہ سبحان من زیّن الرجال باللحی وزین النساء بالصنوائف۔ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو زینت دی ہے داڑھیوں سے اور عورتوں کو زینت دی ہے مینڈھیوں اور چوٹیوں سے۔

یہ ان کی آواز میں تسبیح ہے ان کی۔ وہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں تو مختلف تسبیحات ملائکہ بھی کرتے ہیں، جنات بھی کرتے ہیں، آسمان بھی تسبیح میں مصروف ہیں، زمین بھی تسبیح میں مصروف ہے، ستارے بھی تسبیح میں مصروف ہیں۔

الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموات

الی آخر الآیہ

قرآن کریم نے خطاب فرمایا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ آسمان میں جو ہیں وہ بھی اللہ کی تسبیح میں مصروف ہیں۔ زمین میں جو ہیں وہ بھی مصروف، پہاڑ بھی، اور یہ تو ہے تسبیح۔

ہر چیز تسبیح ہی نہیں کرتی

بلکہ بموجب دعویٰ قرآن نمازی بھی ہے!

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز نمازی

بھی ہے، اپنے انداز سے نماز بھی ادا کرتی ہے، فقط ذکر ہی میں مصروف نہیں ہے دعویٰ کیا ہے قرآن نے۔

کلٌ قد علم صلوٰتہٗ و تسبیحہٗ

ہر چیز نے اپنی نماز کو بھی پہچان لیا ہے اور اپنی تسبیح کو بھی جان لیا ہے تو ہر ایک مخلوق نماز پڑھ رہی ہے، اور اس کی نماز اسی انداز کی ہے جیسے اللہ نے ان کی ساخت کی ہے جیسے اس کی ہیئت بنائی ہے اسی ڈھنگ کی اس کی نماز بھی ہے شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ درختوں کی نماز میں قیام ہے، رکوع اور سجدہ نہیں۔ وہ ایک پیر پر کھڑے ہوئے اللہ کے ذکر میں مصروف ہیں کہ جس قانون پر لگادیا اس سے ایک انچ نہیں ہٹ سکتے۔ اطاعت خداوندی سے لگے ہوئے ہیں چوپاؤں کی نماز میں رکوع ہے ان کی ہیئت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ ہر وقت سر کو جھکائے ہوئے رکوع میں ہیں، حشرات الارض ہیں سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے۔ ان کی نماز سجدہ سے ہے قیام اور رکوع نہیں۔ ان کی ہیئت اللہ نے ایسی بنائی ہے کہ وہ ہر وقت اوندھے پڑے ہوئے ہیں سجدہ میں۔ اسی طرح پہاڑوں کی نماز میں تشہد ہے جیسے انسان زمین پر گھٹنے ٹیکے ہوئے بیٹھے ہیں ان کی نماز تشہد کے ساتھ ادا ہو رہی ہے تسبیح میں مصروف ہیں۔ جنت اور دوزخ کی نماز دُعا مانگنا ہے جنت بھی دعا کر رہی ہے کہ اللہ مجھے بھر دے اور وعدہ خداوندی ہے کہ ہم بھر دیں گے جہنم کی بھی یہی صدا ہے کہ مجھے بھر دیجئے۔ میری غذا مجھے پہنچا دیجئے۔ قیامت کے دن دوزخ کو بھر دیا جائے گا۔ اہل جہنم جہنم میں ڈالے جائیں گے مگر دونوں کی آواز بند نہیں ہوگی جہنم کہے گا

ھل من مزید۔ اور لائیے ابھی تو میں خالی ہوں۔ جنت کہے گا میرے ہزاروں شہر خالی پڑے ہیں، آباد کاری فرمائیے آپ کا وعدہ ہے کہ بھر دیں گے تو جنت کے لئے حق تعالیٰ ایک مستقل مخلوق پیدا فرمائیں گے جس سے آباد کاری ہوگی جنتوں کی۔ جہنم کے لئے مستقل مخلوق نہیں بنائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اپنا قدم رکھ دیں گے اس پر، جیسا قدم ان کی جناب کے لائق ہے، تو وہ کہے گا قط قط بس بس اب مجھ میں ہمت اور تاب نہیں ہے میں بھر گیا۔ اس کی دعا قبول ہو جائے گی۔ تو جنت اور جہنم کی نماز دعا مانگنے سے ہے۔

ملائکہ علیہم السلام کی نماز ہے صف بندی، لاکھوں، کروڑوں ملائکہ صفیں باندھے ہوئے ہیں۔ ہزار ہزار برس سے، کوئی جماعت رکوع میں ہے کوئی جماعت سجدہ میں ہے، کوئی قیام میں ہے۔ صفیں بنی ہوئی ہیں، صف بندی ان کی نماز ہے۔ سیارے ہیں جو گھومتے ہیں، ان کی نماز حرکت دوراں ہے کہ جہاں سے چلے تھے پھر وہیں لوٹ آئیں۔ گھومنا، یہی ان کی نماز ہے۔

اسلام کی نماز کی عظمت اور جامعیت!

یہ حق تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اسلام کی نماز میں ساری کائنات کی نمازیں اللہ نے جمع کر دی ہیں۔ درختوں کا سا قیام بھی ہے چوپایوں جیسا رکوع بھی ہے حشرات الارض جیسا سجدہ بھی ہے، پہاڑوں کا سا تشہد بھی ہے۔ جنت و دوزخ کا سوال و دعا بھی ہے، ملائکہ جیسی صف بندی بھی ہے اور سیارات کا دوران بھی ہے۔ اس واسطے کہ ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ کم سے کم دو رکعت ہوں، دو ہوں، تین ہوں، چار ہوں۔ اگر نفل نماز ہے تو آٹھ پڑھئے

جائیں۔ غرض تنہا نماز ایک رکعت پڑھنا اس کی ممانعت ہے اس کے ساتھ ایک اور ملاؤ تاکہ شفعہ بن جائے۔ تو دو یا چار رکعت کی نماز میں آپ کیا کرتے ہیں، جو کام پہلی رکعت میں کیا الحمد پڑھی، سورت پڑھی، تسبیح پڑھی —— دوسری رکعت میں پھر وہیں سے شروع کر دیتے ہیں۔ وہی الحمد، وہی سورت، وہی تسبیح، وہی تمہید تو جہاں سے چلے تھے وہیں پھر آ گئے۔ تو ایک دور ہے تمہاری نماز میں تو سیارات جیسی گردش بھی ہے آپ کی نماز میں۔ تو جامع ترین نماز ہے کہ جتنی ہیئتیں ممکن ہیں عقلاً وہ سب دی گئی ہیں تاکہ بندہ عبادت اور تذلل کے ساتھ پیش ہو، کھڑا ہو تو تذلل، بیٹھے تو اپنی ذلت کا اظہار، جھکے تب ذلت کا اظہار۔

عبادت کا صحیح مفہوم!

غرض عبادت نام ہے اظہار تذلل کا۔ انتہائی درجہ کی ذلت اپنی پیش کی جائے۔ اس لئے کہ جس ذات کے سامنے آدمی کھڑا ہوتا ہے وہ انتہائی عزت کے مقام پر ہے کہ اس کے بعد کوئی درجہ نہیں عزت کا، اس کے سامنے اتنی ذلت پیش کی جائے کہ اس کے بعد ذلت کا کوئی درجہ باقی نہ رہے۔ تو ذلیل محض بن کر آدمی اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوگا اس لئے کہ وہ عزت کے انتہائی مقام پر ہے اس کا فرض ہے کہ ذلت کے انتہائی مقام کو پیش کرے۔ کھڑے ہوتے ہیں آپ جامد و ساکت۔ یہ ایک درجہ ہے اظہار ذلت کا۔ رکوع کیا تو گردن جھکا دی۔ یہ دوسرا درجہ ہے اظہار ذلت کا۔ اس کے بعد ناک پیشانی زمین پر ٹیک دی۔ یہ آخری درجہ ہے اظہار ذلت کا۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھائے دعائیں مانگیں، تو بھیک مانگا۔ یہ سب سے زیادہ انتہائی درجہ ہے ذلت کا۔ تو جتنی ہیئتیں ہیں وہ سب اظہار تذلل کی ہیں، جتنے اذکار ہیں نماز میں یا عظمت خداوندی کا اظہار ہے یا اپنی نیازمندی کا اظہار ہے انہی دو چیزوں پر مشتمل ہے تمام اذکار، تو ذکر بھی، افعال بھی، ہیئت بھی سب اظہار ذلت کے ہیں نماز میں۔

صرف نماز
اپنی ذات میں عبادت ہے
باقی عبادات نہیں

تو اس لئے یوں کہنا چاہئے کہ حقیقی معنوں میں اگر عبادت ہے تو صرف نماز ہے۔ دوسری عبادات اور وجوہ سے عبادت بنی ہیں اپنی ذات سے عبادت نہیں۔ نماز اپنی ذات سے عبادت ہے۔

دیگر عبادات کا تجزیہ:

روزہ:۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کھانے پینے سے آدمی مستغنی ہو جائے تو کھانے سے، پینے سے، بیوی سے غنی ہونا۔ یہ تو اللہ کی صفت ہے۔ اس میں ذلت تھوڑا ہی ہے، یہ تو مشابہت ہے حق تعالیٰ کے ساتھ۔ کہ کھانے سے بری، پینے سے بھی بری، بیوی سے بھی بری۔ تو یہ اظہار ذلت تھوڑا ہی ہے یہ تو اظہار عزت ہے یہ عبادت تعمیل حکم کی وجہ سے ہے حکم دیا تعمیل کرو تو بن گئی عبادت۔

زکوٰۃ:۔ اپنی ذات سے عبادت نہیں ہے اس کے معنی عطا کرنے کے ہیں کہ فقیروں کو دو۔ تو عطا کرنا تو اللہ کی شان ہے یہ تشبیہ ہے حق تعالیٰ کے ساتھ۔ اس میں ذلت تھوڑا ہی ہے۔ یہ تو عین عزت ہے۔ زکوٰۃ عبادت بنی اس لئے کہ حکم ہے کہ زکوٰۃ دو۔ تو تعمیل ارشاد نے اس میں پیدا کر دیئے معنی عبادت کے۔ اسی طرح سچ بولنے کو عبادت کہتے ہیں اور وہ

عبادت ہے لیکن سچ بولنا اپنی ذات سے عبادت نہیں، یہ تو اللہ کی صفت ہے۔

ومن اصدق من اللہ قیلاً

اللہ سے زیادہ کس کا قول سچا

ومن اصدق من اللہ حدیثاً

اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی

تو سچ کہنا اور سچ بولنا حق تعالیٰ کی شان ہے، بندہ اگر سچ بولے گا تو مشابہت پیدا کرے گا کمالات خداوندی کے ساتھ۔

اس میں ذلت تھوڑا ہے، یہ تو عین عزت ہے پھر بھی وہ عبادت ہے کہ تعمیل حکم کی جاتی ہے۔ اللہ کہتا ہے کہ سچ بولو۔ تعمیل کے لئے گردن جھکا دی کہ سچ بولوں گا۔ سچ کو عبادت بنا دیا تعمیل حکم نے اپنی ذات سے عبادت نہیں کی تھی ورنہ اللہ کی صفت نہ ہوتی۔

صرف نماز پوری کائنات پر فرض ہے
خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان!

لیکن نماز کی ہر ہیئت اظہار ذلت کے لئے ہے ہر ذکر بھی اپنی ذلت کے اظہار پر مشتمل ہے۔ اس واسطے نماز اپنی ذات سے عبادت ہے محض تعمیل حکم سے عبادت نہیں، اس کے اندر خاصیت ہی اظہار تذلل کی ہے یہی وجہ ہے کہ ساری کائنات پر فرض کی گئی ہے۔ زکوٰۃ، حج اور سچ بولنا فرض نہیں کیا گیا۔ فرمایا گیا۔

کل قد علم صلوتہ وتسبیحہ

ہر چیز نے اپنی نماز کو پہچان لیا۔

یہ نہیں فرمایا "کل قد علم حجہ، کل قد علم زکوٰتہ"

تو نماز کائنات کی ہر چیز پر فرض کی گئی ہے۔ انسان، جن، فرشتہ درخت پہاڑ اور پتھر سب کے لئے عبادت اور نماز لازمی قرار دی گئی ہے تو اصل معنی کے لحاظ سے نماز ہی عبادت ہے بقیہ عبادتیں تعمیل حکم کی وجہ سے عبادتیں بنی ہیں۔

بغیر نماز
بندے کا حقیقی رابطہ
اللہ تعالیٰ سے قائم نہیں ہوسکتا

یہی وجہ ہے کہ بندہ کا حقیقی رابطہ اللہ سے بغیر نماز کے قائم نہیں ہوسکتا۔ آپ زکوٰۃ دیں گے تعلق مع الخلق درست ہوجائیگا۔ غریب کی خبر گیری ہوگی، وہ آپ کا ممنون ہوگا۔ تعلقات استوار ہوجائیں گے اس تعمیل کی وجہ سے اللہ سے بھی تعلق پیدا ہوگا مگر حقیقتاً وہ تعلق ہے مخلوق کے ساتھ۔

اس واسطے رابطہ بندہ کا اللہ سے بغیر نماز کے قائم نہیں ہوسکتا۔ اگر نماز میں تصور ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا رابطہ حق تعالیٰ سے قائم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر (نماز میں) دوسرا خیال لاتا ہے۔ ادھر ادھر دیکھنے لگا حق تعالیٰ فرماتے ہیں میرے ہوتے ہوئے غیر کی طرف توجہ کرتا ہے تجھے حیا نہیں آتی۔ اگر متنبہ ہوگیا بندہ تو پھر تعلق قائم ہو جاتا ہے نہ ہوا تو پھر خود بے رُخ بن جاتے ہیں، توجہ ہٹا لیتے ہیں۔ اٹھک بیٹھک رہ جاتی ہے۔ تو نماز سے ہی فی الحقیقت رابطہ قائم ہوتا ہے۔

نماز سے
دیدار خداوندی کی استعداد

اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا تمام نمازوں کے بارے میں

اور خصوصیت سے صبح اور عصر کی نمازوں میں کہ ان دونوں سے استعداد پیدا ہوتی ہے دیدارِ خداوندی کی۔ نماز ہی سے اللہ کو دیکھنے کی صلاحیت بندہ میں آتی ہے۔ عمر بھر نماز پڑھتا رہے گا تو ابتداءً عقیدے کی آنکھ سے دیکھے گا، پھر کشف کی آنکھ سے اور پھر ایک وقت آئے گا کہ آخرت میں اس آنکھ سے بھی دیکھ سکے گا۔ تو مقصودِ اصلی عبادت معبود کو دیکھنا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے اور یہ صرف نماز سے ممکن ہے۔ تو حقیقی عبادت نماز ہی ہے۔

روحِ خداوندی
ہر بندہ میں موجود ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم کو اپنی روح فرمایا۔ اس روح کے اندر یہ عبادات ہی تو شامل ہیں۔ تعمیلِ ارشاد ہی اس کی روح ہے۔ فی الحقیقت بندے میں اللہ نے قرآن کی روح ڈال دی تاکہ اس میں بندگی پیدا ہو اور اللہ کی معبودیت ظاہر ہو۔

وکذلک اوحینا
الیک روحا من امرنا۔

اے پیغمبر! عالمِ امر کی روح ہم نے آپ میں ڈال دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے سے وہ روح ہم تک بھی پہنچ گئی، ہمارے اندر بھی وہ روح ہے۔ ہم اس روح کو نکال دیں گے تو میت بن جائیں گے، اس روح کو داخل رکھیں گے تو قوی رہیں گے۔ تو قوت کی علامت اس روح کی برقراری ہے اور ضعف کی علامت اس روح کا نکل جانا ہے۔

آج عالم میں
مسلم اقوام کیوں پریشان ہیں؟
مرض اور علاج

دنیا میں مسلمان شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں فلاں قوم نے تباہ کر دیا، فلاں قوم نے اپنی مکاریوں سے ہمیں پریشان کر دیا، ہماری جائیدادیں ختم کر دیں، ہمارے جان و مال کو ختم کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ شکایات بالکل غلط ہیں۔ شکایت تو کفار کو ہونی چاہئے کہ تمہاری ناہنجاری سے ہم بدعنوان بن گئے۔ اگر تم صحیح معنوں میں اپنے دین پر قائم رہتے تو ہم تمہارے قدموں کے نیچے رہتے، ہم تمہاری اتباع کرتے لیکن جب تم ہی اپنے دین پر نہیں ہو تو ہم سے کیا توقع رکھتے ہو کہ ہم تمہاری پیروی کریں یا پابندی کریں۔

تو حقیقت میں شکوہ ہے مسلمانوں کا۔ مسلمانوں کو حق نہیں ہے غیر اقوام سے شکوہ کرنے کا۔ مسلمان آیا تھا دنیا کی اقوام کی خدمت کرنے کے لئے۔ اسکو امام اقوام بنایا گیا، تو امام ہی کا وضو نہ ہو تو کیا مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی؟ جب امام میں حدث پیدا ہو گیا ظاہر اور باطن میں ناپاکی پیدا ہو گئی تو اقوام کیوں اس کی اقتدا کریں گی، اور کیونکر اس کی پیروی کریں گی؟

اس لئے کہ وہ قوت اس نے ختم کر دی جو غالب اور ظاہر تھی اقوام پر۔ وہ روح ہوا کی طرح بھری ہوئی تھی جب تک وہ ہے مسلمان قوی ہے، وہ نکل گئی تو مسلمان ضعیف ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ گیند ہے اس میں ہوا بھری ہوئی ہے آپ اگر اسے زمین پر پٹخ دیں تو گیند اچھل کے دس گز اوپر جاتی ہے اس لئے کہ ہوا بھری ہوئی ہے اس میں اور اگر

اس میں سوئی چبھو دیجئے تو ہوا نکل جائیگی تو جہاں ڈالیں گے
وہیں پڑی رہے گی۔ اسکو آپ پیروں سے پامال کر دیں وہ اٹھنے
کا نام نہیں لے گی۔ اسلئے کہ روح نکل گئی۔

روح اسلامی نکلنے سے مسلمانوں کا انجام

تو مسلمانوں کی روح قرآن پاک ہے۔ اقوام کی یہ مجال نہیں
کہ اسکو دبائیں۔ دبائیں گے پنچ دیں گے نیچے تو یہ دس گز اوپر
جائے گا، اور اوپر ہی کو جائیگا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ (حق
غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا) لیکن یہ روح نہیں ہوگی۔
تو جہاں ڈالیں گے وہیں پڑا رہے گا۔ تو آج اگر مسلمان پامال
ہو رہے ہیں تو نہ اس لئے کہ کفار میں جان ہے، اس لئے کہ
تم بے جان ہو گئے۔ جو روح تھی وہ نکال باہر کی۔ تو روح نکل
جانے کے بعد آدمی لاشہ بن جاتا ہے۔ لاشہ کے لئے ہر انسان
کا پہلا فرض ہوتا ہے دبانے، جلانے یا اسے دفن کر دے
(الغرض آنکھوں سے اوجھل کرنا سب کے نزدیک ضروری ہے)
اس کو گھر نہیں چھوڑتے باہر نہیں چھوڑتے، اس کے تعفن سے
دنیا کی صحت خراب ہوگی۔ پہلا کام یہ کرتے ہیں اسے دفن کرتے
ہیں۔ کوئی جلاتا ہے کوئی پانی میں بہا دیتا ہے، اور کوئی بُرا نہیں
مناتا۔ لیکن زندہ آدمی کو کوئی جلائے تو گورنمنٹ ہی مدعی
ہو جائے گی کہ اسے پھانسی دو۔ قوم بھی مدعی بنے گی کہ یہ بدکار
ہے، مجرم ہے۔ روح کے ہوتے ہوئے کسی کی مجال نہیں ہے کہ دبائے
دبائیگا تو مجرم ثابت ہوگا۔ لیکن جب روح نکل جائیگی تو جس کا جی
چاہے جلا دے، دفن کر دے۔ تو مسلمانوں کا یہ شکوہ کرنا کہ فلاں
قوم نے ہمیں جلا دیا یا فلاں نے گرا دیا، میں کہتا ہوں غلط ہے۔
اس نے خود اپنے کو گرا دیا ہے۔ جب روح نکال دی تو زندگی
ختم ہو گئی۔ زندہ آدمی کو کوئی نہیں جلا سکتا۔

عالم کی روح فی الحقیقت ذکر اللہ ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حقیقی معنی میں حق تعالیٰ نے دینی
روح (مسلمان میں) ڈال دی اور وہ ہے قرآن مجید۔
وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا
تو اس عالم کی روح فی الحقیقت ذکر اللہ ہے جب یہ نکل جائیگی،
تو عالم لاشہ کی مانند ہو جائیگا اور لاشہ کا انجام پھولنا پھٹنا، سڑنا
گلنا اور ریزہ ریزہ ہو جانا ہے۔ تو ایک ایک چیز کا ذرہ ذرہ پھٹ
جائیگا قیامت کے دن۔ یہ عالم کی موت ہوگی اور یہ اسلئے واقع
ہوگی کہ روح نکل جائیگی۔

روح کا حسّی مرکز

اس روح کا سب سے بڑا حسّی مرکز بیت اللہ شریف ہے
جس کے ذریعے چلتی ہے اسی میں تجلّی خداوندی ہے جس کے سامنے
ہم جھکتے ہیں یہیں سے بطفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انوار و برکات
چلتے ہیں۔ تو یہ مرکز روح ہے فی الحقیقت۔ قیامت کا جب
قرب ہوگا اور روح اٹھنے والی ہوگی تو حدیث شریف میں ہے
کہ بیت اللہ کو ایک حبشی غلام ریزہ ریزہ کر دیگا ایک ایک
پتھر اس کا جدا کر دیگا۔ تو سب سے پہلے بیت اللہ ختم ہوگا پھر عالم
پر قیامت طاری ہو جائے گی۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بادشاہ کا جب لشکر چلتا ہے
تو سب سے پہلے شاہی خیمہ نصب کیا جاتا ہے تاکہ بادشاہ آکر ٹھہرے
ان کے ارد گرد ان کے دربار کے امراء کے خیمے لگتے ہیں پھر
فوجیوں کے خیمے لگتے ہیں۔ جب بادشاہ آتے ہیں تو بڑا شہر
بن جاتا ہے لیکن جب کیمپ اُجڑتا ہے تو سب سے پہلے شاہی خیمہ
اکھاڑا جاتا ہے بعد میں اور امراء کے خیمے اکھڑتے ہیں اور پھر
میدان خالی ہو جاتا ہے، یہی صورت یہاں بھی ہے۔ وہ خیمہ

خداوندی کہ تجلیاتِ الٰہیہ اس میں مقیم ہیں۔ سب سے پہلے اس کو عالم میں قائم کیا گیا۔ فرمایا گیا۔

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعالمین۔ سب سے پہلا گھر جو اللہ نے عبادت کے لئے قائم کیا وہ وہ ہے جو کہ شہر میں ہے اس کا نام کعبہ مقدس ہے ۔ گویا خیمہ شاہی ہے جب عالم کو آباد کرنا ہوا تو سب سے پہلے خیمہ شاہی نصب کیا گیا اور جب عالم کا خیمہ اکھڑے گا اور یہ دنیا ختم ہوگی تو سب سے پہلے شاہی خیمہ اکھاڑا جائے گا۔ جب بیت اللہ کی ایک حبشی غلام اینٹ سے اینٹ بجا دیگا اور تجلیٔ خداوندی اسے چھوڑ دیگی اس کے بعد عام مساجد بھی ویران ہوں گی۔ تمام اہل اللہ کے ذکر خانے (خیمے) بھی ویران ہوں گے اور ساری دنیا ویران ہو جائے گی تو اولین چیز وہ شاہی خیمہ ہے جو سب سے پہلے نصب ہوتا ہے کیمپ میں اور اکھڑنے کے وقت سب سے پہلے شاہی خیمہ اکھڑتا ہے تو اولین چیز جو قائم کی گئی وہ بیت اللہ ہے اور ابتداء میں قیامت کے قرب میں وہ سب سے پہلے اکھاڑا جائیگا۔ بہر حال وہ روح ذکر اللہ ہے جو اس کے اندر موجود ہے اسی کی بقاء سے عالم باقی ہے۔

فلسفۂ موت

تو موت فی الحقیقت نام ہوا ذکر اللہ کے منقطع ہو جانیکا یہ منقطع نہ ہو تو آدمی مرتا نہیں۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ مثل الذاکر فی الغافلین کمثل الحی فی الاموات غافلوں کے اندر ایک بھی ذکر اللہ کرنیوالا موجود ہے تو وہ مثل زندہ ہے۔ وہ غافلوں میں سے نہیں اسی لئے مردوں کے اندر وہ زندہ ہوتا ہے۔

علماءِ ربّانی کی شان

تو علماء ربانی کی شان یہی بتائی گئی ہے کہ ان کا دل، روح اور دماغ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتا ہے یہ اثر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کا صدقہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ

کان یذکر اللہ علی کل احیانہ

کوئی لمحہ آپ کا ذکر اللہ سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ زبان سے ذکر کریں، قلب سے ذکر کریں جسکو فکر کہتے ہیں، روح سے ذکر کریں جسکو توجہ کہتے ہیں اور معرفت کہتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی طریق پر ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ تو جب کوئی عالم ربانی اٹھتا ہے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ

موت العالِم موت العالَم

تو ایسے عالم کا اٹھ جانا تو پورے عالم کا اٹھ جانا ہے۔ کیونکہ وہ روح نکل جاتی ہے تو پورے عالم پر ایک بڑی مردگی چھا جاتی ہے تو میں نے (ابتدائی حصہ میں) عرض کیا تھا کہ مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے ان کے نام میں خیر ہے ان کے مسمّٰی میں بھی اللہ نے خیر ہی رکھی تھی اور واقعۃً خیر ہی خیر تھے۔ حدیث کا پڑھنا پڑھانا، قرآن پاک کا پہنچانا، مواعظ سے تبلیغ و تلقین کرنا، اپنے پروردوں کی تربیت کرنا، غرض ذکر اللہ ہی ان کا شغلہ تھا۔ کسی بھی انداز سے ہو۔

تو ایسے عالم ربانی کا اٹھ جانا یقیناً پورے عالم کے لئے موت کا بھی اور علامات موت کا یقیناً اشارہ ہے جب کوئی عالم ربانی اٹھتا ہے تو قلوب محسوس کرتے ہیں کہ ایک قسم کی ظلمت طاری ہو گئی ہے پورے عالم پر۔ روحانیت میں کمی آ گئی۔ ہر شخص محسوس نہیں کرتا، صاحب دل جانتا ہے،

کہ قرآن کریم میں کتنی کمی آتی ہے اسی واسطے فرمایا گیا کہ

الموت الفزع الاکبر

موت سب سے زیادہ گھبرا دینے والی چیز ہے!

تحفۂ مومن ——— موت

مگر اس کے ساتھ یہ بھی عرض کرنا ہے کہ موت جہاں گھبرا دینے والی چیز ہے وہاں ایک تحفہ بھی ہے، ایک نعمت بھی ہے یہ نعمت بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر موت نہ ہو تو پھر عالم کی آباد کاری نہیں ہو سکتی۔

مکالمہ بین اللہ و بین الملائکہ

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو ملائکہ علیہم السلام کے سامنے پیش کیا اربوں کھربوں انسان جو قیامت تک آنے والے ہیں تو ملائکہ نے اپنی دیکھ کر عرض کیا کہ یا اللہ یہ زمین میں سمائیں گے کیسے؟ یہ تو تین اب ہو جائیں گے تو اسی وقت کہیں گے کہ نسل بندی کراؤ، فیملی پلاننگ کرو۔ ایک طوفان بپا ہے۔ اگر وہ پچاس ارب ہو جائیں تو زمین کا کیا حشر ہو گا؟! تو ملائکہ کو یہ خلجان گزرا کہ زمین میں یہ کیسے سمائیں گے۔

حق تعالیٰ نے کہا کہ میں موت مسلط کر دوں گا آئیں گے بھی جائیں گے بھی، تو زمین خالی ہوتی رہے گی، اگلے آتے رہیں گے اور پچھلے جاتے رہیں گے تو میں نے موت کا سلسلہ قائم کیا تاکہ جانے والے جائیں اور آنے والے خالی جگہ آ کر بستے جائیں۔

تو اس پر ملائکہ نے عرض کیا جب موت مسلط ہوگی تو ہر وقت موت کی فکر لاحق ہوگی تو ان کی زندگی تلخ ہو جائے گی نظام دنیا کیسے چلے گا ہر وقت موت کی فکر میں غرق رہیں گے

فرمایا حق تعالیٰ نے کہ امیدیں مسلط کر دوں گا ان کے قلوب پر، امیدوں میں لگے رہیں گے، موت کا دھیان بھی نہیں ہو گا نظام دنیا چلتا رہے گا۔

تو بہرحال موت جہاں "فزع اکبر" ہے گھبرا دینے والی چیز ہے وہاں آباد کاری کا بھی ذریعہ ہے۔ اگر موت نہ ہوتی تو اس زمین کی آباد کاری ممکن نہ ہوتی۔ تو مسافروں کی طرح آتے ہیں انسان اور چلے جاتے ہیں، جگہ خالی کر دیتے ہیں۔

موت دنیوی تحفہ بھی ہے اور اخروی بھی

اور اگر دینی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی موت ایک عجیب نعمت ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ الموت تحفۃ المؤمنین (موت سب سے بڑا تحفہ ہے مومن کے لئے) اس سے بڑھ کر اللہ کی طرف سے کوئی نعمت نہیں دی گئی۔ اور کیوں ہے وہ تحفہ؟ اس کی وجہ بھی حدیث میں ہے "ان الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب" (موت ایک پل ہے کہ جس سے گزر کر آدمی اپنے حبیب سے جا ملتا ہے) تو محبوب حقیقی سے مل جانا کوئی گھبرانے کی چیز ہے؟ یہ کوئی مصیبت ہے؟ یہ تو عین خوشی کی چیز ہے کہ بندہ اپنے خدا سے جا ملے۔ تو جس طرح کسی بندہ کی پیدائش پر خوشیاں مناتے ہیں میں کہتا ہوں موت بھی خوشی کی چیز ہے (اس پر بھی خوشیاں منانے کا اہتمام ہوا کرے) مگر لوگ تو یوں کہیں گے کہ یہ تو بالکل الٹی بات ہے عقل کے بالکل خلاف، لوگ رونے لگتے ہیں، خوشی کیسے منائیں گے؟

میں کہتا ہوں وہ رنج موت پر نہیں ہوتا وہ فراق پر رنج ہوتا ہے، موت کی تو خوشی ہوتی ہے کہ بندہ اپنے خدا سے جا ملا۔ اسی لئے کہا کرتے ہیں کسی کی بھی اچھی موت ہو کہ خدا ایسی موت تو سب کو نصیب کرے۔ تو اگر موت

خوشی کی چیز نہ ہوتی تو کیوں کہتے لوگ؟
معلوم ہوا موت گھبرانے کی چیز نہیں ہے جو روتے ہیں
وہ موت پر نہیں روتے جدائی پر روتے ہیں کہ ایک نعمت ہم سے
چھن گئی، ایک چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ تو صدمہ فراق
پر ہے موت پر نہیں۔ موت تو خوشی کی چیز ہے اس لئے کہ
یہ مصیبت تو نہیں ہے کہ بندہ اپنے اللہ سے جا ملے یہ تو عین
خوشی کی چیز ہے کہ بندہ محبوبِ حقیقی تک پہنچ گیا۔

موت کی تمنا علامت ولایت ہے!!

اسی واسطے موت کی تمنا فی الحقیقت ولایت کی علامت
بتلائی گئی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ یہود نے دعویٰ کیا تھا کہ
ہم اولیاء اللہ ہیں تو قرآن نے دعویٰ کیا کہ

قل یا ایها الذین هادوا ان زعمتم انکم
اولیاء لله من دون الناس فتمنوا الموت ان
کنتم صادقین

تو خود موت کی تمنا بھی ایک نعمت ہے اسی واسطے نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔

اللهم حبب الموت الی من یعلم
انی رسولک

اے اللہ ہر اس شخص کے دل میں میری محبت ڈال دے
جو میرے نبی ہونے کا قائل ہے۔ اس لئے کہ موت ہی واسطہ
ہے اللہ تک پہنچنے کا۔ موت نہ ہو تو بندہ اللہ تک کیسے پہنچے؟
تو موت ذریعہ ہے وصل الی اللہ کا، اس لئے موت تحفہ بھی ہے
نعمت بھی ہے اور واسطہ بھی ہے بندہ کا اللہ سے ملنے کا (اس
لئے فرمایا کہ موت کی تمنا کرنا ولایت کی علامت ہے)

موت کی تمنا علامت ولایت ہے۔

اولیاء اللہ رات دن موت کی تمنا میں رہتے ہیں ان کی
زبان پر تو یہ رہتا ہے ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم و زپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

وہ کون مبارک دن ہوگا کہ اس اجڑے ہوئے دیار کو
ہم چھوڑیں گے اور شہر مطلوب میں پہنچیں گے، جہاں اللہ سے ملنا
رابطہ قائم ہوگا خدا کرے کہ وہ ساعت جلد آئے تو اولیاء اللہ کے
دل میں تو موت کی تڑپ رہتی ہے۔

حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بھوپالی نقشبندی خاندان سے تھے بڑے اللہ والے عارف زمانہ تھے
تھے ان سے بہت فیضان اور لوگوں کو فائدہ ہوا۔ مرض وفات
جب شروع ہوا اور موت بالکل قریب آئی تو لوگوں نے جا کر تسلی
دی کہ حضرت فکر نہ کریں انشاء اللہ صحت ہو جائے گی، حضرت آگے
رونا کو فرمایا۔

"عمر بھر موت کی تمنا میں رہے اور تم انکو ہٹانے آئے ہو،
خدا خدا کر کے وقت آیا کہ موت قریب آئی اور تم موت سے تسلی دینے
آئے ہو کہ ابھی زندہ رہو گا۔ خبردار اس کے بعد ایسا کرو گے تو دیکھو، فلاں کو
محسن عمر بھر کہلائے تو تسلیاں دے رہے ہو کہ میری عمر زیادہ ہو۔ عمر بھر میں
اس وقت کی تمنا میں تھا وقت آیا تو تم ہٹانے آگئے"

یہ کیفیت ہوتی ہے اہل اللہ کی کہ موت کی تمنا
اور محبت ہوتی ہے۔

طالبعلمانہ "شبہ"

یہاں یہ ممکن ہے کہ کوئی طالبعلم طالبعلمانہ طریق سے شبہ کرے کہ ایک حدیث میں تو موت کی تمنا کرنے سے ممانعت فرمائی گئی ہے، فرمایا گیا ہے :۔

لا یتمنین احدکم الموت ؕ

دیکھو تم میں کوئی موت کی تمنا نہ کرے۔

تو یہاں تو فرمایا جارہا ہے کہ موت کی تمنا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا دیتے ہیں کہ موت کی محبت ہر قلب مسلم میں ڈال دیجائے تو بظاہر تعارض ہے۔

جواب

میں کہتا ہوں تعارض نہیں ہے جس حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ "دیکھو موت کی تمنا نہ کرو" اسی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں بضر نزل بہ موت کی تمنا مت کرو دنیا کی کسی مصیبت سے گھبرا کر۔ بیماری سخت ہوگئی کہ موت کیوں نہیں آجاتی، افلاس بڑھ گیا تو تمنا کرو، اس کی ممانعت ہے کہ دنیا کے مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا مت کرو۔ یہ بے اعتمادی ہے۔ حق تعالیٰ پر اور یہ بندگی کے خلاف ہے۔ باقی اللہ سے ملاقات کے شوق میں یہ تمنا کرنا یہ ولایت کی علامت ہے تو ہر ولی کامل دل میں شوق رکھے گا اللہ سے ملاقات کا۔ اور چاہے گا کہ جلد اللہ تک پہنچ جاؤں۔ بہرحال موت یہاں گھبرا دینے والی چیز ہے وہاں ایک عظیم تحفہ اور نعمت بھی ہے۔

موت ـــــ چھوٹوں کے جوہر کھلنے کا ذریعہ :۔

میں کہتا ہوں کہ اس لحاظ سے بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ اگر قیامت تک سارے بڑے بیٹھے رہا کرتے تو چھوٹوں کے جوہر کھلنے کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ چھوٹوں کا نہ علم سامنے آتا نہ کمال۔ مگر بڑوں کا کمال سامنے رہتا۔ سب اسی میں لگے رہتے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک دنیا میں تشریف رکھتے تو صحابہؓ کے جوہر نہیں کھل سکتے تھے وہ ہر وقت اطاعت سے عاری اور اطاعت گذاری میں رہتے مستقل ہو کر آگے آکر اپنی طبیعت اور قلب کے جوہر نہ دکھلاتے۔ نہ صدیق اکبرؓ کے جوہر کھلتے نہ فاروق اعظمؓ کے جوہر کھلتے۔ یہ تو جبھی ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ اور یہ قائم مقام بنے، قائم مقامی کا کام انجام دیا تو اس میں تمام کے جوہر کھلے، تو میں کہتا ہوں کہ اس لحاظ سے بھی موت نعمت ہے کہ چھوٹوں کے جوہر کھلنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اگر آج مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں بیشک غم کی چیز ہے لیکن ان کے خلف صالح موجود ہیں، ان کی ذریت صالحہ موجود ہے ان کے تلامذہ موجود ہیں جو اس کام کو جاری رکھیں گے۔ اور ان کی طبیعت میں جو جوہر موجود ہیں وہ کھلیں گے اگر مولانا ہی رہتے تو یہ چیزیں کبھی نہ کھلتیں۔ تو یہ بھی ایک نعمت کی چیز ہے اگلوں کے جوہر کھلنے کا ذریعہ ہے اگلے دنیا کو آباد کریں گے، وہ ہی کمال پہنچائیں گے۔

موت نہ ہو تو نئی نسل کے دین سمجھنے میں دشواری پیش آئے

کیونکہ ہر زمانے کی نفسیات الگ الگ ہوتی ہیں۔ ہر سو برس کے بعد نفسیات بدل جاتی ہیں اسی واسطے حدیث میں وعدہ کیا گیا

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علیٰ راس مائۃ کل سنۃ من مجدد العارسین

"ہر قرن پر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے کہ جاہلانہ طریق پر جو لوگ تاویلیں کر کے دین میں خلط پیدا کر دیں گے اللہ سو برس کے بعد

پھر مجدد پیدا کر دیں گے۔ وہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دیگا پھر دین کو نکھار دے گا۔ اس لئے کہ سو برس پر یا ایک قرن پر وعدہ کیا گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ سو برس میں ایک نسل ختم ہو کر دوسری نسل کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہر آئندہ آنے والی نسل کے نظریات الگ ہوتے ہیں، افکار الگ ہوتے ہیں، نفسیات الگ ہوتی ہیں اس لئے ضرورت پڑتی ہے کہ اسی دور کے اہل علم انہی کی نفسیات میں ان کو دین سمجھانے والے ہوں ورنہ پرانے لوگ اگر ہوتے تو اپنی نفسیات میں سمجھاتے تو وہ لوگ دین کو نہ سمجھ سکتے۔ اس لئے اللہ نے موت کو رکھا تاکہ نئے لوگ جب آئیں تو نئے مجدد بھی پیدا ہوں اسی زمانے کی اصطلاح میں، اسی زبان میں، اسی ڈھنگ سے دین کو پیش کریں اور سمجھائیں تو موت اس لحاظ سے بھی بڑی نعمت ثابت ہوتی ہے کہ وہ ذریعہ ہے تربیت اور اصلاح کے تفنن اور تعدد کا تاکہ مختلف الوان سے تربیت خداوندی میں داخل ہو۔

ہر دور کے تقاضوں کے مطابق علماءِ وقت نے اسلام کو پیش کیا:-

ایک زمانہ تھا کہ روایت کا غلبہ تھا۔ عوام میں سے کوئی اسوقت تک دین کی بات نہیں مانتا تھا جب تک کہ سند پڑھ کر کوئی حدیث نہ سنا دی جائے، تو یہ روایت کا دور تھا۔ روایتی طور پر دین کو قائم کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد عقل پسندی کا دور آیا۔ یہ معتزلہ کا دور تھا۔ کوئی شخص دینی مسئلہ کو نہیں مانتا تھا جب تک کہ عقل کے پیرائے میں نہ سمجھائیں تو ایسے علماء اللہ نے کھڑے کئے۔ امام رازیؒ امام غزالیؒ کہ انہیں انہی کی زبان میں دین سمجھایا، ان کو نامقت کیا۔ پھر ایک زمانہ تصوف پسندی کا آیا، جب تک صوفیانہ رنگ میں کوئی نہ سمجھائے لوگ نہیں سمجھتے تھے تو اللہ نے ایسے صوفیاء کرام کھڑے کئے کہ ہر مسئلہ کو صوفیانہ رنگ میں ڈھالتے کہ لوگ ماننے پر مجبور ہو گئے۔

آج حسیات کا دور ہے فلسفہ قدیم کا دور ختم ہو گیا جو محض نظریاتی طور پر فلسفہ تھا۔ اب حسیات کا دور ہے، مشاہدات کا دور ہے جب تک ایسے علماء نہ ہوں کہ مشاہدات کے انداز میں سائنس کے انداز میں حسی مثالوں سے دین کو نہ سمجھائیں گے لوگ نہیں سمجھیں گے، تو اگر پرانے ہی لوگ بیٹھے رہتے تو آج کی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے تو دین نہ سمجھا سکتے۔ اللہ نے انہیں اٹھا لیا ان کے خلف صالح پیدا کر دیئے کہ وہ اس دور کے مطابق اسی رنگ میں سمجھائیں تو بہرحال موت جیسے فزع اکبر ہے، جیسے عظیم ترین مصیبت ہے ویسے ہی عظیم ترین نعمت بھی ہے، عظیم ترین انعام خداوندی بھی ہے۔ تو موت کے بارے میں صرف ایک پہلو ہی سامنے نہ رہنا چاہیئے۔ ہائے افسوس ہائے افسوس کا۔ بلکہ خوشی کا بھی ایک پہلو ہے کہ یہ تحفۂ مومن بھی ہے۔ یہ طریقہ ہے، راستہ ہے اللہ تعالےٰ کو ملنے کا، یہ طریقہ ہے دنیا کی آبادکاری کا۔ یہ طریقہ ہے نئے نئے علوم پیدا ہونیکا، اور نئے نئے مربیوں کے پیدا ہونیکا۔ اس لئے موت کا ایک پہلو نہیں کہ اس سے ڈریں بلکہ موت میں پہلو خوشی کا بھی ہے کہ اس کا استقبال بھی کرے، اس کی تمنا بھی دل میں رکھے۔ تو

حاشیہ:- خط کشیدہ الفاظ مدارس عربیہ کے بااختیار ان افراد کے لئے خصوصی توجہ کے مستحق ہیں جو ایک زمانے سے فلسفہ قدیم پڑھا رہے ہیں اور ان کو شکوہ ہے کہ لوگ دین سے بیزار کیوں ہیں؟ کیا اس میں ہمارا اپنا قصور نہیں ہے کہ ہم ان کی زبان میں بات نہیں کرتے، یا عوام کا قصور ہے کہ وہ ہماری زبان نہیں سمجھتے۔ مدیر دارالعلوم دیوبند کے الفاظ میں قصوروار کون ہے؟

اس لئے میں نے عرض کیا کہ لوگ موت کو ہر وقت وحشتناک سمجھتے ہیں حالانکہ وحشت کی چیز نہیں ہے۔ اگر تعلق مع اللہ مضبوط ہے تو اس سے بڑھ کر نعمت کی کوئی چیز نہیں، اگر اللہ سے غفلت ہے تو بیشک موت عظیم ترین مصیبت بھی ہے اسی واسطے وہ کفار کے حق میں مصیبت ہے مومن کے حق میں مصیبت نہیں۔

کافر کی یہی تمنا رہتی ہے کہ

زندگی ختم نہ ہونے پائے

اور فرمایا کہ کافر تمنا کرتا ہے کہ زندگی بڑھتی ہی رہیگی۔ ولتجدنهم احرص الناس على حيٰوة ومن الذين اشركوا يود احدهم لو يعمر الف سنة

تم ان کفار کو دیکھو گے کہ سب سے زیادہ حریص ہیں۔ دنیا کی زندگی پر موت کے نام سے بھی موت آتی ہے انہیں، اور مشرکین کہ اگر ہم ہزار برس کی عمر بھی دیدیں تو بھی اس کی تمنا کریں گے کہ ایک ہزار برس اور ہو۔ یہ حال اور خاصہ کفار کا ہے اور مومن کا یہ ہے کہ لمبی عمر ہو جائے تو اکتا جاتا ہے کہ اللہ جلدی بلا لیجئے کہ آپ سے مل لوں۔

تو بالکل برعکس ہے قصہ۔ تو موت سے فقط ڈرتے رہنا گھبراتے رہنا غفلت کی علامت ہے اور یہ غفلت (عن الحق) کفر کا مرتبہ اور حق تعالیٰ سے موت کی تمنا کرنا یہ بیداری اور تعلق مع اللہ کی علامت ہے۔

جامعہ رشیدیہ کی ۳۲ ویں سالانہ موتمر رشیدیہ

۷ / ۸ / ۹ ستمبر ۸۳ء بدھ، جمعرات، جمعہ

رشیدیہ کنونشن کی تحریک اتحاد و دعوت ضابطۂ اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوگی!

بقیہ: راشدات طیبات صفحہ سے آگے

فاضل رشیدی نے حضرت قاری صاحبؒ کی خدمات، کمالات، اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے انکو خراج عقیدت پیش کیا اور اسلامیان شہر ساہیوال نے تعزیتی جلسہ کرکے قرارداد تعزیت پاس کی۔ اوکاڑہ میں بھی تعزیتی اجتماع ہوا ابھی تک تعزیتی اجلاس جاری وساری ہیں اور طلباء رشیدیہ برابر قرآن خوانی کرتے ہوئے ایصال ثواب ادعیہ مغفرت کر رہے ہیں۔

جامعہ رشیدیہ، جملہ قاسمی خاندان اور علمی برادری اور فضلاء دارالعلوم سے تعزیت کرتے ہوئے ادعیہ صالحہ کرتا ہے۔ اللهم اغفر له واعف عنه وارحمه وادخله فى جنة النعيم۔

فاضل رشید عبدالرحمٰن

نتیجہ امتحان سالانہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ۱۴۰۳ھ

(درجہ رابعہ مساوی ایف۔ اے)

جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

کل نمبر: ۴۰۰ کامیاب درجہ علیا: ۳۶۰ کامیاب درجہ وسطی: ۳۰۰ کامیاب درجہ ادنیٰ: ۲۴۰

رول نمبر	نام	ولدیت	کتب امتحانات مع نمبر حاصل کردہ						کل نمبر	درجہ	مضمون	کیفیت
			ترجمۃ القرآن	شرح وقایہ / الاختیار	نور الانوار	شرح جامی	قطبی	مقامات حریری				
۱۷۴	حافظ محمد منیف	میاں صوبہ	۷۱	۴۳	۴۸	۴۵	۵۰	۷۱	۳۲۸	وسطیٰ		
۱۷۵	محمد طاہر	محمد یار	۶۰	۴۰	۶۰	۶۰	۵۵	۷۴	۳۴۹	"		
۱۷۶	عبد الحلیم	الحاج محمد صدیق	۹۱	۴۰	۶۲	۵۱	۶۰	۸۱	۳۸۵	علیا		
۱۷۷	محمد عبید اللہ	رحیم بخش	۸۶	۴۰	۴۵	۴۰	۵۰	۷۰	۳۳۱	وسطیٰ		
۱۷۸	محمد سرور	محمد اللہ	۸۸	۴۲	۴۳	۴۳	۶۲	۶۶	۳۴۴	"		
۱۸۰	محمد طاہر	محمد سلیم	۷۶	۴۵	۵۵	۷۱	۶۵	۷۶	۳۸۸	علیا		
۱۸۱	مشتاق الرحمٰن	عبد الحمید	۹۶	۴۰	۵۹	۶۱	۸۰	۸۱	۴۱۷	علیا		
۱۸۲	محمد یحییٰ	محمد شفیع	۵۸	۴۰	۴۰	۴۷	۵۰	۷۱	۳۰۶	وسطیٰ		
۱۸۳	محمد عباس	فقیر محمد	۶۲	۴۵	۶۵	۴۵	۵۰	۸۰	۳۴۷	"		
۱۸۴	غلام رسول	نور حسین	۷۸	۴۰	۵۵	۴۹	۵۲	۵۱	۳۲۵	"		
۱۸۵	محمد عباس	عبد الجبار	۷۷	۴۵	۵۲	۴۰	۴۵	۵۹	۳۱۸	"		
۱۸۸	محمد یامین	غلام محمد	۷۰	۴۵	۶۲	۵۵	۵۰	۶۷	۳۴۹	"		
۱۷۹	محمد زکریا	مولوی قاسم علی	۵۰	۴۰	۱۵	۴۰	۵۷	۶۲	۲۶۴	ضمنی	۳ن	
۱۸۶	نذیر احمد	محمد علی	۷۵	۴۵	۲۰	۲۵	۳۰	۴۵	۲۴۰	ضمنی	۳ ن ع	

نتیجہ امتحان سالانہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان سنہ [illegible]

(دورۂ حدیث مساوی ایم۔اے)

جامعہ رشیدیہ (رجسٹرڈ) ساہیوال

کل نمبر: ۶۰۰ کامیاب د[illegible]: ۳۶۰ کامیاب درجہ وسطیٰ: ۳۰۰ کامیاب درجہ ادنیٰ: ۲۴۰

رول نمبر	نام	ولدیت	کتب امتحان مع نمبر حاصل کردہ						کل نمبر	درجہ	[illegible]	[illegible]
			بخاری شریف	مسلم شریف	ترمذی شریف	ابوداؤد شریف	وشمائل	طحاوی ومؤطین				
۴۲۱	محمد صدیق	میاں حسب علی	۸۰	۷۰	۶۱	۶۵	۷۰	۶۳	۴۰۹	علیا		
۴۲۳	مسعود اقبال	محمد امین	۵۲	۶۵	۶۸	۴۷	۷۰	۵۵	۳۵۷	وسطیٰ		
۴۲۶	طارق محمود نجیب	محمد ابراہیم	۵۰	۵۰	۶۳	۴۶	۵۶	۵۴	۳۱۹	〃		
۴۲۲	احمد علی	محمد صدیق	۴۰	۶۰	۴۶	۴۵	۵۶	۵۱	۲۹۹	ادنیٰ		
۴۲۵	محمد کامران	محمد اسلم	۴۰	۴۵	۴۰	۴۶	۴۰	۳۵	۲۴۶	〃		
۴۲۷	رشید احمد	مولوی محمد یار	۴۱	۴۵	۴۸	۴۴	۴۰	۴۶	۲۶۴	〃		
۴۲۸	جمشید احمد	مولوی محمد شریف	۴۳	۴۵	۴۴	۴۵	۴۵	۴۰	۲۶۲	〃		
۴۳۰	عبد الغفار نسیم	مولوی محمد دین	۵۰	۵۰	۵۸	۴۵	۴۰	۵۳	۲۹۶	〃		
۸۰۸	محمد رفیق	محمد نواز	۴۰	۵۵	۵۸	۴۴	۵۰		۲۴۷	〃		
۴۲۴	محمد امین	پیر بخش	۱۵	۴۰	۴۵	۴۳	۳۵	۵۸	۲۳۶	ناکام		
۴۲۹	محمد یعقوب مجاہد	میاں اللہ یار	۴۰	۴۵	۴۰	۳۵	۳۷	۴۰	۲۳۲	〃		

یہ امتحان دورۂ حدیث ایم اے کے مساوی حکومت کی طرف سے مسلم ہے۔

نقشہ تقسیم اسباق درجات السنہ شرقیہ جامعہ رشیدیہ اردو اسلامیہ از شوال ۱۴۰۳ھ

اسماء گرامی	۱	۲	۳	۴		۵	۶
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد عبداللہ صاحب	.	.	.	بخاری شریف ج۱		ابن ماجہ	.
مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب صدر المدرسین	ترمذی شریف	.	بخاری ج۲	مشکوٰۃ شریف ج۱		افتاء	افتاء
مولانا حافظ محمد صدیق صاحب استاذ	.	مسلم شریف	بیضاوی شریف	ترجمہ قرآن درجہ رابعہ		.	.
مولانا مختار احمد صاحب ناظر دار الاقامہ	مشکوٰۃ شریف ج۲	کنز الدقائق	قدوری	.		ترجمہ قرآن درجہ خامسہ	سراجی
مولانا غلام یٰسین صاحب مدرس حدیث	.	ہدایہ ثالث	.	مختصر المعانی		ہدایہ رابع	ابوداؤد شریف
مولانا مطیع اللہ صاحب نائب ناظم و استاذ	.	.	.	ترجمہ قرآن درجہ ثالثہ		سیرت خلفاء راشدین	مفتاح القرآن [illegible]
مولانا محمد انور صاحب استاذ	ہدیہ سعیدیہ	سلم العلوم	شرح تہذیب	.		.	جلالین شریف طحاوی شریف
مولانا عبد الحمید صاحب استاذ	شرح جامی	دیوان متنبی	جلالین شریف اول	.		قطبی میر	.
مولانا غلام رسول صاحب فیصل آبادی استاذ	ہدایہ اول	مقامات حریری	ہدایہ ثانی	حسامی		.	اصول الشاشی
مولانا محمد اشرف صاحب عاطف استاذ و نائب مفتی	.	تیسیر المنطق	نور الانوار	افتاء		ہدایۃ النحو	افتاء
حضرت پیر جی عبد العلیم صاحب ناظم جامعہ	نظام	نظام	نظام	نظام		کریما	.
مولانا عبد الغفور صاحب استاذ	کافیہ	علم النحو	.	علم الصیغہ		.	رہبر فارسی
مولانا رشید احمد صاحب رشیدی ناظر کتب خانہ	تسہیل المبتدی	نحو میر حق	کتب خانہ	علم الصرف اولین		کتب خانہ	کتب خانہ
ماسٹر مولوی کفایت اللہ صاحب معلم انگلش و الحساب	اسلامی زندگی	حساب	تعلیم الاسلام	مشق تحریر		املاء	پہاڑے
مولانا شریف احمد طاہر معین الرشید و معلم	ماہنامہ الرشید	ماہنامہ الرشید	ماہنامہ الرشید	ماہنامہ الرشید		علماء کا مقام	مفتاح القرآن
مولانا فضل احمد صاحب محاسب ادارہ	محاسبی	محاسبی	محاسبی	محاسبی		ترجمۃ القرآن	قصص النبیین

No. 8054
MONTHLY. ALRASHID. LAHORE

دار العلوم جامعہ رشیدیہ ساہیوال تقسیم اسناد

بتاریخ ۷، ۸، ۹ ستمبر ۱۹۸۳ء مطابق ۲۹، ۳۰ ذیقعدہ یکم ذیحجہ ۱۴۰۳

ایام اقلیت مرزائیہ و یوم جہاد

بدھ شام جمعرات

تعلیمی و تبلیغی

۳۲ واں سالانہ اجلاس

زیر سرپرستی پیر طریقت و شریعت بقیۃ السلف حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائپوری مدظلہ العالی

حسب روایات سابقہ عظیم و کبیر مؤتمر رشیدیہ کا انعقاد ہوگا

رشیدیہ مؤتمر میں ملک و ملت کے اکابر رہنما، علماء، خطباء تشریف لاکر کتاب و سنت کی روشنی میں مواعظ حسنہ بیانات فرمائیں گے

رشیدیہ کونشن کے ضابطۂ اخلاق و معاہدۂ اتحاد کی دعوت و تحریک کی تکمیل کیلئے

جملہ دیوبندی طبقات اور اکثر حلقوں کے قائدین تشریف لائیں گے! ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کیلئے

شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

خوراک طلباء مہمانانِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم

یومیہ چارصد سے پانچصد طلباء غریب الاوطان، بعید الدیار کے مطبخ رشیدیہ اور سال بھر کے کھانے کیلئے اپنی قربانی کی کھالیں طلبۂ جامعہ رشیدیہ کو پہنچاتے ہوئے

قربانی در قربانی فرمادیں

اور جامعہ کے اخراجات اور مدرسہ کی حیثیت کے مطابق اعانت و نصرۃ کا معاملہ فرمادیں کہ سالانہ صرفہ 9 لاکھ روپے اور ماہانہ خرچہ نوّے ہزار روپے ہے

قربانی کی کھالیں قریب ہوں تو براہِ راست دفترِ جامعہ پہنچانیکی قربانی فرمادیں اور اگر بعید ہوں تو اس کی قیمت دفترِ جامعہ پہنچادیں۔ نیز رسید جامعہ کی مطبوعہ حاصل فرمادیں اور بغیر رسید کسی کو کھال ہرگز نہ دیں۔ آپ کی چرمہائے قربانی کا معاوضہ براہ راست طلبہ کے خوراک کھانہ میں خرچ ہوتا ہے اس لئے توجہ سامی فرمائیں اور کھالیں طلبہ کے فنڈ میں جمع کرائیں:۔

مؤتمر ابناء دار العلوم واخوان دیوبند پاکستان کا ترجمان

یادگار: حضرت مولانا حافظ مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ رشیدیہ

ماہنامہ

الرشید

جلد ۱۱ — ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

شمارہ ۱۲ — اکتوبر ۱۹۸۲ء

مدیر اعلیٰ: فاضل حبیب اللہ

مدیر مسئول و ناشر: عبدالرشید ارشد

مدیر معاون: زاہد الحق قریشی

خطاط: حزب اللہ خالد

بنظامت: (پیرجی) عبدالعلیم رائپوری

مقام اشاعت: ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

پرنٹر: مناہج الدین اصلاحی، شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور

سالانہ چندہ : ۲۴/- روپے

فی شمارہ : ۲/- روپے

آئینہ مضامین

فاضل حبیب اللہ رشیدی

جامعہ رشیدیہ ساہیوال

راشدات

؏ اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

ابھی حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ طاب ثراہ کی تعزیت جاری تھی کہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور دارالعلوم کے سابق شیخ التفسیر حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

؏ زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے......

دارالعلوم کے فیوض و برکات سے علامہ افغانی مرحوم علم کا ایک مینار تھے اور فقہ اسلامی کی چٹان۔ تحقیق کی دنیا کے محقق اعظم اور زبردست عالم تھے۔ اللہ کریم نے بہت سی خوبیوں سے متصف فرما کر جامعہ کی روایت علمیہ وعملیہ بنا دیا تھا۔

راقم خادم آثم نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ افغانی مغفور سے تفسیر پڑھی تھی۔ حضرتؒ کے خطبات و بیانات "الرشید" میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کی مختصر سوانح پر مستقل مضمون شاملِ اشاعت ہے ہم علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ابناء واعزہ واقرباء سے نہ صرف تعزیت کرتے ہیں بلکہ ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ جامعہ میں حضرت علامہؒ کے لئے قرآن خوانی، ادعیۂ مغفرت و ایصال ثواب کیا گیا۔

فاضل خطیب رشیدیہ نے جمعہ کے اجتماع میں حضرت علامہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے تعزیتی قرارداد پیش کی اور حضرت کی وفات حسرت آیات کو ملک وملت کے لئے نقصان سمجھا۔

واقعی ایسے علماء کے اٹھ جانے سے علم بھی اٹھتا جا رہا ہے۔ جو علاماتِ قیامت سے ہے۔

اللہ رحیم وکریم حضرت علامہ کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔
اور جنات النعیم میں آرام وسکون نصیب فرمائے آمین :-

فاضل رشیدی

مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے	نماز و روزہ و قربانی و حج
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے	یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ قصبہ ترنگ زئی ضلع پشاور (سرحد) کے علمی خاندان کے چشم وچراغ، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ التفسیر......

قمری سن کے مطابق آپ ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ اور سکول کے ریکارڈ کے مطابق آپ ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔

نام ونسب نام شمس الحق رکھا گیا۔ آپ سید جلال الدین حیدر کی اولاد سے ہیں جن کا سلسلہ "حسینی" مولانا اعجاز الحق قدوسی کی کتاب "صوفیائے پنجاب" کے ۵۱۱ پر درج ہے۔ مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے:

شمس الحق ابن مولانا غلام حیدر ابن مولانا خان عالم ابن مولانا سعد اللہ۔

آپ کے والد بزرگوار مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے شاگرد تھے۔ علوم دینیہ میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ پشتو اور فارسی زبان کے بلند پایہ اور صاحب طرز شاعر تھے ان کے کلام میں عالمانہ شان اور صوفیانہ رنگ جھلکتا ہے۔ آپ کے پردادا مولوی سعد اللہ صاحب مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ تھے انہی کی امارت میں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ مشہور سوانح نگار جناب غلام رسول مہر نے اپنی کتاب "سیرت احمد شہید" میں خلفاء کی فہرست میں چوتھے نمبر پر ان کا نام نامی تحریر فرمایا ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ ۲۸ جولائی ۱۹۰۹ء میں پرائمری سکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۳ء میں فارغ ہوئے۔ بعد ازاں سرحد وافغانستان کے مختلف مشاہیر علماء سے تمام فنون کی تکمیل کی حدیث کی تکمیل کے لئے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی خدمت میں پہنچے۔ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں سند فراغ حاصل کی۔ حدیث کے علاوہ دارالعلوم دیوبند میں علم طب کی بھی تکمیل کی۔

تبلیغی خدمات جون ۱۹۲۲ء میں حج بیت اللہ وزیارات حرمین شریفین سے مشرف ہو کر واپس ہندوستان تشریف لائے اس مبارک سفر سے واپس آئے تو ہندوستان میں "شدھی تحریک" زوروں پر تھی۔ دارالعلوم دیوبند نے مشرد ھا سند کے فتنۂ ارتداد اور شدھی تحریک کی روک تھام کے لئے جو پچاس مبلغین راجپوتانہ بھیجے ان کی قیادت وسرپرستی آپ کے سپرد کی گئی۔ تبلیغ کا مرکز آریہ سماج کے خلاف شہر آگرہ محلہ لوہا کھار میں قائم کیا گیا۔ یہ تبلیغی کوششیں اس قدر

کامیاب ہوئیں کہ راجپوتانہ کے ہزارہا برائے نام مسلمانوں کو پختہ مسلمان بناکر ارتداد سے بچا لیا۔

آپ کی مخلصانہ اور مؤثرانہ تبلیغی مساعی کی وجہ سے ہزاروں ہندو حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ انہوں نے چوٹی کٹوائی یہ سیروں بال بطورِ یادگار دارالعلوم دیوبند بھیجے گئے۔ آریوں کے مختلف مشہور مناظرین کو جلسوں میں عبرتناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ پنڈت رام چندر، دلیپ سنگھ اور خود شردھانند میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

جب فتنۂ ارتداد کے خاتمہ پر کامیابی کے ساتھ واپسی ہوئی تو دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تشریف فرما تھے ان کے ارشاد پر آپ نے تبلیغی حالات وکوائف پر ایسی جامع تقریر فرمائی کہ ان بزرگوں نے دل کھول کر دعائیں دیں۔

کم وبیش ایک سال تک دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں نادر کتب کے مطالعہ میں مصروف رہے اسی طرح حج کے موقع پر آپ کا قیام حجاز میں تقریباً نو یا دس ماہ رہا۔ اس دوران میں بھی آپ نے سلطان عبدالحمید خاں کے مکتبہ حمیدیہ میں اپنا وقت قیمتی اور نادر کتب کے مطالعہ میں صرف فرمایا۔

تدریسی خدمات

آپ کی علمی اور تدریسی زندگی کا مختصر سا خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس سے آپ کی علمی عظمت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

- مدرس اعلیٰ و شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند ۱۹۳۵ء
- صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ۱۹۴۴ء
- صدر مدرس مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ کراچی ۱۳۴۱ھ
- صدر مدرس مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور ۱۳۴۶ھ
- صدر مدرس مدرسہ دارالرشاد جھنڈہ سندھ
- وزیر معارف ریاست قلات ۱۳۳۹ھ
- دوبارہ وزیر معارف قلات ۱۹۴۷ء
- صدر شعبہ تفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور ۱۹۶۳ء
- صدر مدرس مدرسہ ارشاد العلوم قنبر علی خاں لاڑکانہ سندھ ۱۳۴۲ھ
- صدر مدرس دارالفیوض ہاشمیہ سجاول سندھ ۱۳۵۰ھ
- شیخ التفسیر والحدیث اکیڈمی علوم اسلامیہ کوئٹہ ۱۹۶۲ء

وزارتِ تعلیم

۱۹۳۹ء میں آپ کو ریاست ہائے متحدہ بلوچستان قلات کے والی کی طرف سے وزارت تعلیم کی پیشکش کی گئی چنانچہ اکابر دارالعلوم کے مشورہ پر آپ نے یہ پیشکش قبول فرمائی اور اسی سال آپ نے قلمدانِ وزارت سنبھالا۔ آپ کے وزارت میں آنے سے ریاست کے شعبہ ہائے قضا میں جان پڑ گئی۔

تمام تنازعات کا فیصلہ جلد از جلد قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا جانے لگا۔ ریاست کے عوام کو خوشی واطمینان کی زندگی ملی۔ اس ذمہ دارانہ منصب پر آپ ۱۹۳۹ء اور بعد از پاکستان ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۵ء تک پورے گیارہ سال فائز رہے۔ ان سالوں میں آپ نے قوم وملت کی جی بھر کر خدمت کی۔ اسی دوران میں آپ نے قضاء اور افتاء کے متعلق فقہ اسلامی سے چیدہ چیدہ اصول منتخب کر کے ایک کتاب "معین القضاة والمفتین" عربی زبان میں لکھی اور اہل علم

سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ اس میں اسلامی قوانین کو بحوالہ کتب جدید طرز پر بشکل دفعات مرتب کیا ہے۔ اس کتاب پر آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند نے قرارداد کے ذریعے مبارکباد بھیجی جو اخبار "الجمعیۃ" و رسالہ "الصدیق" میں چھپی۔ یہ کتاب افغانستان، ترکی، عراق، مصر، لبنان اور شام والوں نے طلب کی اور بغداد و شارع الشیخ میں اس کی ایجنسی قائم ہوئی۔

وزارت سے استعفیٰ

۱۹۵۵ء میں ون یونٹ بن جانے کے بعد جبکہ مشاہرہ اور منصب بدستور قائم تھا لیکن وزارت کا عہدہ قانوناً ممکن نہ تھا اور شرعی فیصلہ پر ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں اپیل کی گنجائش باقی رہ سکتی تھی اور جس کے ارکان شرعی قانون کی پوری واقفیت نہ رکھتے تھے اس لئے آپ نے استعفیٰ دے دیا حالانکہ استعفیٰ نہ دینے کی صورت میں بڑی تنخواہ اور بڑی پنشن سے آپ مستفید ہو سکتے تھے لیکن آپ نے غیر عالم دین کو عالم دین کے فیصلہ پر حقِ اپیل دینے کو شان و وقارِ شریعت کے خلاف سمجھ کر مالی فائدہ کو نظر انداز فرما دیا بقول شاعر

؎ اس کے سوا جہاد کے معنی ہیں اور کیا　　اسلام کا وقار بڑھاتے ہوئے چلو

تصنیفی خدمات

۱: آپ کی ایک عربی کتاب "معین القضات والمفتین" کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

۲: "شرعی ضابطہ دیوانی" یہ اردو زبان میں ہے اس میں اسلامی فقہ کے تمام دیوانی قوانین دفعات کی صورت میں جمع کئے گئے ہیں۔ ملک کے ممتاز قانون دان لے۔کے بروہی نے اسے بیحد پسند کیا اور طلب فرمائی مذکورہ بالا دونوں کتابیں مکتبہ صدیقیہ ملتان سے مل سکتی ہیں۔

۳: "علوم القرآن" اردو زبان میں ہے مہتمم مدرسہ فاروقیہ بہاولپور نے اسے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ایم۔ اے اسلامیات کے نصاب میں داخل ہے۔

۴: "ترقی اور اسلام" یہ کتاب پشاور اور لاہور میں شائع ہو چکی ہے اور اس کا بنگالی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۵: "سوشلزم اور اسلام" جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور مفتی عبدالغنی صاحب بہاولپور نے چھاپی ہے۔

۶: "سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا موازنہ اسلام سے" مولانا عبدالرحمٰن صدیقی صاحب نوشہرہ صدر پشاور والوں نے نہایت خوبصورتی کیساتھ لاہور سے طبع کرائی ہے۔

۷: "اسلام دینِ فطرت ہے"
۸: "اسلام عالمگیر مذہب ہے"
یہ دونوں کتابیں مجلس تحفظ ختم نبوت احمد پور شرقیہ نے شائع کروائی ہیں۔

۹: "عائلی مشکلات اور ان کا قرآنی حل" ناشر جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔

۱۰: "مدارس کا معاشرہ پر اثر" ناشر جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔

۱۱: "معدن السرور فی فتوی بہاولپور"　۱۲: "متنازعہ مسائل کا حقیقی حل" مولوی معدن چارسدہ پشاور

۱۳ : "آئینہ آریہ" مطبوعہ لاہور ۱۹۳۵ء اس میں مضبوط دلائل سے آریہ سماج کی تردید کی گئی ہے۔ یہ کتاب نایاب ہے۔
۱۴ : "تصوف اور تعمیر کردار" شائع کردہ محکمہ اوقاف پاکستان لاہور۔
۱۵ : "اسلامی جہاد" ۱۶ : "کمیونزم اور اسلام" (اردو) اس کا بنگالی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔
۱۷ : "احکام القرآن" ۱۸ : "مفردات القرآن" ۱۹ : "مشکلات القرآن" ۲۰ : "حقیقت زمان و مکان"
ان کتابوں کے علاوہ آپ کے علمی اور تحقیقی مضامین پاکستان کے جرائد و مجلات میں شائع ہوتے رہے زیادہ تر "انوار مدینہ" اور "الحق" میں لکھتے رہے۔

مؤتمر عالم اسلامی کوالالمپور میں شرکت

حضرت مولانا نے کئی ایک بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کر کے پاکستان کا وقار دنیائے اسلام میں بلند کیا۔ مؤتمر عالمی اسلامی کوالالمپور ملائشیا میں آپ نے بحیثیت پاکستانی وفد کے ایک رکن کے ... شرکت فرمائی اور "تعداد ازواج" کے مسئلہ پر ایسی عالمانہ بحث فرمائی کہ آپ کے علمی دلائل کو عالم اسلام کے علماء نے تسلیم کیا اور رمضان و عید کے ثبوت کے لئے رویت پر مدار رکھنا اور حساب پر نہ رکھنے کے بارے میں بھی آپ کے دلائل کی روشنی میں فیصلہ ہوا کہ "تعدد بشرط العدل" درست ہے اور رمضانیت و عیدیت کا مدار رویت پر ہے نہ کہ حساب پر۔ اسی طرح مؤتمر عالم اسلامی اسلام آباد میں آپ نے سود، بیمہ، انشورنس کمپنی کے سامنے جب مضبوط دلائل پیش فرمائے تو عالم اسلام کے علماء عش عش کر اٹھے۔ آپ نے دلائل حضرت کچھ ایسے انداز سے بیان فرمائے کہ عالمی علماء نے ان کے حرام ہونے کا فیصلہ آپ کے دلائل کے مطابق دے دیا۔ ان کانفرنسوں میں آپ کی نمائندگی کا عالمی ریکارڈ موجود ہے۔

صوفیانہ مسلک

سلسلہ قادریہ میں آپ اپنے والد غلام حیدر مرحوم سے بیعت ہوئے پھر حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری سے اسکی تکمیل کی۔

سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز بیعت

سلسلہ نقشبندیہ سرزمین حجاز میں شیخ عثمانی جامع الطرفین النقشبندیہ والقادریہ "علاؤالدین عراقی" بیارہ ضلع سلیمانیہ سے حاصل کیا۔ چونکہ یہ صحبت تقریباً آٹھ ماہ تک رہی اس لئے حضرت نے اجازت بیعت بھی مرحمت فرما دی جو آپ کے پاس بصورت شجرہ محفوظ تھی سلسلہ چشتیہ کی بیعت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اور اجازت مفتی محمد حسنؒ سے حاصل ہوئی۔ یہ سب سلاسل سلسلۂ علماءِ ربانی مطبوعہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں موجود ہیں : من شاء فلیراجع۔ دالرشید دارالعلوم نمبر

وفیات : بانی تنظیم اہلسنت والجماعت جناب سردار احمد خانصاحب پتافی مغفور کے عزیز داماد سردار عبدالرحیم پتافی جامپور میں مرحوم ہو گئے دونوں اصحاب کی خدمات، صدقات جاریہ وساریہ ہیں۔ ادارہ میں حسب نظام ادعیہ مغفرت کی گئی۔ اللہ رحیم و کریم پسماندہ خاندان کی دینی و تنظیمی خدمات قبول و منظور فرمائے اور خاندان کو صبر جمیل اور مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

نگاہِ اوّلین

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب الیٰ رحمۃ اللہ

"الفرقان" کے بیرونی ممالک کے ناظرین میں بھی غالباً کوئی نہ ہوگا جس کو قاری صاحب کے حادثہ وفات کی اطلاع نہ ہو چکی ہو ــــ اس میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" کے اٹل خداوندی قانون کے مطابق اپنے اپنے مقررہ وقت پر ہم سب اسی راستہ سے اسی منزل کی طرف جانے والے ہیں "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" کا یہی مطلب و مدعا اور یہی پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ کسی وقت بھی اس سے غفلت نہ ہو۔ رسول اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کفیٰ بالموت واعظاً" (نصیحت کے لیے بس موت (کا خیال و دھیان) بالکل کافی ہے)

اس عاجز راقم سطور کو قاری صاحب کے حادثہ، وفات پر بالخصوص اس احساس سے شدید رنج و صدمہ ہے کہ یہ ایسے وقت ہوا جبکہ دارالعلوم سے متعلق ان معاملات کی وجہ سے جن کا ذکر الفرقان میں آتا رہا ہے۔ ہمارے ذات البین (باہمی تعلقات) میں وہ خوشگواری نہیں رہی تھی جو ابتدا ر تعلق و تعارف (قریباً ۶۰ سال) سے اب تک چلی آ رہی تھی ــــ دل میں شدت سے یہ حسرت ابھرتی ہے کہ کاش ہم ان واقعات سے پہلے ہی دنیا سے اٹھا لیے گئے ہوتے يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا

لیکن ہماری موت و حیات کی طرح ہماری زندگی کے افعال و اعمال اور واقعات و احوال بھی ازل سے مقدر ہو چکے ہیں۔ جو ماضی کے لیے مقدر تھا وہ ہو چکا مستقبل کے لیے جو مقدر ہے وہ ہو کے رہیگا "ما قدر اللہ فسوف یکون" خاص کر دارالعلوم کے ان معاملات میں اپنی طبیعت و مزاج کے خلاف اس عاجز کے ابتلاء کی توجیہہ اس کے سوا نہیں کی جا سکتی کہ یونہی مقدر تھا ورنہ میں تو ان واقعات سے بہت پہلے قریباً ۲۰ سال پہلے ایک دفعہ مجلس شوریٰ کی رکنیت سے استعفیٰ دے چکا تھا اس وقت میرے اساتذہ بھی حیات تھے انہوں نے بھی حکم فرمایا کہ میں استعفیٰ پر اصرار نہ کروں اور رکنیت کا تعلق قائم رکھوں۔ مجھے مان لینا پڑا۔ پھر اس کے بعد بھی کئی بار استعفیٰ کا ارادہ کیا اور اگر اپنی رائے اور دل کے داعیہ پر عمل کر لیتا تو دارالعلوم کے موجودہ نزاعی قضیہ کے سلسلہ میں میرا ذکر بھی نہ آتا مگر

ابتلاء مقدر ہو چکا تھا، اس لیے ہو کے رہا۔ لاَ رَادَّ لِمَا قَضَاہ۔

الفرقان میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے کہ اب سے قریباً ۱۲ - ۱۳ سال پہلے دارالعلوم کے بعض حالات و معاملات کی وجہ سے میرے دل میں اس کا شدید داعیہ پیدا ہوا۔ کہ مجلس شوریٰ کی رکنیت سے خاموشی سے استعفیٰ دے کر اپنے کو اس کی ذمہ داریوں اور مسئولیت سے الگ کر لیا جائے۔ لیکن اس دور میں کوئی اہم فیصلہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہٗ کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتا تھا، سہارنپور، ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورت حال عرض کی۔ حضرت شیخ نے فرمایا! کہ مولوی صاحب جو کچھ تم نے بتلایا مجھے اس سے زیادہ معلوم ہے۔ لیکن میری رائے استعفیٰ کی نہیں ہے میرے نزدیک تمہارا مجلس شوریٰ میں رہنا دارالعلوم کے لیے مفید اور ضروری ہے۔ البتہ جس بات کو تم صحیح نہ سمجھو صفائی سے اس کے بارہ میں اپنی رائے ظاہر کر دو، نہ مانی جائے تو تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ا ــــ میں نے حضرت شیخ کے فرمانے کے مطابق استعفیٰ کا ارادہ اس وقت ترک کر دیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد پھر کسی معاملہ پر استعفیٰ کا تقاضا دل میں پیدا ہوا اور پھر میں حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا، حضرت نے اب کے بھی وہی فرمایا جو پہلے فرمایا تھا۔

آخری دفعہ اجلاس صد سالہ کے بعض خاص واقعات اور محرکات کی بنا پر بہت ہی شدت سے استعفیٰ کا داعیہ دل میں پیدا ہوا، اس وقت حضرت شیخ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا، میں نے مفصل عریضہ لکھا، شیخ کا جواب آیا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ اور حضرت گنگوہیؒ کے عمل کے مطابق معاملات میں سات دن متواتر استخارہ مسنونہ کریں اور اپنے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیں اس کے بعد جو بھی رجحان ہو اس پر عمل کر لیا جائے۔

اکابر نے لکھا ہے کہ استخارہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی رائے اور اندرونی داعیہ کو بالکل فنا کر کے استخارہ کیا جائے ــــ لیکن میرے دل میں اس وقت استعفیٰ کا ایسا شدید تقاضا اور داعیہ تھا کہ میں اس کے فنا کرنے پر قادر نہیں تھا، اس لیے وہ سات روزہ استخارہ نہیں کیا جا سکا اور میں اسوقت کا منتظر رہا جب اپنی رائے کو فنا کر کے استخارہ کر سکوں ــــ اسی حال میں دن گذر رہے تھے کہ ہماری اور پوری جماعت کی بدقسمتی سے دارالعلوم سے متعلق نامبارک واقعات کا وہ افسوسناک سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس کے بارہ میں حسب ضرورت الفرقان میں لکھا جاتا رہا ہے اور مجلس شوریٰ کے رکن ہونے کی حیثیت سے میں جو اپنی ذمہ داری سمجھی اس کو ادا کرنے کی کوشش کی ـــــ ہم میں سے کوئی بھی معصومیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا راقم سطور اتنا ہی عرض کر سکتا ہے کہ ضمیر اس پر مطمئن ہے

کہ اس سلسلہ میں جو کچھ کیا اپنے نزدیک دارالعلوم کا حق اور اپنا فرض سمجھ کر کیا ــــ اس کے باوجود
مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔
بات بہت طویل ہو گئی، مقصد صرف یہ عرض کرنا تھا کہ ایک بار استعفا دے دینے اور اس کے بعد بار بار استعفے کے ارادے اور شدید تقاضے کے باوجود اس اختلاف کے شروع ہو جانے تک استعفا دے کر الگ ہونیکی نوبت نہ آنا اور میرا اس میں مبتلا ہونا اسی لیے ہوا کہ یہی مقدر ہو چکا تھا۔
صحابہ کرام خاص کر عشرہ مبشرہ میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلاف ہوا وہ صرف کہنے سننے یا لکھنے لکھانے تک محدود نہیں رہا بلکہ نوبت قتل وقتال کی آئی، یہاں تک موخر الذکر دونوں حضرات اسی میں شہید ہوئے۔ اس کے بارے میں بھی آخری بات یہی کہی جا سکتی ہے کہ اللہ علیم وحکیم کی طرف سے یہ مقدر ہو چکا تھا اور اس میں بھی یقیناً حکمتیں تھیں، خواہ ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔
غرض ان سب باتوں کے پیش نظر ہونیکے باوجود اور وہ حدیث پاک بھی حافظہ میں ہونیکے باوجود جس میں حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا عالم بالا کا وہ مکالمہ ذکر فرمایا گیا ہے جو ایسے مواقع پر موجب تسکین ہو سکتا ہے، جب قاری صاحب کے حادثۂ وفات کی خبر سنی تو خاص کر اس احساس کیوجہ سے شدید رنج وقلق ہوا کہ اس کا امکان ختم ہو گیا کہ ہم اس زندگی ہی میں اپنے قلوب اور معاملات کو صاف کر سکیں ــــ ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن
کئی مہینے پہلے ارادہ کیا تھا کہ قاری صاحب کی خدمت میں ایک مفصل خط لکھوں اور دارالعلوم کے ان معاملات کے سلسلہ میں مخلصانہ مشورہ عرض کروں اور ذات البین کی صفائی کی ایک کوشش کروں اس کے لیے مناسب وقت اور فضا کا اور صحت کے لحاظ سے ان کی صحت بہتر ہونیکا انتظار کرتا کرتا رہا۔ لیکن اللہ کی مشیت جس مناسب وقت کا انتظار تھا وہ بھی نہیں آیا اور خرابیٔ صحت اور ضعف ونقاہت کے بارے میں بھی ایسی اطلاعات ملتی رہیں جنکی وجہ سے وہ خط لکھنا میں مناسب نہیں سمجھا اور مناسب وبہتر وقت کا انتظار کرتا رہا ــــ اسی حالت میں ایک دن اخبار پڑھا کہ قاری صاحب تشویشناک علالت کی حالت میں دہلی کے فلاں ہسپتال میں داخل کر دیے گئے ہیں تو اپنی غرض سے بھی ان کی صحت کیلئے دعائیں کیں تاکہ جو کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں عرض کر سکوں ــــ کچھ دن کے بعد معلوم ہوا کہ حالت کچھ بہتر ہو گئی ہے اور دہلی سے مکان دیوبند تشریف لے آئے ہیں لیکن ضعف ونقاہت انتہائی درجہ کا ہے تو میں نے طے کیا کہ جو کچھ میں دارالعلوم کے معاملات سے

متعلق کہنا چاہتا ہوں وہ تو بہت طویل اور غور طلب ہوگا، اس حالت میں وہ لکھنا تو مناسب نہیں البتہ آخرت کے لیے اپنا معاملہ صاف کر لینے کے واسطے مختصر عریضہ بلا انتظار اسی وقت لکھ دینا چاہیے چنانچہ ۲۸ اپریل کو مندرجہ ذیل عریضہ لکھا :-

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

معظمی محترمی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ——— خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو، عرصہ سے جناب کی خدمت میں عریضہ کے ذریعے کچھ عرض کرنے کا ارادہ تھا لیکن مناسب وقت اور فضاء کا انتظار کرتا رہا مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ ایسا وقت اب تک نہ آسکا پچھلے دنوں جناب کی شدید علالت اور علاج کے لیے دہلی کے کسی ہسپتال میں داخلہ کی خبر اخبار میں پڑھی تھی تو ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ تو اب کسی وقت انتظار کیے بغیر ہی عریضہ لکھوں گا ——— کل ایک صاحب ملے جو حال ہی میں دیوبند گئے تھے اور جناب کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تھے، انہوں نے جناب کے ضعف و نقاہت کا حال بتایا تو اب وہ سب کچھ لکھنے کا ارادہ ترک کر کے جو کچھ لکھنا چاہتا تھا، اس وقت صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دارالعلوم کے سلسلہ میں بدقسمتی سے جو اختلاف ہمارے درمیان پیدا ہوا جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے میرا بھی اس میں حصہ رہا، اس سلسلہ میں میں نے جو کچھ لکھا یا عملاً کیا اگرچہ یہ سمجھ کر لکھا گیا کہ یہ دارالعلوم اور جماعت کا مجھ پر حق ہے اور اگر میں نے اس میں کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی جواب دہی کرنی پڑے گی ——— تاہم میں بشر ہوں، خطا اور نفس و شیطان کے شر سے محفوظ نہیں ہوں۔ (وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء) بالکل ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں جناب کے حق میں مجھ سے تعدی (زیادتی) ہوئی ہو۔ اس کے لیے عاجزانہ طور پر معافی کا طالب و سائل ہوں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ" کو پیش نظر رکھتے ہوئے معاف اور آخرت کے مواخذہ سے بری فرما کر عاجز پر احسان فرمائیں گے ——— اس اختلاف کے زمانہ میں بھی اپنے لئے

باعثِ خیر و برکت سمجھ کر جناب کے لئے بھی دعا کرتا رہا ہوں اور خود دعا کا محتاج و طالب ہوں مکرر عرض ہے کہ جناب کے ضعف و نقاہت کا جو حال معلوم ہوا ہے اسکو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسوقت صرف اتنا ہی عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جناب کو اپنے فضل و کرم سے صحت و توانائی عطا فرمائے تو انشاءاللہ ذات البین ہی کی غرض سے وہ چند باتیں عرض کروں گا جو عرض کرنا چاہتا تھا ——— دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس کا موقع عطا فرمائے اور اسکو میرے لئے جنابِ والا کے لئے اور دارالعلوم اور پوری جماعت کے لئے نافع بنائے۔

وما ھو علی اللہ بعزیز۔ والسلام، منظور نعمانی

حضرت قاری صاحب کی طرف سے اس کا جواب آیا جو درج ذیل ہے:

محترم المقام مولانا منظور احمد نعمانی زید مجدکم ——— السلام علیکم

گرامی نامہ مورخہ ۲۰ راپریل ۱۹۸۳ء باعث شرف اور موجب تسلی ہوا۔ یہ میرے لئے روح کی غذا اور صحتمندی کی علامت ہے۔ آج کا دور کرب کا دور ہے۔ اخلاقی انتشار عالمی پیمانے پر بڑھ رہا ہے ننانوے فی صد غلطفہمیاں چھائی ہوئی ہیں اور ایک فی صد حقیقت پر حاوی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے آج کے لادینی دور میں دین کے ہر شعبہ میں اُمت کی رہنمائی اور عوام اُمت کی خدمت اس کا نصب العین رہا ہے۔ آج اس کا کیا حال ہے؟ اور ہم اللہ کے سامنے مسئول ہیں ——— یہ ہے وہ سوز جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے ——— میں دہلی میں پنت ہسپتال میں رہا۔ اب دیوبند ہوں۔ میرا کھانا پینا صرف دوا ہے ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی مرض نہیں اور حال یہ ہے کہ دوسرو ں کے ہاتھوں میں ہوں، نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا بلکہ غم دارالعلوم کا ہے ——— جماعت جو ۱۱۶ برس تک اوروں کے لئے ہدایت، تقویٰ اور توحید کی علامت تھی بکھر کر رہ گئی یہی میری بیماری ہے ویسے یہ عمر کا تقاضا ہے۔ اس عالم بیچارگی میں آپ کا مکتوب گرامی ملا جسے میں اپنے لئے اور دارالعلوم کے لئے روحانی صحتمندی کی علامت سمجھتا ہوں۔ آنمحترم نے معافی کے الفاظ لکھے ہیں۔ آنمحترم نے زیادہ کون جانتا ہے کہ میں نے اپنے چھوٹوں کو بھی کبھی خطا وار نہیں سمجھا کہ ان کی زبان پر معافی کی بات آئے۔

معاملہ ہم میں سے کسی کی ذات کا نہیں نہ معافی کا بلکہ ہمارے اسلاف کی یادگار دارالعلوم کا ہے ہم سب اپنی خطاؤں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور کچھ مانگیں تو دعا مانگیں ہم سب کو توفیق

نصیب ہو اور آخرت کی جوابدہی سے نجات ملے۔

؎ من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم   بندۂ بارگاہِ سلطانیم

اس دن سے جس نے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو یہ دن دکھائے میں نے تین لفظ اختیار کرلئے ہیں السکوت والصبر والغنیٰ انہی تینوں پر اب بھی قائم ہوں۔ زندگی کی آخری آرزو اور آخری دعا یہ ہے کہ دارالعلوم کا پہلا رنگ جس میں روحانیت تھی خلوص تھا اور سب ایک تھے اور فیصلے ایک رائے سے ہوتے تھے   پھر بحال ہو جائے۔ آنمحترم سے دعا کی درخواست ہے۔ والامر بید اللہ الکریم   والسلام

محمد طیب غفرلہٗ ۶/۵/۸۲ء

(بلاشبہ قاری صاحب کا لکھا یا ہوا یہ مکتوب گرامی ان کی اصل فطرت کے عین مطابق ہے۔ کاش۔۔۔۔)

قاری صاحب کے اس مکتوب گرامی کے ملنے کے بعد بھی یہی معلوم ہوتا رہا کہ ضعف و نقاہت میں کوئی کمی نہیں ہے اس لیے جو مفصل عریضہ لکھنے کے بارے میں سوچا تھا وہ لکھنا مناسب نہیں سمجھا اور بہتر حالت کا انتظار رہا۔ پھر اخبار سے معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ ناساز اور موجب تشویش ہو گئی تو دوبارہ دہلی ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے ــــ اس کے بعد ۱۷ شوال کو اچانک حادثۂ وفات کی اطلاع ملی تو اس احساس کے تحت کہ اس کا پورا امکان ہے کہ مجھ سے ان کے بارے میں تعدی اور زیادتی ہوئی ہو تو اس کا صرف امکان ہی نہیں قریب بہ یقین گمان ہے کہ دارالعلوم کے اس بحرانی دور میں اور اس سے پہلے بھی زبان کی بے احتیاطی سے ان کی غیبت کرنے یا کانوں سے سننے کا ارتکاب ہوا ہو، اس کی امکانی تلافی کے لیے میں نے اپنے لیے ضروری سمجھا کہ ان کے لیے دعا اور ایصالِ ثواب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے ــــ اس کے ذکر کر دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ موجودہ حالات میں اچھا ہی سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایسا اہتمام نصیب فرمایا کہ اپنے والدین مرحومین اور خاص اکابر و محسنین اور مخصوص اعزہ و اقربا کے علاوہ شاید ہی کبھی کسی کے لیے ایسا اہتمام نصیب ہوا ہو۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ سب اپنی ذاتی غرض کے لیے اور اپنی تقصیرات کی تلافی کی نیت سے کیا گیا ــــ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور اس کو قاری صاحب کی رُوح کے لیے رحمت و شادمانی کا وسیلہ بنائے ــــ اپنے ناظرین سے بھی گزارش ہے کہ وہ بھی مغفرت و رحمت کی دعا کا اور بقدر تطییب خاطر ہو سکے ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ اس عاجز پر بھی احسان ہوگا۔

قاری صاحبؒ میری نظر میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساویهم ــــ اس کی تکمیل کرتے ہوئے یہ عاجز قاری صاحب کے بارے میں اپنے معلومات اور احساسات عرض کرتا ہے۔

اب سے ٹھیک ۶۰ سال پہلے ۱۳۴۳ھ یہی شوال کا مہینہ تھا کہ راقم سطور ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ قاری صاحب کو پہلی دفعہ تب ہی دیکھا، ان کی عمر اس وقت ۲۷، ۲۸ سال کی تھی، ہماری نظروں میں وہ حدیث نبوی کی تعبیر کے مطابق شاب صالح، (جوان صالح) تھے۔ میں چونکہ تعلیم کے آخری مرحلہ کے لیے دارالعلوم گیا تھا۔ اس لیے درس و تعلیم کا تعلق صرف ان اکابر اساتذہ سے رہا جو آخری مرحلہ کے اسباق پڑھاتے تھے۔ قاری صاحب سے کوئی خاص تعلق نہیں رہا سوا اس کے کہ وہی اس زمانے میں دارالعلوم کی مسجد میں پانچوں وقت نماز پڑھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خوبروئی کیساتھ خوش آوازی کی نعمت بھی بھرپور عطا فرمائی تھی۔ اور فن قرأت و تجوید میں ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ "قاری" ان کے اسم گرامی کا جزء بن گیا تھا۔ جہری نمازوں میں ان کی قرأت بڑی دلکش ہوتی تھی۔ دارالعلوم دیکھنے کے لیے باہر سے آنیوالے جسطرح دارالعلوم کی اس وقت کی دوسری دل آویز خصوصیات سے متاثر ہوتے تھے اسیطرح قاری صاحب کی نمازوں کی قراءت سے بھی بڑا اچھا اثر لیتے تھے۔

راقم سطور طالب علم کی حیثیت سے دو سال دارالعلوم میں رہا۔ ان کی اقتدا میں نمازیں پڑھنے کے علاوہ شاذ و نادر ہی خصوصی ملاقات کی نوبت آئی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کم آمیزی جو میری فطرت میں ہے۔ اور شاید مرض کی حد تک ہے۔ وہ دارالعلوم کی طالب علمی کے اس دور میں حد سے بڑھی ہوئی تھی۔

اس طالب علمی کا دور ختم ہونے کے بعد اپنی جماعت کے انجمنوں، مدرسوں کے جلسوں میں شرکت کی نوبت آتی تو اکثر قاری صاحب بھی تشریف فرما ہوتے۔ وہ ہماری جماعت کے علماء میں (جنکو اس عاجز نے دیکھا) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح کو مستثنیٰ کر کے سب سے اچھے مقرر اور واعظ تھے۔ ان کی تقریر بڑی عالمانہ اور حکیمانہ ہوتی مد و جزر اور جوش و خروش بالکل نہ ہوتا لیکن سامعین کے لیے بڑی دلکش اور تسکین بخش ہوتی، اللہ تعالیٰ نے مشکل مضامین کی تفہیم پر بڑی قدرت عطا فرمائی تھی۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

رجب ۱۳۶۳ھ میں (جس کو اب چالیس سال سے زیادہ ہو چکے) یہ عاجز دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا رکن منتخب ہوا۔ اس کے بعد شوریٰ اور عاملہ کے جلسوں میں قاری صاحب سے برابر واسطہ رہا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے جسطرح ان کو ظاہری محاسن میں خوبروئی خوش آوازی اور خوش بیانی سے نوازا ہے۔ اسیطرح باطنی محاسن میں خوش اخلاقی، تحمل، رعایت و مروت اور نرم مزاجی بھی بھرپور عطا فرمائی ہیں ——— راقم سطور اس موقع پر یہ عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ کہ ان میں رعایت و مروت اور نرم مزاجی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ جو دارالعلوم دیوبند جیسے کسی ادارہ کے منتظم کے لیے مناسب نہیں ہوتی۔ اور اسی وجہ سے ایسا ہوا کہ جب عمر کے اس آخری دور میں قدرتی نظام کے مطابق ان کے جسمانی ظاہری اعضا کیطرح معاملہ فہمی اور دقیقہ رسی کی

صلاحیت بھی متاثر ہوگئی تھی۔ تو بعض ان ناخدا ترس مفاد پرست لوگوں نے جنھوں نے ان کا تقرب و اعتماد حاصل کر لیا تھا۔ دارالعلوم کے بارے میں ان کو کچھ ایسے اقدامات کے بارے میں، اپنے ایک مستقل رسالہ میں جس کا عنوان ہے "دارالعلوم دیوبند کا قضیہ عوام کی عدالت میں" تفصیل سے لکھ چکا ہے (اور یہ رسالہ دارالعلوم کے دفتر اہتمام سے شائع ہو چکا ہے) ان اقدامات نے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو شدید فتنہ اور عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور خود قاری صاحب کی شخصیت کو اتنا نقصان پہنچایا کہ ان کا کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی نہیں پہنچا سکتا تھا۔

راقم سطور نے بارہا مختلف مجلسوں اور صحبتوں میں کہا ہے کہ اس فتنہ میں ہم لوگوں میں سب سے زیادہ مظلوم قاری صاحب کی ذات ہے۔ ان پر ظلم خود ان کے ناعاقبت اندیش دوستوں نے کیا۔ ان سے ایسے اقدامات کرائے جن کی کوئی تاویل و توجیہ بھی نہیں کی جا سکتی۔ اور مجلس شوریٰ کو اپنا فرض ادا کرنے اور دارالعلوم کو برے انجام سے بچانے کیلئے بعض ایسے فیصلے کرنے پڑے جو اس کے ارکان کیلئے ناخوشگوار تھے۔

اب سنا ہے کہ سب سے آخر میں ان لوگوں نے قاری صاحب سے کوئی "وصیت نامہ" بھی لکھوایا ہے۔ اس کا جو مضمون معلوم ہوا ہے۔ اگر واقعی وہی ہے تو یہ ان پر ان لوگوں کا سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ لوگ قاری صاحب کے نادان دوست ہیں یا دانا دشمن اس سارے معاملہ میں ہم سب کیلئے بڑا سبق ہے۔ اللہ ہر طرح کے شر و رفتن سے خاص کر قرناء سوء کے سنگین فتنہ سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اسکی حفاظت کے بغیر ہم میں سے کوئی بھی محفوظ و مامون نہیں۔

بہرحال اب جب کہ قاری صاحب ہماری اس دنیا میں نہیں رہے۔ اور ہم بھی یقیناً وہیں جانیوالے ہیں جہاں وہ پہنچ چکے ہیں تو اب بس یہی عرض کرنا ہے۔

انتم لنا سلف ونحن علی اثرکم خلف، یغفر اللہ لنا ولکم و جمعنا وایاکم فی دار السلام

(الفرقان) محمد منظور نعمانی ۱۲ر شوال ۱۴۰۳ھ

آپ کا زورِ خطابت مُدح پرور پُر اثر
آپ کا طرزِ تکلم کر گیا ہر دل میں گھر
خلق پر پرتو ہمیشہ نام کا ظاہر رہا
ہر عمل بس آپ کا طیب رہا طاہر رہا
حضرت نانوتویؒ کے فن کے شارح السلام
ہے معظم کی دعا ادخلہٗ فی دار السلام

[illegible]

کلمات طیبات

تعلیمِ نسواں

از: حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا

یاد کرو جو پڑھی جاتی ہے تمہارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقلمندی کی بیشک اللہ ہے بھید جاننے والا خبردار"

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! اسوقت بڑا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کے بارے میں کچھ بیان کیا جائے۔ مرد تو جگہ جگہ سنتے ہیں مگر عورتوں کو موقع نہیں ملتا۔ ضرورت ہے کہ عورتوں کے اجتماعات کرکے انہیں احکامات بتلائے جائیں۔

میری بہنوں کے دل میں عام طور پر یہ خیال جم گیا ہے کہ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ گھر بار کا کام کرلیا نماز پڑھ لی بچوں کی پرورش کی، ذمہ داری ختم ہوگئی۔ کمالات حاصل کرنا عورتوں کا کام نہیں۔

بُرا نہ مانیں تو میں کہوں گا کہ یہ کام چوری کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے درجات مردوں کے لئے رکھدیئے اتنے ہی درجات عورتوں کے لئے بھی رکھدیئے گئے ہیں۔ عورتیں بڑی سے بڑی عالمہ ادیبہ بن سکتی ہیں۔ چند عہدے تو ایسے ہیں جو عورتوں کو نہیں دیئے گئے۔ ان کو نبوت نہیں دی گئی۔ امام داؤد ظاہری قائل ہیں کہ عورت نبی ہوسکتی ہیں ان کے نزدیک والدہ عیسیٰؑ، والدہ موسیٰؑ، آسیہ نبی تھیں۔ البتہ عورت صاحب شریعت نہیں بن سکتی کہ وہ امت کو تلقین کرے۔ عورت مربی بنے گی تو ان کے سامنے مرد بھی آئیں گے تب حجاب نہیں رہے گا۔ تو یہ بخل نہیں ہے دراصل یہ ان کے مناسب شان نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کو قضا کا عہدہ نہیں دیا گیا۔ قاضی بنایا جاتا تو حجاب توڑنا پڑتا۔ مدعی مدعا علیہ کو دیکھتی اور ان کی باتیں سنتی ان کے چہرے بہرے دیکھتی تو حجاب اٹھ جاتا۔

عورتوں میں بڑی بڑی شاعرہ، ادیبہ محدث گذریں، ازواج مطہرات میں عائشہ صدیقہؓ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وحی کا آدھا علم عائشہؓ سے حاصل کرو اور آدھا باقی صحابہ کرامؓ سے۔ بڑے بڑے صحابہؓ ان سے مسائل پوچھتے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا احسان ہے امت پر کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرکے بہت سے علوم کا دروازہ کھولدیا۔

حدیث میں ہے کہ کسی کے دودھ پیتے تین بچے مرجائیں تو وہ ماں باپ کے لئے شفاعت کریں گے۔ حضرت عائشہؓ

نے پوچھا، یا رسول اللہ اگر دو بچے مرجائیں ؟ آپ نے فرمایا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے پھر پوچھا کہ اگر ایک مرجائے ؟ اس پر آپؐ نے پھر فرمایا کہ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بچے اللہ تعالیٰ سے جھگڑیں گے، ضد کریں گے ماں باپ کے لئے یہ بچے جہنم کا راستہ روکیں گے۔ فرشتے کہیں گے وہ گنہگار ہیں انہیں کس طرح جنت میں لیجائیں ؟ مگر بچے بضد ہوں گے کہ ہم جانے نہیں دیں گے۔ فرشتے حق تعالیٰ کے سامنے معاملہ پیش کریں گے۔ بچے حق تعالیٰ سے کہیں گے کہ اگر انہیں جہنم میں بھیجنا ہے تو ہمیں بھی بھیجدیں۔ حق تعالیٰ فرمائینگے ایھا الطفل المراغم لربہ اے جھگڑالو بچے ! جاؤ لیجاؤ اپنے ماں باپ کو بھی۔

کہا جاتا ہے کہ تین ہٹیں ہیں۔ بالک ہٹ، تریا ہٹ، راج ہٹ۔ ایک مرتبہ اکبر بادشاہ کے دربار میں بچوں کا ذکر آیا۔ کونسی ضد ایسی ہے جسے پورا کرنا ہر ایک کا کام نہیں ؟ اسپر بحث چلی تو ملا دوپیازہ نے کہا، بچوں کی ضد۔ اسے پورا کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ اکبر نے کہا ہم بادشاہ ہیں ہم پورا کر سکتے ہیں۔ ملا نے کہا اچھا ہم بچہ بنتے ہیں میری ضد پوری کیجئے۔ ملا دوپیازہ بچوں کی طرح رونے لگے۔ کہا گیا کیوں روتے ہو؟ کہو کیا مانگتے ہو ؟ ملا نے کہا ہاتھی مانگتے ہیں اکبر نے ہاتھی دیا۔ اس نے پھر رونا شروع کیا۔ پوچھا گیا کیوں روتے ہو ؟ ملا نے کہا ہاتھی کو قلیا میں بند کرو۔ قلیا میں ہاتھی بھرنا ناممکن ہے۔ آخرکار اکبر عاجز آگیا۔ بہرحال بچوں کی ضد وہاں بھی قائم رہے گی۔

یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا احسان ہے کہ انہوں نے سوال کر کر کے آسانی کرادی۔ حتیٰ کہ ناقص بچہ بھی پیدا ہو تو وہ بھی شفاعت کرے گا۔ تو حضرت عائشہ بھی عورت ہیں مگر آدھا دین ان کا مرہون ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ تو زوجۂ پاک ہیں، ان کا رتبہ تو بہت بڑا ہے حضرت جابرؓ کی بیوی کا واقعہ سنیئے؛

حضرت جابرؓ کا بچہ بیمار تھا علاج ہو رہا تھا کہ حضرت جابرؓ کو سفر پیش آیا۔ حضرت جابرؓ نے بیوی سے فرمایا کہ بچہ کا خیال رکھنا۔ وہ جب سفر سے لوٹے تو بچے کا انتقال ہو چکا تھا۔ ماں نے بچہ کو کپڑے سے ڈھانپ دیا اور شوہر کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے ؟ بیوی نے جواب دیا الحمد للہ بعافیت و خیر وہ اچھا ہے۔ کھانا پیش کیا۔ کھانا کھا رہے تھے کہ بیوی نے شوہر سے کہا بتلائیے کہ اگر کوئی کسی کے پاس امانت رکھدے اور مقررہ وقت پر امانت مانگے تو واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟ شوہر نے جواب دیا کہ ضرور واپس کرنا چاہیئے بیوی نے کہا کیا واپس کرکے رنجیدہ ہونا چاہیئے ؟ فرمایا ہرگز نہیں بلکہ شکر ادا کرنا چاہیئے۔ بیوی نے کہا بچہ اللہ کی امانت تھا اللہ کا قاصد آیا اور اسے لے گیا تو ہمیں اسپر خوش ہونا چاہیئے کہ رنجیدہ؟

حضرت جابرؓ نے بیوی کے ہاتھ چومے اور فرمایا تونے غم ہلکا کر دیا۔

تو علم، عقل اور سلیقہ نہ ہو تو شوہر کا دل بھی خوش نہیں کرسکتی۔ اس سلیقہ مند بیوی نے خاوند کا دل تھامام غم غلط کیا بلکہ ان کے دل میں خوشی پیدا کر دی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیغمبری سے پہلے ہوا۔ غار حرا میں آپ پر وحی نازل ہوئی۔ آپ گھبرا گئے گھر میں لوٹ کر حضرت خدیجہؓ سے فرمایا زَمِّلُوْنِی زَمِّلُوْنِی حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ نے فرمایا کلا واللہ ما یخزنک اللہ الا انک تصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، آپ سے احوال پوچھے آپ نے واقعہ بیان فرمایا تو اس نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آتے تھے جس وقت آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی کاش میں اس وقت جوان رہوں کاش میں زندہ رہوں۔ اگر میں اس وقت زندہ رہا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ ورقہ نے کہا ہاں نبیوں کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آتا ہے۔

تو ایک عورت نے نبی کی دلداری کی۔ یہ تو ہیں طبقہ اولیٰ کی عورتیں۔ بعد کے دور میں بھی بڑی بڑی باکمال عورتیں امت میں گذریں۔ حضرت امام ابوجعفرؒ کی بیٹی حدیث لکھتی تھیں۔

صاحب بدائع الصنائع کے زمانہ میں ایک عالم کی بیٹی تھی جو حسن و جمال میں بھی مشہور تھی اور علم و کمال میں بھی۔ نکاح کے لئے پیغامات بہت آئے۔ بیٹی نے یہ شرط کی کہ میں اس سے نکاح کروں گی جو علم و کمال میں مجھ سے مقابلہ کر کے غالب آئے گا۔ چنانچہ بہت آئے مگر ناقص نکلے۔ صاحبزادی نے باپ سے کہا: آپ اعلان کر دیں کہ علماء کرام فقہ میں کتاب لکھیں جس کی کتاب مجھے پسند ہوگی میں اس سے نکاح کروں گی۔

علماء نے کتابیں لکھیں ان میں سے "بدائع الصنائع" کو انہوں نے پسند کیا۔ اس کے مصنف تھے مفلس وقلاش، لڑکی نکاح کرنے پر راضی ہوگئی۔ نکاح ہوگیا۔ خسر نے بیٹی کو داماد کے سپرد کیا تو انہوں نے کہا میں مسجد کے حجرے میں رہتا ہوں میں انہیں کہاں لیجاؤں گا!

بعد میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کو کشائش دی اور اس قدر شہرت علم و فتاویٰ میں ہوئی کہ جس فتوے میں میاں بیوی دونوں کے دستخط ہوں وہی فتویٰ معتبر شمار کیا جاتا۔

ہماری نانی صاحبہ مرحومہ حدیث پڑھی ہوئی تھیں۔ شادی کی تقریب ہو تو وہ مشکوٰۃ شریف لیکے جاتیں۔ نکاح کے بعد مشکوٰۃ کھول کر جو حدیث نکلتی اس پر وعظ کرتیں اس سے ہزاروں عورتوں کی اصلاح ہوئی مطلب یہ ہے کہ عورت باکمال فاضل بننا چاہے تو بن سکتی ہے۔

عورت دین کی طرف بڑھی تو اونچا مقام حاصل کیا، دنیا کی طرف بڑھی تو اونچا مقام حاصل کیا۔ بہت سی عورتوں نے ایم۔ اے کیا۔ بہت سی عورتیں حکمران بنیں۔ عورتیں اگر علم و عمل میں اگر کمال حاصل کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔ بارہ گھنٹہ میں ایک دو گھنٹہ قرآن پڑھنے سے یا حدیث پڑھنے سے کیا عورت حافظ یا محدث نہیں بن سکتی اگر سکم

ضروریاتِ دین کا علم تو حاصل کرنا چاہیئے۔ کم سے کم خاوند کا حق اولاد کا حق ، گھر کے دوسرے افراد کا حق تو پہنچانیں اسلام نام ہے حقوق کی ادائیگی کا۔ روزانہ ایک مسئلہ یاد کرنے سے بھی سال بھر میں بہت سے مسائل یاد ہو جائینگے۔

حدیث میں ارشاد ہے : من صلت خمسها.....

نماز پڑھنے میں کونسی دشواری ہے۔ خاوند کی خدمت کرنا ہی بڑا کام نہیں اسی طرح سال بھر میں ایک مہینے کے روزے رکھنے میں کیا دشواری ہے۔ آخرت کی زندگی کو غنیمت سمجھیں جو غیر محدود ہے۔ ہزاروں لاکھوں اس دارِ فانی سے گذر گئے کل کو ہمارے لئے بھی وقت آنیوالا ہے ہم بھی گذر جائیں گے۔

عورتوں کو چاہیئے کہ نماز کی پابندی کے بعد قرآن شریف روزانہ تلاوت کریں۔ ایک بڑی بی تھیں جو وضو کرکے قرآن پر ہاتھ پھیر پھیر کر کہا کرتی تھیں کہ یہ بھی اللہ نے سچ کہا یہ بھی اللہ نے سچ کہا۔ اسطرح روزانہ وہ قرآن کھول کر عظمت کیساتھ ہاتھ پھیر پھیر کر کہا کرتی تھیں۔

بچوں کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے ماں علم سے خالی ہوگی تو بچے بھی علم سے عاری ہوں گے۔

میرے والد بزرگوار نے کہا کہ بسم اللہ کر کے گھر کا دروازہ کھولو اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل ہوگی۔ ہم نے پانی پیا برتن ڈھکنا بھول گئے۔

والد صاحبؒ نے فرمایا رات کو بہت سی بیماریاں آسمان سے اُترتی ہیں تو جو برتن کھلا رہتا ہے اس میں بیماری اُترتی ہے۔

مختلف دعائیں مختلف اوقات کی جو حدیث میں ہیں ان پر پابندی کی جائے اگر بچوں کو دُعائیں سکھا دیجائیں تو اس سے اسلامی زندگی بنے گی۔

جو کام کریں نیک نیتی سے کریں تاکہ ہر کام اَجر کا ذریعہ بنے کھانا پکانے میں۔ کپڑے سینے میں ، خاوند کی اطاعت کی نیت کریں ہر کام نیت سے کرو تو پوری زندگی عبادت اور اطاعتِ خداوندی بن جائے گی۔

اپنے بچوں کو شروع ہی سے خدمت گذاری اور عبادتِ خداوندی پر آمادہ کریں اس طرح سے قوموں کی عزت اور سربلندی ہوتی ہے۔ محض عیش اُڑانے یا گھر میں بیکار بیٹھے رہنے سے انہیں بچایا جائے اللہ تعالیٰ دین پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین !

نذرِ عقیدت

آہ اے پیرِ طریقت ، شیخِ وقت اُستاذِ کل	آپ اُٹھے تو شمعِ محفل ہوگئی اک ایک گل
بزمِ شیخ الہند مہکتی آپ کے دم سے منیا	واقفِ اسرارِ انورؒ آہ اب رخصت ہوا
حضرت شیخ مدینہؒ کا تحمل آپ سے تھے	سادگی ایسی کہ سرتاپا تجلی آپ سے تھے

باقی ص ۱۴

از: مولانا منصور الزماں صاحب صدیقی

قربانی کے احکام و مسائل

عید الضحیٰ پر قربانی کرنا استطاعت رکھنے والے کے لئے واجب ہے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک یہ ایسی سُنت ہے کہ جس کا ترک کرنا اچھا نہیں ہے۔ قربانی کے احکامات قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے ثابت ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قربانی فرمایا کرتے تھے۔

قربانی پہلی امتوں پر بھی فرض تھی، اسلام میں یہ سُنتِ ابراہیمی کے طور پر جاری ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم سے قربان کرنا چاہا تو یہ فریضہ تعمیل حکم الٰہی کی مثال بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جگہ دنبہ بھیجدیا اور وہ ذبح ہوگیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ تعمیل حکم پسند آئی۔ اور اسکو بطور سُنتِ ابراہیمی جاری فرمایا۔ جیسا کہ حج و عمرہ میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا ضروری قرار دے دیا گیا ہے جبکہ یہ بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی ہاجرہ کی سُنت ہے اور بظاہر حج و عمرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ذکر کا انعام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیل ارشاد میں بیٹے کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ادا کو پسند فرما کر آپ کو ایسی بڑائی اور وقعت عطا فرمائی کہ تمام عالم کے مسلمان اس سُنت پر عمل پیرا ہیں اور اسکی یاد مناتے ہیں۔ قولہٗ فضلاً اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنیوالوں کی عزت و احترام اظہر من الشمس ہے۔ ہر شہر میں ایسے بزرگ و اولیاء اللہ مدفون ہیں کہ صدیوں کے بعد بھی عوام ان کے مزارات پر فاتحہ خوانی کے لئے حاضر ہوتے ہیں اور انتہائی عزت و احترام سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے مزار پر شب و روز زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور جو بھی حاضری دیتا ہے وہ قرآن کریم کی تلاوت، نوافل کی ادائیگی اور خیرات وغیرہ کرتا ہے گویا کارِ خیر انجام دیتا ہے یہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے کہ عام زائر کارِ خیر میں مصروف رہتا ہے برخلاف اس کے اسی شہر میں بادشاہانِ وقت کے عالیشان مقبرے۔ خوبصورت باغوں اور عمارتوں میں موجود ہیں لیکن وہاں حاضرین کی تعداد کا تناسب کیا ہے اور حاضری کا مقصد کیا ہے اس پر غور فرمائیں! یہاں تفریحی مقصد کے لئے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے جو اکثر و بیشتر فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ہزاروں میں کسی اللہ کے بندہ کو توفیق ہوتی ہوگی کہ وہ فاتحہ خوانی کرے

وہاں نہ فاتحہ کا مقصد ہے اور نہ روحانی فیض کے اسباب ہیں۔ اگرچہ وہ اپنی حیاتِ مستعار میں ایک بڑی سلطنت کے مالک تھے اور مطلق العنان حاکم تھے۔ اب کسمپرسی کی حالت ہے۔

دوسری جانب بزرگانِ دین کے مزارات ہیں جو نہ کسی سلطنت کے مالک تھے نہ کسی کو مالی فوائد پہنچاتے تھے خود درویش تھے اور خدام کو بھی درویشی کی تعلیم دیتے تھے، زندگی مجاہدہ تھی لیکن اسوقت بھی عزت و احترام حاصل تھا اور آج بھی یہ مقام حاصل ہے کہ زمانہ حاضرہ کے سربراہ مملکت بھی حاضری کو ذریعہ افتخار سمجھتے ہیں۔

یہ سب تعمیل حکم کا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر کو رفعت و بلندی عطا فرمائی اور دنیا میں ان کے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا۔ آخرت کا انعام جو بھی ہوگا وہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں گویا دنیا و آخرت دونوں میں انعام و اکرام ہے۔

قربانی صرف تعمیل و ارشاد کے تحت کی جاتی ہے ورنہ اس کا خون یا گوشت اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا بلکہ وہ مخلوق کے اپنے کام آتا ہے۔ اصل چیز تعمیل احکام ہے، خلوص نیت ہے اسی جذبہ کے تحت نہ صرف قربانی بلکہ نماز روزہ و حج اور زکوٰۃ ادا کئے جاتے ہیں۔

ایک عظیم فتنہ افسوس ہے کہ اس دورِ ابتلا میں جہاں اور خرابیاں پیدا ہوئی ہیں وہاں ایک فتنہ یہ بھی اُٹھا کہ قربانی کی کیا ضرورت ہے۔ اگر اس کی بجائے اتنی رقم خیرات کر دی جائے تو یہ مفید ہوگا اور ہسپتال اور سکول تعمیر کرائے جائیں تاکہ پیسہ ضائع نہ جائے۔ گویا قربانی کرنے میں پیسہ ضائع جاتا ہے! یہ اندازِ فکر مہاجنی فکر ہے، بنیا پن ہے۔ جہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد اور اتباع سُنّت کی بجائے سرمایہ کے حساب سے اعمال ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ عبادت نہیں تجارت ہو سکتی ہے۔

اگر قربانی میں پیسہ ضائع ہوتا ہے تو حج میں تو اس سے بہت زیادہ خرچ ہوتا ہے لہٰذا حج بھی ختم کر دیا جائے؟ اور اس کے خرچ کی رقم سے ہسپتال تعمیر کرائے جائیں، نماز میں قیمتی وقت "برباد" ہوتا ہے، اسکا کیا فائدہ ہے یہ قیمتی وقت انسانی خدمت و ہمدردی کے منصوبے تیار کرنے میں لگایا جا سکتا ہے لہٰذا نماز بھی ختم کر دی جائے۔ نعوذ باللہ۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ تجاویز جس طبقہ کی جانب سے آئی تھیں وہ اسی کی حد تک محدود رہیں اور عامۃ المسلمین نے اس میں دلچسپی نہیں لی۔ اسطرح وقتی طور پر معاملہ ختم ہوگیا تاہم خدشہ ہے کہ پھر کسی موقع پر یہ فتنہ سر نہ اٹھائے۔

دین سے انحراف ایک گروہ احادیث کا منکر ہے یہ منکرانِ حدیث ظاہر کرتے ہیں کہ قربانی صرف حج کرنے والوں پر ہے منیٰ کے علاوہ کسی بھی جگہ قربانی کی ضرورت نہیں۔ گویا چودہ سو برس کے بعد اب اس مسئلہ کی صحیح صورت سامنے آئی ورنہ آج تک کسی نے اس پر غور ہی نہیں کیا تھا یا کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

یہ دوسرا فتنہ ہے جس کے خلاف سینہ سپر ہو کر مقابلہ کی ضرورت ہے۔ قربانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے حضور علیہ السلام عید الضحیٰ پر ہر سال قربانی فرماتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ۹ھ کو حج ادا فرمایا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واحد حج ہے۔ اسی کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے اس کے دوسرے برس آپؐ نے پردہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واحد حج ہے لیکن قربانی اس سے قبل بھی کی جاتی رہی ہے ظاہر ہے کہ یہ قربانی مدینہ منورہ میں ہی کی جاتی رہی ہوگی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد حضرات شیخینؓ، خلفاء راشدینؓ، صحابہ کرامؓ اور تابعین و تبع تابعین غرضیکہ مسلسل ہر دور میں قربانی کا سلسلہ جاری رہا ہے جو بحمد اللہ آج تک جاری وساری ہے۔

شعائر اسلام

قربانی بھی شعائر اسلام میں شامل ہے اور ہر ذی حیثیت اور صاحب نصاب پر واجب ہے اس کے بڑے فوائد اور دور رس نتائج ہیں جو اس مختصر مضمون میں پیش کرنا ممکن نہیں۔

فتنہ و فساد

دین میں فتنہ پیدا کرنے والے ہر دور میں ہر صورت میں کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ بہرحال ابلیس لعین بھی تو اپنی کوشش میں مصروف ہے اسکو بھی قیامت تک مہلت دی گئی ہے۔ ایسی صورت میں فتنہ اندازی کوئی تعجب خیز بات نہیں تاہم یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی فیصلہ ہے کہ اچھے مسلمان اور مومن شیطان کے غلبہ سے محفوظ رہیں گے تقاضائے بشریت کے تحت کوئی غلطی ہو جانا ممکن ہے لیکن مستقل اور دائمی غلبہ شیطانی نہ ہوگا۔ جو غلطی اتفاقیہ ہو جائے اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔

چند برس قبل لاہور میں ایک شخص نے عید کی نماز اردو میں پڑھائی تھی اسکو بھی مقتدی میسر ہو گئے تھے۔ یہ خودساختہ اجتہاد اصل جہل تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ فتنہ بھی اپنی موت آپ مر گیا ورنہ اگر علاقائی زبانوں میں نماز کا تخیل پیدا ہو جاتا تو پاکستان میں ہی چھتیس زبانیں بولی جاتی ہیں اسی طرح ہر ملک اور ہر علاقہ کی زبان جدا ہے ایک ایک ملک میں کئی کئی زبانیں بولی جاتی ہیں اسطرح کم از کم سینکڑوں کی تعداد میں ایسی زبانیں ہیں جن میں نماز ادا ہوتی اس طرح اسلام کی ایک اجتماعی عبادت کو ختم کر کے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ پھر کسی مسلمان کا تعلق برادرانہ صورت میں باقی نہ رہتا۔

نماز ایک واحد عبادت ہے جو عربی زبان میں ہی ادا کی جاتی ہے تمام دنیا میں اور ہر قوم و ملک میں جو شخص بھی نماز ادا کرے گا۔ قرآن کریم اصلی صورت یعنی عربی میں تلاوت کرے گا یہ تعلق دنیا بھر کے مسلمانوں کو متحد رکھنے کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے اور دین کی سمجھ اور فہم عطا کرے۔ ہر فتنہ سے محفوظ فرمائے۔ آمین

قربانی پہلی امتوں پر

قربانی کے سلسلہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) "اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی رکھدی تھی تاکہ وہ لوگ اللہ کا نام ان چوپایوں پر لیں جو اس نے انہیں دے رکھے ہیں" (پ ۱۷: آیۃ ۳۴)

تم بھی قربانی کرو

اور ارشاد فرمایا:

(ترجمہ) سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔ (پ ۳۰، سورۃ ۱۰۸ آیۃ ۲)

قربانی شعائر اللہ ہے

(ترجمہ) "اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ (کے دین) کی یادگاریں (شعائر اللہ) بنایا ہے۔ تمہارے حق میں ان ہی کے اندر بھلائی (رکھدی گئی) ہے۔" (پ۱۷، سورۃ ۲۲، آیۃ ۳۶)

شعائر اللہ کا ادب کرو

(ترجمہ) "اور جو کوئی (دین) شعائر اللہ کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے (یعنی تقویٰ قلبی ہے)۔" (پ۱۷، سورۃ ۲۲، آیۃ ۳۲)

تقویٰ اصل ہے

(ترجمہ) "اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون۔ البتہ اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔" (پ۱۷، سورہ ۲۲، آیتہ ۳۷)

ان آیات کے علاوہ بھی متعدد بار قربانی کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے مگر ہم نے اختصار کی غرض سے مزید تراجم پیش نہیں کئے۔
مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ کے تراجم سے ثابت ہے کہ قربانی ہر امت میں جاری تھی۔ قربانی شعائر اللہ ہے اس کا ادب واجب اور ضروری ہے، اس امت کے لئے بھی قربانی کرنے کا حکم ہے۔ یہ قربانی صرف تعمیلِ حکم ہے اصل چیز تقویٰ ہے جو کہ اللہ کے یہاں شرفِ قبولیت پاتا ہے ورنہ قربانی کا گوشت یا خون اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں پہنچتا ہے۔

ہر صاحبِ حیثیت کو قربانی کرنی چاہیئے کہ اس میں ان کی بھلائی ہے۔

قربانی واجب ہے

قربانی کے بارے میں احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیں: ارشادِ نبوی ہے:
"جس میں طاقت ہو اور پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہمارے مُصلّے (یعنی عیدگاہ) کے پاس نہ آئے۔"

(سننِ ابنِ ماجہ)

قربانی بہترین عمل ہے

ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے:
"قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو خون بہانے سے زیادہ بندے کا کوئی عمل محبوب نہیں اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور کھروں سمیت آئے گا۔ خون زمین پر گرنے سے قبل ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک بلند درجہ حاصل کرلیتا ہے تو تمہیں اپنی قربانی سے مسرور ہونا چاہیئے۔" (سنن ابن ماجہ)

قربانی کا اجر

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے دریافت فرمایا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کیا شے ہے؟" ارشاد فرمایا "یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے۔" صحابہؓ نے عرض کیا "تو اس قربانی سے ہمیں کیا ثواب ملے گا؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا "ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔" صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر مینڈھا ہو؟ آپ نے فرمایا تب بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔" (سنن ابن ماجہ)

سفر میں قربانی

عکرمہ عن ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کہ قربانی کا دن آگیا تو ہم نے اونٹ میں دس حصے اور گائے میں سات حصے کئے۔" (سنن ابن ماجہ)

(یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہے بعد میں اونٹ اور گائے دونوں میں سات حصے مقرر ہوئے۔)

اس سے واضح ہوا کہ منیٰ کے علاوہ بھی ہر جگہ قربانی کی جاتی تھی، قربانی کی جانی چاہیئے۔ اور قربانی صرف حاجیوں پر ہی واجب نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان صاحبِ نصاب و حیثیت پر قربانی کرنا واجب ہے۔

قربانی کیلئے انتخاب ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:
"ایک سال[1] سے کم عمر کی بکری یا بکرا ذبح نہ کرو۔ اگر وہ نہ ملے تو بھیڑ کا ایک سالہ بچہ کافی ہے۔"
"وہ جانور قربان نہ کرو جس کا کان آگے یا پیچھے سے کٹا یا پھٹا ہو، یا اس کا کوئی اعضاء کٹا ہوا ہو یا اس کے سب اعضاء کٹے ہوئے ہوں۔" (سنن ابن ماجہ)

ارشاد فرمایا: "چار قسم کے جانور قربانی میں کافی نہیں۔ ایک کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، دوسرا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو، تیسرا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔ چوتھا وہ جو اتنا کمزور ہو کہ جس کی ہڈیوں پر گوشت نظر نہ آئے۔" (سنن ابن ماجہ)

بال اور ناخن نہ کاٹو ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تم میں ذوالحجہ کا چاند دیکھے اور اسکا قربانی کا ارادہ ہو تو وہ بال اور ناخن نہ کاٹے۔ (سنن ابن ماجہ)

قربانی تین یوم ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید الضحیٰ کے بعد دو یوم تک قربانی کرنا درست ہے۔ (موطاء امام مالکؒ)

حضرت امام مالکؒ کا انتقال ۱۷۹ھ میں ہوا ہے۔ حضرتؒ کے مجموعۂ احادیث "موطا امام مالکؒ" میں متعدد احادیث شریفہ ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی منیٰ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی کی جاتی تھی۔ نیز فتح مکہ سے قبل صلح حدیبیہ کے سال بھی قربانی کی گئی تھی۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم نے نحر کیا حدیبیہ کے سال اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے ذبح کی سات آدمیوں کی طرف سے۔ (موطاء امام مالکؒ)

احادیثِ شریفہ سے ثابت ہے کہ منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کہ قربانی صرف حج کرنیوالوں پر واجب ہے غلط ہے اور یہ محض ایک دھوکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم عطا فرمائے اور اتباعِ سُنّت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اتباعِ سُنّت انکارِ حدیث بذاتِ خود فتنہ ہے۔ ہمارے مذہب اور دین کی بنیاد اطاعتِ اللہ تعالیٰ اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہے۔ احکام قرآن کی عملی تفسیر سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مجسّم قرآن ہیں ان سے بہتر تشریح و تفسیر کون کر سکتا تھا۔ اگر آج خدا نہ کرے مسلمان حدیث کے منکر ہو جائیں تو پھر باقی کیا رہ جائے گا۔

---

[1] عموماً بکرا بکری کے دانت (دو) ایک سال میں نکلتے ہیں۔

قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کے لئے اس کے احکام پر صحیح طریقہ پر عمل کرنے کے لئے بہر صورت کسی رہنما و مرشد کی ضرورت ہے گی جو بحیثیت استاد تفسیر بھی بیان فرمائے اور عملی ثبوت بھی پیش کرے۔ ایسی صورت میں زمانہ حاضر کے کسی شخص کی پیروی کرنا اور یہ سمجھنا کہ قرآن فہمی اس شخص پر ختم ہے نعوذ باللہ یہ دین متین کے خلاف مفسدانہ تخیل ہے جس بزرگ اور مقدس ہستی پر قرآن نازل ہوا اور جس کی اطاعت کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے دیا اس کو چھوڑ کر کسی دوسری جانب نگاہ اٹھانا کفر کے مصداق ہے۔ احادیث شریفہ ہمارا ایمان اور اتباع سنّت ہماری نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کامل وصادق عطا فرمائے آمین۔

تقویٰ بنیاد ہے

قربانی کا مدار بھی نیّت اور تقویٰ پر ہے۔ ظاہر داری اور مقابلہ و نمائش کا بھی اس میں دخل نہیں ہے اسلام نے ہر کام میں اعتدال کی تعلیم فرمائی ہے۔

قربانی کے دنوں میں بڑے شہروں اور بالخصوص کراچی میں یہ نمائش اور مقابلہ کی وبائیت زیادہ پھیل گئی ہے اٹھارہ بیس ہزار روپیہ تک کی قیمت کا بکرا فروخت ہوتا ہے۔ اس کے فوٹو اخبارات میں چھپتے ہیں۔ خریدار کا نام و پتہ شائع ہوتا ہے۔ یہ صورت بہر حال تقویٰ کے خلاف ہے۔ نمائش و نام و نمود کے لئے عبادت کی جائے تو وہ شرف قبولیت سے محروم رہتی ہے یہ طریق کار اعتدال کے خلاف اور اسراف و تبذیر ہے۔ اعتدال ضروری ہے۔ مناسب قیمت کا تندرست اور توانا جانور قربانی کے لئے موزوں ہے۔ نہ اس بات کی ضرورت ہے کہ نام کے لئے مرا مُردار جانور خرید لیا جائے اور نہ ایسا قیمتی کہ شہر بھر میں تعریف و توصیف کے ڈنگرے برسیں۔ بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق و اعتدال کے ساتھ خلوص نیت اور تقویٰ کے اصولوں کے مطابق قربانی کی جائے۔

لمحۂ فکریہ

بڑے شہروں اور خاص طور پر متمول آبادی کے علاقوں میں کثرت سے قربانی ہوتی ہے۔ یہاں گوشت بکثرت ہونے کی وجہ سے اکثر ضائع ہو جاتا ہے لیکن اسی شہر کے دیگر محلوں، بستیوں کی بڑی آبادی قربانی کے گوشت سے محروم رہتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ مناسب ہے کہ آپ اپنی قربانی کے جانور یا ان کا گوشت ان بستیوں میں تقسیم کر دیں کہ جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

کراچی میں بے شمار مضافاتی بستیاں ایسی ہیں جہاں کے لوگ قربانی کے گوشت کے ضرورتمند ہیں اور نئی ٹاؤن کے لاکھوں آباد کار اس کے مستحق ہیں۔ بہتر ہوگا کہ کراچی شہر کے متمول حضرات اپنی قربانی کے کچھ جانور ایسی بستیوں میں بھیجنے کا انتظام کیا کریں یا [illegible] گوشت تقسیم کر دیں تاکہ وہ لوگ بھی عید کی خوشی میں آپ کے شریک ہوں۔

یہ صرف ایک بستی کا نام بطور مثال ہے ورنہ کراچی کے علاوہ پورے ملک میں ایسی بے شمار بستیاں، دیہات تو بہر حال قربانی سے محروم رہتی ہیں۔ ممکن ہو تو اپنی قربانیاں ان دیہات اور بستیوں میں بھیجنے کا بندوبست کیا جانا چاہئیے اللہ تعالیٰ قبول و منظور فرمائے۔

قربانی کے مسائل و احکام

نیت اور قربانی کی دعا اگر یاد نہ ہو تو یہ ضروری نہیں کہ اسی کو پڑھا جائے بلکہ اپنی زبان

میں نیت کی جاسکتی ہے اور دل میں بھی نیت کی جاسکتی ہے ۔

○ اگر دل میں سوچ لیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نام پر قربانی کرتا ہوں تو نیت کافی ہے ۔ اگر کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کرنی ہے تو اس کا نام لینا چاہیئے ۔

○ جانور کو قبلہ رُخ لٹا کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھری پھیرنی چاہیئے ۔ چھری اسی قدر پھیری جائے کہ گردن جُدا نہ ہو جائے ۔

○ قربانی سے قبل جانور کو پانی دکھانا ضروری ہے تاکہ اگر وہ پیاسا ہو تو پانی پی لے ۔

○ قربانی کے جانوروں سے کوئی کام یا خدمت نہیں لینی چاہیئے ۔ ان کے آرام اور خوراک کا خیال رکھنا چاہیئے ۔ ان کی حیثیت مہمان جیسی ہے ۔

○ قربانی کی کھال یا اس کی قیمت خیرات کرنی ضروری ہے اور یہ اسی شخص کو دی جائے ۔ جو زکوٰۃ کا مستحق ہو ۔

○ مسجد کی تعمیر یا مرمت میں قربانی کی کھال کی قیمت نہیں دی جائے گی ۔ یہ جائز نہیں ہے ۔ مدرسہ قبرستان وغیرہ کی تعمیر میں بھی قربانی کی کھال کی قیمت نہیں دی جائے گی ۔

○ قربانی کی کھال یا گوشت و چربی وغیرہ قصاب کو اُجرت میں نہیں دی جاسکتی ۔ قربانی کی کھال مستحقین زکوٰۃ کو دینا چاہیئے ۔

○ قربانی اپنے مرحوم والدین، بزرگوں اور احباب کی جانب سے بھی دیجا سکتی ہے جو ایک نفلی ھدیہ کی صورت میں ہوگی اسکا اجر و ثواب مرحومین کو بھی ملے گا ۔ اور قربانی کرنیوالے کو بھی ۔

○ توفیق ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمہات المومنینؓ و خلفاءِ راشدینؓ اور اپنے مرحومین والدین کی جانب سے قربانی کر کے اس کا ثواب ھدیہ کرنا چاہیئے ۔

○ قربانی کرنیوالے کو چاہیئے کہ ذوالحجہ کے چاند سے قربانی تک بال اور ناخن نہ اتارے ۔ قربانی کے بعد حجامت بنوائے ۔

دیگر مسائل

جب قربانی کا جانور قبلہ رُخ لٹائے تو یہ دُعا پہلے پڑھے :

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَ لَکَ اور پھر بسم اللہِ اللہُ اَکْبَرُ کہہ کے ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دُعا پڑھے ۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِیْلِکَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ۔

مسئلہ : قربانی ہر مسلمان عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہے جس کی ملک میں ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجات اصلیہ سے زائد موجود ہو ۔ یہ مال خواہ سونا چاندی یا اس کے زیورات ہوں یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زیادہ گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ ہو ۔

مسئلہ: بقرہ عید کی دسویں تاریخ سے لیکر بارھویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے تک قربانی کرنیکا وقت ہے اس کے بعد جائز نہیں۔ چاہے جس دن قربانی کرے لیکن قربانی کرنیکا سب سے بہتر دن عید کا دن ہے پھر گیارھویں اور پھر بارھویں تاریخ۔

مسئلہ: بقرہ عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے۔ جب لوگ نماز پڑھ چکیں تب قربانی کرے البتہ اگر کسی دیہات میں اور گاؤں میں رہتا ہو تو وہاں نماز فجر کے بعد بھی قربانی کر دینا درست ہے۔ شہر اور قصبہ کے رہنے والے عید کی نماز کے بعد قربانی کریں۔

مسئلہ: اگر کوئی شہر کا رہنے والا اپنی قربانی کا جانور کسی گاؤں میں بھیجدے تو اس کی قربانی نماز سے پہلے بھی درست ہے اگرچہ خود وہ شہر ہی میں موجود ہو لیکن جب قربانی دیہات میں بھیجدی تو نماز سے پہلے قربانی کرنا درست ہو گیا ذبح ہو جانے کے بعد اس کو منگوا کر استعمال کر سکتا ہے۔

مسئلہ: دسویں تاریخ سے بارھویں تک جب جی چاہے قربانی کرے چاہے دن میں یا رات میں لیکن رات کو ذبح کرنا اس لئے بہتر نہیں کہ شاید کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہ ہو۔

مسئلہ: دسویں، گیارھویں تاریخ سفر میں تھا۔ پھر بارھویں تاریخ سورج ڈوبنے سے پہلے کہیں سے مال مل گیا۔ تو قربانی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہ جانتا ہو تو کسی اور سے ذبح کرالے اور ذبح کے وقت اپنے جانور کے پاس کھڑے ہو جانا بہتر ہے۔

مسئلہ: قربانی کرتے وقت زبان سے نیت کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں۔ اگر دل میں خیال کر لیا کہ میں قربانی کرتا ہوں اور زبان سے کچھ نہیں پڑھا فقط بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا تو بھی قربانی درست ہو گئی لیکن اگر یاد ہو تو وہ دعا پڑھ لینا بہتر ہے جو اوپر بیان کر دی گئی ہے۔

مسئلہ: قربانی فقط اپنی طرف سے کرنا واجب ہے۔ اولاد کی طرف سے واجب نہیں، بلکہ اگر نابالغ اولاد مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں۔ نہ اپنے مال میں سے نہ ان کے مال میں سے۔ اگر کسی نے اس کی طرف سے قربانی کر دی تو نفل ہو گئی لیکن اپنے ہی مال سے کرے اس کے مال میں سے ہرگز نہ کرے۔

مسئلہ: بکری، بکرا، بھیڑ، بھیترا، دنبہ، دنبا، بھینس، بھینسا، گائے، بیل، اونٹ، اونٹنی جانوروں کی قربانی درست ہے اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ: بھینس اونٹ اور گائے میں اگر سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں تو بھی درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔ اور سب کی نیت قربانی کرنے یا عقیقہ کرنے کی ہو، صرف گوشت کھانے کی نہ ہو اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہو گا تو کسی کی قربانی درست نہ ہو گی نہ اسکی جسکا حصہ پورا ہے اور نہ اس کی جس کا ساتویں سے کم ہے۔

مسئلہ: اگر بھینس میں سات آدمی سے کم لوگ شریک ہوئے جیسے پانچ یا چھ آدمی شریک ہوئے اور کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں تب بھی سب کی قربانی درست ہے۔ اور اگر آٹھ آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوئی۔

مسئلہ: قربانی کے لئے کسی نے بھینس خریدی اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور حصہ دار مل گیا تو اس کو بھی شریک کرلیں گے اور ساجھے میں قربانی کریں گے۔ اس کے بعد کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے تو یہ درست ہے اور اگر خریدتے وقت اس کی نیت شریک کرنے کی نہ کی تو اب اس میں کسی اور کا شریک ہونا بہتر تو نہیں ہے لیکن اگر کسی کو شریک کرلیا تو دیکھنا چاہیئے کہ جس نے شریک کیا ہے وہ امیر ہے کہ اس پر قربانی واجب ہے یا غریب ہے کہ جس پر قربانی واجب نہیں۔ اگر امیر ہے تو درست ہے اگر غریب ہے تو درست نہیں۔

مسئلہ: اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا، اس لئے دوسرا خرید لیا۔ پھر وہ پہلا بھی مل گیا۔ اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے اور اگر غریب آدمی ہے تو دونوں کی قربانی اس پر واجب ہو گی۔

(یہاں بھی یہ شرط ہے کہ جانور ایام قربانی میں خریدا گیا ہو۔)

مسئلہ: بکرا بکری سال بھر سے کم کی درست نہیں۔ جب پورے سال بھر کی ہو تب قربانی درست ہے اور بھینس دو برس سے کم درست نہیں۔ اور اونٹ پانچ برس سے کم کا درست نہیں۔ اور دنبہ یا بھیڑ اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو ایسے چھ مہینے کے دنبہ اور بھیڑ کی قربانی درست ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو سال بھر کا ہونا چاہیئے مزید احکام و مسائل کے لئے علماءِ کرام سے رجوع کریں یا دینی کتب کا مطالعہ فرمائیں۔ (بشکریہ صدیقی ٹرسٹ کراچی)

(مصدقہ مفتی صاحب خیر المدارس ملتان۔)

تعزیتہ

مولانا معظم حسین قاسمی

تأثرات

خطیبِ بے بدل اے زینتِ دار العلوم   آپ کے خطبات کی یورپ میں امریکہ میں دھوم

آپ کی وہ مجلس علمی کہ جس کے فیض سے   کتنے مشکل اور پیچیدہ مسائل حل ہوئے

حکمتِ قاسمؒ رموزِ شیخ کشمیریؒ کھلے   اور حلاوت بات کی کانوں میں جیسے رس گھلے

حافظ احمدؒ کا تقدس فہمِ عثمانیؒ ملا   تھانویؒ مرشد مربّی شیخ لاثانی ملا

حامل اوصاف ایسا اب کہاں پائیں گے ہم ہم   کس کی تقریروں سے اب محفل کو گرمائیں گے ہم

باقی بر صفحہ ۱۸

قادیانی مسئلے کی مذہبی نوعیت

نعیم آسی

قادیانی تحریک اپنی اصل میں
تحریک ارتداد ہے

اس مسئلے کے مکمل حل کے لئے قانون ارتداد نافذ کیا جائے اور ۷۴ء کی آئینی ترمیم کے مطابق قانون سازی کی جائے!

مسلمانوں کو قادیانیوں کیساتھ کیا رویّہ اختیار کرنا چاہیئے؟ اسکا انحصار اس بات کے سمجھنے پر ہے کہ اس تحریک کے بانی کے دعاوی کی بابت اس کے جانشینوں اور پیروؤں کے معتقدات کیا ہیں، اور یہ بھی کہ مسلمانوں کیساتھ انہوں نے کیا رویّہ اختیار کیا؟ ذیل میں ہم انہی سوالات پر گفتگو کریں گے:

بانی قادیانیت مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ء-۴۰ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۶ء میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس دوران اس نے بیشمار لٹریچر تخلیق کیا اور اسے ہندوستان کے علاوہ ان تمام مسلمان ملکوں اور علاقوں میں پھیلایا جو انگریزوں کے زیر تسلط تھے۔ اس نے اپنی کتابوں میں نہ صرف دعوی نبوت کیا بلکہ اس حد تک چلا گیا کہ اپنے نہ ماننے والوں کو "خنزیر اور ان کی عورتوں کو کتیوں سے بدتر" قرار دیا۔ "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں انہیں "ذریۃ البغایا (فاحشہ عورتوں کی اولاد) قرار دیا۔

(قارئین حوالہ کے لئے مرزا غلام احمد کی "نجم الهدیٰ" میں ۱۵ عربی متن اور "آئینہ کمالاتِ اسلام میں ۵۴۷-۵۴۸ ملاحظہ کریں۔)

مرزا قادیانی نے نہ صرف دعویٰ نبوت کیا بلکہ اس نے اپنی کتابوں میں اہانت انبیاء واصحاب وازواج رسول کا ارتکاب بھی کیا "ضمیمہ انجام آتھم" میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دادیوں اور نانیوں کو معاذ اللہ "زناکار عورتیں" قرار دیا۔ "درثمین" فارسی میں (۲۲۸) میں لکھا ہے

منم مسیح زماں ومنم کلیم خدا　　منم محمد واحمد کہ مجتبےٰ باشد

کہ میں مسیحِ زماں اور کلیم اللہ ہوں۔ میں محمد و احمد ہوں کہ خدا نے مجھے مجتبیٰ بنایا ہے" العیاذ باللہ اسی طرح میں ۲۸۷ پر یہ دعویٰ بھی کیا کہ ہے

کربلائے است سیر ہر آنم　　صد حسین است در گریبانم

"میں ہر آن کربلا کی سیر کرتا ہوں اور سو حسین میرے گریبان میں ہیں۔"

۱۹۰۰ء میں بانی قادیانیت نے حکومت کو یہ درخواست دی کہ مردم شماری کے وقت اس کی جماعت اور پیروؤں کے نام عام مسلمانوں سے الگ رجسٹر کئے جائیں۔ (منقول از اشتہار واجب الاظہار منجانب مرزا غلام احمد قادیانی مطبوعہ ۴ نومبر ۱۹۰۰ء)

بانی قادیانی تحریک نے غیر احمدیوں کا جنازہ پڑھنا ممنوع قرار دیا بلکہ ان کے نابالغ بچے کے جنازے کی بھی مخالفت کی

حتیٰ کہ خود اپنے ایک بیٹے کی نماز جنازہ نہ پڑھی کیونکہ وہ پکا احمدی نہ تھا (اس کی اتباع میں سر ظفر اللہ خاں نے پاکستانی وزیر خارجہ ہونے کے باوجود قائد اعظم کی نماز جنازہ نہ پڑھی) مرزا قادیانی کے بعد اس کے جانشینوں نے بھی مسلمانوں کیساتھ یہی رویہ اختیار کیا مرزا بشیر الدین محمود نے جو مرزا غلام احمد کا فرزند اور دوسرا جانشین تھا اپنی کتابوں اور تقریروں میں انہی عقائد کا پرچار اور ان پر اصرار کیا۔ مرزا بشیر الدین کے مجموعۂ خطبات "انوارِ خلافت" مطبوعہ ۱۹۰۸ء کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

مرزا قادیانی کے منکر مسلمان نہیں

"ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے اسمیں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے"۔

ختم نبوت کا انکار

اگر میری گردن کے دونوں طرف تلوار بھی رکھدی جائے اور مجھے کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اسے کہوں گا کہ تو جھوٹا ہے۔ آپ کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آسکتے ہیں۔ (ص ۶۵)

غیر احمدی کافر ہیں

"لکھنؤ میں ہم ایک آدمی سے ملے جو بڑا عالم ہے اس نے کہا آپ لوگوں کے بڑے دشمن ہیں جو یہ مشہور کرتے پھرتے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کو کافر کہتے ہیں میں نہیں مان سکتا کہ آپ ایسے وسیع حوصلہ رکھنے والے ایسا کہتے ہوں۔ اس سے شیخ یعقوب علی صاحب باتیں کر رہے تھے۔ میں نے انکو کہا آپ کہدیں کہ واقعہ میں ہم آپ لوگوں کو کافر کہتے ہیں۔ (ص ۹۲)

"غیر احمدی کا بچہ بھی غیر احمدی ہی ہوا۔ اس لئے اس کا جنازہ بھی نہیں پڑھنا چاہیئے"۔ (ص ۹۳)

غیر احمدیوں کیساتھ نکاح کی ممانعت

"حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے۔ آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا لیکن آپ نے اسے یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں کو لڑکی دے دی تو حضرت خلیفہ اول نے اسکو احمدیوں کی امامت سے ہٹا دیا اور جماعت سے خارج کر دیا" (ص ۹۳، ۹۴)

علامہ اقبال کا محاکمہ

قادیانی تحریک کا مسلمانانِ ہند کے ساتھ یہی وہ رویہ تھا جس کے مشاہدہ کے بعد علامہ اقبال ایسا شخص یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ:

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویے کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ بانی تحریک نے ملت اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلدین کو ملت اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ ازیں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار اپنی جماعت کا نیا نام، مسلمانوں کی قیام نماز سے قطع تعلق نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ

اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں دور ہیں۔ جتنے سکھ ہندوؤں سے کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادی کرتے ہیں اگرچہ وہ ہندوؤں میں پوجا نہیں کرتے۔"

یہ تو تھے قادیانی تحریک کے مذہبی عقائد اب یہ دیکھنا ہے کہ اسلام اس ضمن میں کیا احکامات دیتا ہے۔

ختم نبوت اور اسلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ھدایت کے لئے جو سلسلۂ نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اختتام کر دیا۔ ان کی نبوت کافۃ للناس ہے ان کی کتاب "ھدی للناس" ہے۔ ان کا قبلہ وضع للناس ہے۔ غرض جس طرح پروردگار عالم رب الناس ہونے کے اعتبار سے سب عالم کے رب ہیں اسی طرح نبوتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے ہر رخ کے اعتبار سے آفاقی اور عالمگیر ہے۔ بقول اقبالؒ

رونق از ما محفل ایام را　　او رسل را ختم و ما اقوام را
خدمت ساقی گری با ما گذاشت　　داد ما را آخریں جامے کہ داشت

جب تک دنیا توحید باری تعالیٰ اور دیگر تمام نبوتوں کے ساتھ نبوت محمدیہ اور اس کی ختمیت پر ایمان نہیں لائے گی اسوقت تک اسکی نجات ممکن نہیں۔ اسلام دنیا کا واحد مذہب جو پہلے تمام آسمانی مذاہب اور جملہ انبیاء کی تصدیق کرتا ہے یہاں اس کی تفصیل کا محل نہیں۔ میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ جب رب الناس نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ البتہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔　(سورہ احزاب آیت ۴۰)

حضور علیہ السلام نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا میں آخری نبی ہوں، میرے بعد نبی کوئی نہیں (بخاری مسلم) ایک تمثیل کے ساتھ اس اعتقاد کو یوں واضح فرمایا " میری مثال اور ان پیغمبروں کی مثال جو مجھ سے پہلے گذر گئے ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک مکان بنایا اور اسکو بہت عمدہ اور خوشنما بنایا۔ اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ جب مکان میں جاتے تو تعجب کرتے اور کہتے یہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی! آپ فرماتے " وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبین ہوں۔　(بخاری مترجم ج ۲ ص ۳۱)

علماء اسلام نے اس موضوع پر جو تحقیق کی ہے اس کے مطابق ۹۹ آیات اور ۲۱۰ احادیث سے یہ عقیدہ ثابت ہوا ہے۔ بایں ہمہ عقیدہ ختم نبوت کی ایک تہذیبی و تمدنی قدر و قیمت بھی ہے۔ ہم یہ فراموش نہیں کر سکتے کہ اسلام بحیثیت دین خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا مرہون منت ہے ہر شخص کو یہ معلوم ہے کہ ایک یہودی جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اعتقاد رکھے اس کا شمار امت موسویہ میں ہوتا ہے جب وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آتا ہے تو عیسائی کہلاتا ہے۔ گویا اس کی اُمت سوسائٹی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسیطرح اگر ایک یہودی عیسائی حضرت نبی کریم پر ایمان لے آئے تو اس کا شمار اُمت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہوگا۔ اگر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی و نبوت کا دروازہ کھول دیا جائے تو ظاہر ہے اُمت محمدیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔

ختم نبوت کا پہلا انکار دینِ حقہ اسلام کے اس بنیادی اعتقاد کا پہلا انکار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوا طلیحہ بن خویلد اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اس باغیانہ تحریک کے بانی مبانی ہوئے سب سے زیادہ فتنہ جس شخص نے برپا کیا وہ مسیلمہ کذاب تھا۔ اس شخص نے اپنی ایک بھاری جماعت تیار کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مکتوب تحریر کیا اور اس میں یہ موقف اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے کام (نبوت) میں شریک کیا ہے۔ خط کے آغاز میں لکھا "مسیلمہ اللہ کے رسول کی طرف سے محمد اللہ کے رسول کی طرف"

یہ شخص یمامہ کا رہنے والا تھا اس کے ہاں باقاعدہ اذان دی جاتی، اقامت کہی جاتی اور نماز با جماعت کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس کا مؤذن عبداللہ بن نواحہ اور مکبّر حجیر اذان اور تکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتے اس کے باوجود حضور نے اس شخص اور اس کی جماعت کا وجود گوارا نہ کیا اور اس کے مکتوب کے جواب میں "محمد اللہ کے رسول کی جانب سے مسیلمہ جھوٹوں کے سردار کی طرف" ایسا سخت طرزِ تخاطب اختیار کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اسلام کے اندر اس فتنۂ عظیمہ کے انسداد کے لئے لشکر کشی کا حکم صادر فرمایا۔ کچھ عرصہ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ملاء اعلیٰ سے جا ملی اور اسلام کی اس اولین باغیانہ تحریک جس کا تعلق عقیدۂ ختم نبوۃ کی تنسیخ سے تھا اس کے انسداد کی ذمہ داری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آ پڑی۔

مسلمانوں کا پہلا اجماع ابن خلدون نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے اندر پہلا اجماع مسیلمہ کذاب اور اس کے ماننے والوں کے واجب القتل ہونے پر ہوا۔ چنانچہ لشکرِ اسلام بے پناہ مشکلات کے باوجود اس معرکۂ حق و باطل میں کود پڑا۔ آخر کار مسیلمہ ۴۰ ہزار ساتھیوں کے ہمراہ واصلِ جہنم ہوا۔ ہزاروں صحابہ و تابعین کی شہادت ہوئی۔

عمدۃ القاری شرح بخاری میں ان اصحاب رسول کی تعداد گیارہ سو سے ۱۴ سو تک بیان کی گئی ہے جو خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے ان میں سات سو سے زیادہ صحابہ وہ تھے جو قراء کہلاتے تھے۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ حضرت عمرؓ کے برادر اکبر حضرت زید بن خطاب خطیب الانصار حضرت ثابت بن قیس مدرسۂ نبوت کے سب سے بڑے قاری سالم مولیٰ ابی حذیفہ ایسے بزرگ صحابہ شامل تھے۔

امام ابوحنیفہ کی تصریح سلف اُمت اپنے اس اعتقاد اور اس کے تحفظ میں کس درجہ حساس اور مستعد رہا ہے اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام امام ابوحنیفہؒ کے دور میں جب ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں اس پہ دلائل دوں گا تو امام صاحب سے استفسار کیا گیا کہ آیا اس مدعی نبوت سے اس کی سچائی کے دلائل طلب کئے جا سکتے ہیں۔ امام موفق بن احمد المکی کا جواب نقل کیا ہے

کر جس شخص نے اس مدعی نبوت سے (اس کی سچائی) کی کوئی علامت (یا دلیل) طلب کی وہ کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ایک جھوٹے نبی سے اس کی سچائی کی دلیل طلب کرنیوالا مسلمان عملاً اپنے صادق و مصدوق پیغمبر حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو جاتا ہے۔ اور یہی سبب کفر ہے۔

پارلیمنٹ کا فیصلہ

اہل اسلام کی انہی اعتقادات کی وجہ سے ۷۴ء میں قادیانی مسئلہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ تک پہنچا۔ اس پارلیمانی مباحثے میں قادیانی سربراہ مرزا ناصر اور لاہوری جماعت کے سربراہ کو اس بات کا پورا پورا موقع دیا گیا کہ وہ اپنا موقف پیش کریں۔ اب وقت آگیا ہے کہ اس تاریخی پارلیمانی مباحثے کی جملہ کارروائی شائع کی جائے تاکہ دنیا قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی وجہ معلوم کر سکے اس تمام بحث مباحثے اور موقع صفائی کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔

اس آئینی فیصلے نے چند در چند مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ حکومت، مسلمان مفکرین اور علماء کا فرض ہے کہ وہ ان پر غور کریں۔ اولاً اسلام ارتداد کی اجازت نہیں دیتا یعنی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک مسلمان اسلام چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرے۔ اسلام ایسے شخص کو واجب القتل ٹھہراتا ہے جو اسلام سے ارتداد اختیار کرے چنانچہ ابن خلدون کے حوالے سے پیچھے گذر چکا ہے کہ مسلمانوں میں پہلا اجماع فتنہ ارتداد کے استیصال پر منعقد ہوا حدیث کی تمام مسلّم کتابوں میں یہ حکم موجود ہے کہ جو شخص اپنا دین اسلام ترک کرے اسکو قتل کر دو۔ اس شرعی حکم کے مصالح و حکم بے شمار ہیں جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ اسلامی قانون (فقہ حنفی جس پر جمہور امت عمل پیرا ہے) کی کتابوں میں واضح طور پر لکھا ہے "مسلمان اگر مرتد ہو جائے تو اسے اسلام میں لوٹ آنے کی دعوت دی جائے کسی مسئلہ و معاملہ میں شبہ ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے اور تین دن قید رکھ کر سوچنے کی مہلت دی جائے اگر ایمان لے آئے تو فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔"

امت مسلمہ نے جب تک اقتدار اس کے ہاتھ میں رہا اس قانون پر عمل کیا لیکن اٹھارویں اور انیسویں صدی میں جب مسلمان ملک انگریزوں فرانسیسیوں اور اطالیوں کے زیر استبداد آگئے تو شرعی حکم پر عمل درآمد رک گیا۔

قادیانی تحریک کی پیچیدگی

قادیانی تحریک کی پیچیدگی یہ ہے کہ جب اس کی نمود ہوئی تب اسلام کا اقتدار نہ تھا ورنہ ارتداد کا جو ہڑ اسی وقت خشک کر دیا جاتا۔ حکومت عیسائی انگریزوں کی تھی اور انہوں نے اپنے مفادات کے باعث اس کی پرورش کی۔ خود بانی تحریک مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی تحریک کو انگریز کا خود کاشتہ پودا قرار دیا۔ لیکن پاکستان بن جانے کے بعد حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی۔ اب منطقی طور پر لازم ہے کہ حکومت اس مفہوم کا قانون بنائے کہ کوئی مسلمان اسلام چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار نہیں کر سکتا اور اگر ایسا کرے گا تو شرعی سزا کا مستوجب ہوگا۔ مصر اور غالباً سوڈان میں بھی یہ قانون بن چکا ہے۔ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جس کا جغرافیہ اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ یہاں از بس ناگزیر ہے کہ اسلام کا بنیادی قانون نافذ کیا جائے ملک کے اندر عیسائی اور قادیانی مشنریز کے مقاصد کو صرف یہی

قانون ناکام بنا سکتا ہے۔

ثانیاً قادیانی تحریک عیسائیوں اور ہندوؤں کی طرح محض ایک کفریہ تحریک نہیں بلکہ یہ اپنی اصل میں ایسی تحریکِ ارتداد ہے جو اسلام کا نام بھی لیتی ہے اور کھلم کھلا اسلام سے متصادم بھی ہے اس لئے مسلمانوں کو بجا طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ملی وحدت کو اس کے مضرات سے بچانے کے لئے مطالبہ کریں کہ ان کو تبلیغ قادیانیت سے روک دیا جائے علاوہ بریں شعائرِ اسلام جیسے مسجد اذان نماز وغیرہ کے تحفظ کا قانون منظور کیا جائے جس کے تحت قادیانیوں پر یہ قدغن عائد ہو کہ وہ نہ مسجد کی شکل کی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں نہ ہی اذان دے سکتے ہیں اور نہ نماز کی شکل میں عبادت کر سکتے ہیں وہ عبادت کے لئے جس انداز کا چاہیں معبد بنائیں اور جس طرح چاہیں عبادت کریں ہم ان کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی کمیونٹی میں اپنے عقائد کی تبلیغ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ مسلمانوں کو ارتداد کی تبلیغ کریں یا شعائرِ اسلام کو استعمال کریں اسی طرح مسلمانوں کی دلآزاری ہوتی ہے اور وہ یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔

ایک اہم سوال جب بھی کوئی حکومت پاکستان میں ارتداد کا شرعی قانون نافذ کرے گی اس وقت ایک اہم سوال یہ پیدا ہوگا کہ اس قانون کا اعلان کب سے کیا جائے؟ کیا جب مرزا غلام احمد نے دعوٰی نبوت کیا۔ یا ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء جب اسلامی جمہوریہ پاکستان آزاد ہوا؟ اس قانون کی تاریخ کے اجراء سے؟ یہ ایک غور طلب سوال ہے۔ ہمارے سامنے ایسے متعدد قوانین کی نظیریں موجود ہیں کہ وہ جاری بعد میں ہوئے مگر ان کا عملی و تنفیذی دائرہ کار زمانۂ ماسبق تک محیط تھا۔ میری رائے میں ہمیں اس قانون کا اطلاق قیامِ پاکستان سے شروع کرنا ہوگا جب اس ملک میں مسلمانوں کو بالفعل تحکم نصیب ہوا مسلمانوں کو مرزا غلام احمد کے دعوٰے نبوت سے لیکر قیامِ پاکستان تک اور پھر قیامِ پاکستان سے لیکر اب تک کے نسلی قادیانیوں کو قبول کرنا ہوگا بشرطیکہ وہ دیگر غیر مسلم اقلیات کی طرح اس مملکت کے وفادار شہری بن کر رہیں البتہ جن مسلمانوں نے قیامِ پاکستان کے بعد ترکِ اسلام کر کے قادیانیت کے ساتھ رشتہ جوڑا ان کے لئے حکومت کو ایک اعلان کے ذریعے تین دن کی شرعی مدت مقرر کرنا ہوگی تاکہ یہ لوگ اپنے معتقدات پر نظرِ ثانی کر لیں۔ اس دوران سلجھے ہوئے علماء کی خدمات حاصل کر کے انہیں یہ فریضہ سونپا جائے کہ وہ ان قادیانیوں کے شکوک رفع کریں اس غرض سے ایسے مذاکروں کا اہتمام کیا جائے جس میں قادیانی نمائندے مسلمان علماء سے اپنے ہر سوال شک و شبہ کا جواب طلب کر سکیں یہ پروگرام ٹیلی کاسٹ کئے جائیں اسطرح مرتد مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت سچائی کی طرف لوٹ آئے گی کیونکہ ان لوگوں نے عقلی اپروچ سے زیادہ اپنے اغراض یا مجبوریوں کے تحت اس تبدیلی مذہب کو قبول کیا اور وہ بھی اس مغالطے کے تحت کہ ہم اسلام کے دائرے ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہیں انہوں نے قادیانیت کو اسلام سے الگ ایک جداگانہ مذہب کی جگہ اسلام کے اندر ایک فرقہ سمجھ کر قبول کیا اگر اس کے باوجود کچھ بدنصیب رہ جائیں تو ان کیساتھ وہی معاملہ کیا جائیگا جو دیگر غیر مسلموں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ (جاری)

اصلاحِ نفس و اصلاحِ معاشرہ

از: ارشادات مولانا شاہ ابرارالحق صاحب

فرمایا۔ اس عالم میں بہت سی چیزیں جن کو آدمی دیکھتا نہیں مگر ان کے وجود کا یقین رکھتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ چیزیں نظر نہیں آتیں مگر ان کے آثار اسطرح ہویدا و عیاں ہیں کہ آدمی ان کے وجود کو ماننے پر مضطر و مجبور ہے مثلاً ہوا ہے کہ آدمی ہوا کو دیکھتا نہیں مگر اس کے اثرات دکھائی پڑتے ہیں۔ پتے ہلتے ہیں ٹہنیاں ہلتی ہیں تو آدمی کہتا ہے کہ ہوا چل رہی ہے، نیز بدن کو چھوتی ہے گرم یا سرد اس کا احساس ہوتا ہے تو آدمی کہتا ہے کہ گرم ہوا چل رہی ہے یا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔

اسی طرح سردی کو آدمی دیکھتا نہیں مگر اس کا اثر آدمی کے بدن پر ہوتا ہے تو کمبل لحاف اوڑھتا ہے اور اسی طرح جب گرمی کا احساس ہوتا ہے تو پنکھا جھلنے لگتا ہے کپڑے اُتار دیتا ہے وغیرہ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یقیناً وجود ہے بلکہ جملہ مخلوقات کا وجود انہی کے وجود کا پرتو و ظل ہے اور تمام اشیاء انہی کے موجود کرنے سے موجود ہوئی ہیں اور وہ اپنے آثار سے بالکل ہویدا اور ظاہر ہے۔ تاہم ان کو کوئی یہاں ان آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ دار دنیا اس کا محل نہیں ہے۔ آخرت میں مومن کو ذاتِ عالی کا دیدار ہوگا اور اس سے بڑھ کر کسی نعمت میں حظ و لطف نہ ہوگا وجوہ یومئذ ناظرۃ الی ربہا ناظرۃ

آخرت میں مومن ان آنکھوں سے دیکھے گا مگر یہاں نہیں دیکھ سکتا بلکہ اسکی ذات و صفات کی کامل معرفت بھی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جتنا ہم سمجھ سکتے ہیں اس کے وہ وراء ہے بلکہ اللہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے وہ ذات وہم و تصور سے بالاتر ہے ہاں اس کے آثار البتہ ظاہر و باہر ہیں جملہ مخلوقات ان کے وجود پر دال ہے۔ اس مضمون کو ایک اعرابی نے نہایت عمدہ طریقے سے بیان کیا ہے:

البعرۃ تدل علی البعیر و آثار القدم تدل علی المسیر فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج کیف لا تدل علی اللطیف الخبیر	مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے، نشانات قدم چلنے والے پر دلالت کرتے ہیں تو یہ برجوں والا آسمان اور یہ کشادہ زمین اپنے صانع لطیف و خبیر پر کیوں نہ دلالت کریں گے۔

؎ برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

خود انسان کے اندر بہت سی چیزیں مستور ہیں اور ہم اس کے وجود کا یقین کرتے ہیں مثلاً بھوک، پیاس، غم، خوشی وغیرہ یہ سب چیزیں اس کے اندر موجود رہتی ہیں ہم انکو دیکھتے تو نہیں مگر ان کے وجود کا یقین کرتے ہیں پس جب ہم اپنے اندر کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے تو پھر اس ذاتِ لطیف و خبیر کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ اور جیسے ان چیزوں کو نہ دیکھنے کے باعث ان کے آثار سے وجود کا یقین کرتے ہیں اسی طرح آثار و آیات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین رکھتے ہیں۔

اسی طرح آدمی کے اندر اچھے بُرے اخلاق بھی مستور ہیں مگر انہیں دیکھا نہیں جا سکتا البتہ آثار سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے اندر یہ خلق موجود ہے۔ انہیں علامات و آثار کو دیکھ کر اس کی جڑ اور منشا کو آدمی سمجھ لیتا ہے۔ چنانچہ مشائخ محققین اس معاملہ میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں:

مثلاً کسی کے اندر تکبّر کا مرض ہے یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا، خواہ اپنے علم پر ہو یا اپنے عمل پر یا حسب و نسب پر ہو یا عبادت و ریاضت پر یا مال و دولت پر ناز و مغرور ہو کوئی دوسرا آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے کہ یہ قلب کا فعل ہے اور قلب کے فعل پر دوسرا آدمی کیسے مطلع ہو سکتا ہے مگر جب اس کے آثار ظاہر ہوں گے تو ہر عاقل و بصیر دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ شخص متکبر ہے۔ مثلاً یہ کہ ترفع و بڑائی کی باتیں کرتا ہے یا اپنے اخوان و احباب پر تقدم اختیار کرتا ہے اور ہر مجلس میں مقامِ صدارت پر ہی بیٹھتا ہے۔ اپنے قول و عمل سے اس کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو ہر شخص اس کی باتوں کو سُن کر اور اس کے افعال کو دیکھ کر یہ کہہ دے گا کہ یہ متکبر شخص ہے اور مرضِ کبر میں مبتلا ہے۔

اسی طرح غصّہ کا مرض ہے کہ کسی سے طبیعت کے خلاف بات ہو گئی تو دل میں انتقامی جذبہ ابھرتا ہے، ہیجانی کیفیت ہوتی ہے مگر یہ دل ہی دل میں رہے تو کچھ نہیں لیکن جب اس کا اثر باہر آ جائے، رگیں پھول جائیں، چہرہ اور آنکھیں سُرخ ہو جائیں اور زبان سے اناب شناب باتیں نکلنے لگیں، گالی گلوچ بکنے لگے تو ہر آدمی کہے گا کہ اسے غصّہ کی بیماری ہے۔

اسی طرح کینہ و حسد اور بُغض کی بیماریاں ہیں۔ یہ سب امراضِ قلب ہیں جو قلب میں مستور ہیں۔ یوں آدمی ذرا غور کرے تو اپنے امراض کو سمجھ سکتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ البتہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسکو اس کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں اور اسکو عیوبِ نفس اور رذائل کا بصیر بنا دیتے ہیں اور جب بصیرت حاصل ہو جاتی ہے تو اصلاح آسان ہو جاتی ہے اور خودی و انانیت فنا ہو جاتی ہے۔ میرا ہی ایک شعر ہے:

؎ کُھل گئی جب سے چشمِ بصیرت اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

رذائل کا ہونا کچھ بعید نہیں۔ انسان خطاء و نسیان سے تو مرکب ہی ہے۔ فضائل و رذائل کا مجموعہ ہے اور رذائل کے ہونے میں بھی بڑے مصالح ہیں ورنہ مجاہدہ کس چیز کا ہوتا ہے۔ پھر تعجب کی بات کیا ہے مگر یہ کہ آدمی اصلاح کرنیکا

مکلف ہے لہٰذا اس کی سعی کرنی چاہیئے اس لئے کہ اگر یہ رذائل باقی رہے اور اسی میں آدمی مرا تو جہنم تک پہنچا دیں گے۔
مثلاً بدنظری کا مرض ہے تو باوجود خواہش کے نا مشروع شئے کو دیکھنے سے روکے، ہزار جی چاہے مگر نظر نہ اُٹھائے مجاہدہ کرے کچھ دنوں کے بعد یہ مرض ختم ہو جائے گا۔ بدنظری ایسی بُری بلا ہے کہ زنا تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی بناء پر اسے خود زنا کہا گیا ہے۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا تو فرمایا کہ کیا حال ہے اُن لوگوں کا جو ہماری مجلس میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا کا اثر ٹپکتا ہے تو اس نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہے؟ فرمایا نہیں مگر مومن کو نُورِ فراست دیا جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔
ایسے ہی تکبر کا مرض ہے، غصہ کا مرض۔ اس میں اپنی زبان کو روکے اور کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو دوسرے کے لئے مُضر ہو۔ یعنی ان امراض کے آثار سے آدمی اگر اپنے کو بچائیگا تو جڑ اور منشاء جو قلب ونفس میں مستور ہے وہ مضمحل ہو جائیگی۔
آجکل عجیب حال ہے ان باتوں کی طرف ذرا التفات نہیں۔ بدگمانی، تجسس، غیبت عام ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے منع فرمایا ہے:

یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیراً	اے ایمان والو! بہت بدگمان ہونے سے بچو
من الظن ان بعض الظن اثم ولا	یقیناً بعض گمان گناہ ہوتا ہے اور تجسس نہ کرو
تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضاً	اور نہ تم ایک دوسرے کی غیبت کرو۔

مگر دیکھ لیجئے کہ آج اس آیت پر کتنا عمل ہو رہا ہے ہر مقام پر غیبت کا بازار گرم ہے اور اب تو یہ مرض شغل مجلس ہو گیا ہے اور بدگمانی اور تجسس تو غیبت کے مقدمات ہیں ان کا شائع ہونا بھی مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ بدگمانی کا واقعہ حضرۃ تھانوی نے بیان فرمایا ہے:
ایک آدمی چلا جا رہا تھا ایک دوسرے آدمی نے اسے دیکھ کر سمجھا کہ ہمارا دوست جا رہا ہے بعض دفعہ ایسی غلط فہمی ہو جاتی ہے جب قریب گیا اور چہرہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہمارا دوست نہیں ہے تو اپنی اس غلط فہمی پر اس کی زبان سے "لاحول ولا قوۃ" نکل گیا اور کہا میں نے سمجھا تھا کہ ہمارا فلاں دوست ہے۔ بتائیے یہ کونسی خفگی کی بات تھی؟ مگر کیا ہوا سُنیئے؛ اس آدمی نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے مجھے شیطان سمجھ کر لاحول پڑھا اور بات تیز کرنے لگا۔ بہتیرا عذر کیا مگر ایک نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ تم نے مجھے شیطان سمجھا جبھی تو لاحول پڑھا۔ جب بات بڑھنے لگی تو وہ کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔
دیکھئے یہ ہے بدگمانی کا کرشمہ۔ آج کل اوہام و خیالات پر احکام کا ترتب ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے بہت نقصانات ہو رہے ہیں مگر اسے کم کرنیوالے بہت کم ہیں۔ قلوب کو باہم جوڑنے والوں کی کمی ہو گئی ہے حالانکہ اس کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے تاکہ تعلقات ٹھیک ہو جائیں اور باہمی نزاع وفساد ختم ہو جائے۔ مگر اب زیادہ لوگ ایسے ہیں ادھر

کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کر کے فسادات میں اضافہ کرتے ہیں اور دُور تک پھیلا دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ آپس کے نزاعات و فسادات ختم کریں تعلقات کو توڑنے کی بجائے جوڑیں۔

؎ رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھائیے　　عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

فسادات کے ختم ہونے کی بہتر صورت یہ ہے کہ اپنے اندر تواضع پیدا کی جائے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے کہ قلوب میں تواضع پیدا ہو جائے تو نزاعات و فسادات ختم ہو جاتے ہیں اس لئے کہ جب ہر آدمی دوسرے کو اپنے سے برتر سمجھے گا تو اگر اس سے کوئی ناگوار بات ہو جائے گی تو درگذر کرے گا اور اپنے کو اس سے زیادہ مستحق سمجھے گا اور اس سے معافی مانگے گا تو پھر فساد کیسے بڑھے گا بلکہ ہوگا ہی نہیں اور ہوگا تو حد کے اندر رہے گا۔

الحمد للہ میرے اندر یہ بات ہے کہ اگر کسی کو مجھ سے اذیت پہنچ جائے بلکہ اذیت کا مجھے خیال ہو جائے کہ شاید میری اس بات سے تکلیف پہنچی ہو تو جب تک اس سے معافی نہیں مانگ لیتا چین نہیں ملتا مجھے الحمد للہ معافی مانگنے میں عار نہیں، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ساتھ تواضع کا معاملہ فرمایا ہے تو ہمارا اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا حال ہونا چاہیئے ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہیئے۔ نبی پر ایمان و محبت کا یہی تقاضا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ تو یہ اتباع ہر شان و شعبہ میں ہوتا ہے۔ ظاہر میں، باطن میں، اخلاق میں معاملات میں، اخلاق میں ہم آزاد نہیں ہیں کہ جو چاہیں کریں بلکہ اس میں اور زیادہ اتباع کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اسی غرض کے لئے ہوئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق　　"مکارم اخلاق کی تکمیل و تتمیم کیلئے میں بھیجا گیا ہوں"

مگر آجکل اصل اخلاق تو کیا رسمی اخلاق بھی نہیں، زبان سے بھی ہمدردی و غمخواری کی باتیں عنقا ہو گئی ہیں اخلاق کی حقیقت تو کیا اس کی صورت بھی باقی نہ رہی۔ مثلاً یہ کہ کسی پر کوئی مصیبت پڑی ہو تو اس کے سامنے رنج و غم کا اظہار ہی کر دیں مگر اب دن بدن یہ چیزیں بھی کم ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے باہمی الفت و محبت بھی ختم ہوتی جارہی ہے اور جب دل میں کسی کا پاس و لحاظ نہ رہے گا خوشی غمی میں کسی سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ رہے گا تو ظاہر ہے فساد سارے عالم میں عام ہو جائے گا جو روکے نہ رُکے گا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں مشاہد ہے۔

ہاں تو میں نے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ اگر تواضع کی صفت و عادت اپنے اندر پیدا کر لی جائے تو باہم اتفاق و اتحاد کا ہو جانا آسان ہے اور یہ تواضع بھی قلب کا فعل ہے ظاہر میں اس کے آثار جب نمودار ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص متواضع ہے۔ مثلاً اپنے بھائیوں کے سامنے جھک کر معاملہ کرنا، نرم بات کرنا، عفو و درگذر کرنا وغیرہ۔

چنانچہ اکابر کے عفو و درگذر کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے۔
مثال کے طور پر عرض ہے کہ :
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت ہی خشوع و خضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ ان کو ریا کار کہنے لگے ایک مرتبہ وہ سجدہ میں تھے کہ کچھ لوگوں نے ان کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا جس کی وجہ سے چہرہ بُری طرح جل گیا مگر انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اس کا احساس ہوا پوچھا یہ کیا ہوا تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں فلاں نے یہ ناشائستہ حرکت کی ہے تو آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے حالانکہ اس جلنے کی تکلیف عرصہ تک رہی۔
سبحان اللہ یہ حال تھا ہمارے اکابر کا۔ نماز کا حق تھا اس کا حق کیسا ادا کیا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مناجات کر رہے تھے کہ سر اور چہرہ جلنے کا احساس تک نہ ہوا۔ اور پھر مخلوق کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا کہ ان لوگوں کو معاف فرما دیا یہ اس سے بھی بڑا کمال ہے۔
اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدان کیساتھ کہیں جا رہے تھے اوپر سے کسی نے راکھ ڈالدی اور سب راکھ حضرت شیخ کے سر پر پڑی سب کپڑے خراب ہو گئے تو فرمانے لگے الحمد للہ! مریدین نے پوچھا کہ آپ الحمد للہ کس بات پر فرما رہے ہیں، ان پر بددعا فرما دیجئے تو فرمایا جو سر آگ در سامنے جانے کا مستحق تھا اس سے راکھ پر اکتفا کر لیا جائے تو شکر کا مقام نہیں ہے!
سبحان اللہ، یہ تھا مقام تواضع ہمارے سلف کا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے طریق پر عمل کرنے کی توفیق دے۔
حضرت شاہ غلام علی مجددی رحمۃ اللہ علیہ مولانا خالد رومی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں :
"کسی سے انتقام لینا ہمارے آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ صبر و عفو صوفیہ کی ایک ادنیٰ عادت و خصلت ہے اللہ تعالیٰ اس آیت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے ادفع بالتی ھی احسن یعنی بُرائی کی مدافعت عمدہ خصلت اور اچھائی کے ذریعہ کرو"
ہمارے اکابر نے اسپر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی عزت و عافیت سے نوازا اور دنیا اب تک ان کو یاد کرتی ہے۔ چنانچہ سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جو امتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بہت بڑے آدمی سمجھے گئے ہیں اپنے وقت کے قطب تھے ان کا واقعہ ہے کہ :
ایک بار گروہ فقرا سے ملاقات ہوئی اُن سب نے آپ کو گالیاں دیں اور کہا کہ اے اعور (کانے)، اے دجّال اے حرام چیزوں کو حلال کرنے والے، اے قرآن تبدیل کرنیوالے، اے ملحد، اے کُتّے" آپ نے اسی وقت اپنا سر کھول کر زمین بوسی کی۔ اور کہا اے میرے سردارو! مجھ سے راضی ہو جاؤ مجھے تمہارے حلم سے یہی اُمید ہے اور ان کی دست بوسی فرمائی۔ جب آپ نے اس خوشامد لجاجت سے انکو مجبور کر دیا تو ان سب نے کہا کہ ہم نے تم سے زیادہ

کسی فقیر کو متحمل نہیں دیکھا کہ اتنا کچھ ہم نے کہہ سنایا مگر تم متغیر تک نہ ہوئے آپ نے کہا یہ سب تمہاری برکت اور عنایت ہے پھر اپنے احباب سے فرمایا کہ اس واقعہ سے ہم کو راحت ہوئی۔ انہوں نے اپنے جی کی بھڑاس ہم پر اُتاری۔ دوسروں کے مقابلے میں ہم ہی زیادہ اسکے مناسب تھے۔ ممکن تھا کہ یہ باتیں وہ کسی اور سے کہتے اور وہ تحمل نہ ہوتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک یہودی مہمان ہوا۔ آپ نے اسے کھلایا پلایا اور سونے کا انتظام فرمایا تو جس حجرے میں انتظام فرمایا تھا باہر سے اس کی کنڈی لگا دی کہ صبح آکر کھول دیں گے۔ باہر سے کنڈی بند تھی اس لئے حجرے ہی میں بستر پر پاخانہ کر دیا۔ جب صبح ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنڈی کھولی تو یہودی فوراً کھسک گیا حضورؐ نے یہ حال دیکھا خود بنفسِ نفیس بستر اُٹھایا اور دھونے لگے صحابہؓ بڑھے اور اس خدمت کو انجام دینے کی درخواست کی تو فرمایا۔ نہیں بھائی وہ میرا مہمان تھا اس لئے بستر میں ہی دھوؤں گا۔ بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ یہ کرو کہ پانی ڈالدو چنانچہ صحابہ پانی ڈال رہے تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بستر دھو رہے تھے۔

ادھر جب مہمان کچھ دُور گیا تو اپنی تلوار یاد آئی جس کا دستہ سونے کا تھا۔ اب سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہیئے شرم و ندامت سے طبیعت رُکتی تھی کہ بُری حرکت کر کے آیا ہوں لوگ کیا کہیں گے اور حرص اور حبِ مال کا یہ تقاضا تھا کہ واپس چلنا چاہیئے ورنہ بہت نقصان ہو گا۔ بہرحال یہی غالب آیا اور گیا تو دیکھا کہ پیغمبر دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود اس کے پاخانہ کو دھو رہے ہیں وہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ لیا۔

اب دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے بھی بستر دھلا سکتے تھے مگر خود دھویا۔ سبحان اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے۔ اللہ اکبر

دوسرا واقعہ سُنئے، کسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک صحابی کو چھڑی سے آہستہ سے کونچ دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ اعلان فرمایا کہ کسی کا کچھ حق میرے ذمے ہو تو یہاں ہی لے لے اور اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یہاں ہی بدلہ لے لے۔ چنانچہ وہ صحابی نے کہا کہ فلاں موقع پر جناب نے چھڑی سے میرے بدن میں کونچ دیا تھا لہٰذا اس سے مجھے تکلیف پہنچی تھی اس کا بدلہ لوں گا۔ تو فرمایا کہ بخوشی تم کو اجازت ہے۔ صحابی نے فرمایا اسوقت میرے بدن پر کرتہ نہیں تھا اور آپ کرتہ پہنے ہوئے ہیں لہٰذا آپ اپنا کرتا اُتار دیجئے حضورؐ نے فوراً اپنا کرتہ اُتار دیا اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے صحابی نے بڑھ کر مہر نبوت چوم لی اور کہا میری کیا مجال ہے کہ بدلہ لوں۔ مگر میری مدت سے یہ خواہش تھی کہ مہر نبوت کو بوسہ دوں اس لئے ایسا کیا۔

اب غور فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی شان تھی کہ ایک اُمتی سے اس طرح معاملہ فرمایا۔ بیشک نبی کی یہی شان ہوتی ہے ان کے خوفِ آخرت کا یہی حال ہوتا ہے آپ یہی اسوۂ حسنہ چھوڑ کر ہم سے جُدا ہوئے۔ ہم اس پر جب تک عمل پیرا ہوں گے عافیت میں رہیں گے اور جب اسے چھوڑ دیں گے تو فساد و نزاع کے شکار ہو جائیں گے۔

اب تیسرا واقعہ سُنیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن سعنہ یہودی کا قرض دینا تھا وہ تقاضا کے لئے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کی چادر اتار لی اور کُرتا پکڑ کر سختی سے بولا کہ عبدالمطلب کی اولاد بڑی نادہندہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے جھڑکا اور سختی سے جواب دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسّم فرمایا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم کو مجھ سے اور اس سے دوسری طرح سے برتاؤ کرنا چاہیئے تھا۔ تم مجھے کہتے کہ ادائیگی ہونی چاہیئے اور اسے کہتے کہ تقاضا اچھے لفظوں میں کرنا چاہیئے پھر زید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جاؤ اس کا قرض ادا کرو اور بیس صاع زیادہ دینا کیونکہ تم نے اسے جھڑکا ہے۔

سبحان اللہ! کیسی تعلیم تھی اپنے اصحاب کو جس کی وجہ سے حضرات صحابہؓ اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔

ان واقعات میں ہمارے لئے بہت ہی عبرت ہے کہ ہمیں بھی ایسے مواقع پر ایسا ہی معاملہ کرنا چاہیئے اور لوگوں کو اسی قسم کی تعلیم کرنی چاہیئے۔ اگر آج ان باتوں پر عمل ہو تو پھر اصلاح عام ہو جائے اور دنیا جنّت کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے آمین:۔ (الحق)

اثرانگیز نماز باجماعت

مسیحیوں کے کیتھولک فرقہ کے مقتداءِ اعظم پوپ روم نے کچھ عرصہ قبل افریقی ممالک "ساحل العاج" کا دورہ کیا اس وقت (حسبِ روایت رسالہ الرسالہ) (دہلی) وہاں کی مسیحی حکومت نے ہدایت جاری کی تھی کہ تمام لوگ خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں پوپ کے استقبال کے لئے نکلیں۔ چنانچہ مسلمانوں کو بھی اس عمومی حکم کے تحت نکلنا پڑا۔ مسلمان دوسرے لوگوں کیساتھ میدان میں جمع ہوئے وہاں ظہر کا وقت آگیا۔

مسلمانوں نے وہاں بلند آواز سے اذان دی اور میدان میں جمع ہو کر باجماعت نماز ادا کی۔ پوپ نے باجماعت نماز کا منظر دیکھا تو اس پر بھی بہت اثر ہوا۔ پوپ نے کہا:

"جب تک مسلمانوں کے اندر یہ اتحاد اور اسپرٹ باقی ہے ہمارا وجود یہاں بالکل بے معنی ہے۔"

کاش نماز باجماعت کے اس اثر کا احساس مسلم لیڈروں میں بھی عام نظر آئے۔

● پاکستان کی ایک لیڈر خاتون نے گذشتہ ایام یہ بیان دیا تھا کہ "اراکین کے لئے صوم و صلوٰۃ کی پابندی بے معنی ہے........" آہ

؎ کس بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

جامعہ رشیدیہ ساہیوال

- جامعہ رشیدیہ صرف ایک ملی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک تعلیمی، تبلیغی تحریک ہے۔
- جامعہ رشیدیہ ماہرین علوم، طالبان تعلیمات کی دینی تربیت گاہ ہے۔
- جامعہ رشیدیہ عرصہ پون صدی سے زائد، اسلامی عربی، قرآن اور احادیث وفقہ حنفی کی خدمات سرانجام دے رہا ہے اور جامعہ سے ہزاروں افراد مستفیض ہو چکے ہیں اور استفادہ کر رہے ہیں۔
- جامعہ رشیدیہ پاکستان کے فوقانی مدارس میں ہر طرح سے قابل اعتماد درسگاہ ہے
- جامعہ رشیدیہ کے تعلیمی مسائل اور علمی امور کے لئے ماہرین علوم کے معائنہ و نتائج امتحانات ملاحظہ فرمائیں۔
- جامعہ رشیدیہ کا نظم ونسق، بہترین نمونے کا انتظام ہے حساب کتاب قابل اطمینان ہے۔
- جامعہ رشیدیہ کے تعلیمی کام اور انتظامیہ کو قریب سے دیکھنے کے لئے خود تشریف لائیے اور بچشم خود معائنہ فرمائیے۔
- جامعہ رشیدیہ وفاق المدارس العربیہ سے ملحق ومنظور شدہ اور حکومت کا مسلمہ خیراتی ادارہ اور انکم ٹیکس سے مستثنیٰ بموجب سرکلر حکومت پاکستان ۱۵سی-۱، (۱۴۵) آئی ٹی-بی-۶۰ مجریہ ۶۱-۲-۹ .
- جامعہ رشیدیہ کے سینکڑوں غریب الاوطان طلباء زکوٰۃ وصدقات چرمہائے قربانی کے مستحق اور عطیات کے بہترین مصرف ہیں۔
- جامعہ رشیدیہ کا ماہوار خرچہ ۹۰۰۰۰/- نوے ہزار روپے اور سالانہ تخمینہ نو لاکھ روپیہ (بجٹ) ہے۔
- طلبہ غریب الاوطان کے قیام، طعام، ملبوسات، کتب، ادویہ، علاج معالجہ اور نقد وظائف کا مدرسہ کفیل ہے۔ -/۱۴۰ من صرف گندم کا ماہانہ صرفہ ہے۔
- مستقل آمدن توکل علی اللہ۔ جامعہ کوئی مستقل سفیر ندارد۔ بغیر رسید مصدقہ کوئی چیز یا رقم ہرگز نہ دیجائے
- بیرون ملک اصحاب براہ راست مراسلات فرمائیں جامعہ کا اکاؤنٹ نمبر ۲۹۴ حبیب بنک غلہ منڈی ساہیوال۔

الداعی الی الخیر (پیرجی) عبدالعلیم رائپوری ○ ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال